ڈاکٹر محمد حمید اللہ

حیات۔ خدمات۔ مکتوبات

مُرتّبہ

محمد راشد شیخ

Marfat.com

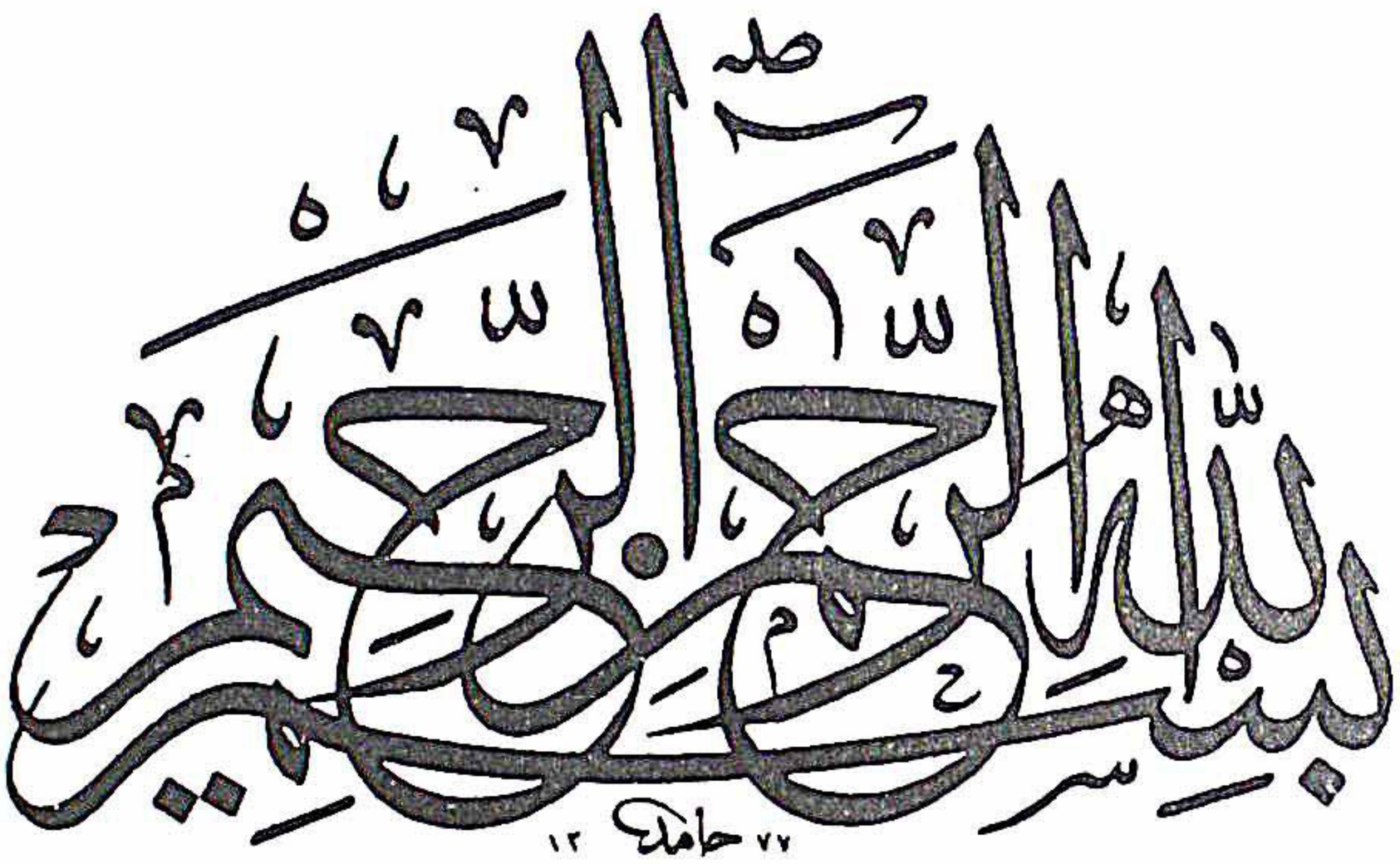

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

حیات۔ خدمات۔ مکتوبات

مُرتّبہ

محمد راشد شیخ

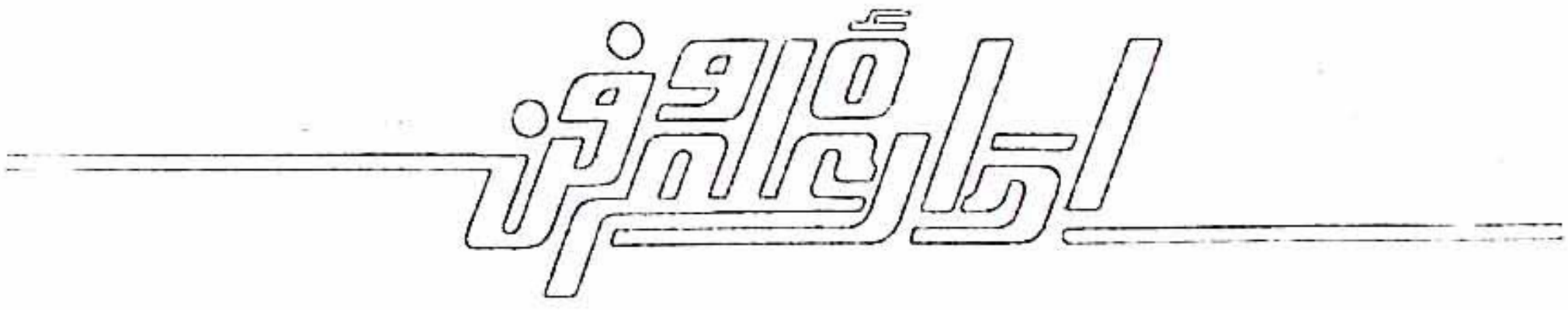
ادارۂ تحقیقات

Marfat.com

۲۹۷,۹۹۳۴
75 ح

جملہ حقوق محفوظ

۱۲۷۷۷۷

نام کتاب : ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ حیات، خدمات، مکتوبات

مرتب و مولف : محمد راشد شیخ

اشاعت : دوم (بعد تصحیحات و اضافات)

سنہ اشاعت : 2014ء

کل صفحات : 672

قیمت : 800/- روپے

ناشر : [illegible]

B-108 الفلاح، ملیر ہالٹ، کراچی-75210،

فون نمبر: 0331-2582148

ملنے کے پتے

فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی فون: 02132629724	ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی، فون: 02132639581
مکتبہ ء ندوہ اردو بازار کراچی، فون: 02132638917	مکتبہ ء رشیدیہ اردو بازار کراچی، فون: 02132767232
کتاب سرائے اردو بازار لاہور، فون: 04237320318	مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور، فون: 03214284784
الفتح پبلشرز راولپنڈی، فون: 03005192543	رائل بک کمپنی، کمیٹی چوک راولپنڈی، فون: 0515541452

Marfat.com

فہرست

عرضِ مرتب از محمد راشد شیخ 9

حرفے چند از ملک نواز احمد اعوان 13

احوالِ ذاتی

شجرہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرتبہ: محمد راشد شیخ 16

چہرہ نما ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال 17

ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ احمد عطاء اللہ 22

ذاتی حالات ڈاکٹر محمد حمید اللہ 37

پچیس سال پہلے کی باتیں ڈاکٹر محمد حمید اللہ 42

میری علمی اور مطالعاتی زندگی ڈاکٹر محمد حمید اللہ 47

آثارِ علمیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے آثارِ علمیہ کا اہم ترین ماخذ محمد راشد شیخ 51

اردو کتب 54

اردو مقالات 56

انگریزی کتب 80

انگریزی مقالات 81

عربی کتب 91

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: حیات، خدمات، مکتوبات

عربی مقالات 92

فارسی مقالات 96

خراجِ عقیدت (درحینِ حیات)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ نقوش وتاثرات — ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی 99

ڈاکٹر محمد حمید اللہ — تاثرات — حکیم محمد سعید 113

ایک عالم ایک محقق — شاہ بلیغ الدین 116

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ چند یادیں کچھ باتیں — ڈاکٹر عفان سلجوق 139

ڈاکٹر محمد حمید اللہ — محمد صلاح الدین 152

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ کچھ یادیں کچھ باتیں — شیخ حیدر (ایڈووکیٹ) 164

ڈاکٹر محمد حمید اللہ — ایم ایچ عسکری 173

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ایک ملاقات — سعید بن محمد باغزالی 181

سیرت نبویہ ﷺ مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ — ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ 185

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اخلاقِ حسنہ کا پرتو، جہد وایثار کی مثال — پروفیسر مرزا محمد منور 195

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ایک یادگار ملاقات — ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی 201

ڈاکٹر حمید اللہ — سید ضمیر جعفری 208

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک گفتگو — پروفیسر عبدالرحمٰن مومن 216

خراجِ عقیدت (بعد از وفات)

درویش صفت متبحر عالم — ڈاکٹر نثار احمد اسرار 225

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ترکی — ڈاکٹر نثار احمد اسرار 235

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ تین سال — ڈاکٹر محمد صابر 256

Marfat.com

استادِ محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم	اسرائیل احمد مینائی	272
ایسا کہاں سے لائیں کہ ''ان'' سا کہیں جسے	ڈاکٹر سید سلمان ندوی	279
ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ترکش مارا خدنگ آخریں	پروفیسر خورشید احمد	289
ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق	ڈاکٹر محمود احمد غازی	297
ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک مایہ ناز سکالر	الطاف حسن قریشی	312
آہ ۔ فاضل گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحلت فرما گئے	ضیاء الدین اصلاحی	316
دیارِ فرنگ کا مردِ مومن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	326
ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا وقتِ آخر	سدیدہ عطاء اللہ	332
ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عالمی تحریک اسلامی کا ایک گمنام محسن	پروفیسر افتخار احمد	337
مایہ ناز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ	ڈاکٹر حسن الدین احمد	345
ڈاکٹر حمید اللہ..... پیرس کی چند یادیں	ڈاکٹر احمد عبدالقدیر	350
مُوتُ العَالِمِ مُوتُ العَالَم	بشیر الدین احمد	356
عالم اسلام کے مایہ ناز محقق عصر	مظہر ممتاز قریشی	365
ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ مشاہدات و تاثرات	ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری	380
ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قیام ترکی کی یادیں	ڈاکٹر محمد یعقوب مغل	394
مردِ آفاقی	ڈاکٹر تحسین فراقی	401
ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ چند یادیں	امین اللہ وثیر	425
ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط مولانا ابوالوفا افغانی کے نام	مولانا محمد انوار احمد	432
ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ایک منفرد قرآنی خدمت	محمد راشد شیخ	439

Marfat.com

مکتوبات

مکتوب الیہ	تعداد مکتوبات	صفحہ نمبر
بنام مظہر ممتاز قریشی	134	449
حواشی بقلم مظہر ممتاز قریشی	-	540
بنام مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ	7	580
بنام مدیر ماہنامہ فاران، کراچی	3	589
بنام مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک	6	593
بنام ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	1	602
بنام ڈاکٹر نثار احمد اسرار	4	603
بنام شاہ بلیغ الدین	2	609
بنام اسرائیل احمد مینائی	1	612
بنام پروفیسر سید محمد سلیم	1	613
بنام خلیل الرحمٰن داؤدی	1	613
بنام معتمد مجلس تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ	2	614
بنام مولانا محمد بن موسیٰ میاں	1	621
بنام ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری	2	623
بنام ڈاکٹر خورشید رضوی	2	625
بنام ڈاکٹر احمد خان	18	627
بنام اہلیہ ڈاکٹر سیّد معین الحق	1	649
بنام مولانا محمد طاسین	1	650
بنام محمد سیف اللہ	1	651
بنام ڈاکٹر انعام الحق کوثر	1	653
بنام مولانا مجیب اللہ ندوی	1	655
بنام ڈاکٹر لئیق بابری	1	657
بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	2	658
بنام پروفیسر عبدالرحمٰن مومن	3	659
بنام خواجہ عبدالوحید	1	663
بنام پروفیسر سعید الظفر چغتائی	4	665
بنام محمد عالم مختار حق	1	670

Marfat.com

عرض مرتّب

نامور محقق اور عالم علومِ اسلامیہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا انتقال مورخہ ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو امریکا کے شہر جیکسن ول میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا انتقال صرف ایک انسان کا گزر نا نہیں بلکہ دراصل یہ ایک طویل اور علمی خدمات سے بھرپور عہد کا بھی خاتمہ تھا۔ وہ برصغیر پاک و ہند کے محققین اور علماء کی اس نسل کے آخری فرد تھے جنہوں نے اپنی علمی و دینی خدمات کی وجہ سے نہ صرف برصغیر پاک و ہند میں وقار حاصل کیا بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی جن کا نہ صرف احترام ہے بلکہ انہیں سند کا درجہ حاصل ہے۔

عاجز راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کا نام بچپن ہی سے سن رکھا تھا اور ان کی بعض تصنیفات کے مطالعے کا موقع بھی ملا لیکن ان کی پہلی زیارت مئی ۱۹۹۲ء میں ان کے دورۂ کراچی کے موقع پر ہوئی۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب کی تصویر بھی کہیں نظر نہ آئی تھی۔ معلوم ہوا ڈاکٹر صاحب تصویر کشی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ اس شخص کے تقویٰ اور پرہیز گاری کا عالم تھا جس نے تقریباً ساری زندگی مغربی تہذیب کے مرکز پیرس میں خاموش دینی و علمی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔ کراچی کے ایک دینی مدرسے میں ڈاکٹر صاحب کی پہلی مرتبہ زیارت ہوئی اور راقم کی گزارش پر ڈاکٹر صاحب نے 'خطباتِ بہاولپور' پر اپنے قلم سے ایک یادگار تحریر بھی لکھی تھی۔ انھی دنوں راقم کے ذہن میں سب سے پہلے ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر ایک کتاب لکھنے کا خیال آیا تھا اور یہ نقطۂ آغاز تھا ان سے متعلق مواد کی جمع آوری کا لیکن اس وقت تک اس بات کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ کتاب کی شکل کیا ہو اور اس کے مشمولات کیا کیا ہوں۔ کتاب کا ابتدائی خاکہ راقم کے ذہن میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ مرحوم سے ایک یادگار ملاقات کے بعد آیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ عموماً عبقری شخصیات کے انتقال کے بعد لوگ ان کی سوانح لکھتے ہیں لیکن ان کے بارے میں ایسی کتب بھی مرتب اور

Marfat.com

شایع کرنے کی ضرورت ہے جو ان پر کام کرنے والوں اور آئندہ نسلوں کے لیے مجموعہء معلومات ثابت ہوں۔ڈاکٹر بلوچ مرحوم نے ایسی کتاب کے لیے انگریزی الفاظ Source Book استعمال کیے تھے۔اس کے بعد ہی راقم نے فیصلہ کیا تھا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے بارے میں ایک ایسی ہی کتاب مرتب کی جائے۔اس کتاب کا اولین ایڈیشن آج سے ٹھیک دس سال قبل پروفیسر افتخار احمد مرحوم کے ادارے المیز ان پبلشرز فیصل آباد کی جانب سے ۲۰۰۳ء میں شایع ہوا تھا۔اس کی اشاعت کی خاطر میرے محترم اور مخلص بزرگ ملک نواز احمد اعوان صاحب نے بھی بہت کوشش کی تھی۔نواز اعوان صاحب اسم با مسمیٰ بزرگ ہیں۔انھوں نے ساری زندگی دوسروں کو نوازنے اور ان کی علمی معاونت کرنے میں صرف کی ہے۔راقم کی گزارش پر پیش نظر ایڈیشن کے لیے انھوں نے حرفے چند دوبارہ تحریر فرمایا جو نذر قارئین ہے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت عطا فرمائے کیونکہ فی زماننا ان جیسے مخلص، شفیق اور علمی منصوبوں میں بھرپور حوصلہ افزائی کرنے والے بزرگ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔

الحمد للہ اشاعت اول کے بعد پاک و ہند کے علمی حلقوں میں کتاب بے حد پسند کی گئی اور یہاں تک کہا گیا کہ یہ کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی حیات اور ان کی خدمات سے متعلق معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اس کتاب کی اولین طباعت کے وقت ہمارے درمیان تین محترم بزرگ موجود تھے جن کی یاد آج بے اختیار آ رہی ہے۔ان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے شاگرد جناب مظہر ممتاز قریشی مرحوم نے راقم کی نہ صرف ہر ہر مرحلے پر حوصلہ افزائی کی، ان کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم کیں بلکہ راقم کی گزارش پر ڈاکٹر صاحب کے ان کے نام خطوط پر مفصل حواشی بھی تحریر فرمائے تھے اور چار غیر مطبوعہ خطوط بھی عنایت فرمائے تھے۔ان کے علاوہ آج ہمارے درمیان ڈاکٹر نثار احمد اسرار اور ڈاکٹر محمد صابر بھی موجود نہیں جنھوں نے بخوشی راقم کی گزارش پر ڈاکٹر صاحب سے متعلق معلومات افزا مضامین تحریر فرمائے تھے۔

جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے پیش نظر ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب مرحوم سے

Marfat.com

متعلق بہت سی نئی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ راقم ان تمام بزرگوں کا تہ دل سے مشکور ہے جنھوں نے ڈاکٹر صاحب سے متعلق مضامین یا ان کے نام خطوط کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی یا کسی بھی طرح کتاب کی اشاعت میں معانت کی، خصوصاً ڈاکٹر محمد یعقوب مغل، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، ڈاکٹر احمد خان، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، سید معراج جامی و دیگر حضرات۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا پیش نظر کتاب کی اشاعت کو دس سال ہو چکے۔ اس دوران راقم ملازمت کی مجبوریوں اور مختلف مقامات پر تعیناتی کی بنا پر دوسرا ایڈیشن تو شایع نہ کر سکا لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے بارے میں معلومات برابر جمع کرتا رہا۔ تقریباً دو سال قبل لاہور میں مقیم ایک محترم بزرگ (جنھوں نے نام شایع کرنے سے معذوری ظاہر فرمائی ہے) سے اولین تعارف ہوا۔ انھیں کسی ذریعے سے علم ہوا کہ راقم کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم پر کتاب شایع ہو چکی ہے۔ انھوں نے ایک نسخہ منگایا جواباً راقم نے واحد موجود نسخہ روانہ کیا اور یہ بھی گزارش کی کہ راقم کے پاس صرف یہی نسخہ ہے۔ ان محترم بزرگ نے کتاب حرف بہ حرف پڑھی اور اس کی بے حد تعریف کی۔ بعد از مطالعہ انھوں نے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت پر اصرار کیا اور اس مد میں اخراجات میں معاونت کی پیشکش بھی کی۔ راقم کے لیے یہ ایک بالکل نئی اور غیر متوقع صورتحال تھی۔ بالآخر راقم نے اس شرط پر یہ پیشکش قبول کی کہ اشاعت کے بعد مطلوبہ نسخے انھیں فراہم کیے جائیں گے۔ دنیا ابھی نیک لوگوں سے خالی نہیں ہوئی اور راقم نے ان محترم بزرگ کو انھی لوگوں میں پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ان پاک باز انسانوں میں شامل تھے جنھوں نے زندگی کا مقصد پا لیا تھا۔ ان کی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان پر ایک تو کیا دس کتابیں بھی کم ہوں گی۔ امید ہے پیش نظر کتاب کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم پر مزید معیاری کتب شایع ہوں گی۔ اگر پیش نظر کتاب سے متعلق قارئین کوئی مشورہ دے سکیں تو راقم ان کا ممنون ہوگا۔

محمّد راشد شیخ

مورخہ ۲/جولائی ۲۰۱۳ء

الفلاح ہاؤسنگ پروجیکٹ، ملیر ہالٹ کراچی

Marfat.com

ناچیز گناہگار

محمد حمید اللہ

کراچی

۴۵/۹۲

باستقبال

پانزدہم صدی ہجری

خُطباتِ بہاولپور

'خطبات بہاولپور' کا مرتب کا ذاتی نسخہ اور اس پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی قلمی تحریر

Marfat.com

حرفے چند

بہمنی سلطنت کے عالم فاضل وزیر اعظم خواجہ عماد الدین محمود گاواں کے کلماتِ حکمت میں سے درج ذیل مقولہ بھی ہے:

"مقاصد کے حصول کا انحصار فہم وفراست پر، اعلیٰ مرتبے کے حصول کا انحصار علم پر اور کردار کی پاکیزگی کا انحصار طرزِ زندگی پر ہے"۔

اگر کوئی اس کلمہ حکمت کو متشکل دیکھنا چاہے تو وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت میں دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی فہم وفراست کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے مغرب کے علمی قلب میں رہائش اختیار کی اور وہاں جم کے بیٹھ گئے اور اپنی پوری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کر دی۔ ان کی تبلیغ سے ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ایک اہل علم نے ان کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے فرانس میں رہنے والے سابق فرانسیسی کالونیوں کے مسلمانوں اور فرانسیسی بولنے اور سمجھنے والے مسلمانوں کی دامے درمے سخنے ہر طرح سے مدد اور خدمت کی جس میں نکاح خوانی سے لے کر درس قرآن تک کی خدمات شامل ہیں۔ دوسرے انہوں نے ترک مسلمانوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ ان کی زندگی کا یہ شعبہ تفصیلی تحقیق کا متقاضی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی وفات کا سب سے زیادہ ماتم ترکی میں ہی کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا جو نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کیا تھا اور جو نصب العین اپنی حیات کا چنا تھا اس پر فہم وفراست، استقامت، شجاعت اور یقین کامل سے عمل پیرا رہے اور اس سلسلے میں انہوں نے عمل کا حیرت انگیز قابل عمل نمونہ چھوڑا ہے۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے انہوں نے تحقیق میں ایسا نام اور مقام حاصل کیا کہ مشرق ومغرب کے اہل علم کے نزدیک اتھارٹی تسلیم کئے جاتے تھے۔ رہی کردار کی پاکیزگی تو انہوں نے اس دور جدید میں اور یورپ کے مرکز فسق وفجور میں رہتے ہوئے بھی صلحائے امت کی مثالی زندگی گزاری۔ وہ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ اللہ جل شانہٗ

Marfat.com

نے ان کو تعقل و توکل اور علم کے ساتھ حلم کی بیش قیمت نعمتوں سے نوازا تھا۔ اپنی منتخب کردہ راہ پر جس ثابت قدمی سے اور مسلک تسلیم و رضا پر چلتے رہے وہ کچھ انہی کا حصہ تھا:

تسلیم و رضا مسلک اربابِ وفا ہے
ثابت قدمی بندۂ کامل کی ادا ہے

ان کی وفاتِ حسرت آیات پر دنیا کے علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی اور ان کی جدائی کو شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔ ان کی یاد میں جگہ جگہ ریفرنس منعقد اور مختلف زبانوں کے علمی رسالوں کے خاص نمبر اور کتب شائع ہونا شروع ہو گئیں۔ حق یہ ہے کہ اس قسم کی علمی شخصیات کو یاد کرنا اور یاد رکھنا خود اپنی زندگی کا ثبوت دینا ہے۔ یہی لوگ پہاڑی کا چراغ اور زمین کا نمک ہوتے ہیں انہی سے قومیں عزت پاتی ہیں اور انہی سے علوم کی غیر منکشف وادیاں انساں کے حیطہ اختیار میں آتی ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جب جیتی ہیں تو مرتی ہیں اور جب مرتی ہیں تو جیتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے یہ کتاب ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' کے نام سے ہمارے دوست محمد راشد شیخ صاحب نے بڑی محنت سے مرتب کی تھی۔ اسے پروفیسر افتخار احمد مرحوم نے المیزان پبلشرز فیصل آباد سے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا تھا۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا اور مانگ برابر جاری رہی۔ راشد صاحب شدید ملازمتی مجبوریوں کی بنا پر اس کا دوسرا ایڈیشن شائع نہ کر سکے لیکن دوسرے ایڈیشن کے لیے مواد برابر جمع کرتے رہے۔ مقام مسرت ہے کہ اب وہ دوسرا ایڈیشن مفید اضافوں کے بعد شائع کرنے جا رہے ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ اب یہ کتاب پہلے سے زیادہ جامع اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم سے متعلق خزینۂ معلومات ثابت ہو گی۔

اللہ پاک سے دعا ہے وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے۔ اگر ان سے کوئی کوتاہیاں ہوئی ہوں تو ان سے درگزر فرمائے اور ان کو مقامات علیّین سے نوازے۔ آمین

ملک نواز احمد اعوان

795/C II, PECHS, Karachi-75400

Marfat.com

اَحوالِ ذاتی

Marfat.com

شجرہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مولوی محمد غوث شرف الملک — پیدائش: ۱۷؍رمضان ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۷۵۳ء

دیوان ریاست کرناٹک — وفات: ۱۱؍صفر ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۲ء

- مولانا حاجی قاضی محمد صبغت اللہ قاضی بدرالدولہ — ولادت: ۵؍محرم ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۷۸۶ء، وفات: ۲۵؍محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء
  - حاجی محمد عبداللہ
  - حاجی محمد غوث
  - رضی الدین مرتضیٰ
  - حاجی نظام الدین احمد
  - حاجی ناصرالدین عبدالقادر
  - مفتی محمد سعید خان بہادر
  - پہلی اہلیہ محترمہ فاطمہ بیگم کے بطن سے
    - ابوالمکارم حاجی حکیم محمد اسماعیل
    - ابراہیم (بچپن میں وفات)
    - دوسری اہلیہ محترمہ حسینہ بیگم کے بطن سے
      - حاجی ابواحمد حسین عطاء اللہ
      - حاجی احمد مدنی
      - حاجی مفتی محی الدین محمود
      - شمس العلماء حاجی قاضی عبید اللہ
      - حسن فضل اللہ (وفات بعمر تین سال)
      - حاجی ابومحمد خلیل اللہ — پیدائش: ۲۵؍ربیع الاوّل مطابق ۱۸۵۷ء، وفات: ۱۶؍رمضان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء
        - تیسری اہلیہ محترمہ آمنہ بیگم کے بطن سے
        - **محمد حمید اللہ** — پیدائش: ۱۶؍محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹؍فروری ۱۹۰۸ء بمقام کلل منڈی حیدرآباد (دکن)؛ وفات: شوال ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۷؍دسمبر ۲۰۰۲ء بمقام جیکسن ویل (فلوریڈا) امریکا؛ عمر (قمری): ۹۷ برس، عمر (شمسی): ۹۴ برس
        - غلام احمد (بچپن میں وفات)
        - محمد حبیب اللہ
          - محمد عبید اللہ
        - محمد صبغت اللہ
          - احمد عطاء اللہ
            - سدیدہ عطاء اللہ
            - محمد عرفان خلیل اللہ
            - ابوسعید صبغت اللہ (ریحان)
          - محمد سیف اللہ
          - محمد خلیل اللہ
            - غضنفر صبغت اللہ
            - حفیظ رضی الدین
    - مولوی حاجی عبدالوہاب — مدارالامراء دیوان کرناٹک
    - نظام الدین احمد (بچپن میں وفات)

Marfat.com

چہرہ نما

محقق عصر ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مرتبہ: ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال

۱) نام: محمد حمید اللہ

۲) تاریخ پیدائش: ۱۶ر محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء

۳) مقام پیدائش: کٹل منڈی (روبرو مکان درگاہ حضرت حبیب علی شاہ) حیدر آباد دکن۔

۴) والدہ کا نام: بی بی سلطان

۵) والد کا نام: حاجی ابو محمد خلیل اللہ، مددگار معتمد مال گزاری و دوم تعلقدار (مولوی خلیل اللہ صاحب مشرقی تہذیب و تمدن کا ایک مکمل نمونہ اور مشرقی علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ بڑی برگزیدہ شخصیت کے مالک تھے۔ متعدد کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں گلدستہ معرفت، تحفۃ الخلان فی مسائل الاسلام والایمان، تحفۃ الاطفال، رہنمائے تربیت اور عزیز العرف قابل ذکر ہیں۔ ۱۶ر رمضان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء کو حیدر آباد دکن میں انتقال ہوا۔ درگاہ یوسفین میں مدفون ہوئے)۔

۶) بھائیوں کے نام: ۱) محمد صبغۃ اللہ مرحوم نائب ناظم محکمہ بندوبست حکومت حیدر آباد
۲) محمد حبیب اللہ مرحوم مددگار ناظم محکمہ بندوبست حکومت حیدر آباد
۳) محمد غلام احمد بچپن میں انتقال ہوگیا۔

Marfat.com

۷) بہنوں کے نام: ۱) امتہ العزیز بیگم ۲) امتہ الوہاب بیگم
۳) امتہ رقیہ بیگم ۴) امتہ الصمد حبیبۃ الرحمٰن

۸) چچاؤں کے نام: ۱) حاجی محمد عبداللہ، صدارت خان بہادر
۲) حاجی محمد غوث، اعانت خان بہادر
۳) رضی الدین مرتضیٰ، بچپن میں انتقال ہوگیا۔
۴) حاجی نظام الدین احمد، منفذ جنگ بہادر
۵) حاجی ناصر الدین عبدالقادر امیر نواز جنگ
۶) مفتی محمد سعید خان بہادر

(قاضی بدرالدولہ کی پہلی بیوی محترمہ فاطمہ بیگم کے بطن سے)

۱) ابوالمکارم حاجی حکیم محمد اسمٰعیل
۲) ابراہیم، ولادت کے ایک ہفتہ بعد انتقال ہوگیا۔

(قاضی بدرالدولہ کی دوسری بیوی حسینہ بیگم کے بطن سے)

۱) حاجی ابواحمد حسین عطاء اللہ
۲) حاجی احمد مدنی
۳) حاجی مفتی محی الدین محمود
۴) شمس العلماء حاجی قاضی عبید اللہ
۵) حسن فضل اللہ، تین سال کی عمر میں وفات پائی۔

(قاضی بدرالدولہ کی تیسری بیوی آمنہ بیگم کے بطن سے۔ ان کے سب سے چھوٹے بیٹے ابو محمد خلیل اللہ صاحب، والد محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ تھے)

۹) دادا کا نام: مولانا حاجی قاضی محمد صبغتہ اللہ جو قاضی بدرالدولہ کے خطاب سے مشہور ہیں۔

Marfat.com

(سرکاری دفاتر اور کاغذات میں ان کے نام کے ساتھ امام العلماء، قاضی الاسلام، قاضی الملک، منصف الدولہ، داد رس خان بہادر، مستعد جنگ، قاضی محکمہ عالیہ سرکار نواب کرناٹک خادم شریعت غرا کے پرشوکت خطابات استعمال کئے جاتے تھے لیکن آپ اپنے ابتدائی معزز خطاب بدر الدولہ سے زیادہ مشہور ہیں۔ جنوبی ہند کی ادبی تاریخ میں قاضی بدر الدولہ کا بہت ہی اونچا مقام ہے۔ وہ عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایہ عالم تھے، انھوں نے ۲۹ کتابیں عربی میں ۲۴ فارسی میں اور ۱۴ کتابیں اردو میں لکھی ہیں۔ ان کا ۲۵ر محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۳ر جولائی ۱۸۶۳ء کو مدراس میں انتقال ہوا۔ مسجد والا جاہی کے احاطہ میں مدفون ہیں۔

۱۰) دادا کے بھائی: ۱) مولوی حاجی عبدالوہاب مدار الامراء، دیوان ریاست کرناٹک۔
(مولوی عبدالوہاب مدار الامرا، مدبر الممالک، مختار الدولہ وزارت خان بہادر ارسطو جنگ کے ممتاز خطابات سے سرفراز تھے۔ انھوں نے سرکاری دفتری مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ سولہ عربی فارسی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ فن حدیث و اصول اور رواۃ کے ماہر اور فن جرح و تعدیل رواۃ کے امام مانے جاتے تھے۔ ۲۶ر جون ۱۸۶۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔

۲) نظام الدین احمد۔ بچپن میں انتقال ہو گیا۔

۱۱) پردادا کا نام: مولوی محمد غوث شرف الملک، دیوان ریاست کرناٹک۔
مولوی محمد غوث شرف الملک شرف الدولہ غالب جنگ کے معزز خطابات سے سرفراز تھے۔ انھوں نے عربی و فارسی میں ۳۱ کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں نثر المرجان فی رسم نظم القرآن ایک معرکۃ الآراء عربی کتاب ہے جو سات ضخیم جلدوں میں حیدرآباد

Marfat.com

سے چھپی ہے۔ آپ کا ۱۱ر صفر ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء کو مدراس میں انتقال ہوا۔

۱۲) تعلیم:

۱) مولوی کامل — جامعہ نظامیہ حیدرآباد
۲) ایم اے (فقہ) — عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد) ۱۹۳۰ء
۳) ایل ایل بی — عثمانیہ یونیورسٹی ۱۹۳۰ء
۴) ڈی فل — بون یونیورسٹی (جرمنی) ۱۹۳۲ء
۵) ڈی لٹ — سوربون یونیورسٹی (پیرس) ۱۹۳۳ء

۱۳) ملازمت: ڈی لٹ کرنے کے بعد جنوری ۱۹۳۵ء تک بون یونیورسٹی (جرمنی) میں اعزازی ریڈر قانون رہے۔ ۱۴ر فروری ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر صاحب حیدرآباد لوٹے، ابتداءً شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی میں لیکچرار مقرر ہوئے لیکن چند ماہ بعد شعبہ قانون میں قانون بین الممالک وغیرہ پڑھانے کے لئے بحیثیت ریڈر منتقل کر دیئے گئے۔ ۱۹۴۸ء تک وہ شعبہ قانون عثمانیہ یونیورسٹی سے وابستہ رہے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حکومت حیدرآباد کے سرکاری وفد کے ایک ممبر ماہر قانون بین الممالک کی حیثیت سے پریوی کونسل پیرس میں حکومت حیدرآباد کا مسئلہ پیش کیا۔ پھر کبھی حیدرآباد نہیں گئے۔ پیرس میں مستقل سکونت اختیار کر لی، وہاں بیس سال تک نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے وابستہ رہے۔ ساتھ ہی جرمنی، پیرس اور ترکی کی جامعات میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

۱۴) تصانیف: مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۷۴ ہے۔ اس کے علاوہ اردو، عربی، ترکی، انگریزی، فرنچ، جرمن وغیرہ میں مقالات کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا سب سے عظیم کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر ہے جس کے اب تک بیس (۲۰) سے

Marfat.com

زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہر ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا ہے اور چند دنوں میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے۔ فرانسیسی ہی میں سیرت طیبہ پر دو جلدیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ انگریزی میں ''محمد رسول اللہ'' نامی کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک معلومات آفرین کتاب "Introduction to Islam" ہے جو اب تک ۲۲ زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب ہر طبقہ میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ اردو کتابوں میں عہد نبوی کے میدان جنگ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی، عہد نبوی کا نظامِ تعلیم، رسولؐ اللہ کی سیاسی زندگی، امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی، صحیفہ ہمام بن منبہ، قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں، قانون بین الممالک، اسلامی قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقاء، خطبات بہاولپور اور ترجمہ مقالات و خطبات گارسان دتاسی مشہور کتابیں ہیں۔

وفات: ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء بروز منگل بمقام جیکسن ول، فلوریڈا، امریکہ بوقت ۱۱ بجے دن۔

تدفین: ۱۸ر دسمبر ۲۰۰۲ء بروز بدھ بمقام Chapal Hill قبرستان، فلوریڈا، امریکہ۔

Marfat.com

ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ

از احمد عطاء اللہ

جناب احمدعطاء الله صاحب ، ڈاکٹر محمد حمید الله مرحوم کے بھتیجے ھیں. ان کا یه مفید مضمون رساله انوار نظامیه، جامعه نظامیه حیدر آباد دکن میں شائع هوا تھا. اس مضمون میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے اجداد کے علمی کارناموں اور ڈاکٹر صاحب کی علمی خدمات پر مفید روشنی ڈالی ھے. جناب ریاض الدین صاحب کے توسط سے جناب احمد عطاء الله صاحب نے همیں یه مفید مضمون بغرضِ اشاعت بھیجا جس کے لئے هم دونوں محترم حضرات کے تہِ دل سے مشکور ھیں. (مرتب)

چچا محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے علمی کارناموں کا ذکر کرنے سے پہلے ان کے اجداد کے علمی اور ادبی کارناموں کو مختصراً بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں، کیونکہ اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ کم از کم سترہ (۱۷) پشتوں سے مسلسل سرزمین ہند میں مذہب اسلام کی خدمت کو اس خانوادہ نے اپنا شعار بنائے رکھا ہے۔

سرزمین ہند میں اس خاندان کے جد اعلیٰ مخدوم فقیہ عطاء احمد شافعی ہیں۔ آپ سرزمین عرب سے یہاں آئے اور یہیں بود و باش اختیار کی۔ آپ کا مزار ساحل گجرات میں کچھ کے مقام پر ہے۔ آپ کے بعد اس خاندان کے افراد نے تلاشِ روزگار میں جنوب کی طرف رخ کیا۔ گوا، بیجاپور، آرکاٹ، مدراس اور حیدرآباد کو اپنا مسکن بنایا۔ تقسیم ہند کے بعد اس خانوادہ کے بعض افراد افریقہ اور عربستان کو ہجرت کر گئے اور اب اعلیٰ تعلیم اور حصول معاش کے سلسلہ میں ہندوستان کے باہر مختلف مقامات پر سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے تمام اجداد کے علمی کارناموں کے بارے میں اظہار خیال اس وقت تو

۱۲۷۷۷۷
Marfat.com

ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ مختصر مضمون اتنی طوالت کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لئے میں صرف ڈاکٹر صاحب کے پڑدادا مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر کی حیات و علمی کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے بیٹوں اور پوتوں کے حالات پر اکتفا کر رہا ہوں۔

مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر ۱۷ رمضان المبارک ۱۱۶۶ھ میں ارکاٹ میں پیدا ہوئے۔ پہلے علم حدیث وفقہ کی تعلیم اپنے دادا نظام الدین احمد صغیر سے حاصل کی۔ ان کے انتقال کے بعد رامنات روانہ ہوئے جہاں مشہور عالم دین مولوی امین الدین احمد خان بہادر سے فیض حاصل کیا۔ آپ وہاں چار سال تک نہ صرف تعلیم حاصل کرتے رہے بلکہ ان کی اور دوسروں کی تصانیف کو نقل بھی کرتے رہے۔ علم مناظرہ کی مشہور کتاب الآداب الباقیة فی شرح الرسالة التوبعية لعبد الباقی بن غوث الاسلام الصدیقی کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور اس کو سبقاً سبقاً مولوی امین الدین صاحب سے پڑھا۔ جب سنہ ۱۱۹۵ھ میں مولوی امین الدین صاحب خان بہادر کا انتقال ہو گیا تو آپ نے مولوی ولی اللہ بن محمد عبدالعظیم الباری سے جو ترچناپلی میں رہتے تھے، تصوف اور سلوک کی تعلیم حاصل کی، اور پھر مدراس واپس آ کر مولانا الشیخ ملک العلماء عبدالعلی بحر العلوم کے زمرہ شاگردان میں داخل ہوئے۔ مدراس میں آپ نواب امیر الامراء ابن نواب والا جاہ رئیس کرناٹک کی رفاقت میں تھے اور نواب صاحب کے فرزند عظیم الدولہ کو تعلیم دیتے تھے۔ آپ کے والد ناصر الدین محمد کی وفات کے بعد آپ کو داروغہ عدالت یعنی منفذ احکام شریعت کی خدمت پر مستقل مامور کیا گیا۔ جب نواب عمدۃ الامراء کا عہد آیا تو آپ خدمت مذکور اپنے بھائی کے سپرد کر کے سدھوٹ پہنچے اور وہاں سے سنہ ۱۲۱۳ھ میں حیدر آباد پہنچے اور میر عالم ارسطو جاہ سے ملاقات کی لیکن ملازمت حاصل نہ ہو سکی۔ ایک اہل عرفان نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ ''تمہارا یہاں کوئی مقام نہیں ہے'' آپ یہاں سے نکل کر اودگیر پہنچے اور وہاں ایک سال قیام کیا۔ آپ کے شاگرد نواب عظیم الدولہ نے آپ کو مدراس آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ یکم جمادی الاول ۱۲۱۶ھ کو مدار المہامی کی خدمت تفویض کر کے ایک سو تیس روپے تنخواہ مقرر کی اور ۱۷ ذی قعدہ ۱۲۱۹ھ کو ''شرف الملک شرف الدولہ مولوی محمد غوث خان بہادر غالب

Marfat.com

جنگ'' کا خطاب عنایت کیا۔ آپ اس ملازمت پر زیادہ دن فائز نہ رہے اور ۱۱ر رمضان المبارک ۱۲۲۳ھ کو خدمت سے استعفیٰ دے کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ انگریزوں نے آپ کو ایران میں سفیر بنا کر بھیجنا چاہا لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔ نواب عظیم الدولہ اور انگریزوں کے درمیان آپ ہی کے توسط سے گفت وشنید ہوا کرتی تھی۔ نواب عظیم الدولہ نے کسی خاص کام کے سلسلہ میں آپ کو ایک لاکھ روپے انعام دینا چاہا تو آپ نے رقم کی بجائے قاموس فیروز آبادی کا نسخہ مانگ لیا جو آج بھی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ کو محمد بن الشیخ حجر الشافعی نے صفحہ صفحہ سطر سطر کر کے اصل نسخہ سے مقابلہ کیا ہے۔ شریف مکہ کی جانب سے یہ نسخہ سلطان روم کو بطور تحفہ دیا گیا تھا وہیں سے یہ نسخہ اورنگ آباد اور پھر کتب خانہ والا جاہی میں مولانا آزاد بگرامی کے ذریعہ پہنچا۔

شرف الملک کا انتقال ۱۱ر صفر ۱۲۳۸ھ کو ہوا اور مسجد والا جاہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی کئی تصانیف بزبان عربی و فارسی ہیں جن میں سے چند طبع ہوئی ہیں: نثر المرجان فی رسم نظم القرآن (سات جلدوں میں مطبوعہ)، نهور الفوائد و بحور الفرائد فی الفرائض (مطبوعہ)، فوائد البصوفية شرح الفرائض الرحبيه، سواطع الانوار فی معرفة اوقات الصلاة والاسحار، بسط اليدين لاكرام الابوين، ارجوزة فی القاب سيدنا على كرم الله وجهه، كفاية المبتدی فی فقه الشافعی، زواجر الارشاد الی اهل دار الجهاد، تعليقات على مختصر ابی شجاع، تعليقات شرح قطر الندی، مسائل فی فقه الشافعی، زواجر الارشاد الی اهل دار الجهاد، تعليقات علىٰ مختصر ابی شجاع، تعليقات شرح قطر الندیٰ، مسائل فی فقه الشافعی، كافی مختصر كافيه، حواشی قاموس، شافی شرح كافی النحو، النجم الوقاد شرح قصيدة بانت سعاد، وسائل التبركات شرح دلائل الخيرات۔

(فارسی مطبوعہ): انہار المفاخر فی مناقب سیّدنا عبد القادر، بسائم الازہار فی الصلوٰۃ علی سیّد الابرار، خلاصۃ البیان شرح عقیدہ عبد الرحمٰن جامی، برہان الحکمہ ترجمہ ہدایۃ الحکمہ (غیر

Marfat.com

مطبوعہ)، یواقیت المنشورۃ فی الاذکار الماثورۃ، ہدایۃ الفوی الی النہج السوی فی طب النبی، خواص الحیوان، رشحات الاعجاز فی تحقیق الحقیقہ والمجاز، رسالہ در رد خواجہ کمال الدین خان، آمدن، برہان الحکمت ترجمہ ہدایۃ الحکمت، فتاویٰ ناصریہ فی فقہ حنفیہ، زبدۃ العقائد، سہام الناقرۃ فی عیون الناظرۃ۔ (اردو): رسالہ فقہ در مذہب حنفی۔

آپ کے بڑے فرزند مولوی عبدالوہاب مدار المہام دیوان ریاست کرناٹک تھے۔ نصیر الدین ہاشمی صاحب انھیں کی اولاد سے ہیں۔ دیوان صاحب ۵ جمادی الاول ۱۲۰۸ھ کو مدراس میں پیدا ہوئے اور ۵ ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ کو انتقال ہوا۔ عربی اور فارسی کی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ محمد غوث شرف الملک کے دوسرے صاحبزادے محمد صبغت اللہ قاضی الملک بدر الدولہ ہیں جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے دادا ہیں۔ قاضی بدر الدولہ ۵ محرم ۱۲۱۱ھ میں مدراس میں تولد ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں حافظ حبیب اللہ مرحوم کے پاس قرآن مجید کے ناظرہ کی تکمیل کی اور کئی عالموں سے علم حاصل کیا۔ تبرکاً میزان الصرف مولانا عبدالعلی بحر العلوم کے پاس پڑھ کر دوسرے عالموں سے فیض حاصل کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ بدر الدولہ ایک عالم ہی نہیں بلکہ سماجی مصلح بھی تھے، اپنے خاندان میں رائج شادی کی بے جا رسومات کو بند کرایا، بینڈ باجا، آتش بازی، سانچق، چوتھی، وغیرہ ان تمام فضولیات کو روک دیا اور سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے نکاح اور ولیمہ پر افراد خاندان کو اکتفاء کرنے پر پابند کیا جس پر آج تک عمل ہوتا آرہا ہے۔ آپ ایک حاذق طبیب بھی تھے، عام اطباء جو مغربی طب سے ناواقف تھے اور ادویہ کے استعمال سے عاری تھے، آپ نے نئی ادویہ کو داخل مطب کیا اور طب یونانی و انگریزی کو ملانے اور عام کرنے کا عمل شروع کیا۔ اس طرح دہلی میں اس کو شروع کرنے سے نصف صدی پیشتر آپ نے اس کو مدراس میں شروع کیا تھا۔

آپ کو فن ہیئت (فلکیات) سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ جدید ہیئت کے مسائل سے جو اس وقت نئے نئے ہندوستان پہنچ رہے تھے، واقفیت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے۔ اوقات صلوٰۃ، سمت قبلہ، طلوع و غروب آفتاب، فن اصطرلاب وغیرہ سے آپ کما حقہ

Marfat.com

واقف تھے۔ آپ نواب اعظم جاہ ابن نواب عظیم الدولہ کی رفاقت میں رہے۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو عظیم نواز خان بہادر نے ''معتبر جنگ'' کے خطاب سے نوازا۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۶۰ھ کو قضاءت کی خدمت اور ''قاضی الملک، منصف الدولہ، معدلت خان بہادر، مستعد جنگ، خادم شرع شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے القاب عنایت کئے۔ اس کے بعد بھی کئی خطابات نوابان کرناٹک کی طرف سے مرحمت ہوئے۔ آپ کا انتقال ۲۵ محرم ۱۲۸۰ھ کو ہوا۔ دس سال کی عمر سے انتقال تک جو تقریباً ستر سال کے قریب تھی کوئی نماز قضاء نہیں ہوئی تھی۔ اس زمانے میں علم حدیث میں آپ کا ہمسر کوئی نہ تھا۔ آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کا شمار اردو کے اولین مصنّفین میں ہوتا ہے۔

ابو محمد خلیل اللہ، قاضی بدر الدولہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۲۵ ربیع الاوّل ۱۲۷۴ھ کو مدراس میں پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی حسین عطاء اللہ کے پاس حیدر آباد پہنچے۔ اولاً اورنگ آباد میں منشی گری کے عہدہ پر، اس کے بعد سررشتہ دار عدالت ناندیڑ کے عہدہ پر مامور ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے مددگار مال گزاری سرکار عالی ہوئے اور سنہ ۱۳۳۸ھ میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ بلا سودی انجمن کے بانی ہیں۔ آپ کو زراعت سے بہت دلچسپی تھی۔ آپ نے لڑکیوں کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ آپ کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال تھا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کا درس جو روز دینا ہوتا تھا اپنے ہاتھ سے ہر بچہ کی کتاب میں روز لکھا کرتے تھے۔ اس طرح خاندان کے کئی افراد کے پاس آپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے اور احادیث کی کتابیں موجود ہیں۔ آپ نے بچوں کے لئے کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کہتے تھے کہ ان کے دادا (محمد غوث شرف الملک) نے بڑے لوگوں کے لئے، والد (بدر الدولہ) نے عورتوں کے لئے اور میں بچوں کے لئے کتابیں لکھتا ہوں۔ آپ کی بڑی صاحبزادی عربی زبان میں ماہر تھیں۔ آپ نے اپنے بچوں کو اپنے بڑے بھائی حسین عطاء اللہ صاحب کی طرح مغربی زبانوں کی تعلیم سے منع نہیں کیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے (مضمون نگار کے والد) محمد صبغت اللہ نائب

Marfat.com

ناظم بندوبست تھے جو فن پیمائش میں ماہر تھے۔ انھوں نے اپنے دوسرے بھائی محمد حبیب اللہ (بی اے) مددگار ناظم بندوبست کے ساتھ مل کر ایک بلاسودی انجمن ملازمین بندوبست کے لئے قائم کی اور لاکھوں روپے کے سود سے اس دفتر کے ملازمین کو بچایا اور تاحیات اس کام کے لئے خود کو وقف کر رکھا تھا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ نے ''ہدایت الناظرین ترجمہ منہاج نووی'' چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کی ہے۔ محمد حبیب اللہ صاحب نے بھی آمنہ بیگم، طلوعِ آفتاب رسالت کے علاوہ کئی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ خصوصاً اپنے برادر خورد ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی مشہور کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ قاضی محمد خلیل اللہ صاحب کا انتقال ۱۷ رمضان المبارک ۱۲۶۳ھ میں حیدرآباد میں ہوا اور درگاہ یوسفین میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ ہی کے لائق سپوت فخر خاندان ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں جو اپنے اجداد کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کرتے چلے آرہے ہیں اور تشنگان علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدرآباد کے محلّہ کٹل منڈی میں پیدا ہوئے جہاں درگاہ حبیب علی شاہ صاحب واقع ہے۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے والد کی مرہون منت ہے۔ بچپن ہی سے ڈاکٹر صاحب کافی ذہین تھے۔ اپنی بسم اللہ کی تقریب کا حال خود بیان کرتے ہیں کہ: ''میں چار سال چار مہینے اور چار دن کا ہوا تو بسم اللہ کی تقریب ہوئی جو تعلیم کا آغاز ہے (اس کے لئے سورہ اقراء کی ابتدائی پانچ آیتیں کوئی بزرگ آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں اور بچہ ان کو لفظ بلفظ دہراتا ہے) مجھے یاد ہے کہ یہ والد صاحب مرحوم نے کیا تھا لیکن یہ آیتیں مجھے پہلے سے زبانی یاد تھیں۔ جیسے ہی والد صاحب مرحوم نے ان کو شروع کیا میں نے فرفر سب پڑھ ڈالیں اور انتظار نہ کیا کہ والد صاحب پڑھیں''۔

(اس طرح بچپن ہی سے گھریلو مذہبی ماحول کی وجہ سے دینی تعلیم شروع ہو چکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ان کو اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گھر سے دور مشہور مدرسہ دارالعلوم میں جو چار

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي اودع سواهر المعاني الضيائيه في قوالب زواهر المباني

من الحروف الهجائيه وانزل القرءان بلسان عربي مبين بواسطة الروح

الامين على رسوله خاتم النبيين وهو افصح من نطق بالضاد من بين العباد

صلى الله وسلم عليه وعلى اله واصحابه (وبعد) فهذه اجازة صريحة من الفقير

الى رحمة ربه القدير حسن بن ابراهيم الشهير بالشاعر المقرئ والمدرس بالحرم الشريف

النبوي الى ولده الشاب الرشيد الكامل محمد حميد الله بن ابي محمد خليل الله القاطن

ببدر اباد دكن فانه قرأ علي ختمة كاملة من اولها الى اخرها بالتحرير والتدقيق

وقد استجازني فاجزته بان يقرأ لكنها رواية بشروطها المعتبرة وهي تقوى الله

تعالى في السر والعلانية ولي منه الدعوات الصالحات في الخلوات والجلوات كما اقراني

واشترط علي شيخي واستاذي وحيد دهره وفريد عصره البصير بقلبه تغمده الله برحمته الشيخ

حسن بن محمد تيموي وهو عن الشيخ محمد سابق وهو عن الشيخ خليل المطواجي وهو عن الشيخ علي

الابياري وهو عن الشيخ علي الحلو بمكة المكرمة وهو عن الشيخ احمد ابو سلمونة وهو عن الشيخ سليمان

الشيباني وهو عن الشيخ احمد الميهي عن ابيه الشيخ علي الميهي (وح الينا) وهو عن سيدي محمد بن محمد

المقري عن سيدي عبد الرحمن القسطنطيني عن سيدي عبد الرحمن الازهري عن سيدي سلطان المزاحي عن سيدي

احمد المسيري عن ابي جعفر الشهير باوليا افندي (وح الينا) فاما رواية حفص فحدثنا بها ابو الحسن

طاهر بن غلبون المقرئ قال حدثنا بها ابو الحسن علي بن محمد بن صالح الهاشمي المقرئ بالبصرة قال حدثنا بها

ابو العباس احمد بن سهل الاشناني عن ابي محمد عبيد الله بن الصباح عن حفص عن عاصم وهو عاصم بن ابي النجود

شیخ القراء مدینہء منورہ شیخ حسن الشاعر کی جانب سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو عطا کی گئی تجوید کی سند مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ

Marfat.com

رسالہ الکشافہ حیدرآباد دکن بابت جولائی ۱۹۳۱ء کا سرورق۔ اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ تھے

Marfat.com

مینار کے قریب تھا، شریک کر دیا گیا۔ آپ کے والد صاحب کو اپنی اولاد کی تعلیم کا اس طرح خیال تھا کہ مدرسہ کا کوئی دن ناغہ نہ ہو۔ اگر کسی دن صبح جلد نہ جاگتے اور اسکول کا وقت ہوتا تو آپ کے والد کپڑے تبدیل کر کے گھوڑا گاڑی میں لٹا آتے گھوڑا گاڑی میں پانی ناشتہ رکھ دیا جاتا، جب نیند ختم ہوتی تو گھوڑا گاڑی ہی میں ناشتہ کر لینا پڑتا تھا۔ غرض اردو مڈل (جماعت ششم) تک وہیں تعلیم ہوئی۔ نواب بہادر یار جنگ بھی وہیں تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ پھر عربی علم سے واقف ہونے کے لئے مدرسہ نظامیہ (جامعہ نظامیہ) میں شریک کرایا گیا جہاں سے مولوی کامل کا امتحان کامیاب کیا اس طرح چند سال وہاں گزارے۔ اپنے والد صاحب سے چھپ کر انگریزی پڑھنا شروع کیا اور انگریزی کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اخبار میں درجہ اوّل کامیاب طلباء میں آپ کا نام دیکھ کر آپ کے والد صاحب نے بلوا بھیجا۔ وہ گھبرائے ہوئے آئے کہ نہیں معلوم والد صاحب کتنے خفا ہوں گے، لیکن والد صاحب نے اپنے ہونہار بیٹے کو اپنے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ اسی طرح ہمیشہ پڑھو اور آگے بڑھو۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے بی اے اور پھر ایک ساتھ ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں بدرجہ اوّل لیں۔ آپ کو وظیفہ تحقیقات علمی ملا اور اسلامی قانون بین الممالک پر کام شروع کیا۔ مقالہ کی تیاری کے لئے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ آپ کی قابلیت و ذہانت سے متاثر ہو کر مصر میں مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر کرنکو نے آپ کو بون یونیورسٹی (جرمنی) آنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی ڈاکٹر کرنکو نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنا زیر ترتیب مقالہ بون یونیورسٹی میں پیش کریں تو ڈاکٹر کی ڈگری عطا کی جائے گی اور سہ سالہ مدت کی بجائے دو سال معاف کر کے صرف ایک سال میں ڈگری دے دی جائے گی۔ جب بون یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تو جامعہ عثمانیہ نے ازراہ نوازش اپنا وظیفہ تحقیقات علمی محمد حمید اللہ صاحب کے لئے جرمنی منتقل کر دیا۔ بون پہنچنے پر آپ کی غیر معمولی قابلیت کے مدنظر ایک سالہ قیام کی قید بھی حذف کر دی گئی اور نو ماہ میں ڈاکٹری کی ڈگری مل گئی۔

پروفیسر کالے جو ترکی زبان کے پروفیسر اور جامعہ بون کے پرنسپل تھے، اپنے علمی

Marfat.com

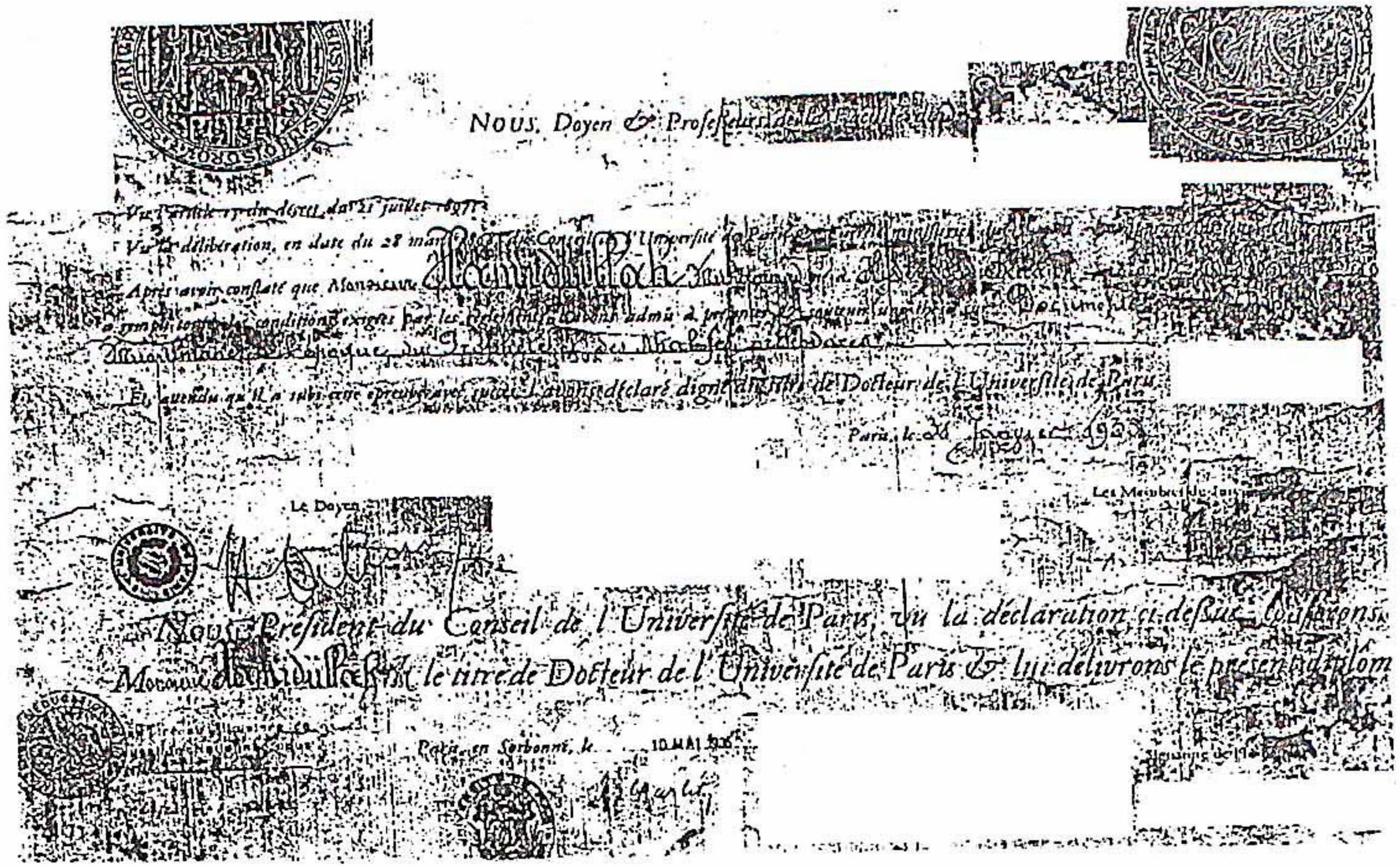

NOUS, Doyen & Professeurs de la Faculté de Paris

Vu l'article 17 du décret du 21 juillet 1897

Vu la délibération, en date du 28 mars 1898, du Conseil de l'Université de Paris

Après avoir constaté que Monsieur [illegible] a rempli toutes les conditions exigées par les règlements, l'avons admis à présenter et soutenir une thèse sur [illegible]

Et, attendu qu'il a subi cette épreuve avec succès, l'avons déclaré digne du titre de Docteur de l'Université de Paris.

Paris, le 26 janvier 1935

Le Doyen

Les Membres du Jury

Nous, Président du Conseil de l'Université de Paris, vu la déclaration ci-dessus, conférons Monsieur [illegible] le titre de Docteur de l'Université de Paris & lui délivrons le présent diplôme

Paris, en Sorbonne, le 10 MAI 1935

سوربون یونیورسٹی (پیرس) سے ۳۱؍جنوری ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو عطا کردہ ڈی لٹ کی ڈگری کا عکس

Marfat.com

کاموں میں محمد حمید اللہ صاحب سے اپنے مددگار کی حیثیت سے کام لینے لگے کیونکہ ڈاکٹر صاحب عربی، فارسی، اردو اور ترکی کے ساتھ ساتھ انگریزی، فرنچ، جرمن اور لاطینی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ کی غیر معمولی عربی قابلیت کے مدنظر آپ کو پہلے جامعہ بون کا اعزازی عربی لیکچرر بنایا گیا اور پھر جب وہاں اردو پڑھانا شروع ہوا تو اردو کے بھی اعزازی پروفیسری بنا دیئے گئے۔ بون یونیورسٹی سے ''اسلام کے بین الاقوامی قانون پر اثرات'' کے موضوع پر تحقیق کرنے پر ڈی فل کی ڈگری ملی۔ وہاں سے انگلستان گئے لیکن وہاں تین سال قیام کی قید رکھی گئی اور جرمنی کی ڈگری بے سود سمجھی گئی تو فرانس چلے آئے اور وہاں سنہ ۱۹۳۵ء میں سوربون یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔ آپ کے ڈی لٹ کے مقالہ کا عنوان ''عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری'' تھا۔ ان دو ڈگریوں کے حاصل کرنے کے بعد روس جانا چاہا لیکن وظیفہ تحقیقات علمی بند ہو جانے سے حیدر آباد لوٹنا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی اعلیٰ یورپی ڈگریوں کے مقابلہ میں اپنی اس سند کو اعلیٰ وارفع سمجھتے ہیں جو حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن مجید کی تلاوت کے سلسلہ میں آپ کو دی گئی۔

یورپ سے واپسی پر جامعہ عثمانیہ میں ملازمت مل گئی۔ شعبہ دینیات اور پھر شعبہ قانون میں کام کرتے رہے۔ پھر آب و دانہ نے فرانس پہنچا دیا جہاں نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے تقریباً بیس سال تک وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ یورپ اور ایشیا کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کے توسیعی خطبات کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے زمانے سے کالجوں میں اسلامی تعلیم ممنوع کر دی گئی تھی، ڈاکٹر صاحب نے ان کا دوبارہ احیاء کراتے ہوئے کئی یونیورسٹیوں میں الٰہیات کے شعبے قائم کئے جہاں آج بھی آپ کے شاگرد درس دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ کے والد کو اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رہا۔ اسراف کو قطعی پسند نہیں کرتے تھے اس لئے ابتدائی دور میں ڈاکٹر صاحب گھر کی خواتین کے سلے ہوئے کپڑے ہی پہنا کرتے تھے۔ آپ کی غذا بہت کم تھی۔ سوکھے گوشت کے کباب یا تلا ہوا انڈا کھانے کے ساتھ کھایا کرتے۔ آلو اور کدو سے ہٹ کر دوسری ترکاریاں کھانا پسند نہ تھا۔

Marfat.com

DIE PHILOSOPHISCHE FAKULTÄT
DER RHEINISCHEN FRIEDRICH WILHELMS-UNIVERSITÄT ZU BONN

VERLEIHT AUF GRUND DER ALS „GUT" BEFUNDENEN SCHRIFT

„DIE NEUTRALITÄT IM ISLAMISCHEN VÖLKERRECHT"

UND DER „SEHR GUT" BESTANDENEN MÜNDLICHEN PRÜFUNG

IN ISLAMKUNDE, SEMITISCHER PHILOLOGIE UND VÖLKERRECHT

DEM VERFASSER DER SCHRIFT

MUHAMMAD HAMIDULLAH

AUS HYDERABAD

DIE WÜRDE UND RECHTE EINES

DOKTORS DER PHILOSOPHIE

GEGEBEN ZU BONN AM 10. SEPTEMBER 1935

UNTER DEM REKTORAT DES PROFESSORS DER GERICHTLICHEN UND SOZIALEN MEDIZIN
DR FRIEDRICH PIETRUSKY
UNTER DEM DEKANAT DES PROFESSORS DER ALTEN GESCHICHTE DR. FRIEDRICH OERTEL

بون یونیورسٹی (جرمنی) سے ۲۶/جولائی ۱۹۳۳ء کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو عطا کردہ ڈاکٹریٹ (ڈی فل) کی ڈگری کا عکس

Marfat.com

یورپ میں طویل قیام کے زمانے میں بھی آپ نے حلال چیزوں سے ہٹ کر کچھ کھانا پسند نہ کیا۔ بچپن کی کفایت شعاری کی عادت نے قیام یورپ میں بھی آپ کو عیش دنیا کی طرف راغب ہونے سے روکے رکھا۔ آج بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی تصویر اتروانے کے شدید مخالف ہیں، کہتے ہیں کہ پاسپورٹ کے لئے تصویر کشی مجبوری ہے۔ اخباروں میں تصاویر چھاپنا غیر شرعی کام ہے جو مجھے گوارہ نہیں ہے، مجھے میرے نام کی شہرت سے چڑ ہے۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے محبت کرنا آپ کو سکھایا گیا تھا چنانچہ بچپن میں آپ سے بڑی جوان بہن بیوہ ہوکر آپ کے گھر آ گئیں۔ ان کی ایک شیر خوار بچی تھی، وہ بھی انتقال کر گئی۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو بڑی بہن کی گود میں ڈالا اور ان کو ''اماں'' پکارنے کا کہا۔ آپ بڑے پیار و محبت سے اپنی بڑی بہن کو ''اماں'' پکارا کرتے تھے۔ اسی طرح سب سے بڑی بہن کے بیٹے جو عمر میں آپ سے کافی بڑے تھے لیکن رشتے میں چھوٹے تھے تو آپ ان کو نام سے پکارنے کے بجائے ''بڑے بھانجے'' کہہ کر پکارتے تھے۔ کٹل منڈی کے مکان میں آپ کے سب بھائی بہن والد صاحب کے زیر سایہ ایک ہی مکان میں سکونت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب یورپ و ایشیا کی کئی زبانوں پر عبور رکھتے ہیں، اسی وجہ سے آپ کا مطالعہ کافی وسیع ہے۔ مختلف اقوام اور ادیان کے تاریخی اور تقابلی مطالعہ کی بدولت آپ کے مقالات اور تصانیف کا علمی اور تحقیقی کام کافی بلند ہے۔ آپ کے ترکِ وطن کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن خود ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ جب مدراس پر انگریزوں کی اجارہ داری قائم ہوگئی اور آپ کے بزرگوں نے سوچ لیا کہ ان سے اب نجات ممکن نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ ان فرنگیوں میں اسلام کی روشنی پھیلائی جائے۔ آپ کے چچا قاضی محمود صاحب نے آپ کو فرنگیوں میں تبلیغ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ اسی بناء پر محمد حمید اللہ صاحب نے فرانس کو اپنا مسکن بنالیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلاف کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھا ہوا ہے اور ہزاروں فرنگیوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے جس میں بڑے بڑے عیسائی پادری بھی شامل ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا اوّلین اردو مطبوعہ مضمون ''مدراس کی سیر'' تھا جو لاہور کے ہفتہ وار اخبار نونہال (جلد ۵۔ ۱، ۱۹۲۴ء) میں شائع ہوا تھا۔ اسی طرح پہلا انگریزی مضمون جو مدراس کے انگریزی اخبار ڈیلی ایکسپریس میں فروری ۱۹۲۹ء شائع ہوا تھا جس کا عنوان "His Most Exalted Highness" تھا جو فرمانروائے مملکت حیدرآباد سے متعلق تھا۔

یوں تو عالم اسلام میں بڑے بڑے علماء اور محققین ہیں، لیکن جو متنوع علمی اور تحقیقی تصانیف ڈاکٹر صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں وہ کسی دوسرے عالم یا محقق کے یہاں نہیں ملتیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بیک وقت قرآن مجید، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ وادب، قانون اور تقابل ادیان میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے آپ کو ہلال پاکستان کا اعلیٰ اعزاز عطا کیا۔ ہجرہ ایوارڈ کے لئے بھی آپ کا انتخاب ہوا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے جاپان کا دستور بھی بنایا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کا اصل مقصد اہل مغرب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے واقف کرانا ہی رہا جس کے لئے آپ نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی اور زندگی کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی سمجھا۔ آپ کی ذات میں ان لوگوں کا پرتو نظر آتا ہے جن کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کے نمونے پر چل کر علمی اور عملی زندگی میں اسلام کا نمونہ اپنی ذات کو بنایا۔ حاصل مراد آبادی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ع:

آئینۂ افکار میں یکتا نظر آئے
انسان کے پیکر میں فرشتہ نظر آئے
تقریر سے کرتے ہیں وہ ذہنوں کو اجاگر
تحریر میں اسلام کے شیدا نظر آئے

ایل یورپ کو حلقہ اسلام میں لانے کے بعد ان کی رہنمائی کے لئے محمد حمید اللہ صاحب نے Introduction to Islam نامی کتاب شائع کی جس میں اسلام کے

Marfat.com

بنیادی اصول بتائے گئے ہیں تا کہ نو مسلم ارکانِ اسلام سے واقف ہو جائیں۔

آپ نے قرآن مجید کا راست فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ عربی اور فرانسیسی دونوں زبانوں پر عبور کی وجہ سے آپ اس عظیم کام کو انجام دے سکے۔ پھر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو نو مسلموں میں روشناس کروانے کے لئے سیرت النبی دو جلدوں میں (فرانسیسی زبان میں) شائع کی۔

''عہد نبوی کے میدان جنگ'' کی تصنیف کے موقع پر بذات خود تحقیق کی خاطر کئی دنوں ان میدانوں میں گھومتے پھرتے رہے، زیارتیں کیں، مقامات کو دیکھا اور اپنے تحقیقی تاثرات کو تصاویر کے ساتھ شائع کرایا۔ غرض چچا صاحب کی تصانیف کی تعداد پر لکھنے کے لئے کئی سو صفحات درکار ہیں۔ جو اہل علم ہیں وہ عام طور پر بیک وقت کئی زبانوں سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان کے بوقلموں مضامین اور ہمہ لسانی تصانیف کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر صاحب کے ایک رشتے دار نے ان سے دریافت کیا کہ ہماری تاریخ کیا ہے اور ہم لوگ کہاں سے آئے تھے؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ تمھیں اس بات کی اتنی فکر کیوں ہے کہ ہم لوگ کہاں سے آئے تھے۔ تمھیں تو اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص156)

Marfat.com

ذاتی حالات

مدرسۂ محمدی، مدراس، جنوبی ہند کے مسلمانوں کا وہ قابل فخر ادارہ ہے جس کی بنیاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بزرگوں نے رکھی. اسی تاریخی مدرسے کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں. اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے ایک معلومات افزا مقالہ بہ عنوان "مدرسۂ محمدی مدراس اور اس کا پس منظر" لکھا جس میں دیگر مفید باتوں کے علاوہ اپنے بزرگوں اور خود اپنے مختصر حالات بھی لکھے . یہاں ہم اس طویل مضمون سے یہی حالات پیش کر رہے ہیں. (مرتب)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام
علی سیّد المرسلین واٰلہ وصحبہ اجمعین

مسلمانوں کے لئے قابل مفخرت معراجِ مبارکِ نبویؐ کی ایک سال گرہ کے دن قائم شدہ ''مدرسہ محمدی، مدراس'' کا آج صد سالہ جشن تاسیس منایا جارہا ہے۔اس مسرت آگین موقع پر میں شخصی نہیں، بلکہ محض تحریری طور پر شرکت کررہا ہوں اور میں مدراس سے بہت دور فرانس میں ہوں۔جیسا کہ آگے عرض ہوگا، ہندوستان اور فرنگستان کے یہ روابط نہ نئے ہیں اور نہ محض اتفاقی ہیں، میں بھی انہیں بزرگانِ ملت کی اولاد واقرباء میں ہونے کا شرف رکھتا ہوں جنھوں نے اب سے پوری ایک صدی پہلے مدرسۂ محمدی کو قائم فرمایا اوران میں بعض مثلاً مفتی محمود صاحب اور قاضی عبید اللہ صاحب کو جو دونوں میرے حقیقی چچا تھے، میں دیکھ بھی چکا اوران سے علمی اور روحانی فیض بھی حاصل کر چکا ہوں۔

ارکاٹ کی ریاست کو انگریزوں نے برخاست تو کر دیا لیکن حکمران خانوادے کو برقرار رکھا جس کو ملک میں کچھ نہ کچھ اخلاقی اثر ورسوخ حاصل رہا۔ان نوابوں نے ارکاٹ شہر کو چھوڑ کر مدراس میں سکونت اختیار کرلی جہاں مدرسۂ اعظم وغیرہ ان کی علم پروری کی یادگار ہیں۔ریاست کے برخاست ہونے سے قبل آئندہ قائم ہونے والے مدرسۂ محمدی کے

Marfat.com

بانیوں کے آباواجداد اس ریاست میں عظیم بلکہ موروثی نفوذ رکھتے تھے۔ ریاست کے دیوان (وزیراعظم) اور ریاست کے قاضی وغیرہ اسی خاندان سے ہوا کرتے تھے۔ مدراس کے محلّہ رائی پیٹھ میں ''دیوان صاحب کا باغ'' اسی کی یادگار ہے اور اب تک باقی ہے۔ اس خاندان کے علم وفضل کی شہرت ارکاٹ اور مدراس سے گزر کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی ہوگئی تھی کیوں کہ قاضی بدرالدولہ کے ایک فرزند مفتی محمد سعید[1] کو (جن کو ''خان'' کا خطاب بھی ملا تھا) سلطنت آصفیہ کی دعوت آئی اور وہ حیدرآباد چلے گئے۔

ترپ باغ اور جام باغ کے فرانسیسی مکان، فرانسیسیوں کے شہر سے جانے کے بعد کن کے ہاتھ میں آئے معلوم نہیں۔ لیکن بالآخر وہ ہمارے خاندان کے قبضے آئے اور کہتے ہیں کہ وہ ایک مارواڑی کے پاس گروی تھے اور اسی سے ان کو خریدا گیا۔

جب مفتی محمد سعید حیدرآباد آئے اور حیدرآباد کی عدالت عالیہ میں مفتی بنے تو انھوں نے دارالشفاء کے محلے میں ایک مکان خریدا اور وہیں رہنے لگے۔ پھر ان کے بھائی حسین عطاء اللہ صاحب آئے تو وہ ترپ بازار میں رہے اور ترپ باغ اور جام باغ ان کے مسکن بنے۔ پھر سب سے چھوٹے بھائی ابومحمد خلیل اللہ بھی حیدرآباد آئے تو وہ ترپ بازار کے قریب کٹل منڈی میں مکان لے کر رہنے لگے جو حضرت حبیب علی شاہ کی درگاہ کے سامنے تاحال موجود ہے۔ میں راقم الحروف وہیں پیدا ہوا۔ شاید میرے سارے بھائی بہن بھی وہیں پیدا ہوئے۔ والد صاحب مرحوم کو فن تعلیم سے بہت دلچسپی تھی اور بچوں کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں جو اب بھی کارآمد ہیں۔ میری بڑی بہن امۃ العزیز مرحومہ عربی کی ماہر بلکہ مجھ سے زیادہ عربی جانتی تھیں۔

سیاسی انقلاب سے ہمارا خاندان تتر بتر ہوگیا اور بہت سے لوگ حیدرآباد چلے آئے لیکن مدراس اور حیدرآباد کے اہل خاندان میں روابط بہت قریبی رہے۔ برطانوی ہند سے الگ مستقل ریاست ہونے کے باوجود انگریزوں نے ویزا وغیرہ کی دشواریاں نہیں پیدا کیں۔ اگرچہ میری دوسری بہن حبیبۃ الرحمٰن شادی کے بعد مدراس چلی گئیں اور وہیں بس گئیں، تو مدراس سے شرف الدولہ کے فرزند عبدالقادر صاحب ۱۲۹۹ھ میں حیدرآباد آئے

Marfat.com

اور حسین عطاء اللہ صاحب کی لڑکی امۃ القادر بدر النساء بیگم سے نکاح کر کے حیدر آباد ہی میں بس گئے۔ مختصر مدت کے سفر دونوں سمتوں میں لاتعداد رہے اور الحمد للہ دونوں مقاموں پر عزت و آبرو سے رہے اور پھلتے پھولتے رہے۔ ایک زمانے میں مجھے سوجھی کہ خاندان کی مردم شماری کی جائے۔ جہاں تک یاد ہے تقریباً ایک ہزار مرد اور عورتیں درج ہوئیں تھیں۔ یہ کاغذات غالباً رسالہ بزم ادب میں محفوظ ہوں گے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ولادت

قبل اس کے کہ مدرسۂ محمدی مدراس کا ذکر کروں، یہ عرض کرتا چلوں کہ میں ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء چہار شنبہ کی رات کو حیدر آباد میں پیدا ہوا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تسمیہ خوانی

چار سال، چار مہینے اور چار دن کا ہوا تو ''بسم اللہ'' کی تقریب ہوئی جو تعلیم کا آغاز ہے۔ اس کے لئے سورۃ اقراء (القلم) کی ابتدائی پانچ آیتیں کوئی بزرگ آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں اور بچہ اُن کو لفظ بلفظ دہراتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ والد صاحب مرحوم نے کیا تھا۔ لیکن یہ آیتیں مجھے پہلے سے زبانی یاد تھیں۔ جیسے ہی والد صاحب مرحوم نے ان کو شروع کیا تو میں نے فر فر سب پڑھ ڈالیں اور انتظار نہ کیا کہ والد صاحب پڑھیں۔ اس پر بڑے بھائی[۳] اور دیگر رشتہ دار حاضرین نے مجھے ڈانٹا بھی تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تعلیم

کچھ عرصہ بعد مجھے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گھر سے دور مشہور مدرسہ دار العلوم میں (جو چار مینار کے قریب تھا) شریک کر لیا تھا۔ اردو مڈل (جماعت ہشتم) تک وہیں تعلیم وہیں ہوئی۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم بھی وہیں آتے تھے۔ پھر میں مدرسۂ نظامیہ بھیج دیا گیا تا کہ عربی پڑھوں۔ وہاں چند سال رہا۔ پھر والد صاحب کی اطلاع کے بغیر مخفی طور صرف انگریزی کا امتحان دے کر میٹرک کامیاب کیا اور جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ دینیات میں شریک

Marfat.com

ہوا۔ وہیں سے بی اے کیا پھر بیک وقت ایم اے اور ایل ایل بی بھی۔ اس کے بعد امتحان میں اول آنے پر وظیفۂ تحقیقاتِ علمی ملا اور ''اسلامی قانون بین الممالک'' پر وہیں کام شروع کیا۔ پھر سفر حج کے بعد جب مجھے جامعہ بون (جرمنی) میں داخلہ مل گیا تو جامعہ عثمانیہ نے از راہ نوازش اپنا وظیفۂ تحقیقات علمی جرمنی کے لئے منتقل کر دیا۔ وہاں نو ماہ میں ڈاکٹری (ڈی فل۔D.Phil) کی ڈگری مل گئی۔ پھر انگلستان گیا لیکن وہاں تین سال کے قیام کا مطالبہ ہوا اور جرمنی کی ڈگری بے سود سمجھی گئی تو فرانس گیا اور وہاں سال بھر کے بعد ایک اور ڈاکٹری کی ڈگری (فری) مل گئی۔ اس کے بعد ارادہ ہوا کہ روس جاؤں لیکن وظیفۂ تحقیقاتِ علمی ختم اور بند ہو جانے سے ایسا نہ کر سکا اور حیدر آباد واپس آ گیا۔ لینے کے لئے والد صاحب مرحوم بھی محبت سے ریل کے اسٹیشن پر آئے۔ ان کا گلے لگانا میں اب تک بھول نہ سکا۔

عثمانیہ یونیورسٹی میں ملازمت

جلد ہی جامعہ عثمانیہ میں ملازمت مل گئی اور دینیات، اور شعبۂ قانون میں کام کرتا رہا۔ پھر آب و دانہ نے پاریس پہنچایا اور اب چالیس سال سے وہیں ہوں۔

مدراس سے روابط کے سلسلے میں اتفاق کی بات ہے کہ میرا اولین مطبوعہ مضمون تھا ''مدراس کی سیر'' جو لاہور کے ہفتہ وار 'نونہال' (جلد ۱/۵، ۱۹۳۴ء نمبر ۷، ۸) میں شائع ہوا تھا۔ پہلا انگریزی مضمون مدراس ہی کے انگریزی اخبار 'ڈیلی ایکسپریس' (فروری ۱۹۲۹ء) میں نکلا تھا اور عنوان تھا HIS MOST EXALTED HIGHNESS جو حکمران حیدر آباد کے متعلق تھا۔ عربی، فرانسیسی اور جرمن، ترکی وغیرہ میں میرا علمی کام یہاں بے محل ہے۔

جب تک حیدر آباد میں رہا بار بار ریل کے سفر سے مدراس جاتا رہا۔ وہاں مدرسۂ محمدی وجود میں آ چکا تھا۔ میں وہاں تعلیم کے لئے تو نہیں رہا لیکن، ہاں کے بزرگ رشتہ داروں (مفتی محمود صاحب، شمس العلماء قاضی عبید اللہ صاحب، منتظم مدرسہ عبد الرحمٰن صاحب اور دیگر شیوخ و اساتذہ سے ملتا اور فیض حاصل کرتا رہا۔ بعد کے سالوں میں وہاں کی علمی

Marfat.com

سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا رہا۔ مثلاً وہاں ایک نمائش ثقافت اسلامی کی جس میں خاندان کے مقبوضہ نوادر نیز نادر قلمی کتابوں کو منظر عام پر لایا گیا اور عوام کو اس کا پہلی دفعہ علم ہو سکا۔ اب بھی یاد ہے کہ نادر سامان کو نمائش میں رکھنے کی بعض اہل خاندان نے سخت مخالفت بھی کی تھی۔

ملک کے دیگر فضلاء ڈاکٹر عبدالحق صاحب وغیرہ سے بھی اچھے روابط قائم ہو گئے۔

مدرسۂ محمدی اور غیر مسلم

اللہ کا کتنا بھی شکر کریں کم ہے کہ اس نے ہمارے خاندان کے افراد پر گونا گوں عنایتیں فرمائیں۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی علم دوست رہیں اور خاص کر عورتیں بڑا ایثار کرتی رہیں۔

مدراس کے اہل خاندان کی بے لوث دینی اور علمی خدمتوں سے ملک کے مسلمانوں میں ان کا احترام رہا تو حیرت نہیں لیکن غیر مسلم خاص کر ہندوؤں میں بھی ان کے متعلق اچھے تاثرات نظر آتے ہیں کیونکہ مدرسۂ محمدی جیسے خالص اسلامی ادارے کے چندہ دہندوں میں متعدد ہندو بھی نظر آتے ہیں۔ ایک متاخر زمانے میں میں نے دیکھا ہے کہ ہر نماز کے بعد جب لوگ مسجد سے باہر نکلتے تو بہت سی ہندو عورتیں اپنے (شاید بیمار) بچوں کو گود میں لاتیں تاکہ یہ نمازی اُن پر پھونکیں (جس سے شفا کی توقع ہوتی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کے اہل خاندان اور وابستگانِ مدرسہ کا برتاؤ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تھا کہ وہ ان کے کردار کے گرویدہ تھے۔

---

۱) شیخ الاسلام مفتی محمد سعید، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سب سے بڑے چچا تھے۔

۲) مولوی ابو محمد خلیل اللہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے والد محترم تھے۔

۳) مولوی محمد صبغۃ اللہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سب سے بڑے بھائی اور مولوی محمد حبیب اللہ ان کے منجھلے بھائی تھے۔

Marfat.com

پچیس سال پہلے کی باتیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ماھنامہ "روح ترقی" حیدر آباد دکن بابت رمضان و شوال ۱۳۶۷ھ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کا مضمون "پچیس سال پہلے کی باتیں" شائع ھوا تھا. اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد عبدالرحمن خاں صاحب اور جامعہ عثمانیہ میں اپنے دور طالب علمی کے دلچسپ واقعات تحریر فرمائے تھے. یہ نادر مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رھا ھے . (مرتب)

۱۳۴۱ھ کا زمانہ ہے، ایک پندرہ سالہ اور جامعہ کے سب سے نوعمر طالب علم کی حیثیت سے میں کلیہ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں شریک ہوا تھا۔ ابھی پرنسپل عبدالرحمٰن خان صاحب صدر کلیہ بن کر وہاں نہیں آئے تھے۔ کوئی آٹھ سال بعد ایم اے اور ریسرچ کے کام کے بعد جب میں باہر روانہ ہوا تو اس اثناء میں مجھے ان سے بہت کم سابقہ رہا۔ تین سال بعد واپس ہو کر اساتذہ میں شمول کی عزت حاصل ہوئی تو وہ بدقسمتی سے جامعہ سے جا چکے تھے۔ ان حالات میں چند سرسری تاثرات کے قلمبند کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

شعبۂ سائنس کا طالب علم نہ رہنے کے باعث مجھے خان صاحب سے راست شاگردی کا تعلق نہ رہ سکا..... اور اپنی افتادِ طبع کے باعث ایم اے، ایل ایل بی میں آنے تک جہاں تک یاد ہے مجھے اپنے صدر کلیہ سے بات کرنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی ۔ سالانہ یوم کلیہ میں امتحان میں اول آنے والوں کو جو انعامات اس زمانہ میں ملتے تھے اس میں سال بسال دیکھنے کے باعث ممکن ہے صورت ان کے ذہن نشین ہو گئی ہو۔ ورنہ ان کو دور سے کبھی کبھی گزرتے دیکھنے کے سوا کوئی ضرورت ملاقات کی پیش ہی نہیں آئی۔

Marfat.com

میں سال سوم میں تھا کہ خان صاحب جامعہ لندن کی صد سالہ سالگرہ میں جامعہ عثمانیہ کی نمائندگی کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں پروفیسر رحیم الدین صاحب ایسوسی ایٹ کو بے قصور بعض حالات کے تحت خدمت سے الگ کر دیا گیا تھا۔ یہ تعطیلات گرما کا واقعہ ہے۔ کالج کھلنے پر اپنے ہر دلعزیز استاد کی واپسی کے لئے ہم طلبہ نے جدوجہد شروع کی اور غالباً جامعہ میں طلبہ کا اولین ''ہنگامہ'' تھا۔ تجویز ہوئی کہ ایک محضر امیر جامعہ کو دیا جائے۔ محضر کی منظوری کے لئے طلبہ کے جلسہ عام کی ضرورت تھی، خوف تھا کہ حدود جامعہ میں اس کی اجازت نہ ملے گی اس لئے ہم لوگوں نے چپکے سے جلسہ کی اطلاع نوٹس بورڈوں پر لگا دی۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب (مدیر ''وقت'') اس زمانہ میں جونیئر انٹر میں تھے۔ نوٹس پڑھتے ہی نہ معلوم کیوں ارباب کلیہ کے پاس پہنچے اور رپٹ دے دی۔ فوراً سارے اطلاعات ضبط کر لئے گئے اور جلسہ کے لئے جو کمرہ تجویز ہوا تھا اسے وقت پر مقفل کر کے پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ پھر کئی سو طلبہ جمع ہو گئے اور آسمان کے زمردیں شامیانے میں ہمارا اجلاس ہوا اور محضر بھیجنا اور اس کی عبارت بہ اتفاق آرا منظور ہوئی اور حاضرین اور غیر حاضرین کے دستخط لے کر وفد مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت کے پاس پہنچا، بڑی ہی جھنجھٹوں کے بعد باریابی ہوئی اور محضر دے کر ہم چلے آئے۔

کچھ دنوں بعد خاں صاحب ولایت سے واپس آئے اور غالباً ان پر جامعہ میں ضبط نہ رہنے کا الزام لگایا گیا تھا حالانکہ وہ واقعہ ان کی غیر موجودگی کا تھا اور یوں بھی وہ ہوتے بھی تو ہم اپنے استاد کی خاطر بہر حال وہی کرتے جو کیا اور آج بھی ہم اس پر شرمندہ نہیں ہیں۔ بہر حال ایک دن شام کو جب ہماری سال چہارم کی انگریزی جماعت برخاست ہوئی اور ہم جماعت سے گھر جانے کے لئے نکلنے لگے تو یکا یک صدر صاحب کلیّہ جماعت میں آ گئے اور ہدایت کی کہ ہم ٹھہریں انھیں کچھ کہنا ہے۔ پھر انھوں نے انگریزی میں تقریر کی اور امیر جامعہ کے پاس جانے پر ہمیں ڈانٹا۔ وہ اوراق ان کے ہاتھ میں تھے جن میں محضر میں شریک طلبہ کے دستخط تھے۔ کوئی سزا وغیرہ تو نہ ملی لیکن اب خیال ہوتا ہے کہ ممدوح نے صرف حسب الحکم ہم کو ڈانٹا اور انگریزی میں تقریر اس لئے کہ چپراسی اور اہلکار وغیرہ کوئی اس کو نہ سمجھ سکیں۔

Marfat.com

۱۹۴۵ء یا ۴۶ء کا زمانہ تھا کہ ہمارے خاندان کے مقبوضہ قدیم سامان کی مدد سے حیدرآباد کی اولین نمائش ثقافت اسلامیہ میرے والد کے گھر میں منعقد ہوئی۔ خانصاحب نے دعوت پر فرمایا تھا کہ مصروف ہوں موقع ملے تو آجاؤں گا۔ شاید موٹرز نانہ استعمال میں تھا اس لئے تشریف بھی لائے تو بائیسکل پر۔ سامان کی تعریف فرمائی اور ہم نے جواردو جھنڈی بولی (سمافور سگنلنگ) ایجاد کی تھی اس کے مظاہرے کے لئے ایک مختصر پیام کے ذریعے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے رخصت ہوئے۔ یہ میرا ان کا اولین تماس تھا۔

میں ایم اے میں تھا۔ بزم دینیات کا نائب صدر منتخب ہوا (اس زمانہ میں صدر شعبہ ہی صدر ہوتا تھا) تو اپنے لائحہ عمل میں شعبۂ دینیات کی ضرورتوں میں ارباب جامعہ کو متوجہ کر کے کوئی درجن بھر مطالبات کئے تھے۔ صدر شعبہ استاذ محترم مولانا عبدالقدیر صدیقی صاحب نے وہ خطبہ ''لحاظ مناسب'' کے لئے صدر کلیہ کے پاس بھیج دیا۔ چند دن بعد میری طلبی ہوئی۔ یہ ''بدعت'' کہ طلبہ جامعہ کے ''سیاسی'' معاملات میں حصہ لیں موصوف کو شاید نئی نسل کی خطرناک ذہنیت کا پتہ دینے لگی تھی۔ نفس مطالبات کے حسن و قبح پر کوئی گفتگو نہ ہوئی صرف اعتراض یہ تھا کہ طلبہ اس میں کیوں حصہ لیتے ہیں، وہ اساتذۂ شعبہ کا کام ہے۔ بہرحال انھوں نے نرم تنبیہ کر کے رخصت کیا۔

اس کے قریبی زمانہ میں سر تیج بہادر سپرو حیدرآباد آئے تو طلبہ قانون کو مخاطب کرنا انھوں نے ازراہ عنایت منظور کرلیا۔ مہمان وقت سے ذرا پہلے آگئے تو ہم نے خان صاحب کو اطلاع کروائی۔ وہ لازماً بے چین ہوکر دفتر سے تیز تیز پیدل چلے آئے اور بے خیالی میں نظام العمل طلب کئے بغیر جلسہ شروع کر کے تعارفی تقریر شروع کر دی۔ اتفاق سے بزم قانون کا نائب صدر بھی میں ہی تھا، سوائے اس کے کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی کہ نظام العمل مقرر کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ تقریر کرتے کرتے خاں صاحب نے اس پر نظر ڈالی اور صورت حال سمجھ گئے اور پھر مجھے تعارف کے لئے طلب کیا۔ اس یادگار جلسے کے حالات اخباروں میں بھی آئے تھے۔ میں نے اپنی طالب علمانہ میں بدتمیزی سے جو تقریر کی تھی اس کا آغاز یوں ہوا تھا کہ اگرچہ بحیثیت نائب صدر بزم قانون آج کے جلسہ کی صدارت میرا حق

Marfat.com

ہے لیکن ایک ممتاز مہمان کی موجودگی میں شاید ہماری نوعمر جامعہ کے متعلق ذمہ دار بیانات و معلومات کی ضرورت ہو گی اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صدر کلیہ ہی صدارت فرمائیں.....'' پھر مہمان کا تعارف میں نے کرایا تھا۔

غرض اس طرح صدر کلیہ اور ایک نوجوان طالب علم میں وقت بوقت نوک جھونک ہی چلتی رہی۔ مجھے ان کے اخلاق اور طبیعت کے معلوم کرنے کا کوئی موقع ہی نہ ملا تھا۔ ایم اے کامیاب ہونے کے بعد کسی ضرورت سے (جواب یاد نہیں) میں ان کے اجلاس پر گیا تو ان کے اخلاق پر سے پردہ اولین مرتبہ میرے لئے ہٹا۔ میں ابھی دروازے سے داخل ہی ہوا تھا، میز تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ کسی معزز شخص کو جو اجلاس پر بیٹھا ہوا تھا مخاطب کر کے خاں صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا He has got a first class مجھے اعتراف ہے کہ مجھے اس وقت تک معلوم نہیں (اور شاید اب بھی نہیں معلوم ہو سکا) کہ امتحان میں درجہ اول میں کامیاب ہو جانا کیا خاص اہمیت کی بات ہے۔ مگر مجھے اندازہ ہو گیا کہ خاں صاحب میری صورت اور نام سے نہ صرف اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں بلکہ باوجود میری گستاخیوں کے دل میں کتنی محبت رکھتے ہیں۔ چند دن میں جلسہ تقسیم انعامات ہوا تو خاں صاحب نے بلاضرورت میرا تعارف صدر جلسہ مہاراجہ کشن پرشاد یمین السلطنت سے کرایا کہ یہ طالب علم فرانسیسی اور ترکی بھی جانتے ہیں۔

میں نے ایم اے کے بعد جامعہ میں تحقیقاتی سند کی جماعت کھولنے کی درخواست کی۔ بہ امید منظوری خاں صاحب نے اس کا انتظام کر کے مجھے شریک کر لیا تھا۔ چند دن بعد میں ان کے اجلاس پر ایک درخواست ہاتھ میں لئے ہوئے گیا تو دروازے ہی میں مجھے یہ الفاظ سننے پڑے کہ ''میں نے آپ کے لئے وظیفے کا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا'' معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ایسی تحریک کر رہے تھے۔ بہر حال مجھ بے خبر کو یہ برا لگا۔ میں نے کہا ''میں اس کے لئے آیا بھی نہیں ہوں۔ میں ریسرچ کے لئے کتب خانہ جامعہ میں بعض سہولتیں چاہتا ہوں''۔ یکا یک ان کا رویہ بدل گیا بیٹھنے کے لئے کرسی دی اور درخواست پڑھ کر فوراً منظوری دی اور ایک طالب علم کو کتب خانے کے مخزن میں جایا کرنے اور وہیں بیٹھ کر جو کتاب جب

Marfat.com

چاہے نکلوا لینے اور پڑھنے کی اجازت مل گئی۔

کچھ عرصہ کام کر کے میں نے درخواست کی کہ اپنے مصارف پر مشرق قریب جا کر وہاں کے قلمی کتب خانوں سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حیدر آبادی مخطوطات سے فارغ ہو چکا ہوں، خاں صاحب نے فوری منظوری دی اور میری درخواست کے بغیر اس اثناء میں میرے لئے پچھتّر روپے ماہوار کا جو وظیفہ منظور ہوا تھا اسے خالی کی جگہ کلدار کروایا۔ پھر میں نے حجاز، لبنان، شام، فلسطین، مصر اور ترکی کے کتب خانوں میں ایک سال گزارنے کے بعد درخواست کی کہ مجھے جرمنی جانے اور اپنا جامعہ عثمانیہ کے لئے شروع کیا ہوا مقالہ وہیں پیش کرنے کی اجازت دی جائے تو خاں صاحب نے اس کی بھی خوشی سے منظوری دی۔ اور معلوم ہوا کہ انھوں نے میرے لئے خود ہو کر تین سو پونڈ کی یکمشت امداد کی بھی تحریک کی۔ بعد میں وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ ''میں نے عترت حسین اور تمہارے لئے تحریک کی۔ ان کی تو منظور ہو گئی۔ فضل محمد خان صاحب ناظم تعلیمات نے تمہارے لئے یہ کہہ کر مخالفت کی کہ آ کر نوکری مانگے گا۔ مجھے عمر بھر رنج رہے گا کہ میں تمہاری کچھ مدد نہ کر سکا''۔ میں نے کہا ''خان صاحب الحمدللہ میں اس سرکاری خیرات کے بغیر بھی اپنا کام کر چکا اور شاید اوروں سے بہتر ہی رہا۔ جرمنی اور فرانس دونوں جگہ سے ڈاکٹری کی سند لی اور عزت سے کامیاب ہوتا رہا۔ آپ رنج نہ فرمائیں''۔

مختصر یہ کہ مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب بظاہر بڑی آن بان کے اور خشک سے افسر رہے لیکن دل میں طلبہ کی گستاخیوں کو سہتے اور ان کی ہر وقت ہر طرح مدد کرنے کے لئے تن من دھن سے کوشاں رہتے تھے۔ اب سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ کثر اللّٰہ فینا امثالہٗ۔

(بشکریہ ماہ نامہ روح ترقی حیدر آباد دکن)

Marfat.com

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماھنامہ "الحق" اکوڑہ خٹك نے کئی برس قبل مشاھیر علماء و محققین کی خدمت میں ایك سوالنامہ روانہ فرمایا تھا جس میں ان حضرات کی علمی اور مطالعاتی زندگی سے متعلق سوالات درج تھے. بعد میں ان تمام جوابات کو کتابی شکل میں "میری علمی اور مطالعاتی زندگی" کے عنوان سے مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب نے مرتب فرمایا. ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا جواب گو مختصر تھا لیکن اس میں غور و فکر کے کئی پھلو موجود ھیں. یھاں ھم مولانا سمیع الحق صاحب کا سوالنامہ اور ڈاکٹر صاحب کا جواب پیش کر رھے ھیں. (مرتب)

سوالنامہ از مولانا سمیع الحق

(۱) آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنّفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

(۲) ایسی کتابوں اور مصنّفین کی خصوصیت۔

(۳) کن مجلّات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا، موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟

(۴) آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے؟ ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبہ کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی؟

(۵) اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟

(۶) علمی، فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجددی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مصروف ہیں۔ ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی راہنمائی کر سکتی ہیں؟

(۷) موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں؟

Marfat.com

(۸) مدارسِ عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں؟

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

جواب از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

آپ نے کچھ سوال فرمائے ہیں، مجھے اس قسم کے سوالوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یا،

وللناس فیما یعشقون مذاهب

کتابوں کے سلسلے میں میرا اصول خذ ما صفا دع ما کدر کا ہے۔ قرآن و حدیث کے باہر کوئی کتاب سو فیصد صحیح ہو نہیں سکتی۔ میں نے دوستوں اور دشمنوں دونوں کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ میں اردو میں معارف اعظم گڑھ کو پسند کرتا ہوں، اوروں میں کم ہی کوئی کام کی چیز ملتی ہے۔

حیدر آباد، جرمنی اور فرانس کی درسگاہوں میں اساتذہ سے تو کم، اپنی ذاتی تلاش اور مطالعے سے ہی وہ سیکھا جواب جانتا ہوں (اور جو بہت ہی حقیر علم ہے) تاثر یہی ہے کہ آدمی اپنی ذاتی محنت اور کاوش سے کچھ سیکھتا ہے، اور بس! ایک ہی استاد کے ایک ہی لیکچر سے دو طلبہ دو سو مختلف سبق سیکھتے ہیں۔

مجھے عصر حاضر کے مسائل سے دلچسپی نہیں، میرا موضوع اس سے مختلف ہے اس سے آپ کے سوال ز، ح، ط پر اپنی لاعلمی کا اعتراف کرتا ہوں۔

چونکہ ''مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب'' سے میں واقف نہیں ہوں اس لئے کسی رائے زنی کا امکان بھی نہیں — آدمی قرآن و حدیث جیسی بنیادی چیزوں کے پڑھنے بلکہ سمجھنے سے بھی آدمی نہیں بنتا بلکہ ان پر عمل کرنے سے۔ بقول سعدیؒ کے ''بد اخلاق آدمیوں سے آدمی خوش اخلاق بنتا ہے اگر ان کو نمونہ بنائے کہ خود ویسا نہ کرے''۔

Marfat.com

سیرت علی

Marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے آثار علمیہ کا اہم ترین ماخذ

از محمد راشد شیخ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے آثار علمیہ کا سب سے بڑا ماخذ وہ تاریخی ڈائری ہے جس میں ڈاکٹر صاحب اپنے مطبوعہ مضامین و مقالات کے اندراجات تاریخی ترتیب سے بقلم خود کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بعض حضرات کو یہ ڈائری دکھائی بھی تھی اور بعض حضرات کی درخواست پر اس کی فوٹو کاپی بھی فراہم کی مثلاً جب محمد صلاح الدین صاحب ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئے تو انھیں یہ ڈائری دکھائی تھی۔ باوثوق ذرائع سے علم ہوا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک صاحب علم محقق کو ان کی درخواست پر ڈاکٹر صاحب نے اس ڈائری کی فوٹو کاپی بھی فراہم کی تھی۔ اس ڈائری کے مطابق ان کا پہلا مضمون ۱۸ر جولائی ۱۹۲۸ء کو ہفت روزہ ''نونہال'' لاہور میں ''مدراس کی سیر'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

۱۹۹۳ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب پاکستان تشریف لائے تھے۔ غالباً اسی موقع پر آپ نے اس ڈائری کی ایک کاپی بہادر یار جنگ لائبریری کراچی کو ہدیہ کی تھی۔ ۲۰۰۲ء جب راقم پیش نظر کتاب کی تکمیل کی خاطر مختلف کتب خانوں میں ڈاکٹر صاحب سے متعلق معلومات کی جمع آوری میں مصروف تھا تو ایک دن بہادر یار جنگ لائبریری کے ایک پرانے شیلف میں ڈائری کا عکس گرد آلود حالت میں نظر آیا۔ راقم کو ابتدائی مطالعے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب ہی کی ڈائری کا عکس ہے، راقم نے اس کی فوٹو کاپی حاصل کی اور اس کی مدد سے چار زبانوں (اردو، عربی، فارسی، انگریزی) میں ڈاکٹر صاحب کے علمی آثار کی ایک فہرست تیار کی جو اگلے صفحات میں پیش خدمت ہے۔ ڈائری میں جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بھی اندراجات موجود ہیں۔ اس کے کل صفحات ۳۷ ہیں اور آخری اندراج ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں شایع شدہ مضمون ''قرآن کریم میں عجائبات'' کا ہے۔ یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد بھی اس میں مزید اندراجات کیے ہوں گے۔ اغلباً ڈاکٹر صاحب کی دیگر کتب کے ساتھ یہ ڈائری بھی امریکہ چلی گئی اور محترمہ سدیدہ عطاء اللہ کے پاس ذخیرۂ ڈاکٹر محمد حمید اللہ میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسائل و جرائد میں مطبوعہ مضامین حمد اللہ

Articles dans les revues et les journaux

1	Madras)	V/1, 8.7.1924 — نونہال، ہفتہ وار لاہور مدراس کی سیر
2		V/3, 29.7.1924 — " " شہر حیدرآباد کی سیر
3		22.2.1926 — اخبار تعلیم لاہور حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس
4		August 1926 — ہمایون، ماہنامہ لاہور سلیمیات (اردو رسم الخط و اشتقاق)
5		Feb. 1927 — معارف، ماہنامہ اعظم گڑھ ایک متحف کی قابل دید چیزیں
6		I/1, Feb. 1927 — مجلہ عثمانیہ، سہ ماہی حیدرآباد دکن ڈاک کے ٹکٹ
7		I/1, March 1927 / ۱۳۳۶ — تجلی، ماہنامہ حیدرآباد تجارت کا تعلق آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین سے
8		March 1927 — نظام المشائخ، ماہنامہ دہلی دابۃ الارض (معجزات اور سائنس)
9		9 June 1928 — نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد جنگ عظیم اور جنگ ترکی و یونان کا درمیانی وقفہ
10		May 1928 — تجلی، ماہنامہ دہلی اسلام اور امن و امان (تفسیر قرآن)
11		June 1928 — مکتبہ، ماہنامہ حیدرآباد اردو جھنڈی بولی
12		June 1928 — مجلہ عثمانیہ حیدرآباد ٹیپو سلطان اور اردو کی ترقی (فتح المجاہدین کے اقتباسات)
13		20 Aug. 1928 — نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد بعض نظر انداز حقیقتیں (سیاسیات حیدرآباد)
14		Sept. 1928 — مکتبہ، ماہنامہ حیدرآباد یوروپ میں ادبی نشاۃ ثانیہ
15		13 جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ II/1 — نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد ریاست حیدرآباد کی عظمت اور سلطان دکن کا اقتدار
16	His Most Exalted Highness	Daily Express, Nizam Souvenir, Madras — Feb. 1929

Marfat.com

مکتبہ ماہنامہ حیدرآباد قہرمانیت (ترجمہ ایمرسن Heroism) ۱۷

II/12 نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد ایک فرانسیسی کا سفرنامہ حیدرآباد (ترجمہ M. Pernot sur la Route de l'Inde) ۱۸

صحیفہ روزنامہ حیدرآباد ترکی کا یوم لوزان (ترجمہ از ترکی "ہلال احمر") ۱۹

II/20 نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد اسلامی بے چینی کی نفسیات (ترجمہ از فرانسیسی رسالہ) ۲۰

II/30 مجلہ عثمانیہ حیدرآباد ۸ ویں صدی ہجری میں مصر و شام میں ڈاک کا انتظام (مانوذ از ۱۵) ۲۱ الف

مخزن ماہنامہ لاہور لیڈی ڈفرن کی سیر لاہور (لیڈی ڈفرن کے انگریزی خطوط کا ترجمہ) ۲۱ ب

زمانہ ماہنامہ کانپور وضع اصطلاحات (ایک جواب) ۲۲

المعلم حیدرآباد مدرسہ محمود گاواں بیدر ۲۳

۱۳۳

الکشافہ (حیدرآباد ہیڈکوارٹرس اسکاوٹ ٹرپ کا مجموعہ مقالات) تذکار خود مختار دکن

- فرض حال ۲۴
- آصف جاہ چہارم ۲۵
- آصف جاہ پنجم ۲۶
- آصف جاہ ششم ۲۷
- سلطان العلوم شاہ دکن ۲۸
- بہار حریت و پیام سال نو ۲۹
- تاریخ تخت نشینی شاہ عثمان ۳۰
- قومی تمدن کی پائداری کا معیار (ترجمہ از انگریزی ہرٹ ہرٹل) ۳۱
- اسکاوٹنگ اسلامی ادبیات عالیہ میں ۳۲

مکتبہ ماہنامہ حیدرآباد قلم کی سرگزشت ۳۳

III/11 نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد حیدرآباد اورنٹل میز کانفرنس (دستور بات) ۳۴

Marfat.com

اردو کتب و کتابچے

(۱) سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل۔ قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں ۔طبع اوّل ۱۹۳۶ء، حیدر آباد دکن۔ طبع ثانی ۱۹۴۵ء، حیدر آباد دکن۔

(۲) عہد نبویؐ کا نظام تعلیم۔ طبع دہم ۱۹۷۶ء، حیدر آباد دکن۔
(اب یہ مختصر کتاب ''عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی کا'' حصہ ہے)

(۳) عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی۔ ۱۹۸۱ء، کراچی۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی۔ ۱۹۸۳ء، کراچی۔

(۵) عربی حبشی تعلقات اور نو دریافت شدہ مکتوبات نبویؐ بنام نجاشی۔ ۱۹۴۲ء، حیدر آباد۔

(۶) قانون شہادت۔ ۱۹۴۴ء، حیدر آباد۔

(۷) عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ، لاہور۔

(۸) رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ۱۹۸۰ء، کراچی۔

(۹) صحیفہ ہمام ابن منبّہ، کراچی۔ ملک سنز، فیصل آباد ۱۹۸۳ء، اضافی دیباچہ غلام احمد حریری۔

(۱۰) سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ الوثائق السیاسیۃ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی)، لاہور۔ ۱۹۶۰ء

(۱۱) روزہ کیوں۔ (ترجمہ Why Fast? از محمد حبیب اللہ)، حیدر آباد، ۱۹۶۶ء۔

(۱۲) خطبات بہاولپور۔ اشاعت اوّل ۱۹۸۱ء، بہاولپور۔ مکمل نظر ثانی شدہ اشاعت۔ اسلام آباد۔

(۱۳) سیرت ابن اسحاق (ترجمہ از نور الٰہی ایڈووکیٹ)، نقوش رسولؐ نمبر۔

(۱۴) سیرت طیبہ پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے عثمانیہ یونیورسٹی کے لیکچر ۱۹۸۷ء، حیدر آباد۔

Marfat.com

(۱۵) سیرتِ طیبہ کا پیغام عصر حاضر کے نام، ۱۹۹۲ء لاہور۔
(۱۶) اخبار الطّوال۔
(۱۷) کتاب المحبّر۔
(۱۸) مقالات گارساں دتاسی۔
(۱۹) خطباتِ گارساں دتاسی۔
(۲۰) نقشہ ہائے تاریخ اسلام۔
(۲۱) نقشہ ہائے فقہ و دستور عہد نبویؐ۔
(۲۲) مقالہ در ''نذر عرشی'' (عنوان مقالہ شمس الائمہ سرخسی)
(۲۳) مقالہ در ''نذر مختار'' (عنوان مقالہ: فرانسیسی زبان کی پیدائش میں عربی کا حصہ)۔
(۲۴) اسلامی قانون کا ارتقاء (توسیعی لیکچر)۔
(۲۵) رویتِ ہلال/ نیا چاند۔
(۲۶) عیدین اور ان کے منانے کے اسلامی و جاہلی طریقے۔
(۲۷) مدرسۂ محمدی۔

Marfat.com

اردو مقالات

نمبر شمار	عنوان مضمون	حوالہ	بابت
۱	مدراس کی سیر	ہفتہ وار نونہال، لاہور	۸ر جولائی ۱۹۲۴ء
۲	شہر حیدر آباد کی سیر	ہفتہ وار نونہال، لاہور	۲۹ر جولائی ۱۹۲۴ء
۳	حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس	اخبار تعلیم، لاہور	۲۲ر فروری ۱۹۲۶ء
۴	سلیمیات (اردو رسم الخط واشتقاق)	ماہنامہ ہمایوں، لاہور	اگست ۱۹۲۶ء
۵	ایک متحف کی قابل دید چیزیں	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	فروری ۱۹۲۷ء
۶	ڈاک کے ٹکٹ	سہ ماہی مجلّہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن	فروری ۱۹۲۷ء
۷	تجارت کا تعلق آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ سے	ماہنامہ تجلّی، حیدر آباد	مارچ ۱۹۲۸ء
۸	دآبّۃ الارض (معجزات اور سائنس)	ماہنامہ نظام المشائخ، دہلی	مارچ ۱۹۲۷ء
۹	جنگ عظیم اور جنگ ترکی ویونان کا درمیانی وقفہ	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	جون ۱۹۲۸ء
۱۰	اسلام اور امن وامان (تفسیر قرآن)	ماہنامہ تجلّی، دہلی	مئی ۱۹۲۸ء
۱۱	اردو جھنڈی بولی	ماہنامہ مکتبہ، حیدر آباد	جون ۱۹۲۸ء
۱۲	ٹیپو سلطان اور اردو کی ترقی (فتح المجاہدین کے اقتباسات)	مجلّہ عثمانیہ، حیدر آباد	جون ۱۹۲۸ء
۱۳	بعض نظر انداز حقیقتیں (سیاسیات حیدر آباد)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	۲۰ اگست ۱۹۲۸ء

Marfat.com

۱۴	یوروپ میں ادبی نشاۃ ثانیہ	ماہنامہ مکتبہ، حیدرآباد	ستمبر ۱۹۲۸ء
۱۵	ریاست حیدرآباد کی عظمت اور سلطان دکن کا اقتدار	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	۱۳ر جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ
۱۶	قہرمانیت (ترجمہ ایمرسن Heroism)	ماہنامہ مکتبہ، حیدرآباد	فروری ۱۹۲۹ء
۱۷	ایک فرانسیسی کا سفرنامۂ حیدرآباد (ترجمہ M. Pernot)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	فروری ۱۹۲۹ء
۱۸	ترکی کا یوم لوزان (ترجمہ از ترکی ''ہلال احمر'')	روزنامہ صحیفہ، حیدرآباد	۲۴ مئی ۱۹۲۹ء
۱۹	اسلامی بے چینی کی نفسیات (ترجمہ از فرانسیسی رسالہ)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	جون ۱۹۲۹ء
۲۰	۸ویں صدی ہجری میں مصر و شام میں ڈاک کا انتظام (ماخوذ از عربی)	مجلّہ عثمانیہ، حیدرآباد	مارچ ۱۹۲۹ء
۲۱	لیڈی ڈفرن کی سیر لاہور (لیڈی ڈفرن کے انگریزی خطوط کا ترجمہ)	ماہنامہ مخزن، لاہور	جولائی ۱۹۲۹ء
۲۲	وضع اصلاحات (ایک جواب)	ماہنامہ زمانہ، کانپور	ستمبر ۱۹۲۹ء
۲۳	مدرسۂ محمود گاواں بیدر	المعلم، حیدرآباد	اپریل ۱۹۲۹ء
۲۴	عرض حال	الکشاف (حیدرآباد ہیڈکوارٹرس اسکاؤٹ	دسمبر ۱۹۳۰ء
۲۵	آصف جاہ چہارم	ٹرپ کا مجموعہ مقالات	ایضاً
۲۶	آصف جاہ پنجم	تذکرہ خود مختاری دکن)	"
۲۷	آصف جاہ ششم		"
۲۸	سلطان العلوم شاہ دکن		"
۲۹	جہاد حریت و پیام سال نو		"
۳۰	تاریخ تخت نشینی شاہ عثمان		"

Marfat.com

۳۱	قومی تمدن کی پائداری کا معیار (ترجمہ ازانگریزی ہرٹ جرنل)	"	
۳۲	اسکاؤٹنگ اسلامی ادبیات عالیہ میں	"	
۳۳	قلم کی سرگزشت	ماہنامہ مکتبہ، حیدرآباد	فروری ۱۹۳۱ء
۳۴	حیدرآباد اور گول میز کانفرنس (دستوریات)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	جون ۱۹۳۱ء
۳۵	مجلس اقوام، قسط اوّل	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	جولائی ۱۹۳۱ء
۳۶	مجلس اقوام، قسط دوم	ایضاً	جولائی ۱۹۳۱ء
۳۷	سلطنت مسقط وعمان (انگریزی سے ترجمہ ازلندن ٹائمز)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	اگست ۱۹۳۱ء
۳۸	مشرق میں انقلاب کے لئے روسی تدابیر (ترجمہ ازلندن ٹائمز)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	اگست ۱۹۳۱ء
۳۹	بزم تاریخ کی دسویں سالگرہ (جامعہ عثمانیہ)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	اگست ۱۹۳۱ء
۴۰	شمالی ہند کی زبانوں میں ٹی اور ڈی کی زیادتی (ترجمہ ازBSOS لندن)	ماہنامہ مکتبہ، حیدرآباد	اگست ۱۹۳۱ء
۴۱	عرض حال + نوٹ	ماہنامہ الکشافہ، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء
۴۲	اردو جھنڈی بولی (قسط اول)	ایضاً	ایضاً
۴۳	گول میز کانفرنس کی ابتداء (کنگ آرتھر کی تاریخ اور حلف الفضول)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء/ یکم آذر ۱۳۴۰
۴۴	تنکبھدرا پر بند	روزنامہ منشور، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء/ ۱۱ر آذر ۱۳۴۰
۴۵	ترکی کا حالیہ سیاسی اتار چڑھاؤ	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء/ ۲۴ر آذر ۱۳۴۰

Marfat.com

۴۶	حجاج بن یوسف (ترجمہ Peries کی فرانسیسی سوانح حجاج کا دیباچہ)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء/ ۲۴ر آذر ۱۳۴۰
۴۷	بہ آفرید (ترجمہ از جرمن)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	اکتوبر ۱۹۳۱ء
۴۸	حیات تمدن	ایضاً	۱۹۳۱ء
۴۹	اداریہ	ماہنامہ الکشافہ، حیدر آباد	نومبر ۱۹۳۱ء
۵۰	اردو مارس (اردو جھنڈی بولی قسط دوم)	ایضاً	ایضاً
۵۱	نوٹ اور خبریں	ایضاً	ایضاً
۵۲	ٹیپو سلطان کی معاشرتی اصلاحات، (نکاح پر اس کے فرمان کا ترجمہ)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد سالگرہ خسروی نمبر	رجب ۱۳۴۹ھ
۵۳	اداریہ	الکشافہ حیدر آباد تذکار خود مختاری نمبر رجب ۱۳۴۹ھ	اپریل ۱۹۳۱ء
۵۴	حیدر آباد دولتی انتظام کا نمونہ (انگریزی کتاب کا خلاصہ)'	ایضاً	رجب ۱۳۴۹ھ
۵۵	حیدر آباد بین الاقوامی قانون کے نقطہ نظر سے	روزنامہ منشور، حیدر آباد	۲۹ر رجب ۱۳۴۹ھ
۵۶	وفاق ہند میں حیدر آباد کی شرکت	روزنامہ رہبر دکن، حیدر آباد	جنوری ۱۹۳۱ء/ ۲۸ر اسفندار ۱۳۴۰
۵۷	اداریہ	ماہنامہ الکشافہ، حیدر آباد	فروری ۱۹۳۱ء
۵۸	کشافہ ہر زمانے میں	ایضاً	ایضاً
۵۹	نوٹ اور خبریں	"	"
۶۰	ہماری رائے میں (کتابوں کی تنقید)	"	"

Marfat.com

۶۱	ٹیپو سلطان ہندو مسلم اتحاد کا نمونہ (ترجمہ اخبار ینگ انڈیا مضمون دالجی گوبندی دیسائی)	〃	〃
۶۲	اداریہ	ماہنامہ الکشافہ، حیدرآباد	مارچ ۱۹۳۱ء
۶۳	ملکی زبان میں تعلیم (ترجمہ از ینگ انڈیا مضمون گاندھی)	〃	〃
۶۴	عہد عثمانی کی حلیف نوازی	〃	〃
۶۵	ہمارے رائے میں (تنقیدیں)	〃	〃
۶۶	نوٹ اور خبریں	〃	〃
۶۷	سرور کائنات کی حکومت (قسط اول)	ماہنامہ جامعہ، دہلی	مارچ ۱۹۳۱ء
۶۸	سرور کائنات کی حکومت (قسط دوم)	ماہنامہ جامعہ، دہلی	اپریل ۱۹۳۱ء
۶۹	اقتدار اعلیٰ کی عام ماہیت (متعدد اقساط)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	مئی ۱۹۳۱ء/ ۵ تیر ۱۳۴۰ و مابعد
۷۰	مکہ معظّمہ کا حج اور کاروبار (ترجمہ از جرمن ہفتہ وار)	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد دکن	۱۳ صفر ۱۳۵۰ھ
۷۱	اداریہ	ماہنامہ الکشافہ، حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۷۲	نوٹ اور خبریں	〃	〃
۷۳	کشافہ ہر زمانے میں	〃	〃
۷۴	بابر بادشاہ	〃	〃
۷۵	ترکی کشافہ	ماہنامہ الکشافہ، حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۷۶	سیاسی معاشیات (ترجمہ از فرنچ)	〃	〃
۷۷	نہر سویز کی اسکیم حضرت عمرؓ کے زمانے میں	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدرآباد	۱۹۳۱ء
۷۸	اسلام کی ہیبت اغیار کے دلوں میں (Studdert کی انگریزی کتاب کا خلاصہ)	مجلّہ عثمانیہ	۱۹۳۱ء
۷۹	چند تاریخی استقبال اور داخلے	ماہنامہ خلیق، حیدرآباد	۱۹۳۱ء
		ہفتہ وار نظام گزٹ	۲ شعبان ۱۳۵۰ھ

Marfat.com

۸۰	ممالک محروسہ سرکار عالی میں انگریزی ڈاک خانے	رہبر دکن، حیدرآباد	یکم فروری ۱۹۳۲ء
۸۱	یوروپی الفاظ و اعلام کا اردو املا (اعرابیات)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	اگست ۱۹۳۰ء
۸۲	اٹھارویں موتمر مستشرقین عالم (ترجمہ از فرنچ: شکیب ارسلان)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	۱۹۳۰ء
۸۳	یمن، حجاز، لبنان، شام، فلسطین، مصر، ترکی اور جرمنی سے مکتوبات بنام روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۴ء)	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	
۸۴	ترکی کے حالات جنگ اعظم کے بعد (ترجمہ از جرمن: یشکے)	ہفتہ وار نظام گزٹ، حیدر آباد	۱۹۳۵ء
۸۵	جرمنی اور فرانس کے جامعاتی امتحانات	ماہنامہ شہاب، حیدرآباد	۱۹۳۵ء
۸۶	آنحضرتؐ کا خط قیصر روم کے نام	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	جون ۱۹۳۵ء
۸۷	عرب اور حبشہ (کتاب ''حبشہ'' انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد کا ایک باب)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	۱۹۳۵ء
۸۸	عربوں کی جہاز رانی ایک استدراک قسط اول (مولف سلیمان ندوی)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	مئی ۱۹۳۵ء
۸۹	عربوں کی جہاز رانی ایک استدراک قسط دوم (مولف سلیمان ندوی)		جون ۱۹۳۵ء
۹۰	عربوں کی جہاز رانی۔ ایک استدراک قسط سوم مولف سلیمان ندوی		جولائی ۱۹۳۵ء
۹۱	عربوں اور بیزنطینیوں کے تعلقات قبل اسلام اور ابتدائے اسلام	مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ	۱۹۳۶ء

Marfat.com

۹۲	کشمیر کی چٹھی	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۱۹۳۶ء
۹۳	درّۂ خیبر کی سیر	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۱۹۳۶ء
۹۴	ادارۂ معارف اسلامیہ کا اجلاس (لاہور میں)	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۱۹۳۶ء
۹۵	شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ	نظام گزٹ، سالگرہ نمبر	یکم رجب ۱۳۵۵ھ
۹۶	مکتوباتِ نبویؐ کے دو اصول	مجلّہ عثمانیہ، حیدرآباد	جون ۱۹۳۶ء
۹۷	رسول اکرمؐ کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے؟	شائع کردہ صدر مجلس اشاعت سیرت حیدرآباد دکن	۱۹۳۶ء
۹۸	اسلامی اور حضرمی زندگی (ترجمہ از فرانسیسی W.Marcais) قسط اول، دوم اور سوم	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۱۹۳۶ء/۱، ۲، ۶ آذر ۱۳۴۶
۹۹	ادیبوں سے دو ہائی	ماہنامہ شہاب، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۶ء
۱۰۰	حیدرآباد کی خود مختاری اور اس کا ماضی و حال	ماہنامہ مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	رجب ۱۳۵۶ھ
۱۰۱	عدل گستری ابتدائے اسلام میں	مجلّہ عثمانیہ، حیدرآباد	۱۹۳۷ء
۱۰۲	عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کے بعض اصول	مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ
۱۰۳	اقتدار اعلیٰ کی ماہیت اور اس کا اطلاق مملکت آصفیہ پر	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۲۹ رجب ۱۳۵۷ھ
۱۰۴	حقوق شہریت	ماہنامہ مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	رجب ۱۳۵۷ھ
۱۰۵	ترکی میں دِق کے ادارے (ترجمہ از ترکی)	ماہنامہ ہمدرد صحت، دہلی	اکتوبر ۱۹۳۸ء

Marfat.com

۱۰۶	دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور	سہ ماہی مجلّہ طیلسانیین، حیدرآباد	جولائی ۱۹۳۹ء
۱۰۷	خودمختاری و آزادی (سیاسیات حیدرآباد)	مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	۲۹ رجب ۱۳۵۸ھ
۱۰۸	انسانیت کی فتح بہیمت اور شیطانیت پر (فتح مکہ کی ساڑھے تیرہ سو سالہ سالگرہ)	رہبر دکن، حیدرآباد	۲۲ رمضان ۱۳۵۸ھ
۱۰۹	عہد نبویؐ کی سیاست کاری کے اصول	سہ ماہی سیاست، حیدرآباد	جنوری ۱۹۴۰ء
۱۱۰	ہجرت (نوآبادکاری)	سہ ماہی سیاست، حیدرآباد	جولائی ۱۹۴۰ء
۱۱۱	آزاد قوموں کی ضرورتیں (سیاسیات حیدرآباد)	مجلّہ نظامیہ	رجب ۱۳۵۹ھ
۱۱۲	عہد نبویؐ کے میدان جنگ	مجموعہ تحقیقات علمیہ، جامعہ عثمانیہ	۱۹۴۰ء
۱۱۳	شُبّانیت	روئیداد حیدرآباد، ایجوکیشنل کانفرنس (اجلاس ورنگل)	جون ۱۹۴۱ء
۱۱۴	رسالہ	ایضاً	ایضاً
۱۱۵	انجمن ہائے بلاسودی کی اہمیت اور حیدرآباد میں اس کی حالت	مجلّہ طیلسانیین، حیدرآباد	۱۹۴۱ء
۱۱۶	قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں	مجلّہ طیلسانیین، حیدرآباد	۱۹۴۱ء
۱۱۷	عہد نبویؐ کا نظام تعلیم	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	نومبر ۱۹۴۱ء
۱۱۸	ترک اور ترکی زبان	مجلّہ طیلسانیین، حیدرآباد	دسمبر ۱۹۴۱ء
۱۱۹	قرآنی تصور مملکت	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۴۱ء
۱۲۰	شہری مملکت مکہ قسط اول و دوم	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	جنوری/فروری ۱۹۴۲ء
۱۲۱	عہد نبویؐ کا نظام تعلیم	مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	فروری ۱۹۴۲ء

Marfat.com

۱۲۲	عربی حبشی تعلقات اور نو دستیاب شدہ مکتوب نبویؐ بنام نجاشی	مجلّہ نظامیہ، حیدرآباد	ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ
۱۲۳	عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کا شاہکار (صلح حدیبیہ)	سہ ماہی سیاست، حیدرآباد	اپریل ۱۹۴۲ء
۱۲۴	امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی	مجموعہ مقالات حیدرآباد اکاڈیمی	۱۳۶۱ھ
۱۲۵	حکومت اسلامی کے معنی (بہ اقساط)	رہبر دکن، حیدرآباد	جون ۱۹۴۲ء
۱۲۶	سواحل ہندوستان پر مسلمانوں کا توطن، از محمد مرتضی، حواشی از حمید اللہ	مجلّہ طیلسانیین، حیدرآباد	جون ۱۹۴۲ء
۱۲۷	عہد نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	جولائی ۱۹۴۲ء
۱۲۸	اصل مکتوب نبوی بنام نجاشی کی دستیابی	مجلّہ عثمانیہ۔ حیدرآباد	۱۹۴۲ء
۱۲۹	جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر	مجموعہ مقالات حیدرآباد اکاڈیمی	۱۹۴۳ء
۱۳۰	مدراس کی عظیم الشان نمائش تمدن اسلامی	رہبر دکن، حیدرآباد	۱۱ رمضان ۱۳۶۳ھ
۱۳۱	ایضاً	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	اکتوبر ۱۹۴۳ء
۱۳۲	ایضاً	ہفتہ وار صدق، لکھنؤ	۱۹۴۳ء
۱۳۳	تقویم جلالی .	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۴۳ء
۱۳۴	نمائش ثقافت اسلامیہ مع جشن نو دسالہ دارالعلوم حیدرآباد	روزنامہ رہبر دکن	۱۹۴۳ء
۱۳۵	تدوین حدیث	مجلّہ نظامیہ۔ حیدرآباد	اکتوبر، نومبر ۱۹۴۴ء
۱۳۶	حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی (دارالعلوم کی نو دسالہ سالگرہ)	ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ	فروری ۱۹۴۳ء
۱۳۷	تاریخ ہند میں ملیبار کی اہمیت	ماہنامہ نارجیلستان ٹلچری	مئی ۱۹۳۸ء
۱۳۸	انجمن ہائے قرضۂ بے سودی	معارف۔ اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۴۴ء
۱۳۹	اجنبی اقوام کو مراعات خصوصی	مجلّہ عثمانیہ۔ حیدرآباد	۱۹۴۴ء

Marfat.com

۱۴۰	رسول اکرمؐ کی سیرت کا کیوں مطالعہ کیا جائے؟	ماہنامہ درس القرآن، حیدرآباد	جمادی الاوّل ۱۳۶۳ھ
۱۴۱	سیرۃ النبی: مواد اور ماخذ	"	ج ۲ ۱۳۶۳ھ
۱۴۲	آغاز اسلام کے وقت دنیا کی حالت	"	شعبان ۱۳۶۳ھ
۱۴۳	سیرۃ النبیؐ	"	رمضان ۱۳۶۳ھ
۱۴۴	مکے کی حالت ولادت باسعادت سے قبل	"	محرم ۱۳۶۴ھ
۱۴۵	ختم المرسلینی کے لئے انتخاب	"	ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ
۱۴۶	ولادت باسعادت	"	ذوالقعدہ ۱۳۶۴ھ
۱۴۷	نوعمری	"	محرم ۱۳۶۵ھ
۱۴۸	سیرت	"	صفر ۱۳۶۴ھ
۱۴۹	جوانی اور روزگار	"	ربیع الانور ۱۳۶۵ھ
۱۵۰	سیرت	"	ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ
۱۵۱	شادی خانہ آبادی	"	جمادی الاوّل ۱۳۶۵ھ
۱۵۲	سماجی اور شہری زندگی	"	رجب ۱۳۶۵ھ
۱۵۳	سیرت	"	شعبان ۱۳۶۵ھ
۱۵۴	نبوت کا مکی دور	"	شوال ۱۳۶۵ھ
۱۵۵	عہد نبویؐ میں بین الاقوامی عصبیتوں کو دور کرنے کی بعض تدبیریں	سہ ماہی سیاست، حیدرآباد	جون ۱۹۴۴ء
۱۵۶	انجمن ہائے قرضہ بے سودی کا مقام تنظیم جدید میں	رہبر دکن، حیدرآباد صنعتی نمبر	۱۹۴۴ء/ بہمن ۱۳۵۴
۱۵۷	حیدرآباد کے نظام زر کی اصلاح اور اعشاری نظام کی ترویج	رہبر دکن، حیدرآباد صنعتی نمبر	۱۹۴۴ء/ ایضاً
۱۵۸	تاریخ دکن ترکی ماخذوں سے	روئیداد دکن ہسٹری کانفرنس، حیدرآباد	اپریل ۱۹۴۴ء
۱۵۹	تصادم قوانین کا اسلامی تصور اور عمل	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	فروری ۱۹۴۵ء

Marfat.com

۱۶۰	عربوں کی جہاز رانی۔ استدراک (۲)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	فروری ۱۹۴۵ء
۱۶۱	منشور اقوام متحدہ	مجلّہ طیلسانیین حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۴۵ء
۱۶۲	عربوں کی جہاز رانی۔ استدراک (۳)	معارف۔ اعظم گڑھ	جون ۱۹۴۶ء
۱۶۳	نظام عالم کی سابقہ کوششیں اور اقوام متحدہ کا نیا منشور	سیاست۔ حیدرآباد	دسمبر ۱۹۴۵ء
۱۶۴	اسلامی اصول قانون اور نظریۂ دستوری کا ارتقاء (ترجمہ Macdoval) بالاقساط	ماہنامہ روح ترقی، حیدرآباد	۴۶-۱۹۴۵ء
۱۶۵	قانون بین الممالک اور قرآن مجید	روزنامہ قرآنی دنیا، حیدرآباد	۲۲ر شعبان ۱۳۶۵ھ
۱۶۶	قرآن مجید کے ترجمے مختلف زبانوں میں	"	۲ر رمضان ۱۳۶۵ھ
۱۶۷	قرآن مجید کے لاطینی ترجمے	"	۳ر رمضان ۱۳۶۵ھ
۱۶۸	قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے	"	۱۵ر رمضان ۱۳۶۵ھ
۱۶۹	قرآن مجید کے تراجم۔ فارسی	"	۲ر صفر ۱۳۶۷ھ
۱۷۰	قرآن مجید کے تراجم۔ انگریزی	"	۲۴ر صفر ۱۳۶۷ھ
۱۷۱	(خط) مجوزہ مجلس دستور ساز میں اسلام کی نمائندگی		جولائی ۱۹۴۶ء
۱۷۲	ہمارا عزم حکمرانی	روزنامہ رہبر دکن، حیدرآباد	۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء
۱۷۳	بعثت نبوی کے وقت کی چند عالمگیر گتھیاں اور ان کا اسلامی حل	مجموعہ مقالات حیدرآباد اکاڈیمی	۱۹۴۷ء
۱۷۴	کیا ہم بھی ایک زندہ تندرست قوم ہیں؟ ترجمہ کتاب ماکڈانلڈ	ہفتہ وار امن، حیدرآباد ماہنامہ روح ترقی، حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۴۷ء ستمبر ۱۹۴۸ء
۱۷۵	حیدرآباد کا حق آزادی	ہفتہ وار عظیم تر حیدرآباد، حیدرآباد	جنوری ۱۹۴۸ء

Marfat.com

۱۷۶	فرانس اور حیدرآباد	ہفتہ وار پرچم، (سالنامہ) حیدرآباد	مارچ ۱۹۴۸ء
۱۷۷	اقوام متحدہ اور عدالت بین الممالک	ہفتہ وار پرچم	اپریل ۱۹۴۸ء
۱۷۸	دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت (بہادر خاں)	ماہنامہ روح ترقی، حیدرآباد	جون ۱۹۴۸ء
۱۷۹	پچیس سال پہلے کی باتیں (محمد عبدالرحمٰن خاں صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ)	ایضاً	رمضان/شوال ۱۳۶۷ھ
۱۸۰	تاریخ جدید کے چند حیرتناک حوادث	ماہنامہ روح ترقی، حیدرآباد	مارچ ۱۹۴۹ء
۱۸۱	ایک موتمر رسم الخط و اعراب کی ضرورت	پندرہ روزہ قومی زبان، کراچی	۱۶/اکتوبر ۱۹۴۹ء
۱۸۲	مکتوب پاکستان	ہفتہ وار الہدیٰ، حیدرآباد	۴/جون ۱۹۴۸ء
۱۸۳	امام یمن کا خط اہل حیدرآباد کے نام	"	۲۵/جون ۱۹۴۸ء
۱۸۴	قلمروے انڈیا کا نیا دستور	"	۲/جولائی ۱۹۴۸ء
۱۸۵	گورکھا اور نیپال	"	۱۳/اگست ۱۹۴۸ء
۱۸۶	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"	۱۰/دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۸۷	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"	۱۷/دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۸۸	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"	۲۴/دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۸۹	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"	۳۱/دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۹۰	مکتوب ایران	"	۲۱/جنوری ۱۹۴۹ء
۱۹۱	مکتوب روس	"	۱۵/فروری ۱۹۴۹ء
۱۹۲	مکتوب فلسطین + تاریخ جدید کے چند حیرتناک حوادث (نقل از روح ترقی)	"	۴/مارچ ۱۹۴۹ء
۱۹۳	مکتوب شمالی افریقا	"	۱۸/مارچ ۱۹۴۹ء
۱۹۴	مکتوب لندن	ہفتہ وار الہدیٰ، حیدرآباد	یکم اپریل ۱۹۴۹ء

Marfat.com

۱۹۵	مکتوب دمشق	"	۲۷/مئی ۱۹۴۹ء
۱۹۶	مکتوب مصر	"	۸/جولائی ۱۹۴۹ء
۱۹۷	مکتوب الجزائر (۱)	"	۵/اگست ۱۹۴۹ء
۱۹۸	مکتوب الجزائر (۲)	"	۱۹/اگست ۱۹۴۹ء
۱۹۹	مکتوب تونس	"	۲/ستمبر ۱۹۴۹ء
۲۰۰	مکتوب مراکش (۱)	"	۳۰/ستمبر ۱۹۴۹ء
۲۰۱	مکتوب مراکش (۲)	"	۶/جنوری ۱۹۵۰ء
۲۰۲	مذہبی ایذا رسانی تاریخ عالم میں (۱)	"	۲۰/جنوری ۱۹۵۰ء
۲۰۳	مذہبی ایذا رسانی تاریخ عالم میں (۲)	"	۳/فروری ۱۹۵۰ء
۲۰۴	مذہبی ایذا رسانی تاریخ عالم میں (۳)	"	۱۷/فروری ۱۹۵۰ء
۲۰۵	مذہبی ایذا رسانی تاریخ عالم میں (۴)	"	۳/مارچ ۱۹۵۰ء
۲۰۶	مکتوب انڈونیشیا	"	۱۷/فروری ۱۹۵۰ء
۲۰۷	اسلام پاریس میں (ترجمہ از اسلامک لٹریچر لاہور)	"	۳۱/مارچ ۱۹۵۰ء
۲۰۸	اسلامی سکوں کا وفاق	سہ ماہی معاشیات کراچی	نومبر دسمبر ۱۹۴۹ء
۲۰۹	کتاب النبات مولفہ ابوحنیفہ دینوری (۱)	معارف۔ اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۴۹ء
۲۱۰	مراسلت	معارف۔ اعظم گڑھ	مئی ۱۹۵۰ء
۲۱۱	کیا کرۂ ارض قلابازی لگانے والا ہے؟ (ترجمہ از کانٹی نینٹل ڈیلی میل پاریس)	ماہنامہ مستقبل، کراچی	مئی ۱۹۵۰ء
۲۱۲	پاکستانی زبانوں کا رسم الخطی وفاق	پندرہ روزہ قومی زبان، کراچی	۱۶/جون ۱۹۵۰ء
۲۱۳	دینوری کی کتاب النبات (۲)	معارف۔ اعظم گڑھ	جون ۱۹۵۰ء
۲۱۴	سب سے اچھا ساتھی صلی اللہ علیہ وسلم	ماہنامہ ساتھی، کراچی	اگست ۱۹۵۰ء
۲۱۵	قانون بین الممالک کا آغاز وارتقاء	سہ ماہی تاریخ وسیاست کراچی	اپریل ۱۹۵۱ء
۲۱۶	دانتے کی نظم ''طربیہ ربانی''	معارف۔ اعظم گڑھ	اپریل ۱۹۵۱ء
۲۱۷	فرانس کا دارالحکومت پیرس	رہنمائے دکن	۲۰/جولائی ۱۹۵۱ء

Marfat.com

۲۱۸	مکتوب حمید (رسم الخط اور املا پر)	معارف۔اعظم گڑھ	اگست ۱۹۵۱ء
۲۱۹	استانبول کی موتمر مستشرقین عالم	معارف۔اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۵۲ء
۲۲۰	عہد نبویؐ کی ایک عظیم الشان یہودی سازش	ماہنامہ کاروان، کراچی	مارچ ۱۹۵۲ء
۲۲۱	رناں اور جمال الدین افغانی کا مباحثہ	ماہنامہ کاروان، کراچی	نومبر/دسمبر ۱۹۵۲ء
۲۲۲	رومی قانون اور اسلامی قانون کے تعلقات پر چند ملاحظات (ترجمہ از اطالوی، نالینو)	معارف۔اعظم گڑھ	جنوری ۱۹۵۳ء
۲۲۳	مولانائے روم کی سات سو سالہ برسی	معارف۔اعظم گڑھ	مئی ۱۹۵۳ء
۲۲۴	خلیفہ عمرؓ: اسلام کی قدیم ترین تاریخ کا ایک کردار (ترجمہ از جرمن)	تاریخ وسیاست، کراچی	اگست ۱۹۵۳ء
۲۲۵	فراسۃ النبی فی السلم والحرب: غزوۂ خندق اور صلح نامہ حدیبیہ کے بعض غیر معروف پہلو	ماہنامہ فاران، کراچی	ستمبر ۱۹۵۳ء
۲۲۶	مکتوب برلین	ہفتہ وار معمار، حیدرآباد دکن	۲۷ر نومبر ۱۹۵۳ء
۲۲۷	اسلامی مسائل کا عالمگیر ربط وتلازم	ماہنامہ فاران، کراچی	جون ۱۹۵۴ء
۲۲۸	غلبت الروم	ماہنامہ فاران، کراچی	نومبر ۱۹۵۴ء
۲۲۹	مؤتمر مستشرقین عالم (کیمبرج)	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۵۴ء
۲۳۰	جہاد وغزوات	ماہنامہ فاران، کراچی	جنوری ۱۹۵۶ء
۲۳۱	میونک میں مستشرقین عالم کی کانگریس	ہفت روزہ اقدام، لاہور	۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء
۲۳۲	موتمر مستشرقین عالم کا اجلاس میونک ۱۹۵۷ء	معارف۔اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۵۸ء
۲۳۳	فقہ کی تشکیل اور آغاز کا معمہ	معارف، اعظم گڑھ	مارچ، اپریل ۱۹۵۸ء
۲۳۴	اسلامی قانون اور بیرونی اثرات	ماہنامہ چراغ راہ، کراچی	جون ۱۹۵۸ء
۲۳۵	اسلامی قانون اور قانون روما	ماہنامہ چراغ راہ، کراچی	جون ۱۹۵۸ء
۲۳۶	اسلامی قانون اور اس کے ماخذ	"	"
۲۳۷	تدوین قانون اسلامی اور امام ابوحنیفہؒ	"	"

Marfat.com

۲۳۸	جواب سوالنامہ:	ماہنامہ چراغ راہ، کراچی	جولائی/ اگست
	اسلام کا تصور قانون کیا ہے؟	"	۱۹۵۸ء
	اسلامی زندگی کی تشکیل وتعمیر میں قانون کا کیا حصہ ہے؟	"	"
	فقہ اسلامی میں جمود کا اصل سبب کیا ہے؟	"	"
	اسلامی قانون کی تشکیل جدید کس طرح ہوسکتی ہے؟	"	"
	پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں؟	"	"
۲۳۹	عربی حبشی تعلقات اور مکاتیب نبویؐ	ثقافت، لاہور	مئی ۱۹۵۹ء
۲۴۰	قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے	معارف۔ اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۵۹ء
۲۴۱	قرآن مجید کے تراجم کی چند گتھیاں	برگ گل کراچی، جلد پنجم ص ۲۵۶ تا ۲۷۸	
۲۴۲	عربی حبشی تعلقات	ثقافت، لاہور	مئی ۱۹۶۰ء
۲۴۳	اسلام کا طرز حکومت (ترجمہ غلام شرف الدین)	لقائے رب، کراچی	ستمبر ۱۹۶۰ء
۲۴۴	موتمر مستشرقین عالم کا پچیسواں اجلاس ماسکو	معارف۔ اعظم گڑھ	نومبر ۱۹۶۰ء
۲۴۵	خط درباره القاضی رشید	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۶۰ء
۲۴۶	(خط) قرآن حضرت عثمانؓ	معارف۔ اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۶۱ء
۲۴۷	رسول اکرمؐ کے معاندوں کی نفسیاتی تحلیل	تہذیب الاخلاق لاہور	نومبر ۱۹۶۱ء
۲۴۸	ڈاکٹر حمید اللہ کا مکتوب	فاران، کراچی	اگست ۱۹۶۲ء
۲۴۹	گارسیں دتاسی کے مقالات وخطبات کے تراجم	قومی زبان، کراچی	جنوری ۱۹۶۴ء

Marfat.com

۲۵۰	القاضی الرشید، مولف کتاب الذخائر والتحف	معارف۔ اعظم گڑھ	مئی ۱۹۶۴ء
۲۵۱	اسلامیات کی ایک انگریزی کتاب پر سوال وجواب	صدق، لکھنؤ	۲۵ ستمبر ۱۹۶۴ء
۲۵۲	امام سرخسی کی نوسو سالہ برسی	معارف۔ اعظم گڑھ	ستمبر ۱۹۶۴ء
۲۵۳	عہد نبویؐ کے واقعات کے لئے تقویمی پیچیدگیاں	اورینٹل کالج میگزین، لاہور	مئی ۱۹۶۴ء
۲۵۴	مولوی عبدالحق مرحوم کی یاد میں	قومی زبان، کراچی بابائے اردو نمبر	۱۹۶۴ء
۲۵۵	قرآن مجید اور عورت	خاتون پاکستان، قرآن مجید نمبر، کراچی	۱۹۶۵ء
۲۵۶	اسلام اور علم ہیئت کے نئے مسائل	معارف۔ اعظم گڑھ	ستمبر ۱۹۶۷ء
۲۵۷	موتمر مستشرقین عالم امریکہ میں	معارف۔ اعظم گڑھ	نومبر ۱۹۶۷ء
۲۵۸	تذکار قرآنی	روزنامہ رہنمائے دکن، حیدرآباد	۲۷ رمضان ۱۳۸۷ھ
		حیدرآباد دکن خصوصی اشاعت تذکار قرآن حکیم	
۲۵۹	قرآن مجید اور عورت	ایضاً	ایضاً
۲۶۰	سیر یا قانون بین الممالک	فکر ونظر، راولپنڈی	مئی ۱۹۶۸ء
۲۶۱	قرآن مجید کی سالگرہ مبارک	خاتون پاکستان، کراچی نزول قرآن مجید نمبر ۱۳۸۷ھ	۱۹۶۸ء
۲۶۲	مکتوب نبویؐ بنام کسریٰ	البلاغ، کراچی	مئی ۱۹۶۸ء
۲۶۳	ایلاف: جاہلیت میں عربوں کے معاشی وسفارتی تعلقات (ترجمہ محمد حسن عسکری)	البلاغ، کراچی	جون ۱۹۶۸ء
۲۶۴	عربی رسم الخط انگریزی زبان میں	فاران، کراچی	ستمبر ۱۹۶۸ء

Marfat.com

۲۶۵	حضرت ابوبکرؓ کی سفارت بنام ہرقل (ترجمہ از محمد حسن عسکری)	البلاغ۔کراچی	اکتوبر ۱۹۶۸ء
۲۶۶	یورپ میں اوقات صوم وصلوٰۃ	فاران	نومبر ۱۹۶۸ء
۲۶۷	دشمنان رسولِ خدا کی نفسیات (مترجمہ محمد حسن عسکری)	البلاغ، کراچی	دسمبر ۱۹۶۸ء
۲۶۸	امام محمد کی بارہ سو سالہ یادگار وفات ترکی میں	معارف۔اعظم گڑھ	جون ۱۹۶۹ء
۲۶۹	انگریزی عربی رسم الخط میں	ماہنامہ پیغام، لندن	اکتوبر ۱۹۶۹ء
۲۷۰	نسی اور تقدیم ہجری (مترجمہ ڈاکٹر نعیم احمد)	تحریر، دہلی	مارچ ۱۹۷۰ء
۲۷۱	ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دو خط	فاران، کراچی	اکتوبر ۱۹۷۰ء
۲۷۲	رسول اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس طرح کیا جائے؟		دسمبر ۱۹۷۰ء
۲۷۳	سیرت نگارِ نبویؐ ابن اسحاق	البلاغ، کراچی	فروری ۱۹۷۱ء
۲۷۴	مولانا عبدالحق مرحوم جیسا کہ وہ دور سے نظر آتے تھے؟	عثمانیہ کالج کرنول، اردو میگزین	۷۰-۱۹۶۹ء
۲۷۵	قرآن مجید کے ترجمے	فاران، کراچی	مئی ۱۹۷۱ء
۲۷۶	مکتوب حمید	معارف، اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۷۱ء
۲۷۷	محبوب علی خان نظام دکن کی معزولی کی سازش کا قضیہ	فاران، کراچی	اپریل ۱۹۷۲ء
۲۷۸	زبان اور اللہ کا کلام	اورینٹل کالج میگزین لاہور شمارہ جشن صد سالہ	۱۹۷۲ء
۲۷۹	اظہار الحق اور اسی کا اردو ترجمہ	البلاغ، کراچی	مئی ۱۹۷۲ء
۲۸۰	مکتوب حمید	معارف۔اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۷۲ء
۲۸۱	مرکزی سیاست اور قانون	رہنمائے دکن، حیدرآباد دکن	۲۰ر نومبر ۱۹۷۲ء

Marfat.com

۲۸۲	کیا اسلامی قانون رومی قانون کا مرہون منت ہے؟	معارف، اعظم گڑھ	جنوری ۱۹۷۳ء
	ترجمہ از انگریزی پروفیسر فٹز جیرالڈ (۱)	"	فروری ۱۹۷۳ء
	مکتوب حمید (۴)	"	جنوری ۱۹۷۴ء
۲۸۳	تاریخ قانون میں مسلمانوں کا حصہ	(نذر عابد حصہ اردو)	۱۹۷۴ء
۲۸۴	تقویم ہجری اور عالم اسلام میں ایک دن عید منانے کا مسئلہ	البلاغ، کراچی	دسمبر ۱۹۷۵ء
۲۸۵	ڈوب مرے فرعون کا نام	فاران، کراچی	مئی ۱۹۷۷
۲۸۶	پیرس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مکتوب (ڈوب مرے فرعون کے متعلق)	فاران، کراچی	ستمبر ۱۹۷۷ء
۲۸۷	قرآن مجید کے ترجمے	فاران، کراچی	دسمبر ۱۹۷۷ء
۲۸۸	دنیا کا پہلا وفاقی دستور	ماہنامہ پیغام، کراچی	اپریل ۱۹۷۸ء
۲۸۹	کلام اللہ، حکمت و دانش کے چند نئے پہلو	فاران، کراچی (ماہر نمبر)	دسمبر ۱۹۷۸ء
۲۹۰	پروفیسر محمد حسن عسکری مرحوم اعلی اللہ مقامہ	محراب، لاہور	۱۹۷۹ء
۲۹۱	زبان زد قصہ	محراب، لاہور	۱۹۷۹ء
۲۹۲	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن میلاد (نیز بصورت کتاب)	مسلم، مدراس	جولائی ۱۹۷۹ء
۲۹۳	اسلامی مملکت کا دستوری تصور اور اصول دستور	الحق، اکوڑہ خٹک	اکتوبر ۱۹۷۸ء
۲۹۴	عہد نبوی کا نظام تعلیم	اظہار، کراچی	جنوری فروری ۱۹۸۲ء
۲۹۵	ملیبار کے احسان ہمالیہ تلے کے براعظم پر (ملیباریوں کی انجمن کا خصوصی نمبر)	کراچی	۱۹۸۰ء
۲۹۶	پٹرول گاس اور ابتدائے اسلام	نذر زیدی	۱۹۸۰ء
۲۹۷	اقبال کی بال جبریل کا فرانسیسی ترجمہ	فاران، کراچی	مارچ و مئی ۱۹۸۰ء

Marfat.com

۲۹۹	کل ذی علم علیم (عربی خط میں نقطوں کا استعمال عہد رسولؐ میں)	فاران، کراچی	اگست/اکتوبر ۱۹۸۰ء
۳۰۰	اولین مساجد	سیارہ ڈائجسٹ لاہور، چودہ صدیاں نمبر	فروری، مارچ ۱۹۸۱ء
۳۰۱	مضافات حیدرآباد کے جھونپڑ	روزنامہ سیاست، حیدرآباد	۹/اگست ۱۹۸۱ء
۳۰۲	بعض اختلافی مسائل میں متحدہ روایتیں	جامعہ الرشاد اعظم گڑھ	اگست ۱۹۸۱ء
۳۰۳	مکتوب پیرس	معارف، اعظم گڑھ	۱۹۸۱ء
۳۰۴	فرانس سے ایک قابل قدر علمی کتاب	الحق، اکوڑہ خٹک	ستمبر ۱۹۸۱ء
۳۰۵	پیرس سے ایک مکتوب گرامی	معارف۔ اعظم گڑھ	اگست ۱۹۸۱ء
۳۰۶	مفتی محمد شفیع عثمانی اعلی اللہ مقامہ	البلاغ، کراچی (خصوصی نمبر بیاد مفتی محمد شفیعؒ)	جون ۱۹۷۹ء
۳۰۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یونیسکو پیامی، کراچی	نومبر دسمبر ۱۹۸۱ء
۳۰۸	سدا بہار پیغام ربانی	دامن سرحد (پشاور یونیورسٹی)	۱۹۸۰ء
۳۰۹	مکتوب فرانس ابوطالب کیلئے لفظ ''حضرت'' امام محمد کا شاگرد امام ابوحنیفہ ہونا، مبسوط امام محمد، مبسوط سرخسی اور سرخسی کا مبسوط زبانی املاء کرانا	الحق، اکوڑہ خٹک	صفر ۱۴۰۳ھ
۳۱۰	میری کتاب ''خطبات بہاولپور''	ماہنامہ فاران، کراچی	فروری ۱۹۸۲ء
۳۱۱	غزوۂ بنی النضیر کا اصل باعث	الرشاد، اعظم گڑھ	جنوری/فروری ۱۹۸۲ء
۳۱۲	نمرود اور فرعون کے شخصی نام	الحق، اکوڑہ	مئی ۱۹۸۲ء
۳۱۳	اسلامی قانون کا ارتقاء (نقل از مجلّۂ قانون سندھ مسلم گورنمنٹ لا کالج) ۱۹۷۶۔۱۹۸۰ء	اظہار، کراچی	دسمبر ۱۹۸۲ء
۳۱۴	عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی	اظہار، کراچی	دسمبر ۱۹۸۲ء

Marfat.com

۳۱۵	ایک مکتوب	فاران، کراچی	جون ۱۹۸۲ء
۳۱۶	فرعون کی غرقابی کا مسئلہ اور ڈاکٹر حمید اللہ کا تازہ مکتوب	الحق، اکوڑہ	اگست ۱۹۸۲ء
۳۱۷	جہاد و غزوات	فاران، کراچی	دسمبر ۱۹۸۲ء
۳۱۸	فکر و نظر	فکر و نظر	جون ۱۹۸۲ء
۳۱۹	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترجمہ نذیر حق	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	دسمبر ۱۹۸۲ء
۳۲۰	ونکلر از اسحاق النبی	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	
۳۲۱	عربی ایرانی تعلقات	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	
۳۲۲	عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کا شاہکار	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	
۳۲۳	سرور کائناتؐ کی حکومت	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	
۳۲۴	عہد نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	
۳۲۵	عہد نبویؐ کے اصول سیاسیات	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	دسمبر ۱۹۸۲ء
۳۲۶	عہد نبویؐ میں نظام تعلیم	نقوش، لاہور۔ رسول نمبر	دسمبر ۱۹۸۲ء
۳۲۷	غرق فرعون	الحق، اکوڑہ	جنوری ۱۹۸۳ء
۳۲۸	تردید مستشرقین کی کانفرنس کے خلاف	معارف۔ اعظم گڑھ	مئی ۱۹۸۳ء
۳۲۹	جامع عمرؓ کے متعلق	الرشاد۔ اعظم گڑھ	اپریل ۱۹۸۳ء
۳۳۰	فرعون کی لاش۔ مکتوب فرانس	الحق، اکوڑہ	مئی ۱۹۸۳ء
۳۳۱	پکتھال کو غیر مسلم مستشرقوں میں داخل کرنے پر احتجاج	معارف۔ اعظم گڑھ	اگست ۱۹۸۳ء
۳۳۲	سرجری اور اسلام	الحق، اکوڑہ	جون ۱۹۸۳ء
۳۳۳	کناڈا میں ۱۹ گھنٹہ کا روزہ	روزنامہ سیاست، حیدرآباد	یکم اگست ۱۹۸۳ء
۳۳۴	قطبین کے قریبی علاقوں میں نماز روزے کے اوقات	روزنامہ سیاست، حیدرآباد	۸/ اگست ۱۹۸۳ء
۳۳۵	مصنف عبدالرزاق اور جامع معمر بن راشد	الرشاد۔ اعظم گڑھ	جون/ جولائی ۱۹۸۳ء

Marfat.com

۳۳۶	غرق فرعون	الحق، اکوڑہ	مئی ۱۹۸۳ء
۳۳۷	شمارۂ ربیع الاول کے متعلق ایک اہم خط	فاران، کراچی	اپریل ۱۹۸۳ء
۳۳۸	ہبوط آدم برائے سزا یا برائے اعزاز؟	معارف۔ اعظم گڑھ	جولائی ۱۹۸۳ء
۳۳۹	معمر بن راشد کی کتاب الجامع ''عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب ''المصنف'' کا باب ''کتاب الجامع''	الرشاد۔ اعظم گڑھ	مئی/ جون ۱۹۸۴ء
۳۴۰	محاکمہ سیرت ابن اسحاق (عربی سے ترجمہ نورالٰہی)	نقوش، لاہور نمبر ۱۱	۱۹۸۴ء
۳۴۱	مولانا سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کی صد سالہ یادگار ولادت	البیان، پشاور	فروری ۱۹۸۵ء
۳۴۲	مولانا سید سلیمان ندوی قدس اللہ کی صد سالہ سالگرہ کی تقریب	معارف۔ اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۸۵ء
۳۴۳	حضور اکرمؐ کا نظام دفاع	مشرق انٹرنیشنل	۲۱/ جولائی ۱۹۸۵ء
۳۴۴	ڈاکٹر حمید اللہ کا مکتوب گرامی	الحق، اکوڑہ	جولائی ۱۹۸۵ء
۳۴۵	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	فکر و نظر، اسلام آباد	جون/ ستمبر ۱۹۸۵ء
۳۴۶	مکتوب پیرس	معارف، اعظم گڑھ	فروری ۱۹۸۶ء
۳۴۷	قرآن کے رسم الخط اور تراجم کے متعلق	الرشاد۔ اعظم گڑھ	جنوری/ مارچ ۱۹۸۶ء
۳۴۸	مکتوب پیرس	معارف۔ اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۸۷ء
۳۴۹	دور نبویؐ میں کتابت حدیث اور اس کے سب قدیم ثبوت، مترجمہ محمود احمد میر پوری	صراط مستقیم، برمنگھم	جنوری/ فروری ۱۹۸۷ء
۳۵۰	مکتوب پیرس	معارف۔ اعظم گڑھ	مارچ ۱۹۸۷ء
۳۵۱	مکتوب پیرس	معارف۔ اعظم گڑھ	مئی ۱۹۸۷ء
۳۵۲	مکتوب پیرس	معارف۔ اعظم گڑھ	دسمبر ۱۹۸۷ء

Marfat.com

۳۵۳	جناب سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی وفات پر تعزیتی خط	معارف۔اعظم گڑھ	مئی ۱۹۸۸ء
۳۵۴	فتح مکہ (۸ھ) کی چودہ سوسالہ یادگار	معارف۔اعظم گڑھ	جولائی ۱۹۸۶ء
۳۵۵	تصحیح اغلاط طبع مضمون ص ۸۷۸ فتح مکہ کی چودہ سوسالہ یادگار	معارف۔اعظم گڑھ	اگست ۱۹۸۶ء
۳۵۶	حدیث اطلبوا العلم ولو بالصین کے اسانید کی تحقیق	محدث، لاہور	اگست ستمبر ۱۹۸۶ء
۳۵۷	معارف کی ڈاک	معارف۔اعظم گڑھ	اکتوبر ۱۹۸۶ء
۳۵۸	حضرت امّ ورقہ کے بارے میں ایک استفسار (ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا جواب)	فکر ونظر، اسلام آباد	ستمبر ۱۹۸۶ء
۳۵۹	کلام اللہ ازلی۔	معارف۔اعظم گڑھ	نومبر ۱۹۸۸ء
۳۶۰	مکتوب پیرس	ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ	مئی ۱۹۸۹ء
۳۶۱	ایک شرارت	ماہنامہ نونہال، کراچی	۱۹۸۹ء
۳۶۲	قرآن مجید میں عجائبات	ماہنامہ الحق، اکوڑہ	ستمبر ۱۹۸۹ء

Marfat.com

مقالات ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مشمولہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

نمبر شمار	عنوان مقالہ	جلد نمبر	صفحہ نمبر (از۔تا)
۱	آئین	۱	۲۔۱
۲	ابرھۃ	۱	۳۸۹۔۳۸۱
۳	آبنوس (محمد حمید اللہ و J.Hill)	۱	۹۔۷
۴	احابیش	۲	۳۱۔۲۷
۵	اُحد	۲	۳۸۔۳۱
۶	ایلاف	۳	۷۲۰۔۷۱۸
۷	امۃ (محمد حمید اللہ و R.Paret)	۳	۲۴۵۔۲۴۳
۸	بدر	۴	۱۵۶۔۱۵۳
۹	بعث	۴	۶۲۹۔۶۲۳
۱۰	ثقیف	۶	۱۰۲۶۔۱۰۲۳
۱۱	حدیبیہ	۷	۹۶۲۔۹۵۸
۱۲	حلف الفضول	۸	۵۱۵۔۵۱۲
۱۳	الحمس	۸	۶۳۲۔۶۳۰
۱۴	حنین	۸	۶۹۸۔۶۹۶

Marfat.com

۱۵	خط	۸	۹۶۱_۹۶۷
۱۶	خندق	۹	۶_۱۱
۱۷	خیبر	۹	۶۶_۷۲
۱۸	الدینوری	۹	۵۷۶_۵۸۰
۱۹	زینبؓ بنت جحش	۱۰	۵۶۵_۵۶۸
۲۰	السرخسی	۱۰	۸۱۱_۸۱۵
۲۱	سلیم بن منصور	۱۱	۲۱۴_۲۱۸
۲۲	طائف	۱۲أ	۳۹۴_۳۹۷
۲۳	علیؓ بن ابی طالب	۱۴/۲	۲۴_۴۷
۲۴	عمرؓ بن الخطاب	۱۴/۲	۲۰۷_۲۳۰
۲۵	عمرو بن امیہ	۱۴/۲	۲۵۳_۲۵۶
۲۶	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۱۹	۱_۸۹
۲۷	عہد نبویؐ میں نظم ونسق مملکت	۱۹	۲۱۳_۲۲۲
۲۸	رسول اللہ اکرمؐ بطور مقنن	۱۹	۲۲۲_۲۳۴
۲۹	معاقل (بیمہ)	۲۱	۲۸۲_۲۸۹
۳۰	معراج	۲۱	۳۴۶_۳۵۱
۳۱	میزانیہ	۲۱	۹۵۸_۹۶۳
۳۲	یہود	۲۳	۳۵۵_۳۶۳

Marfat.com

انگریزی کتب

(1) *The Battlefields of the Prophet Muhammad*3rd ed. Hyderabad: Habib, 1983.

(2) *The Emergence of Islam:Lectures on the Development of Islamic World-View, Intellectual Tradition and Polity*.Islamabad: Islamic Research Institute in Collaboration with Da'wah Academy, International Islamic University, 1993.

(3) *The First Written Constitution in the World*3rd ed. Sh.Muhammad Ashraf, 1975.

(4) *Sahifah Hammam ibn Munabbih*.10th ed. Luton: Apex, 1979.

(5) *Introdution to Islam*.5th ed. Luton: Apex 1980.

(6) *Islam and Communism: A Study in Comparative Thought,* Lahore: Kazi Publications, 1975.

(7) *Islam, A General Picture*.Chicago:Kazi Publications, 1980.

(8) *Muhammad Rasulullah*. Hyderabad: Stockists, Habib, 1974.

(9) *The Muslim Woman*. Islamabad: International Islamic University, 1989.

(10) *The Muslim Conduct of State*.7th ed. Lahore: Sh.Muhammad Ashraf, 1987.

(11) *Why fast? A Study of Fast in Islam From both*

Marfat.com

Spiritual and Temporal Points of View.Geneva: Islamic Center, 1961.

(12) *The 1400th Anniversary of the Completion of Islam.* Oxford: Oxford Centre for Islamic Studies, 1989.

انگریزی مقالات

- "Administration of Justice in Early Islam."*Islamic Culture* 11 (1937).
- "Administration of Justice Under the Early Caliphate: (Instructions of Caliph: Umar to Abu Musa al-Ash-'a *Journal of the Pakistan Historical Society 19 (1971).*
- "African (Black) Muslims in the Time of the Prop *Al-Ilm,* 4 (1984).
- "The Ahabish Tribes, Allies of the Pagans of Mecca." *Hamdard Islamicus.* 9 (1986).
- "Ancient India from Arabic Sources,"*Proceedings of All-India History Conference*(1941).
- "An Approach to Knowledge and Human Limitations," *Islam: Source and Purpose of Knowledge. Ed. The International Institute of Islamic Thought.* Herndon: International Institute of Islam Thought, 1988.
- "Arab Discovery of America Before Columbus," *Al-Ilm,* 2 (1982).
- "Budgeting and Taxation in the Time of the Holy Prophet,: *Journal of the Pakistan Historical Society* 3 (1955).

Marfat.com

- "The Christian Monk Abu 'Amir of Medina of the Time of the Holy Prophet," *Journal of the Pakistan Historical Society*7 (1959).
- "The City-State of Mecca,: *Islamic Culture* 12 (1938).
- "Codification of Muslim Law by Abu Hanifa,: *Festschrift Zeki Velidi Togan'a Armagan*(1950-55): 369-378.
- "Constitutional Precedents and Practice of the Orthodox Islam," Select Constitutions of the World 1 (1968).
- "Constitutional Problems in Early Islam," *Islam Tetkikleri Enstitusu Dergisi*5 (1973).
- "Contribution of ash-Shafi'i to the Science of Law," Jernal Undang 1st ser. 2 (1975).
- "Contribution of Modern Hyderabad to Islamic Studies," *Perspectives* Jul. (1946).
- "The Cultivation of Spiritual Life,"*Majallat al-Azhar.* 43 (1971).
- "Cultural Activities," *Les Pays Entrangers* (1939-1948).
- "Cultural and Intellectual History of Indian Islam,"*Die Welt Des Islam.* 3 (1954).
- "Daily life of a Muslim," *Majallat al-Azhar.*46 (1974).
- "Devotional Life and Religious Practices of Islam," *Majallat al-Azhar.* 42 (1970): 6-11. 42 (1970): 6-12; 43 (1971).
- "Dinawariy's Encyclopedia Botanica (Kitab an Nabat) in the Light of Fragments in Turkish Libraries,"*Mel.*

Marfat.com

Kropula (1953): 195-206; *Festchrift Fuad Koprulu* (1953).

- "Diplomatic Relations of Islam with Iran in the Time of the Prophet," *Proceedings of the Second Session of Idarah, Ma 'arif Islamiyah*n.d.
- "Dominion Status for Hyderabad," *Clarion.* 26 (1947).
- "Early Muslim Contribution to Botany," *Al-Ilm,* 5 (1985).
- "Early History of the Compilation of the Hadith," *The Islamic Review.*37 (1949).
- "Educational System in the Time of the Prophet," *Islamic Culture* 13 (1939).
- Embassy of Queen Bertha of Rome to Caliph al-Muktafi Billah in Baghdad 293 H/906,"*Journal of the Pakistan Historical Society*1 (1953).
- "The Episode of the Project of a Written Testament by the Prophet on His Death-Bed," *Journal of the Pakistan Historical Society*31 (1983).
- Ernest Renan and Jamal al-Din Afghani: Foremost Representatives of Two Cultures," Islamic Review. 46 (1958).
- "An Euphrates Valley Authority," *Islamic Review.* 42 (1955).
- "Ex-territorial Capitulations in Favour of Muslims in Classical Times," *Islamic Research Association I*(1949).
- "Faith and Belief," *Majallat al-Azhar* 42 (1970).
- "The Friendly Relations of Islam With Christianity and

Marfat.com

How They Deteriorated," *Journal of the Pakistan Historical Society* 1 (1953).

- "General History of Islam," *Majallat al-Azhar.* 46 (1974).
- "Haiderabad's Contribution to Islamic Economic Thought," *Die Welt des Islam* 4 (1955).
- "The Hanging Rock of Jerusalem,"*Islamic Herald.* 3(1977).
- "History of the Qur'an," *Majallat al-Azhar.* 42 (1970).
- "The Holy Quran: A Simple Commentary," *al-Hadil-Ameen* 47-104 (1960-1965).
- "Hyderabad's Contribution to Islamic Culture,"*Islamic Review.* 37 (1949).
- "Imam Muḥammad the Great Muslim Jurist," *Islam Medeniyeti* 20 (1969).
- "Influence of Roman Law on Muslim Law," *Hyderabad Academy Journal*6 (1943).
- "Intercalation in the Qur'an and the Hadith," *Islamic Culture* 17 (1945).
- "Interest-Free Co-operative Lending Societies," *Muslim Yearbook of India and Pakistan*(1948-1949).
- "The International Law in Islam," *Islamic Review.* 39 (1951).
- "Islam in Europe," *Islamic Literature* 1 (1949).
- "Islam, Philosophy and Science," UNESCO (1981).
- "Islam's Solution of the Basic Economic Problems. The Position of Labour," *Islamic Culture* 10 (1936).
- "Islamic Calendars," *Muslim Yearbook of India and*

Marfat.com

Pakistan (1948-1949).

- "Islamic Insurance," *Muslim Yearbook of India and Pakistan* (1948-1949).
- "Islamic Studies in Modern Europe," *Quranic World* 2 (1936).
- "The Islamic Conception of Life," *Majallat al-Azhar* 42 (1970): 10-16. 42 (1970): 5-8. 42 (1970).
- "Islamic Conception of World Order," *Steps Unto Him* 7 (1955).
- "Islamic Culture as a Factor in World-Civilization," *Sir W. Jones Bicentenary Commem*(1948).
- "Islamic Nation of Conflict of Laws," *Proceedings of the First All-India Law Conferenc*(1945).
- "Islamic Precedents on Division of Power Between Centre and Component Parts," *Le Meme* (1948).
- "Islamic Sections in the Western and Oriental Libraries," *Proceedings of the Eighth All-India Orientalist Conference*(1935).
- "Islamic Studies," *Hyderabad Academy Journal* 7(1946).
- "Islamizing the Colonial Laws," *Impact London,* 3(1973).
- "The Jewish Background of the Battles of Jamal and Siffin," *Journal of the Pakistan Historical Society 38(1982).*
- "Judicial System of Islam," *Majallat al-Azhar:* 43(1971): 9-16, 43 (1971).
- "A Letter of the Prophet in the Musnad-Script

Marfat.com

Addressed to the Yeminite Chieftains," *Hamdard Islamic.* 5 (1982).

- "Legacy of Muslim Culture in Istanbul Museums," *Islamic Review.* 48 (1960).
- "Life of the Holy Prophet: New Light on Some Old Problems," *Islamic Order.* 1 (1979).
- "Literary Treasures of Aurangabad," *Islamic Culture 16 (1942).*
- "The Map of Battle of Malazgird on Basis of Historical Description of the Battle," *Islamic Culture* 19 (1945).
- "The Messenger of God," *UNESCO Courier,* 34(1981).
- "The Military Department of the Muslim State in the Time of the Prophet Muhammad," *Islamic Review.* 58(1970).
- "Military Intelligence in the Time of the Prophet," *Islamic Literature* 2 (1950).
- "Muhammad Ibn Ishaq (The Biographer of the Holy Prophet)," *Journal of the Pakistan Historical Society 15 (1967).*
- "Muhammad, Prophet of God," *Cultures.* 7 (1980).
- "Muhammad Shafi," *Islam Tetkikleri Enstitusu Dergisi* 4 (1964).
- "Muslim Conception of Law," 11*Nation* (1950).
- "Muslim Contribution to Law," *Sejahtera* 7 (1973-1974).
- "Muslim Contributions to the Science and Arts," *Majallat al-Azhar.* 45 (1973): 12-16. 45 (1973): 7-16.

Marfat.com

45 (1973).

- "Muslim Knowledge of Petrol and Gas During Middle Ages," *Islamicd Order.* 1 (1979).
- "Muslim Law Books as a Source of Unexpected Knowledge," *Persuatuan Mahawiwa Islam* 7 (1976-1977).
- "Muslim Political Thought," *Osmania University Research Journal* 8 (1941).
- "The Name of the Pharaoh Who Died by Drowning," *Islam and the Modern Age*12 (1981): 151-160.
- "The Nasi', the Hijra Calendar and the Need of a New Concordance for the Hijra and Gregorian Eras," *Journal of the Pakistan Historical Society*16 (1968).
- "New Light of Some Old Problems, life of the Prophet," *Islamic Order.* 4 (1979).
- "New Light on the Character of Abu Sufyan,"*Islamic Literature* (1953).
- "The Nation of Khilafat and Its Modern Application," *Journal of the Pakistan Historical Society*4 (1956).
- "On the Occasion of the 1200th Death Anniversary of the Imam Muhammad al-Shaybani, a contemporary of Cnarlemagne," *Islamic Review.* 52 (1969).
- "Oriental Libraries in the East and West,"*Proceedings of All-India Oriental Conference*(1936).
- "Orthographical Peculiarities of the Text of the Quran," *IslamicReview.* 42 (1954).
- "Osmania University," *Muslim Yearbook of India and Pakistan* (1948-1949).

Marfat.com

- "Pakistan a Beginning and not an End,"*Crescent* (1948).
- "Place of Islam in the History of Modern International Law," *Hyderabad Acadmey Studies*2 (1940).
- "The Pilgrimage to Mecca,"*Islamic Review.* 57(1969).
- "The Philosophy of Fasting in the Month of Ramadhan," *Islamic Review.* 53 (1965).
- "Prayer and Fasting in Abnormal Zones," *Impact* (1972).
- "Preservations of the Original Teachings of Islam," *Majallat al-Azhar*42 (1970).
- "Princes and Federation,"*New Era* 15 Aug. 1939.
- "Political Significance of Zakat,"*Proceedings of All-Pakistan Political Science Conference*(1950).
- "The Political System of Islam," *Majallat al-Azhar.* 43(1971).
- "The Prophet of Islam: His Biography," *Majallat al-Azhar* 41 (1969).
- "Al-Qadi al-Rashid: Author of adh-Dhakha' ir wa at-Tuhaf" *Journal of the Pakista Historical Society* 11(1963).
- "Relations of Muslims with Non-Muslims," *Journal of the Institute of Muslim Minority Affaris7* (1986).
- "The Religion in Evolution,"*France-Islam* 68-74 (1972-1973).
- "Religious Education and Modern Trends,"*Indiana* (1947).
- "Religious Symbolism," *Hamdard Islamicus* 4th ser. 2

Marfat.com

(1979).

- "The Service of Worship: Why in Arabic Alone?" *Majallat al-Azhar.* 45 (1974).
- "Sidelights of Muslim India From Russian Sources," *Sind University Research Journal7* (1968).
- "Significance of Islamic Prayer,"*Al-Hadil Ameen* 78 (1962): 3-6; 79 (1962): 6-10; 81 (1963): 11-14; 82 (1963).
- "Some Arabic Inscriptions of Medinah of the Early Years of Hijrah,"*Islamic Culture* 13 (1939).
- "Some New Developments in the British Conception of Neutrality as Against Muslim Countries," *Islamic Review.* 39 (1951).
- "Some New Translations of the Quran,"*Impact.* 2(1973).
- "Sources of Islamic Law - A New Approach,"*Islamic Quarterly* 1 (1954): 205-211.
- "Status of Non-Muslims in Islam," *Majallat al-Azhar.* 45 (1973): 6-13. 45 (1973).
- "Student Life in Present Day France,"*Education of Pakistan.* 2 (1951).
- "A Suggestion to Complete Signs of Punctuation in the Copies of the Holy Qur'an," *Hamdarad Islamicus.* 9 (1986).
- "A Suggestion for an Interest Free Islamic Monetary Fund," *Islamic Review.* 42 (1955).
- "The System of Morality," *Majallat al-Azhar.* 43(1971): 8-16. 43 (1971).

Marfat.com

- "Theory and Practice of International Law in Early Islam," *Voice of Islam* 7 (1959).
- "Three Questions of Science and Islam,"*Impact.* 2(1972).
- "Tolerance in the Prophet's Deeds at Medina," *UNESCO Press* (1981).
- "Traslations of the Holy Quran in African Languages," *Muslim Digest* (1968).
- "Two Christians of Pre-Islamic Mecca 'Uthman ibn al-Huwairith and Waraqah ibn Naufal,"*Journal of the Pakistan Historical Society* 6 (1958).
- "The Urdu Edition of the Encyclopedia of Islam,"*Die Welt des Islam* 6 (1961).
- "Use of Symbols in Religions,"*Islamic Culture* 2 (1975).

Marfat.com

عربی کتب

(١) مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوى والخلافة الراشدة، مصر ١٩٤١، بيروت ١٩٥٦ .

(٢) كتاب النبات للدينورى، قاموس ابجدى من حرف السين الى حرف الياء، ملتقطات من كتب المتاخرين، ويكمل الجزء المطبوع فى اوروبا الذى يحتوى المواد من حرف الالف الى الزاى، مصر ١٩٧٣.

(٣) تاريخ تطور الدستور عند المسلمين، المجلد الاول يحتوى على مكة قبل الاسلام، ومن العهد النبوى الى نهاية العصر الاموى (محاضرات جامعة استانبول)، مخطوطة.

(٤) اديان العالم ومقارنتها على حدة مع الاسلام، (محاضرات جامعة استانبول)، مخطوطة.

(٥) صحيفة همام بن منبّه مع مقدمة فى تاريخ تدوين الحديث، دمشق ١٩٥٣ مع الترجمة الاردويه وزيادات فى المقدمة، حيدرآباد ١٩٥٥، ١٩٥٦. مع ترجمة الانكليزيه و زيادات فى المقدمة، حيدر آباد الدكن ١٩٦١، ١٩٧٩.

(٦) رسالتان لمحمد بن حبيب البغدادى، كتاب ما جاء اسمان احدهما اشهر من صاحبه فسميا به، و كتاب الامثال، فى مجلة المجمع العلمى العراقى، بغداد، ج٤، ١٩٥٦.

(٧) انساب الاشراف للبلاذرى ج١، مصر ١٩٥٩.

(٨) كتاب الانواء لابن قتيبة (مع اشتراك الاستاذ شارل بلا) حيدرآباد الدكن ١٩٥٦.

(٩) الذخائر والتحف للقاضى الرشيد بن الزبير، الكويت ١٩٥٩.

Marfat.com

(١٠) المعتمد فی اصول الفقه لابی الحسین البصری المعتزلی، مجلدان، دمشق (بیروت) ١٩٦٤- ١٩٦٥.

(١١) کتاب الجواهر فی تاریخ البصرة والجزائر (من الخلیج الفارسی) لابن العراق، اسلام آباد ١٩٧٣.

(١٢) کتاب المبتدا والمبعث والمغازی لابن اسحاق (اجزاء)، الرباط ١٩٧٦ (سیرة ابن اسحاق).

(١٣) مقدمه علی نشرة سنن سعید منصور، راجع فی المجلد الاول منها، دابهیل/الهند ١٩٦٨.

(١٤) قرآن سیدنا عثمان، طبعة عکسیة مصفرة، طادلنیا ١٩٨٠.

(١٥) غیاث الامم لامام الحرمین الجوینی، ینتظر الطبع.

عربی مقالات

(١) اقدم دستور مسجل العالم، وثیقة مهمة للعصر النبوی، موتمر دائرة المعارف العثمانیه، حیدر آباد الدکن ١٩٣٨.

(٢) دارم و توث، مجلة المجمع العربی الدمشقی، ج ٢٩، ١٩٥٤.

(٣) شجرة دارم و مزیتها، مجلة المجمع العلمی الدمشقی، ج ٣٠، ١٩٥٥.

(٤) افکار ابی حنیفه الدینوری، العلوم الطبیعیة، مجلة المجمع العلمی الدمشقی، ج ٣١، ١٩٥٦.

(٥) المخطوطات العربیة فی باریس، مجلة معهد المخطوطات، مصر، ج٢/٢، ١٩٥٦.

(٦) مخطوطة جدیدة من انساب الاشراف للبلاذری، مجلة معهد المخطوطات، مصر ٦/١-٧، ١٩٦٠.

(٧) استدراك من کتاب النبات للدینوری، مجلة المجمع العلمی

Marfat.com

الدمشقی، ج ٣٦، ١٩٦١.

(٨) حول ذبائح اهل الكتاب، مجلة الحج، مكة المكرمة ج ١٥ اغستوس ١٩٦١.

(٩) كتاب عمر الى ابى موسى الاشعرى المشهور بكتاب سياة القضاء وتدبير الحكم (مع بحث فرنسى)، باريس.

(١٠) هل للقانون الرومى تاثير على الفقه الاسلامى؟ بيروت ١٩٧٣.

(١١) كتاب الشعاعات للكندى، مجلة العلم، تونس، عدد ٩ الى ١٤، ١٩٧٢-١٩٧٣.

(١٢) هل تأثر الفقه الاسلامى بالقانون الرومى؟ الوعى الاسلامى، الكويت، فبراير ١٩٦٦.

(١٣) الاواصر القومية فى نظر الاسلام، البعث الاسلامى، لكهنو بالهند، ج١٥ ٢/١٥، اكتوبر ١٩٦٦.

(١٤) السير او القانون الدولى، الدراسات الاسلامية، اسلام آباد، ج٣/٣، سبتمبر ١٩٦٨.

(١٥) حول موضوع الزى الاسلامى-الحجاب، الشهاب، بيروت، ج٢/١٥، ١٥ ستمبر ١٩٦٨، ج٢/٢١، ١٥ دسمبر ١٩٦٨.

(١٦) وضع المصطلحات العلمية وتكميل الخط العربى لاستعماله فى الجامعة العثمانية بحيدر آباد، فى مثنوعات محمد الفاسى، الرباط، دسمبر ١٩٦٩.

(١٧) علم النبات عند المسلمين ومكانة الدينورى فيه، الفكر الاسلامى، بيروت، ج ١، مايو، يونيو، يوليو، اغستوس، اكتوبر ١٩٧٠.

(١٨) صلات ارنست رنان مع جمال الدين الافغانى، الفكر الاسلامى، بيروت، ج ٢/٢، فبراير ١٩٧١.

Marfat.com

(١٩) توحيد الاحكام وتدوين الفقه على أيدى الائمة زيد بن على وأبى حنيفة ومالك والشافعى، الايمان، الرباط، ج ١٥، اغستوس ١٩٧١.

(٢٠) آراء كاتب جلبى فى بعض المسائل الفقهية المتأثرة بعلم الهيئة الجديد، اسلام تدقيقلرى تنستى توسو دركيسى، كلية الآداب بجامعة استانبول، ج ٤/٣-٤، ١٩٧١.

(٢١) فقهاء ايران قبل الطوسى، فى تقرير الموتمر للذكرى الألفية للشيخ الطوسى، مشهد، ج ٢، وعنه فى الوعى السلامى، الكويت، ج ٨، يوليو ١٩٧٢.

(٢٢) النفط فى معرفة المسلمين، فى مجلة العلم، تونس، ج ١/٧، ١٩٧٢.

(٢٣) الحجر الاسود يمين الله فى الارض، فى الفكر الاسلامى، بيروت، ج ٣/١٠، اكتوبر ١٩٧٢.

(٢٤) مشاورات دينية، فى مجلة الرائد، آخن/ المانيا الغربية، شهر ديسمبر ١٩٧٩.

(٢٥) الألمان فى خدمة القرآن، مجلة فكروفن، هامبورك المانيا، عدد٢، ١٩٦٣.

(٢٦) صناعة الكتابة فى عهد الرسول والصحابة، مجلة فكروفن، هامبورك/المانيا، عدد ٣، ١٩٦٤.

(٢٧) تواقيت الصوم والصلاة فى المناطق غير المعتدلة، المسلمون، جنيف، ج ٥، ١٩٦٤.

(٢٨) أفكار ابن رشد فى فلسفة الحقوق والقانون، فى الكتاب الذهبى للمهرجان التذكارى، تطوان /المغرب ١٩٦١.

(٢٩) مقدمة على نشرة أحكام اهل الذمه لابن القيم، فى الملجد الاول مجلة دمشق ١٩٦١-٤.

Marfat.com

(٣٠) كلمة الختام (فى نشرة كتاب المحبر لمحمد بن حبيب البغدادى، حيدر آباد الدكن ١٩٤٢.

(٣١) مملكة حيدرآباد الدكن ، المملكة الآصفية، بغداد ١٩٤٨.

(٣٢) حاجة ماسة الى طالب مسلم لعلم الهيئة، الرائد، آخن/المانيا، سبتمبر ١٩٧٦.

(٣٣) تراجم القرآن لى اللغات الاجنبية، المجلة العربية، الرياض، مايو و يونيو ١٩٧٧.

(٣٤) فتح الاندلس (اسبانيا) فى خلافة سيدعثمان سنة ٢٧ للهجرة.

(٣٥) خلق الكائنات وأصل الانواع حسب القرآن والمفكرين المسلمين . الدراسات الاسلاميه، اسلام آباد.

Marfat.com

فارسی مقالات

(۱) گفتار سید جمال الدین وارنست رنان دربارۂ اسلام وعلم (ترجمہ سید حادی خسرو شاہی) حکمت، قم ایران ۱۹۶۰-۱۹۶۱۔

(۲) سید جمال الدین وأفکار او (ترجمہ مرتضیٰ مدرسی چہاردہی)، آئین اسلام، تہران، ۱۹ر محرم، ۲۵ صفر ۱۳۷۴۔

(۳) بانگہای استفتراضی بی مرابحہ، (ترجمہ علی اصغر حریری)، وحید، تہران، ج ۳ر ۱۳، ۱۹۶۶۔

(۴) رسول اکرمؐ درمیدان جنگ (ترجمہ سید غلام رضا سعیدی) تہران ۱۹۵۶، چاپ دوم بعد نظر ثانی ترجمہ مولف) ۱۹۷۰۔

(۵) عمل صالح از صالح کنبو، اشاریۃ کتاب، کلکتہ ۱۹۴۶۔

(۶) استقلال حقوق اسلام نسبت بہ حقوق روم، اثر نلینو (از ترجمہ حمید اللہ)، (ترجمہ عبدالغفور روان فرہادی) مجلۂ حقوق، فاکولتۂ حقوق، کابل، جدی ۱۳۳۴/۱۹۴۶۔

Marfat.com

خزائنِ عقیدت

(درحینِ حیات)

Marfat.com

باد جو

پاکت

چاہے

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ نقوش وتاثرات

ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب عالم اسلام کی ایک منفرد شخصیت ہیں، جو عظیم علمی خدمات موصوف نے انجام دی ہیں وہ کسی اور نے نہیں دیں، یوں علماء اور محققین واسکالرز تو عالم اسلام میں بہت ہیں لیکن جو متنوع علمی و تحقیقی تصنیفات ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب زید مجدہٗ کے قلم سے نکلی ہیں وہ کسی دوسرے عالم و محقق کے یہاں نہیں ملتیں۔ وہ بیک وقت قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، سیرت، ادب، تقابل ادیان اور انٹرنیشنل لاء وغیرہ کے موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس امتیازی شان کے علاوہ موصوف کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے بیک وقت انگریزی، فرنچ، جرمن، اردو، عربی پانچ زبانوں میں لکھا ہے۔ غالباً ترکی زبان میں بھی ان کی ایک آدھ تصنیف ہے لیکن یہ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ ایک فرنچ خاتون کو فارسی کی ایک علمی کتاب پڑھاتے ہوئے کافی عرصہ پہلے میں نے خود دیکھا تھا۔ یقیناً وہ ہفت زبان ہیں یا اس سے بھی زیادہ زبانیں جانتے اور بولتے ہیں۔ ان کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ میرے علم کے مطابق وہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا ہے۔ ان کی چوتھی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پر بیسیوں یا سینکڑوں لوگوں نے پیرس میں اسلام قبول کیا ہے۔

اس عظیم عالمانہ ومحققانہ شان کے ساتھ اور نصف صدی سے یورپ میں رہنے کے باوجود وہ سختی سے اسلامی احکام پر کاربند ہیں، بعض لوگوں کے نزدیک غلو کی حد تک۔ پاکستان سے زیادہ ان کے معتقدین و پرستار عالم عرب اور ترکی و یورپ میں ہیں۔

میری اس تحریر کا مقصد ڈاکٹر صاحب موصوف کے کمالاتِ علمی کا ذکر نہیں کہ ''سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے'' یہ دوسرے لوگ مجھ سے بہتر طریقے پر انجام دے سکتے

Marfat.com

ہیں۔ میں تو محترم مظہر ممتاز قریشی کی تحریک پر یہاں اپنے تاثرات قلمبند کرنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی بعض تحریروں کے ذریعہ موصوف سے میرا غائبانہ تعارف تقسیم ہند سے پہلے ہو چکا تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے ان کی جو پہلی کتاب اپنے اوّلین سفر حجاز اگست ۱۹۵۰ء سے قبل خریدی اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھی اور آج بھی وہ ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء سے محفوظ ہے وہ ہے ''عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ'' جو سب سے پہلے ۱۹۳۹ء میں فرانسیسی میں چھپی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے کیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا تھا۔ مجھے یہ کتاب اس لیے پسند آئی تھی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ کتاب دوسری تصنیفات کی مدد سے نہیں بلکہ اپنے سفر حجاز کے دوران غزوات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مواقع ومیادین، بدر، احد، حنین، حدیبیہ، تبوک وغیرہ کی زیارت کے بعد لکھی تھی اور اس میں ان مقامات کے فوٹو بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر صاحب سے پہلے مصر کے مشہور اسکالر اور سیاسی لیڈر وزیر محمد حسین ہیکل نے بھی اپنی عربی کتاب ''فی منزل الوحی'' میں بعض غزوات کے میادین کے فوٹو دیئے ہیں لیکن وہ اتنے جامع نہیں اور نہ ان میں وہ عسکری تفصیلات ہیں جو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی دوسری کتاب جو میں نے شوق سے پڑھی اور اس نے مجھے بہت متاثر کیا، وہ ان کی عربی تصنیف ''الوثائق السیاسیة فی العهد النبویؐ'' ہے، جو میں نے اپنے دمشق (شام) کے طویل تعلیمی سفر (چار سال) کے دوران پڑھی، اور جس سے میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن مصر و بیروت سے شائع ہوئے۔ میری ذاتی لائبریری میں بیروت کا مطبوعہ چوتھا ایڈیشن ہے جس کا نام مصنف نے نئے اضافوں کے بعد ''الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی و الخلافة الراشده'' رکھا (یعنی عہد نبویؐ و عہد خلافت راشدہ کی سیاسی دستاویزات)۔ عالم عرب میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی یہ کتاب انتہائی مقبول ہے اور علمی حلقوں میں حوالے (Reference) کی کتاب مانی جاتی ہے۔ یوں اس موضوع پر کتابیں تو ڈاکٹر صاحب موصوف سے پہلے

Marfat.com

ہندوستان اور عالم عرب میں پرانے اور موجودہ زمانے میں متعدد لوگوں نے لکھی ہیں لیکن جو جامعیت اور حسنِ ترتیب ان کی کتاب (اور خاص طور پر اس چوتھے ایڈیشن) میں ہے وہ دوسری کتابوں میں نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ وہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں بنیادی طور پر بین الاقوامی قانون (International law) کے طالب علم رہے ہیں اور اس موضوع پر انھوں نے پیرس کی مشہور زمانہ یونیورسٹی سوربون سے ڈاکٹریٹ بھی کیا تھا اور ان کی جمع کردہ یہ دستاویزات نبویؐ فرنچ ترجمہ کے ساتھ دو جلدوں میں پیرس سے ۱۹۳۵ء میں چھپی تھیں۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون اور خاص طور پر امام محمد بن حسن الشیبانی، شاگرد امام ابوحنیفہؒ کی کتاب ''السیئر الکبیر'' نے ہی ان کو عربی علوم کا متخصص Expert بنا دیا۔ امام محمد الشیبانی، امام اعظمؒ کے تمام شاگردوں میں سے سب سے نمایاں ہیں اس حیثیت سے کہ انھوں نے ہی امام ابوحنیفہؒ کے علم کو اپنی مختلف تصنیفات سے پھیلا دیا۔ دوسری صدی ہجری میں سب سے زیادہ فقہی تصنیفات امام محمدؒ ہی کی ہیں جیسے کتاب المبسوط، الجامع الکبیر، الزیادات، الجامع الصغیر وغیرہ۔ قاضی ابویوسف اور وہ صاحبین کہلاتے ہیں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کے متعدد ممتاز شاگردوں میں یہ دونوں ان کے رفیق تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید ان کا بہت احترام کرتا تھا اور ان کی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا ۔ ہارون الرشید کے ساتھ سفر کے دوران شہر رے (موجودہ شاہ عبدالعظیم، قریب تہران) میں سنہ ۱۸۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ امام شافعیؒ نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی شاگردی کے بعد بغداد میں امام محمدؒ کی شاگردی کی اور زیادہ تر فقہ کا علم ان ہی سے حاصل کیا، امام صاحب نے ان کی مالی مدد بھی بہت کچھ کی۔

ان کی کتاب ''السیئر الکبیر'' بین الاقوامی قانون کی دنیا میں پہلی کتاب ہے۔ یہ پہلی بار سنہ ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد دکن سے چار جلدوں میں چھپی تھی، پھر دوسری بار پانچ جلدوں میں ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تحقیق سے عرب لیگ کی طرف سے ۱۹۵۷ء میں چھپی۔ میرے پاس یہی نسخہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کی بدولت ہی

Marfat.com

اس کو پڑھنے کا شوق مجھے ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کتاب کے مطالعہ نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو عربی علوم کا متخصص یا ماہر بنا دیا، پھر تو انھوں نے ''الوثائق السیاسیة'' کے علاوہ کتنی ہی قدیم عربی کتابیں یا اصلی مآخذ اپنی تحقیق سے زندہ کیے جن میں خاص طور پر قابل ذکر تیسری صدی ہجری کے مشہور مورخ البلاذری کی کتاب **الانساب الاشراف** کی پہلی جلد ہے جو سیرت نبویؐ پر ایک بہت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کی چوتھی اور پانچویں جلد (کچھ حصہ) ایک یہودی مستشرق گوٹین، القدس (یروشلم) سے شائع کر چکا تھا۔ ایک دوسری انتہائی بنیادی کتاب سیرت نبویؐ ہی پر ہے یعنی امام ابن اسحاق کی کتاب ''المبدأ والمبعث والمغازی'' ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مراکش کے قدیم شہر فاس کی جامع قرویین کے کتاب خانے میں اس کا ایک نسخہ یا اس کا کچھ حصہ تلاش کر کے شائع کیا۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے جس کو عالم عرب نے سراہا۔ اب اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے اور لاہور سے شائع ہوا ہے۔

انھوں نے ایک اور اہم کتاب یعنی علم نباتات پر تیسری صدی ہجری کے ایک مشہور مورخ و ادیب ابوحنیفہ الدینوری کی نایاب کتاب ''النبات'' کی بھی ایک جلد ایڈیٹ کی۔ یہ کتاب قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کی تیسری اور پانچویں جلد کا حصہ ایک جرمن مستشرق برنہارڈ لیوین ایڈٹ کر چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کردہ یہ دوسری جلد ۱۹۹۳ء میں کراچی کے مدینۃ الحکمۃ نے شائع کی۔ یہ نباتات کے علاوہ ادب کی ایک اہم کتاب ہے کہ اس میں عربی کے سینکڑوں اشعار پائے جاتے ہیں۔

انگریزی اور اردو میں سیرت نبویؐ پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی جو مختلف کتابیں ہیں ان سے برصغیر کے لوگ واقف ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف نے دنیا کے اہم علمی مجلّات میں سینکڑوں تحقیقی مقالات لکھے ہیں جن کو اگر جمع کر کے شائع کیا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملنے کا اشتیاق مجھے سنہ ۱۹۵۹ء میں دمشق میں ہوا جہاں

Marfat.com

میں نے ان کی کتاب مذکورہ بالا الوثائق السیاسیة مطالعہ کی تھی اور دمشق یونیورسٹی میں میرے ایک لبنانی الاصل پروفیسر ڈاکٹر صبحی الصالح نے جو مصر کی الجامعۃ الازہر کے فاضل ہونے کے علاوہ پیرس کی مشہور زمانہ یونیورسٹی کے Ph.D تھے، انھوں نے دوران تعلیم ڈاکٹر صاحب کو پیرس نیشنل لائبریری میں کام کرتے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ ''دکتور حمید اللہ اپنی کرسی پر پانچ گھنٹے تک ایسے جمے بیٹھے رہتے ہیں جیسے کسی نے کرسی میں کیل گاڑ دی ہو''۔

بہر حال دمشق یونیورسٹی میں اپنی تعلیم ختم کرنے اور سنہ ۱۹۶۰ء میں شام و مصر کی ایک عظیم دینی و فقہی شخصیت سلطان العلماء العز بن عبدالسلام پر اپنی پہلی کتاب شائع کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی تعلیم کے لئے ستمبر ۱۹۶۰ء میں دمشق سے براہ استنبول (ترکی) بذریعہ ریل کیمبرج کے لئے روانہ ہوا تو راہ میں یونان، یوگوسلاویہ اور سوئٹزرلینڈ کے بعد میرے پروگرام کے مطابق لندن سے قبل چوتھا اسٹیشن پیرس تھا، یہاں مجھے دو چیزیں دیکھنا تھیں، ایک پیرس شہر اور دوسرے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی زیارت۔

بلگریڈ (بلغراد) سے ٹرین کے میرے کمپارٹمنٹ میں پناما (سینٹرل امریکہ) کے ایک سیاہ فام نوجوان سے تعارف ہو گیا، وہ پہلے بھی پیرس جا چکا تھا۔ پیرس کے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن Gare De Sud (ساؤتھ ریلوے اسٹیشن) پر اترنے کے بعد اسی پناما کے رفیق کی رہنمائی میں فرانسیسی پبلک ٹیلی فون کے ذریعہ جس کو ایک مخصوص سکہ کے ذریعہ ہی استعمال کیا جا سکتا تھا، پاکستانی سفارتخانہ سے رابطہ قائم کیا تا کہ ڈاکٹر صاحب کا پتہ معلوم کر سکوں، افسوس کہ اس سلسلے میں ان سے کوئی رہنمائی نہیں مل سکی البتہ انھوں نے کسی صاحب کا پتہ بتایا کہ وہ آپ کو اس بابت کچھ بتا سکیں گے۔ پناما کے رفیق نے میری بڑی مدد کی، اب ان پاکستانی صاحب سے ٹیلی فون پر رابطہ ہوا تو انھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب کے مکان پر کوئی ٹیلی فون نہیں اور وہ پیرس کی فلاں سڑک پر فلاں بلڈنگ میں چوتھے فلور پر رہتے ہیں۔

بہر حال پتہ کی یہ مہم سر کر کے میں اسی پناما کے نوجوان کے ساتھ کسی ہوٹل کی تلاش میں روانہ ہوا، اور پیرس کے قدیمی علمی محلے کارتے لاتاں Quartier Latin میں ایک عام چھوٹے ہوٹل میں قیام کیا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے گھر

Marfat.com

کے پتے 4-Rue De Tournon کے لیے روانہ ہو گیا، پرانی مضبوط بلڈنگ کی چوتھی منزل پر جب موصوف کے فلیٹ پر پہنچا تو میرے ذہن میں ان کی شخصیت کا ایک عجیب بارعب و جسامت کا تصور تھا، اب دیکھا کہ سامنے ایک کافی منحنی شخص جناح کیپ اور سوٹ میں ملبوس کھڑا ہے، میری زندگی کی یہ ایک دلچسپ حیرانی تھی۔ ڈاکٹر صاحب مجھے اندر لے گئے وہاں ایک تقریباً چالیس سالہ فرنچ خاتون ڈاکٹر صاحب سے فارسی کی کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں، چھوٹے سے کمرے میں چاروں طرف الماریوں میں کتابیں تھیں۔ فرنچ خاتون کی تعلیم سے ڈاکٹر صاحب جلد ہی فارغ ہو گئے، تفصیلی تعارف و گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب واپسی کے لیے ہوٹل تک میرے ساتھ آئے، جو بہت زیادہ دور نہیں تھا تا کہ میرا ہوٹل دیکھ لیں، جو انگلستان کے Bed and Breakfast ہوٹلوں کی طرح تھا اور ایک بوڑھی عورت اسے چلاتی تھی۔ کرایہ کم اور ایک طالب علم کے لئے مناسب تھا۔ بلگریڈ سے ریل کے شبانہ روز طویل سفر کے بعد میں آرام سے سویا، صبح کو فرنچ ناشتے (پاؤ بھر گرم دودھ ایک چائے دانی میں دو کپ کافی اور فرنچ بریڈ، کروسان اور جام) کے بعد ہی تقریباً ساڑھے آٹھ، نو بجے ڈاکٹر صاحب میرے کمرے میں تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ میں پیرس کی عملی و سیاحتی سیر کے لئے روانہ ہو گیا۔

آپ نے دیکھا کہ پیرس میں میرا پہلا کام ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی زیارت تھی، جو انتہائی خوشگوار اور ڈاکٹر صاحب کی متواضع شخصیت کے سبب قدرے حیران کن تھی۔ مجھے شرف حاصل ہے کہ پیرس کی پہلی مختصر سیر مجھے اس عظیم علمی شخصیت نے کرائی، اس کے بعد دو بار میں پھر پیرس گیا لیکن اس حسین و عظیم شہر کی میری وہ پہلی سیر بڑی خصوصیت کی حامل تھی۔ ایک تو یہ کہ میں نے اس میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات و تعلق کا شرف حاصل کیا، اور دوسری یہ کہ میں ان کے توسط سے پیرس کی مشہور لائبریری Bibleotheque National (نیشنل لائبریری) میں جا سکا، اس لائبریری کے اس خاص سیکشن و مطالعہ روم میں جہاں مخطوطات (قلمی کتابیں) دیکھی جا سکتی ہیں صرف پروفیسر ہی جا سکتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی مہربانی سے فرانسیسی زبان کا فارم بھرتے ہوئے مجھے پروفیسر لکھا اور اپنی

Marfat.com

طرف سے سفارشی نام بھی لکھ دیا کہ فارم میں یہ ضروری تھا۔ اس طرح میں Professor Would be (آئندہ پروفیسر) ہو گیا اور خدا کی شان کہ تین سال بعد کیمبرج سے Ph.D کرتے ہی مجھے ریاض کی کنگ سعود یونیورسٹی میں ملازمت بھی مل گئی اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے قلم سے جو بات نکلی تھی وہ مبارک ثابت ہوئی۔

پیرس میں کسی اسکالر کے لیے سب سے اہم بات یہی ہے کہ اس کو وہاں کی اس نیشنل لائبریری کی زیارت نصیب ہو، سو وہ انھوں نے مجھے کرا دی، اس وقت کوئی خاص عربی قلمی کتاب بھی مختصراً دیکھی تھی، اب یاد نہیں، بہر حال ڈاکٹر حمید اللہ صاحب تو اس لائبریری میں برسوں مطالعہ و تحقیق کرتے رہے، وہ وہاں ایک بڑی جانی پہچانی شخصیت تھے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے مجھے پیرس کی مشہور مسجد دکھائی، محلے کا نام اب یاد نہیں لیکن اندر سے مسجد اندلس اور مغربی (مراکشی) طرز کی تھی اور اس میں دیواروں اور چوبی منبر وغیرہ پر نقش و نگار اسی طرز کے تھے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی اصل مسجد سے قبل ایک چھوٹے سے کمرۂ داخلہ (انٹرینس روم) میں کتابوں کا ایک اسٹال تھا اور کاؤنٹر پر ایک الجزائری لڑکی کھڑی تھی۔ میں نے حلب چھوڑنے کے بعد استنبول یونیورسٹی میں ایک عراقی طالب علم سے عربی زبان میں گفتگو کے بعد سے تقریباً دس روز سے عربی نہیں بولی تھی، میری عربی زبان کی رگ پھڑکی اور میں نے اس خاتون سے کتابوں کے بارے میں کچھ پوچھا، لیکن افسوس کہ وہ فصیح عربی زبان سے نابلد تھی، بلکہ غالباً عربی سے بھی نابلد تھی۔ اس وقت الجزائر پر فرانس کی حکومت تھی اور عربی زبان میں تعلیم وہاں ممنوع تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے فرانسیسی زبان میں اس کو میری بات سمجھائی، پیرس کی یہ وہی مسجد ہے جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے ضرب کلیم میں ایک مختصر قطعہ (پیرس کی مسجد) میں کہا ہے۔

حرم نہیں ہے، فرنگی کرشمہ بازوں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے روح بت خانہ

افسوس کہ اس وقت میں نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے اس شعر کا ذکر کر کے اس کی توضیح نہیں معلوم کی لیکن آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اقبال نے پیرس کی اس مرئی اور

Marfat.com

اس وقت تنہا مسجد پر اس قدر شدید طنز کیوں کیا تھا؟ پیرس سے انگلستان پہنچنے کے بعد میں نے لکھنؤ اپنے بزرگ اور علمی مرشد اور اقبال پر عربی زبان میں ایک کتاب کے مصنف مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی صاحب سے استفسار بھی کیا تھا، وہ بھی اس طنز کی کوئی توجیہ نہ کر سکے۔ اس وقت تک مولانا نے یورپ کا سفر بھی نہیں کیا تھا، اس کے بعد سنہ ۱۹۶۳ء سے تو مولانا متعدد بار یورپ گئے اور آکسفورڈ کے اسلامک سینٹر کے چیئرمین کی حیثیت سے تو اب دس پندرہ سال سے ہر سال دو سال بعد ادھر جاتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ اقبال اس کی اندرونی زیب و زینت سے خوش نہیں ہوئے یا یہ کہ اس کی زمین حکومت فرانس نے دی تھی اور وہاں ان کے زمانے میں کچھ پابندیاں تھیں یا کہ مسجد کا کوئی گنبد یا مینارہ وغیرہ نہیں تھا، اور وہ باہر سے کوئی مسجد نہیں لگتی تھی، بہر حال پتہ نہیں کہ کس وجہ سے ڈاکٹر اقبال نے اس مسجد پر شدید طنز کیا۔ اب کوئی ماہر اقبالیات اس شعر کی توضیح کر سکے تو بہت اچھا ہو۔

بہر حال اس مسجد کے ایک حصہ میں جہاں اسلامک سینٹر کے کچھ کمرے اور لائبریری ہے ڈاکٹر صاحب ہر اتوار کو قرآن و اسلام پر اس زمانے میں ایک درس دیتے تھے اور بعد کو بھی برسوں دیتے رہے، اور یہیں ان کے ہاتھوں بیسیوں فرانسیسیوں نے اسلام قبول کیا۔ سو اس طرح یہ ایک خیر و برکت کا ذریعہ ہی تھی، اگرچہ ڈیگال کے عہد حکومت میں وہاں ڈاکٹر صاحب موصوف کے لیکچروں پر پابندی بھی لگ گئی تھی۔ نیشنل لائبریری اور مسجد پیرس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنے مخصوص چھوٹے سے ایک ریستوران میں مجھے لنچ کھلایا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے کسی معمر فرنچ خاتون نے ہم لوگوں کو آملیٹ بنا کر دیا، غالباً اس کے لیے ڈاکٹر صاحب کے لیے کوئی خاص فرائنگ پین بھی تھا، اب اچھی طرح یاد نہیں۔

کھانے سے فراغت کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کی ایک تصویر باہر لینا چاہی تو موصوف نے اس سے عذر کر دیا، وہ تصویر کے بارے میں بڑے سخت تھے اور اب بھی ہیں۔ نواز شریف کے عہد حکومت میں سنہ ۱۹۹۲ء میں جب وہ کراچی آئے تو بعض محفلوں میں دیکھا کہ وہ فوٹو گرافرز کو فوٹو سے منع کرتے رہے۔ اگرچہ اب صرف عرب علماء ہی نہیں بلکہ

Marfat.com

ہندوستان و پاکستان کے نوے فیصد علماء تصویر کو جائز سمجھتے ہیں اور آئے دن ان کی تصاویر اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ان کی ہر میٹنگ و محفل میں فوٹو گرافروں کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ذبیحہ کے بارے میں سخت معلوم ہوئے، میری اس سلسلہ میں ان سے کوئی بات تو نہ ہوئی لیکن تجربہ سے ثابت ہوا کہ وہ عیسائیوں کے ذبیحہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، جبکہ ہمارے ملک کے علماء ٹخنے سے نیچے لباس اور پردے کے بارے میں سخت متشدد ہیں۔ اب ڈاکٹر صاحب پیرس میں رہ کر ٹخنے سے اونچی پتلون تو نہیں پہن سکتے تھے بلکہ ٹائی بھی باندھتے ہیں جس کو ہمارے علماء بہت ہی برا سمجھتے ہیں، لیکن اسلامی احکام میں زمان و مکان کے اعتبار سے بڑی لچک ہے اور ڈاکٹر صاحب اسی پر کاربند تھے اور صدق دلِ وخلوص نیت سے۔

راقم الحروف نے پیرس میں ہوٹلوں میں مچھلی یا انڈا ہی کھایا اور اس طرح تین چار ماہ تک انگلستان میں، لیکن پھر وہیں عربی مآخذ میں اس موضوع پر کافی کچھ پڑھنے کے بعد اور قدیم و جدید علمائے عرب کے دلائل سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے مرغی کو چھوڑ کر دنبہ اور بیل (Beaf) کا گوشت کھانا شروع کر دیا۔ سارا عالم عرب اس کے جواز پر متفق ہے اور اب تو وہاں مسلمان حلال ذبیحہ بھی اپنے طریقہ سے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب لنچ کے بعد مجھے پیرس کے مشہور میوزیم لوور (Louvere) لے گئے۔ اس کے قریب ہی دور سے میں نے ایفل ٹاور بھی دیکھا۔ اس زمانہ میں کچھ مرمت وہاں ہو رہی تھی اس لیے وہ بند تھا، لیکن دوسرے واپسی کے سفر اور تیسرے سفر میں جو ذاتی کار میں بن غازی سے براہ راست یونان واٹلی وغیرہ لندن تک گیا تھا، ایفل ٹاور پر چڑھ کر وہاں کی سیر کی۔ لوور کے میوزیم پر ڈاکٹر صاحب نے مجھے چھوڑ دیا اور وہ مجھ سے رخصت ہو گئے، غالباً اس لیے کہ اس میوزیم میں بہت سی عریاں تصویریں اور مجسّمے یورپ کے مشہور فنکاروں کے ہیں۔ یہ میوزیم بلکہ دنیا کے مشہور میوزیمز میں ایک اہم ترین میوزیم ہے اور یہیں وہ مشہور زمانہ تصویر (پینٹنگ) ''مونالیزا'' ہے جس کو دیکھنے کے لیے ساری دنیا سے لوگ

Marfat.com

وہاں آتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس تصویر والے ہال میں بیسیوں نوجوان لڑکے لڑکیاں بیٹھے ہوئے تھے جو امریکہ، جاپان، چین، انڈونیشیا، ساؤتھ امریکہ غرض دنیا کے تمام حصوں سے آئے ہوئے تھے، کاغذ اور پنسل یا برش و پینٹ لیے ہوئے اس کی کاپی کر رہے تھے۔ کیمرہ لے جانا یہاں منع تھا۔ لوور دراصل شاہانِ فرانس کا ایک بہت وسیع وشاندار محل تھا، سنہ ۱۷۸۹ء میں انقلابِ فرانس کے بعد اس کو میوزیم بنا دیا گیا، یہ لندن کے برٹش میوزیم کی ٹکر کا ہے لیکن عمارت اس سے زیادہ خوبصورت اور کشادہ ہے۔

شام کو پیرس کی مشہور سڑک شانز لیزے کی سیر کی جو پیرس کے ایک اہم لینڈ مارک (شناخت) Ark de Triaumphe (دروازۂ فتح) کے پاس ہے، پھر ایک PavementRestaurant (فٹ پاتھ چائے خانے) میں بیٹھ گیا۔ ایک انگریز نوجوان سیاح نے مجھے بتایا کہ یہاں کی بہترین سیر یہی ہے، واقعی لوگ ایک چائے یا کافی کی پیالی لے کر گھنٹوں یہاں بیٹھے رہتے اور خوش گپیاں کرتے رہتے ہیں۔ میں بھی اس طرح ایک ریستوران میں بیٹھ گیا اور سڑک کی سیر کرتا رہا، بعد کو روم میں بھی یہ منظر دیکھا اور فرانس کے اثر سے ہی بیروت میں بھی اسی طرح Pavement پر کرسیاں اور میزیں آراستہ ہوتی ہیں اور وہاں بیٹھ کر لوگ کافی چائے یا کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے برخلاف لندن میں باہر سڑک پر بیٹھنا معیوب ہے، وہاں چائے خانوں یا طعام خانوں میں لوگ اندر ہی بیٹھتے ہیں۔

تیسرے روز گیارہ بجے کے قریب مجھے ٹرین سے کیلے (Kalaise) اور وہاں سے لندن کے لیے روانہ ہونا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر کیمبرج پہنچنا ضروری تھا تاکہ وہاں اپنے کالج Fitzwilliam House میں داخلے کی کارروائی مکمل کر سکوں، لندن بھی دو تین دن ٹھہرنا تھا کہ وہاں اپنے موضوع سے متعلق برٹش میوزیم کی لائبریری میں ایک قلمی کتاب دیکھ لوں۔ اس لیے پیرس کی سیر اس بار بہت مختصر تھی۔ بہرحال ایک دیرینہ آرزو پوری ہوگئی تھی کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے ملاقات ہوگئی۔

دوسرے روز صبح ڈاکٹر صاحب موصوف ۹ بجے کے قریب پھر میرے ہوٹل تشریف لے آئے تاکہ مجھے ''کیلے'' کی ٹرین میں بٹھا دیں۔ ایک بات کہنا میں بھول گیا کہ میں نے

Marfat.com

دیکھا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو اس وقت غالباً ۵۵ سال کے تھے اور داڑھی کے بال بھی سفید ہونا شروع ہو گئے تھے، پیدل بہت چلتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ کافی پیدل چلا، اسی طرح ان کی بلڈنگ میں کوئی لفٹ نہ تھی اور میرے علم کے مطابق اب تک نہیں ہے لیکن اس پر ڈاکٹر صاحب اس وقت بھی اور اس کے بعد ابھی تک جب ان کی عمر نوے سال سے غالباً متجاوز ہے، پیدل آتے جاتے رہے، اور یہ پیدل چلنا ہی غالباً ان کی صحت کا راز ہے، ہم تو سواریوں کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ذرا سے فاصلے کے لیے موٹر یا بس وغیرہ سے جاتے ہیں۔

پیرس کے بڑے شمالی ریلوے اسٹیشن Gare De Nord پر ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے مجھے ٹرین اور پلیٹ فارم تلاش کرنے میں آسانی ہوئی۔ ٹکٹ میں نے استنبول سے ہی Thomas Cook کے ذریعہ لندن تک کا بنوا لیا تھا۔ ایک بات میں نے نوٹ کی اور پیرس و فرانس کا ہر مسافر یا سیاح نوٹ کرتا ہوگا کہ فرانسیسی لوگ اپنی زبان کے بارے میں بڑے خود پسند ہیں، وہ انگریزی کبھی نہیں بولتے۔ اگر پیرس پہنچنے پر وہ فرنچ جاننے والا پناما کا رفیق سفر اور پھر پیرس میں ڈاکٹر صاحب کی رفاقت نہ ہوتی تو مجھے بڑی دشواری ہوتی۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس تواضع اور بلند اخلاقی کا مجھ پر بے حد اثر ہوا کہ وہ اتنے بڑے عالم اور اسکالر ہوتے ہوئے جن سے میری سابقہ ملاقات بھی نہ تھی مجھے پہنچانے ریلوے اسٹیشن آئے۔ ایک بات یہ بھی عرض کر دوں کہ فرانسیسی زبان میں اسٹیشن Station کا لفظ بس اسٹاپ یا میٹرو (انڈر گراؤنڈ ٹرین) کے اسٹاپ کے لئے استعمال ہوتا ہے، صرف اس کا تلفظ انگریزی سے مختلف ''استاسیون'' ہے جبکہ ریلوے اسٹیشن کو گار (Gare) کہتے ہیں۔

کیمبرج پہنچنے کے بعد کچھ عرصہ میری ڈاکٹر صاحب سے مراسلت رہی۔ وہ عام طور پر پوسٹ کارڈ لکھتے تھے، سفید رنگ کا اور خط بہت باریک ہوتا تھا، کیمبرج سے میں نے مولانا علی میاں صاحب مدظلہٗ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کو جو خط لکھا تھا اس میں میں نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے بارے میں علامہ اقبال کا یہ شعر لکھا تھا

Marfat.com

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

میرا تاثر یہی تھا کہ ایسا عظیم محقق و مصنف و ہفت زبان پروفیسر ایسی سادہ زندگی گزارتا ہے اور اپنے اطوار و طبعی تواضع سے ایک طالب علم معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی واقعی ''العلم من المهد الى اللحد'' (علم کی طلب گہوارے سے قبر تک رہنی چاہئے) کی تصویر تھی اور ہے۔

پھر جب میں کیمبرج سے ڈاکٹریٹ کے بعد ریاض کی کنگ سعودی یونیورسٹی میں ۱۹۶۳ء میں لیکچرار ہو کر آیا تو میں نے یونیورسٹی کے چانسلر اور نوجوان وزیر تعلیم شیخ حسن آل شیخ سے ایک ملاقات میں ڈاکٹر صاحب کو اس نئی قائم شدہ یونیورسٹی میں بلانے کے لیے کہا، جس پر وزیر موصوف نے کہا وہ ہماری یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے آجائیں جو تنخواہ کہیں گے دی جائے گی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو پیرس لکھا، اس سعودی پیشکش کا جواب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے بہت درویشانہ، خوددارانہ اور انتہائی مفید تھا جس پر افسوس کہ سعودی وزیر نے لبیک نہیں کہا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ آج کل سیاہ فام افریقہ کے مختلف ملک آزاد ہو رہے ہیں (یاد رہے کہ یہ چھٹی دہائی کے ابتدائی برسوں کی بات ہے) ان ملکوں میں کافی مسلمان ہیں، بعض ملک اسلامی ہی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان ملکوں کے باشندوں کی رہنمائی کے لیے فرانسیسی زبان میں ایک ماہوار علمی رسالہ نکالا جائے تا کہ ان آزاد ہونے والے اور فرنچ تسلط و تعلیم کے سبب اسلام سے بے خبر ممالک کی ذہنی و علمی تربیت ہو سکے۔ سعودی حکومت اگر اس منصوبہ کو فائنانس کرے تو میں ایسے میگزین کی ادارت و ذمہ داری سنبھالنے کے لیے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں، مجھے اپنے لیے تنخواہ و ملازمت کی ایسی طلب نہیں۔ لیکن دس سال تک سعودی یونیورسٹیوں میں پڑھانے کے بعد میرا یہ خیال پختہ ہوا کہ وہ ایسے مفید و آزاد منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے پیش قدمی نہیں کرتے، وہ ایسے مدرسوں، اداروں اور اشخاص کی مدد کرتے ہیں جو ان کی تعریف کے گن گائیں یا پھر خود ایسے کالج اور اسلامک یونیورسٹیاں اور اسلامک سینٹر افریقہ، امریکہ وغیرہ میں قائم کرتے ہیں

Marfat.com

جہاں ان کے سلفی افکار اور محدود نقطہ نظر کی حمایت کی جائے۔ وہ اسلام کا انقلابی اور مغرب کو چیلنج کرنے والا تصور نہیں رکھتے ہیں، جو اقبال اور اخوان المسلمین (مصر) کی تحریک و افکار میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت یورپ کی عیسائی مشنریوں نے ان ممالک میں اپنے افکار پھیلانے کے لئے ثقافتی یلغار کر رکھی تھی، بیس بائیس سال بعد سعودی عرب نے سینیگال میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جو ایک عربی مدرسے کی طرح ہے، جیسے ہمارے ملک میں اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، جس کا پاکستان میں کوئی فکری و تحقیقی Contribution نہیں اور وہاں وہی بے سود ازہری طریقہ تعلیم رائج ہے۔

بتیس سال بعد دوبارہ میری ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے کراچی میں ۱۹۹۲ء میں ملاقات ہوئی، جب نواز شریف صاحب نے مرحوم برادر محمد صلاح الدین کی کوششوں سے ڈاکٹر صاحب کو پاکستان بلایا تھا اور انھوں نے یہاں مختلف شہروں کے علمی و اجتماعی اداروں میں لیکچر دیئے تھے۔ اب ڈاکٹر صاحب کافی اونچا سنتے تھے، حافظہ کچھ کمزور ہو گیا تھا، میں نے ان سے اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ایک صبح ملاقات کی وہ مجھے پہچان نہ سکے اور پیرس کی ملاقات اور بعد کی مراسلات بھول چکے تھے لیکن چھیاسی سال کی عمر میں بھی وہ کافی چاق و چوبند تھے اور ان کا ذہن علمی معاملات میں حاضر (Alert) تھا۔

افسوس کہ درسِ نظامی کے کنویں میں محدود علماء نے ان کی پذیرائی نہیں کی حالانکہ ڈاکٹر صاحب موصوف حدیث کی قدیم ترین کتاب صحیفه همام بن منبّه کافی پہلے اپنی تحقیق سے شائع کر چکے تھے، یہ محدث یمن کے ایک مشہور تابعی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے (وفات ۱۳۰ھ)۔ پاکستان کے علماء کو تو ان کے اس اہم تحقیقی کام سے خوش ہونا چاہئے تھا مگر افسوس کہ ان کا زاویۂ نظر بہت محدود ہے، صرف کتاب خوانی کراتے ہیں نہ خود کوئی اپنا دینی و علمی تحقیقی کام اور نہ ایسے طلبہ پیدا کرتے ہیں جو یہ کر سکیں، بس وہ اپنے مذہبی احترام و تقدس پر قائع ہیں اسی لیے اقبال نے کہا تھا ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

Marfat.com

مجھے یاد ہے کہ میں نے پیرس میں ڈاکٹر صاحب سے ستمبر ۱۹۶۰ء میں اپنی اس پہلی ملاقات میں پوچھا تھا کہ آپ پاکستان میں کیوں مقیم نہ رہے؟ یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد ڈاکٹر صاحب فوراً ہی یا غالباً ۱۹۴۸ء میں یہاں آ گئے تھے لیکن افسوس کہ ہمارے آئی سی ایس بیوروکریٹس یعنی طبقہ افسران نے ایک عظیم عالم کی قدر نہ کی اور ان کو کام کرنے کی سہولتیں مہیا نہیں کیں سو وہ بددل ہو کر پیرس چلے گئے، جہاں ان کے علم کی قدر کی گئی اور وہ اطمینان سے ایک مہاجر کی زندگی گزارتے رہے بلکہ بعد کو بھی پاکستان میں ان کی قدر نہیں کی گئی جبکہ ترکی میں وہ پیرس سے برسوں بحیثیت وزیٹنگ پروفیسر انقرہ اور پھر ارض روم وغیرہ کی یونیورسٹیوں میں جاتے رہے۔

مرحوم وشہید ضیاء الحق صاحب نے ان کو بہاولپور کی یونیورسٹی میں بلایا اور یہاں ان کے خطباتِ بہاولپور کافی مشہور ہوئے، مگر افسوس کہ اسلام آباد کی انٹرنیشنل یونیورسٹی نے ان کا خیر مقدم نہیں کیا، اگر شروع ہی سے ایک ازہری عالم کے بجائے ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس یونیورسٹی کا چانسلر بنایا جاتا تو یہاں اب تک کافی تحقیقی کام ہو چکا ہوتا۔

اب گزشتہ سال ڈاکٹر صاحب بہ سبب پیرانہ سالی کافی بیمار ہو گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ آج کل وہ اپنے بھتیجے عطاء اللہ کی لڑکی محترمہ سدیدہ شفیق کے یہاں فلاڈلفیا امریکہ میں ہیں اور روبہ صحت ہیں، لیکن اہل حیدرآباد کے لیے کرنے کی بات یہ ہے کہ ان کے علمی کاموں کو ازسرنو اور شایانِ شان طریقہ پر شائع کرنے کے لیے تیس چالیس لاکھ روپے کا ایک فنڈ قائم کیا جائے اور ان کے بکھرے ہوئے مضامین کو Complete Works کی شکل میں شائع کیا جائے اور ان کا سرمایہء کتب پاکستان میں بہادر یار جنگ اکیڈیمی میں منتقل ہو جائے اور تحقیقی کام کیا جائے۔

(بشکریہ ''تحقیقات وتاثرات'' از ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ.....تاثرات

از حکیم محمد سعید

ڈاکٹر حمید اللہ ان علمائے اسلام میں ہیں جن سے میرا علمی و قلمی رابطہ تسلسل کے ساتھ قائم ہے اور میں ان کے مطالعے کی وسعت اور علم و خدمات کا معترف و قدر شناس ہوں۔

دو تین سال قبل کی بات ہے کہ وہ میری دعوت پر مدینۃ الحکمۃ تشریف لائے اور ہمدرد یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں خطاب کے لیے کھڑے ہوئے تو میں نے کلمہ تعارف کے طور پر ایک مختصر جملہ کہا کہ ڈاکٹر حمید اللہ "عالم" ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے تاثر کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ جامع لفظ کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کو میں عالم اس لیے کہتا ہوں کہ ان کو قبائے علم اور دستار فضیلت زیب دیتی ہے، انھیں علم اور اس کی ذمہ داریوں کا ایسا گہرا شعور ہے جس کی مثال شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔

ایک عالم کی حیثیت سے عائد ہونے والی عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے السنہ شرقیہ، فارسی اور عربی کے ساتھ انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور اطالوی زبانوں کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور ان پر دسترس حاصل کی۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب کو اہم مشرقی اور مغربی دونوں علوم کی جامعیت حاصل ہے۔ اس جامعیت سے ان کے علم و مطالعے اور ذہن و ادراک کو وسعت اور فکر و اظہار کو وہ آفاقیت نصیب ہوئی جو اسلام اور اس کی تعلیمات کی روح ہے۔ اپنی اسی انفرادیت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو اہل مغرب سے اسلام کی تعلیمات کو ان کی اپنی زبان میں متعارف کرانے کی جو سعادت حاصل ہوئی وہ بہت کم کسی کے حصے میں آئی ہے۔ امتیاز و خوبی یہ ہے کہ ذی علم اہل مغرب کی کثیر در کثیر تعداد

Marfat.com

ان کی فکر انگیز اور موثر تحریروں کی بدولت اسلام سے قریب ہوئی۔ ان کے مطالعے کا نہج بدلا، منہاج فکر میں تبدیلی آئی، اسلام کی عظمت اور اسلامی علوم کے شرف و وقار کا تصور واضح ہوا۔

ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں اسلام سے متعلق متعدد عنوانات پر سینکڑوں نہیں ہزاروں مقالات لکھے اور مغرب کی کئی جامعات میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے انھوں نے توسیعی خطبات بھی پیش کیے۔

ڈاکٹر صاحب کے مخصوص اسلوب تحقیق کا اعتراف مغربی جامعات کے علمائے مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ اپنے سن وسال اور گوناگوں علمی مصروفیتوں کے باوجود مختلف ممالک و مذاہب کے طلبہ آج بھی ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں۔

حال ہی میں فرانسیسی زبان میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا ترجمہ قرآن مجید اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ قرآن کریم کی منفرد خدمات میں ان کی اہم خدمت ''القرآن فی کل لسان'' بھی ہے جس میں دنیا کی ۱۲۰ زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تذکرہ اور سورۂ فاتحہ کا ترجمہ بہ طور نمونہ درج ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ان کی ایک دوسری اہم خدمت کا نمونہ بھی جلد ہی سامنے آنے والا ہے اور وہ ہے امام بخاری کا مشہور مجموعہ احادیث ''الجامع الصحیح'' جس کا اشاریہ ڈاکٹر صاحب مرتب کر رہے ہیں۔ یہ طویل و دشوار گزار اور پیچیدہ کام ہے لیکن وہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ علم الادیان بہت وسیع ہے۔ وہ کثیر التعداد کتابوں کے مصنف اور مختلف میدانوں کے بلند پایہ محقق ہیں۔ ان کے علم و اطلاع کی وسعت اور امتیازی اوصاف کی نمائندہ کتاب اردو میں ''خطبات بہاول پور'' ہے جس میں اسلامی قانون کی تدوین، تاریخ، اصول فقہ اور اجتہاد پر خطبات ان کی بصیرت اور ان کے ادراک کے اعلیٰ مظہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کے ساتھ عربی کی قدیم امہات کی ادارت، تصحیح اور ترتیب کی بھی خدمات انجام دی ہیں۔

Marfat.com

ان کی تحریر وتقریر کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں بیشتر باتیں ایسی ملتی ہیں جو سامع اور قاری کے لئے انکشاف کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی جملہ تصانیف کا ذکر اس جگہ ممکن نہیں ہے لیکن اہم تصانیف میں ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی''، ''عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظام حکمرانی'' اور ''قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں'' ہیں۔ نادر و نایاب ذخیرہ حدیث کے مخطوطے کی دریافت بھی ان کا وہ کارنامہ ہے جسے تاریخی کہا جا سکتا ہے اور وہ صحیفہ ہمام بن منبہ کی ترتیب، انگریزی اور اردو ترجمہ اور اس کی اشاعت ہے۔ اس علم و فضل کے باوجود ان کے مزاج میں پندار نہیں ہے بلکہ عجز و انکسار ہے اور یہ ان کے علم کی وسعت کا نتیجہ ہے۔ میں نے ان کو عالم اس لیے کہا کہ ان کے مزاج و اخلاق، ان کی تحریر و تقریر میں سادگی، سلاست، صفائی، معقولیت اور توازن ہے اور علم کے یہی وہ اثرات ہیں جو شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں۔

ان کی تحریروں میں عام مبلغوں کی طرح جذباتیت کے بجائے معقولیت اور فکری اپیل ہوتی ہے۔ وہ قدیم و جدید دونوں مآخذ کے حقیقی و تقابلی مطالعے کے بعد اپنے نتائج فکر، نہایت متانت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں سائنٹفک انداز و اسلوب کا دلکش نمونہ ہوتی ہیں، ایک عظیم محقق کے سارے اوصاف ان میں موجود ہیں۔ آج وہ اپنی مسلسل سعی و عمل اور بلند پایہ علمی خدمات پر اپنی ذات میں ایک ادارے کی شان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس ادارے کو مزید وسعت و توانائی کی دولت سے نوازے۔

(بشکریہ مجلّہ عثمانیہ، کراچی)

Marfat.com

ایک عالم ۔ ایک محقق

از شاہ بلیغ الدین

کچھ فرزندان جامعہ ایسے تھے جو دور سے پہچانے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک ہی سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے — سرخ و سپید رنگت اکہرا جسم، کھڑی گردن، مخصوص داڑھی! اوسط قد نہ کوئی اونچا نہ کوئی نیچا۔ سب شیروانی اور پاجامہ پہنتے تھے۔ سب کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر ہوتے تھے — یہ تھا ان کا حلیہ۔ پاس آنے کے بعد سمجھ میں آتا تھا کہ یہ ڈاکٹر غلام غوث ہیں، وہ محمد فاروق ہیں، یہ شرف الدین صاحب ہیں اور وہ ڈاکٹر یوسف الدین، مولوی نصیر الدین ہاشمی۔ یونیورسٹی میں تو نہیں پڑھے لیکن تھے وہ بھی اُنھی میں سے ایک۔ ان کی کتاب — دکن میں اردو — بڑی مشہور ہوئی۔ یہ پہلی کتاب ہے جو اردو کے وطن کا پتہ لگانے کے لئے خطہ واری بنیاد پر لکھی گئی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب جامعہ عثمانیہ عابد روڈ پر ہوا کرتی تھی۔ کسی منچلے نے اسی زمانے میں اس برادری کو کرین فیملی (Crane Family) کا نام دیا لیکن ہم لوگوں کے آتے آتے اس میں تقدیس کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ ہم لوگ انھیں — ڈاکٹر حمید اللہ فیملی کہنے لگے تھے۔ یہ سب اپنی دینداری، شرافت اور علمی رجحانات میں ایک جیسے تھے۔ انھیں کھیل کود، درسگاہوں کی شرارتوں، طلبہ برادری کے عہدوں، منصبوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر آباد ہونے والی یہ برادری فن جہاز رانی اور تجارتی پیشے میں بھی بڑی نامور تھی۔ ان کی تبلیغی اور علمی خدمات بھی تاریخ میں قابل قدر رہی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی انساب کی کتاب (لب اللباب) میں لکھا ہے کہ بصرے کے آس پاس ایک جگہ تھی — نوایت وہاں کے رہنے والے تھے۔ معجم البلدان میں

Marfat.com

یاقوت حموی نے بھی نوایت ہی لکھا ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ قریش کے جدامجد نصر بن کنانہ کی اولاد میں ایک نوابط بن نصر بھی تھے۔ تائے قرشت کا املا عام نہیں ہوا، نوائط عام ہو گیا۔ نوائط مسلک کے لحاظ سے شافعی ہوتے ہیں۔

ارکاٹ اور مدراس کی اسلامی ریاستوں کے بعد ان کے ذی علم حضرات نے حیدرآباد دکن کا رخ کیا۔ اب تو حیدرآباد بھی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ان آنے والے نوائط برادری کے افراد میں دو شخصیتوں نے بڑا نام پیدا کیا، ایک عزیز جنگ ولا نے جو شمس العلماء کہلائے دوسرے ڈاکٹر محمد حمید اللہ جو اسلامیات کے معروف محقق اور بین الاقوامی شہرت کے استاذ الاساتذہ میں سے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقاتیں یونیورسٹی کے علاوہ ان کے کٹل منڈی کے مکان میں ہوئیں جو کلیہ اناث کے قریب یا مسز سروجنی نائیڈو کے مکان گولڈن تھریش ہولڈ (Golden Threshold) کے پیچھے تھا۔ کٹل منڈی کے اس محلے میں مکانات اچھے تھے مگر گلیاں بڑی کوتاہ تھیں۔ یہ مکان غالباً ڈاکٹر صاحب کے والد نے خریدا تھا۔ اس کا نام خانہ خلیل تھا۔ ڈاکٹر صاحب فیل خانے کے اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے تھے[1]۔ تذکرہ قانون (۱۹۴۴ء) جسے حمید اللہ صاحب نے خود مرتب کیا ہے اس کے صفحہ ۳۵ پر اپنی تاریخ ولادت ۱۶: محرم ۱۳۲۶ ہجری مطابق ۱۳۱۷ فصلی لکھی ہے۔ (Diglott Calendar) مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی ۱۹۲۹ء کے مطابق شمسی حساب سے یہ ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء بنتی ہے۔ اس وقت (مئی ۹۷ء) میں الحمدللہ وہ (۸۹) برس کے ہو گئے ہیں۔ فیل خانہ جدید کارواں سرائے گوشہ محل کنٹہ اور بیگم بازار سے لگا ہوا محلّہ تھا۔ بیگم بازار میں نواب بہادر یار جنگ پیدا ہوئے تھے۔ نواب صاحب اور ڈاکٹر صاحب بچپن کے دوست اور دارالعلوم کے ساتھی بھی رہے تھے۔ فیل خانے میں شاہی ہاتھی رکھے جاتے تھے اور یہیں رود موسیٰ کے کنارے ہاتھیوں اور گھوڑوں کے بڑے بڑے سوداگر بھی بازار لگایا کرتے تھے جن کے پاس ہر نسل کے گھوڑے اور بڑے بڑے ہاتھی بھی ہوتے تھے۔ ایک بڑا ہاتھی اب سے سو سال پہلے دس ہزار روپے میں مل جاتا تھا۔ میر محبوب علی خان چھٹے نظام کے دور حکومت تک تو شاہی جلوس

Marfat.com

ہاتھی پر نکلتے اور مغلیہ تزک و احتشام کی یاد تازہ کرتے رہے۔

ایک تو عرب نژاد دوسرے قاضی بدرالدولہ کا خاندان ڈاکٹر صاحب کی گھٹی میں عربی پڑی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی پیدائش سے بہت پہلے ۱۸۷۳ء میں اردو حیدر آباد کی دفتری زبان بھی ہوگئی تھی۔ شرفا کے خاندانوں میں عربی فارسی ہی سے پڑھائی کی ابتدا ہوتی تھی چنانچہ ابتدائی فرزندان جامعہ عثمانیہ میں ڈاکٹر ولی الدین، ڈاکٹر سیادت علی خان، پروفیسر مجید صدیقی، ڈاکٹر رضی الدین، قاری قطب الدین، قاری کلیم اللہ سب عربی فارسی سے اچھے خاصے واقف تھے۔ اس زمانے میں پروفیسر حمید الدین فراہی دارالعلوم کے پرنسپل تھے۔ یہ سب ان کے کسی نہ کسی طرح سے شاگرد ہیں۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی کی ابتداء میں وہی پرنسپل بھی رہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ دارالعلوم سے جامعہ نظامیہ گئے پھر دارالعلوم ہی سے ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان کامیاب کیا۔ ڈاکٹر رضی الدین ان کے ساتھی ہیں اور یہ عثمانیہ میٹرک کا پہلا امتحان دینے والے فرزندان جامعہ ہیں۔ ان سے پہلے مدراس میٹرک، علی گڑھ میٹرک اور دارالعلوم سے انگریزی کا پرچہ دے کر ایف اے میں شرکت کے اہل طالب علموں نے جامعہ عثمانیہ کے آغاز میں داخلہ لیا۔ ڈاکٹر صاحب جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں ۱۹۲۳ء میں داخل ہوئے۔ یہاں پروفیسر عبدالقدیر صدیقی، حسرت جیسے استاد انھیں میسر آئے۔ ان کے علاوہ مفتی عبداللطیف، شاہ مصطفیٰ قادری، مولوی محمد صبغت اللہ، ڈاکٹر سید عبداللطیف، پروفیسر حسین علی خان، پروفیسر حسین علی مرزا سے انھوں نے استفادہ کیا۔

جامعہ عثمانیہ میں ڈاکٹر صاحب کا طالب علمی کا دور تابناک رہا۔ وہ وقت کے پابند اور حاضر باش طالب علم کی شہرت رکھتے تھے۔ کسی دن جماعت سے غیر حاضر نہیں رہے۔ صرف ایک دن آدھا گھنٹہ دیر سے آئے۔ اس دن والدہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے طالب علموں میں بحیثیت مجموعی ممتاز رہے۔ انعام یافتہ طالب علموں میں ان کا نام سرفہرست رہا۔

۱۹۲۹ء میں وہ بزم قانون کے معتمد منتخب ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں نائب صدر رہے۔ صدر کلیہ، صدر بزم قانون ہوتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے فقہ میں بدرجہ اوّل ایم

Marfat.com

اے کیا اور اسی سال ایل ایل بی میں بھی درجہ اوّل حاصل کیا۔ ریسرچ اسکالرز کے لئے اسی سال ایک نیا شعبہ کھلا تھا اس میں انھیں لے لیا گیا اور اسلامی قانون بین الممالک پر انھوں نے کام کا آغاز کیا۔ اس زمانے میں تحقیقی کام کرنے والے طالب علموں کو جامعہ کی جانب سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ دیا جاتا تھا۔ اس مقالے کے لئے مواد جمع کرنے کے لئے انھیں مشرق وسطیٰ اور یورپ جانے کا موقع ملا۔ بعد میں جامعہ عثمانیہ کی اکیڈمک کونسل کی اجازت سے یہ مقالہ بون یونیورسٹی (جرمنی) میں داخل کیا گیا جہاں ۱۹۳۲ء میں ڈی فل (D.Phil) کی ڈگری ملی۔ اس کے بعد پیرس یونیورسٹی سے ۱۹۳۵ء میں ڈلی لٹ کی سند حاصل کی اور اسی سال وہ حیدرآباد لوٹ گئے۔

آنکھوں دیکھی نہیں، کانوں سنی بات ہے مگر راوی خود ڈاکٹر صاحب ہیں۔ یورپ میں رہے اور بالخصوص پیرس جیسے شہر میں تین چار سال کا قیام رہا، پیرس کی مشہور عالم سڑک شانزالیزی سے کوئی دلچسپی تھی نہ یہاں کے قہوہ خانون اور آرٹ گیلری سے کوئی لگاؤ تھا۔ تیسری چوتھی منزل پر ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے رکھا تھا۔ یہی ان کا دیوان خانہ، یہی طعام خانہ اور یہی خواب گاہ کا کام دیتا بلکہ کبھی کبھی یہ مہمان خانے کا بھی کام دیتا۔ اسٹو اور کیٹل کا مستقل ساتھ رہتا تھا۔ ایک فرائی پان یا توا بھی مول لیا تھا۔ چائے، مکھن، توس اور آملیٹ پر گزارہ تھا۔ ڈاکٹر مظہر الحق جو کراچی یونیورسٹی میں بحر نویسی (Oceanography) کے پروفیسر تھے آج کل پیرس میں ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس عمارت میں لفٹ نہیں ہے۔ پرانی عمارت ہے۔ یہ لاطینی کوارٹرز کا علاقہ ہے بس یونیورسٹی کے قریب ہے۔ دوسری جنگ عظیم اور اس کے بعد کے زمانے میں بھی صرف حصول علم کے لئے چند طالب علم یورپ جایا کرتے تھے۔ نقل مکانی کا سلسلہ اس زمانے میں شروع نہ ہوا تھا اس لئے حلال گوشت یا مرغی عام طور پر ملنے کا تصور ہی بے معنی تھا۔ جنھیں ہوٹلوں کا چسکا نہ ہوتا ان کی گزر بسر بس اسی طرح ہوتی تھی جس طرح ڈاکٹر صاحب کی زندگی گزرتی تھی۔

وظیفہ کا پیسہ پیسہ بچا کر ڈاکٹر صاحب کتابوں کی خریداری میں لگاتے۔ بسا اوقات ٹرام (Tramway) یا بس کا خرچہ بھی بار گزرتا تھا۔ پیدل ہی کتب خانوں اور یونیورسٹی کو جایا

Marfat.com

کرتے۔ بننے سنورنے اور کپڑے پہننے کا بھی کوئی شوق نہیں تھا۔ جامعہ عثمانیہ میں ڈاکٹر صاحب ہمیشہ شیروانی میں ملبوس نظر آتے البتہ سر پر کبھی ترکی ٹوپی نظر نہ آتی ہمیشہ جناح کیپ پہنتے تھے البتہ پہلی بار پاکستان آئے تو بش شرٹ اور پتلون میں دیکھا۔ پیرس میں شاید ان کا یہی لباس رہتا ہوگا۔ حیدرآباد میں بھی زندگی میں سادگی کی جھلک تھی یہاں تو صرف بنیادی ضرورت کی چیزوں پر اکتفا کرتے۔ یاری دوستی کی طرف بھی کچھ زیادہ میلان نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھی علمی صحبتیں کمرے پر منعقد ہو جاتی تھیں۔ ملاقاتی جن میں اکثریت طالب علموں اور مستشرقین کی ہوتی ان سے بھی کتابوں کے انبار میں اٹے کمرے ہی میں مل لیتے۔ ہوٹلوں میں لے جا کر مہمانوں سے ملنے کے وہ کبھی قائل نہیں رہے۔ کسی طرح کی فضول خرچی ان سے متوقع نہیں تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی ڈاکٹر صاحب نے خاصی کچھ دنیا دیکھی ہے۔ اسی زمانے میں حج و زیارت کی سعادت بھی انھیں حاصل ہوئی تھی۔ عہد نبویؐ کے میدان جنگ اور اپنی بلند پایہ تصنیف سیاسی وثیقہ جات کے سلسلے میں بعض کتب کی چھان بین کے لئے وہ نجد و حجاز اور مشرق وسطیٰ کے کئی اہم مقامات پر جا چکے ہیں۔ خط وہ کسی کو شوقیہ لکھتے نہ تھے۔ غالب بیچارا اور طرح کا آدمی تھا جو کہتا تھا—

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

ڈاکٹر صاحب تو قرآنی حکم کے مطابق—ولا تبذر تبذیرا—(بنی اسرائیل)— یعنی روپیہ بے کار نہ اڑاؤ کے قائل تھے۔ جس کو خط لکھتے تو کوشش کرتے کہ کارڈ پر کام چل جائے بہت ہوا ایروگرام سے کام چلا لیتے۔ ویسے خطوں کا جواب وہ بڑی پابندی سے دیتے ہیں۔ استفسارات اور حوالوں کے طلب گار کو فوراً جواب دیتے۔ پیرس میں ۴۹ء کے بعد ان کے قیام کے دوران میں بہت خط آتے تھے۔

جامعہ عثمانیہ کے یہ ہونہار سپوت ڈگریوں سے لد پھند کے واپس آئے تو ٹرین سے اترتے ہی گھر پہنچے۔ سامان رکھا ہاتھ منہ دھوئے یونیورسٹی پہنچ گئے۔ سرکاری تعلیمی وظیفے پر گئے تھے اس کی شرط یہ تھی کہ لوٹ کر جامعہ عثمانیہ میں نوکری کریں گے۔ اس لئے چلے آئے

Marfat.com

ورنہ وہاں بہت سی درسگاہوں نے پانسہ پھینکا، گونداڈالا مگر یہاں زبان پر جو نہیں تھی سو نہیں قائم رہی۔ البتہ بون (جرمنی) یونیورسٹی میں انھوں نے ریڈر کی حیثیت سے کام کیا مگر اعزازی طور پر! بڑا عہدہ، بڑی تنخواہ، بڑی سہولتیں سب کچھ سہی مگر وعدہ پھر وعدہ ہوتا ہے۔ وعدہ تو توڑا نہیں جاسکتا تھا۔ ارشاد ربانی ہے — اوفوا بالعھد انّ العھد کان مسئولا — اپنے اقراروں کو پورا کرو ورنہ پکڑ ہوگی — اللہ کی پکڑ کے آگے پیرس کی رنگینیوں یا روپے پیسے کی افراط سے کسے دلچسپی تھی۔ اپنے فرائض جلد سے جلد شروع کرنے کا خیال رہا تھا۔ اڈکمیٹ کی عارضی عمارتوں میں یونیورسٹی پہنچے تو دوست احباب، اساتذہ کرام اور انتظامیہ کے بڑے چھوٹوں سب نے ہاتھ ملائے۔ سب نے تعریف کی مگر کوئی اسامی خالی نہ تھی، نوکری کہاں سے دیتے۔ اس انمول ہیرے کو گنوا بھی نہ سکتے تھے اس لئے دم دلاسے پر دھرلیا۔

کچھ دنوں بعد ایک صاحب چھٹی پر گئے تو ان کی جگہ بٹھا دیا۔ ادھر شعبہ قانون میں قانون بین الممالک (International law) پڑھانے والا کوئی ملتا نہ تھا تو یہ خدمت بھی وہ انجام دیتے رہے۔ پھر ڈاکٹر سیادت علی کی جگہ خالی ہوئی تو (۳۰۰ تا ۶۰۰) کی اسامی پر ریڈر کی حیثیت سے تقرر کر دیا گیا۔ یہاں کسے بحث تھی کہ اتنی تنخواہ ہو یا اتنی تنخواہ ہو۔ یہ بات پہلے ہی عرض کر دی گئی تھی کہ مادر جامعہ کی خدمت کا موقع دیجئے معاوضہ حق الخدمت کی بات کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھئے۔ ادھر یونیورسٹی کی باگ ڈور قاضی محمد حسین صاحب کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ ریاضی میں کیمبرج کے رینگلر تھے یعنی حساب کے پکے! وہ بھی جانتے تھے کہ — مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دینی چاہئے۔ اس لئے انھوں نے بیگاری والی کوئی بات چلنے نہ دی۔

ہم جب یونیورسٹی میں آئے تو شعبہ تاریخ کے آس پاس ہی شعبہ قانون کو پایا۔ بڑی خوشی اس لئے ہوئی کہ ہم نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ سول سروس میں نہیں بیٹھیں گے ایل ایل بی کر کے وکالت کریں گے۔ اب یہ اور بات ہے کہ من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال والا معاملہ ہمارے ساتھ ہوا۔ ملک کے بٹوارے کے بعد حیدرآباد پر ظالمانہ حملہ ہوا اور سلطنت

Marfat.com

آصفیہ کے سقوط کے بعد ہم سیدھے اپنے نئے وطن پہنچے۔ جیب میں مشکل سے سو دو سو روپلی تھے۔ اتنے ہی روپے بڑے بھائی کے پاس بھی تھے۔ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا روز کنواں کھودنا اور پانی پینا تھا۔ ایسے میں وکالت کا مسئلہ یوں بھی مشکل ہو گیا تھا کہ ہم ایل ایل بی کا پہلا سال مکمل کر کے امتحان دیتے ہی چلے آئے تھے۔ نتیجہ نکلا، کامیابی ہوئی مگر اب فائدہ کیا تھا۔ قصہ مختصر بعد میں ہم نے جامعہ کراچی سے دوسرے سال کا امتحان دے کر ایل ایل بی کی ڈگری تو لے لی لیکن پیشہ قانون میں آنے کی ہمت نہ پڑی۔

شعبہ قانون کی طرف سے ہم جب بھی گزرتے اور ڈاکٹر صاحب نظر آتے تو ہم ان کو بڑے احترام سے سلام کیا کرتے تھے۔ اسلام نے السلام علیکم کا فقرہ سلام کے لئے دیا ہے لیکن ہند مسلمانی تہذیب (Indo Muslim Culture) اور ریاستی ماحول میں — آداب عرض ہے! — کا سکہ چلتا تھا۔ تن کے سلام تو دوستوں میں ہوتا تھا مگر سب بزرگوں سے جھک کے سلام ہوتا تھا۔ اساتذہ اور والدین تو ظاہر ہے کہ بڑے احترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ جب عقیدت زیادہ شامل ہو جائے تو تقدیس اور بڑھ جاتی ہے۔ شعبہ قانون کی راہداری میں یہی مظاہرہ ہم سے ہوتا — لیجئے سامنے سے ہمارے ممدوح چلے آ رہے ہیں — قد میں لمبے نہ ٹھگنے، دکھاوٹ میں لمبے نظر آتے ہیں۔ دھان پان آدمی ہیں لیکن رعب ان کا بڑا ہے۔ کچھ ان کی ذاتی خوبیوں اور بہت کچھ علمی عظمتوں نے ان کا قد بڑھا دیا ہے، اس لئے وہ بالا بلند دکھائی دیتے۔ سفید رنگت خون کی کمی سے کچھ پیلی معلوم ہوتی، لمبی پتلی ناک، ذہانت بھری آنکھیں، پتلا تلوار کی طرح کا چہرہ، اونچی گردن، نحیف ہاتھ پاؤں، شرعی پاجامہ بر میں جسم پر حیدر آبادی شیروانی گھٹنوں سے ذرا نیچی، سر پر بالوں والی ٹوپی، ہاتھ میں چمڑے کا بستہ، جو کتابوں اور کاپیوں سے پھولا ہوتا۔ یہ نہ بریف کیس کی وضع کا ہوتا تھا نہ بریف کیس کی طرح فیشن ایبل صاف سمجھ میں آتا تھا کہ اگر طاقت اجازت دیتی اور موقع مل جاتا تو ٹن کا کوئی بڑا صندوق ہاتھوں میں اٹھائے اٹھائے چلے آتے۔ دانت پاک صاف، چمکیلے، سیاہ ترشی ہوئی موچھیں اور سیاہ جھالر نما داڑھی — یہ ہیں ڈاکٹر حمید اللہ! وزن ایک سو بارہ پونڈ سے آگے کبھی نہ بڑھا ہوگا۔ آج بھی اتنے ہی وزن کے ہوں گے۔ وہ ان

Marfat.com

اللہ کے بندوں میں سے تھے جو سلام کا جواب دے کر بازو سے گزرتے تو علم کی روشنی کے لہکے آتے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا تعلق ارکاٹ کے ایک علمی گھرانے سے تھا۔ ان کے جد امجد قاضی بدر الدولہ اپنے دور کے فاضل اجل تھے۔ محمد خلیل اللہ صاحب حیدر آباد میں دوم تعلقدار اور مددگار معتمد مال گزاری تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب انھی کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۶ر محرم ۱۳۲۶ھ بدھ کی رات وہ حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے، ان کی بسم اللہ والد محترم نے پڑھائی۔ کچھ عرصے تک خود بیٹے کو درس دیتے رہے پھر حیدر آباد کی مشہور درسگاہ دار العلوم میں داخل کرایا جہاں وہ چھٹے درجے تک پڑھتے رہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں آ گیا تھا۔ چھٹی جماعت کے بعد انہیں مدرسہ نظامیہ میں شر ایک کرایا گیا۔ ایک سال وہ وہاں پڑھتے رہے اور دار العلوم کو جسے جامعہ عثمانیہ میں بدلنے کی جو کوششیں ہو رہی تھیں انھیں دیکھتے رہے۔ یہاں ان کے ساتھیوں میں ڈاکٹر رضی الدین، نواب بہادر یار جنگ اور احمد عبداللہ المسدوسی جیسی ہستیاں تھیں۔

ڈاکٹر صاحب کے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ دونوں بھائی اور ایک بہن ڈاکٹر صاحب سے بڑی تھیں۔ سب سے بڑے بھائی حبیب اللہ صاحب تھے جنھوں نے عثمانیہ سے بی اے کیا۔ یہ نائب ناظم بندوبست ہو گئے تھے انھوں نے بلاذری کی انساب الاشراف سے حضرت عثمانؓ کی زندگی کے حالات کا اردو ترجمہ کیا ہے جو حیدر آباد دکن سے چھپ چکا ہے۔ ان سے چھوٹے بھائی صبغت اللہ صاحب تھے جو مددگار ناظم بندوبست حکومت حیدر آباد رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بڑی بہن امتہ العزیز عربی کی فارغ التحصیل تھیں۔ چھوٹی بہن حبیبۃ الرحمٰن تھیں۔ ان چاروں کا انتقال ہو چکا ہے۔

جورو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا — اردو کی ایک مشہور مثل ہے جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو اس کے لئے بولتے ہیں۔ اس میں تھوڑی سی تبدیلی کی ضرورت ہے — جورو نہ جاتا بس کتابوں سے ناتا — اب یہ مثل ڈاکٹر صاحب پر صادق آتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا عشق کتابوں سے تھا۔ شب و روز کتابوں کی دنیا میں گم رہتے تھے۔ پانچوں وقت مسجد جا کر نماز

Marfat.com

پڑھ لیتے پھر لکھتے پڑھتے رہتے۔ جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ میں مولوی عبدالحق، ڈاکٹر جعفر حسن، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، ڈاکٹر حمید اللہ نے کیوں تجرد کی زندگی اختیار کی اللہ بہتر جانتا ہے۔ ان میں سے دو کے بارے میں — اڑتی سی ایک خبر ہے زبانی طیور کی — عنفوان شباب کے معاشقے ناکام ہوئے ان میں ایک ڈاکٹر جعفر حسین ہیں ایک مجید صدیقی صاحب۔ مولوی عبدالحق کی طالب علمی کے زمانے کی ایک شادی کے بارے میں بھی کچھ گن پھن سنتے میں آئی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں سنا۔ ایک مرتبہ بہت موڈ میں تھے، اپنی یورپ کی زندگی کا احوال سنا رہے تھے۔ خود پکانا، کھانا اس خشک موضوع کے بعد فرمایا کہ ایک بار ہمارے فلیٹ یا کمرے — مجرد گاہ (Bachelor's Quarter) کی مالکن آئی، اپنی زندگی کی بپتا سنانے لگی، تان اس بات پر ٹوٹی کہ شوہر چھوڑ کر چلا گیا ہے، عرصے سے لاپتہ ہے، تم معقول آدمی دکھائی دیتے ہو تم ہی توجہ کر لیا کرو — یہ کہہ کر ڈاکٹر صاحب ہنس پڑے اور بات ختم ہوگئی۔ طالب علمی کا زمانہ ۳۵ء میں ختم ہوا پھر ۴۹ء میں کوئی ۱۴ برس بعد ڈاکٹر صاحب اسی مالک مکان خاتون کے کرائے دار بنے اور حال تک وہیں رہتے تھے۔ بلکہ اب بھی وہ کمرہ ان کے قبضے میں ہے۔ ان کی کتابیں ان کا سامان وہیں ہے ان کی زیادہ تر ڈاک بھی اسی پتے پر آتی ہے۔ خود وہ پیرس کے بجائے اب امریکہ میں اپنی بھتیجی کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں[۲]۔

۱۹۴۷ء میں جب ملک کا بٹوارہ ہوا تو حیدرآباد نے اپنے مخصوص حالات میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اگست ۴۸ء سے دوسرے سال ستمبر ۴۹ء تک ہم اپنی آزادی کے گن گاتے رہے۔ اس دوران میں جو کچھ اپنے آقاؤں سے میر جعفر اور میر صادق نے کیا، وہی ہمارے پاس بھی ہوا (۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ اور ۱۷۹۷ء میں سلطان ٹیپو ان نمک حراموں کی سازشوں کا شکار ہوئے) مملکت آصفیہ حیدرآباد بھی سازش کا شکار ہوئی۔ حضور نظام کے درباری اس میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۴۹ء ستمبر میں قائداعظمؒ کی وفات کے ساتھ ہی بھارت نے سترہ مختلف مقامات سے مملکت حیدرآباد پر حملہ کر دیا۔ مخدوم کا باغیانہ جذبہ پکار اٹھا —

Marfat.com

پڑی ہے فرق مبارک پہ ضربت کاری
جناب آصف سابع پہ ہے غشی طاری

مخدوم نے کالج کے زمانے میں مرشد کا پارٹ کر کے نظام سابع سے کئی بار انعامات لئے تھے۔ مجھے اس موقع پر گول کنڈہ کے عظیم المرتبت سپہ سالار عبدالرزاق لاری پر سکندر علی وجد کی نظم کا ایک شعر یاد آیا جو زندگی کی ایک بڑی حقیقت کو بیان کرتا ہے ؎

اقبال کا ساتھی ہے پدر ہو کہ برادر
ادبار میں تسکین نہیں دیتا کوئی دم بھر

حیدرآباد کی آزادی کی حفاظت کے لئے اس زمانے میں جو کوششیں ہوئیں ان میں سب سے بڑا قدم یہ تھا کہ صیانتی کونسل میں حیدرآباد بھارت کی جارحیت کے خلاف اپنا مقدمہ پیش کرنے نکلا۔ اس موقع پر جامعہ عثمانیہ کے دو پروفیسر صاحبان بھی وفد کے ساتھ گئے۔ ایک ڈاکٹر حمید اللہ دوسرے ڈاکٹر یوسف حسین خان! وہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے والد حیدرآباد دکن میں ہی بس گئے تھے اور یہیں وکالت کرتے تھے۔ بعد میں لا رپورٹ (Law Report) چھپانے لگے تھے۔ اپنی آپ بیتی یادوں کی دنیا میں ڈاکٹر یوسف نے اس وفد میں شرکت پر بڑا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے حالانکہ حیدر آباد کے ان کے پورے خاندان پر احسانات تھے۔ ان سے سروجنی نائیڈو پھر غنیمت نکلیں۔ انھوں نے سقوط حیدرآباد پر مگرمچھ کے آنسو تو بہائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ جان بچ کے لڑنے نکلے تھے وہ نوٹ رحیدرآباد نہ گئے۔ درمیان میں پیرس میں اتر پڑے اور وہیں رہنے لگے۔ سکندر علی وجد کا ایک اور مصرعہ اس موقعہ پر ذہن میں آیا ؏

اے مردِ خدا قدرِ وفا تو نے بڑھا دی

بہت سے دوستوں اور ساتھیوں نے ڈاکٹر حمید اللہ سے کہا کہ — حیدرآباد لوٹ آیئے۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ کچھ دوستوں اور عزیزان نے کہا کہ — پاکستان آجایئے۔ انھوں نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔ بعد میں کچھ عرصے کے لئے حکومت پاکستان کی دعوت پر آئے مگر پھر چلے گئے۔

Marfat.com

پیرس چھوڑنے سے انکار کی وجہ بڑی خاموشی سے انھوں نے واضح کر دی کہ — آٹھ زبانیں جانتا ہوں کچھ اور زبانیں بھی پڑھ لیتا ہوں پیرس میں جو کام میں کر سکوں گا وہ شاید ان دونوں جگہوں پر نہ ہو سکے۔ حیدر آباد کی خدمت البتہ انھوں نے جاری رکھی۔ فرانسیسی کا ایک ٹائپ رائٹر خرید لیا تھا اس پر ہر مہینہ ایک بلیٹن چھاپتے۔ اس میں حیدر آباد کے مقدمے اور حیدر آباد کے مسلمانوں پر گزرنے والی آفتوں کا ذکر کرتے اور عالمی سیاسی منڈی کے سیٹھوں کو بھیجتے۔ پاکستان آئے تو وہ ٹائپ رائٹر بھی ساتھ تھا۔ کچھ بلیٹن بھی انھوں نے دکھائے — زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم کا مضمون تھا۔ ویسے ان کے پیرس میں رہنے کا فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ یہاں ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا۔ اسلامی ادب کی وہ خدمت نہ کر سکتے جس کے لئے آج وہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔

کچھ دنوں کے لئے پاکستان آنے کا معاملہ یہ تھا کہ جسٹس ایم بی احمد جو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے سیکرٹری تھی، قرارداد مقاصد کی تیاری کے لئے اور شرعی قوانین کے نفاذ کے بارے میں ان سے رہنمائی چاہتے تھے۔ اس غرض کے لئے وہ خود پیرس گئے تھے۔ وہ یہاں آنے کے لئے تیار ہو گئے تو ان سے شرائط پوچھنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ — شرط بس ایک ہی ہے جب میں کہوں مجھے واپس یہاں چھوڑ دیجئے جہاں سے آپ اب لے جا رہے ہیں۔ اس کے آگے جو بھی سوال ہوا اس کا ڈاکٹر صاحب نے جواب نہ دیا۔ رہنے، کھانے پینے، آنے جانے اور تنخواہ کے سلسلے میں کچھ نہ بولے۔ انھیں قصر ناز یا وزیر اعظم کے مہمان خانے میں اتارنے کی کوشش ہوئی تو انھوں نے کراچی ایئر پورٹ پر انکار کر دیا۔ اپنے ایک عزیز کا پتہ دیا کہ وہاں ان کے پاس قیام کروں گا۔ یہ جگہ تھی خداداد کالونی! تنخواہ کا مسئلہ آیا تو فرمایا کہ — میرے عزیز جو کھاتے ہیں وہی مجھے کھلا دیں گے اور میں یہاں پاکستان کی خدمت کرنے آیا ہوں! یہ قلندرانہ ادائیں ایسی تھیں جن میں بڑا سکندرانہ جلال بھی تھا۔ کاش ایسے کچھ اور لوگ پاکستان کو میسر آ جاتے۔

قرارداد مقاصد پیش ہونے کے بعد وہ کچھ زیادہ دن یہاں نہ رہ سکے۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ — میرا وقت ضائع نہ کیجئے، یہاں کام کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔

Marfat.com

انھیں بہت روکا گیا مگر وہ یہاں کے حالات سے بددل ہو گئے تھے۔

اس اثناء میں ڈاکٹر صاحب سے کئی بار ملنا ہوا۔ ایک سب سے اہم مسئلہ حیدر آباد کی جلاوطن حکومت قائم کرنے کا تھا۔ ہم کچھ لوگ مل بیٹھتے تمام نشیب و فراز پر غور کرتے رہے۔ آزاد حیدر آباد کی حکومت کے صدر کے لئے اس وقت سب سے موزوں شخصیت نواب حسن یار جنگ کی نظر آتی تھی۔ نذرت روڈ کے ان کے مکان میں ان سے ایک خصوصی ملاقات ہوئی۔ ہمارے ساتھ ڈاکٹر یاسین زبیری، مولانا مظہر علی کامل، اکرام اللہ صاحب سابق وزیر حیدر آباد اور شیخ حیدر صاحب بھی شریک تھے۔ حسن یار جنگ اس کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ حیدر آباد کے سقوط سے پہلے ان پر اور ان کے خاندان پر نظام کا سخت عتاب تھا۔ نظام نے ان سے اپنی بیٹی کا رشتہ بھی توڑ دیا تھا۔ ان کی دشواریاں سمجھ میں آتی تھیں بہر حال اس تصور کو آگے بڑھا کر بہادر یار جنگ سوسائٹی کی طرف سے ایک شام اخبارات کو اعلان جاری کر دیا گیا کہ — آزاد حیدر آباد حکومت کا قیام عمل میں آ گیا ہے۔ یہ خبر میں نے بنائی ڈاکٹر صاحب نے دیکھی دوسرے ساتھیوں نے اتفاق کیا تو عالمی نیوز ایجنسی کے حوالے کر دی گئی۔ دوسرے دن ڈان، جنگ، انجام، امروز، سندھ آبزرور وغیرہ میں مرکزی خبر کے طور پر شائع ہوئی۔ طے یہ پایا تھا کہ اس کا دفتر بہادر یار جنگ سوسائٹی میں ہوگا جس کا میں ان دنوں جنرل سیکرٹری تھا لیکن اسے ظاہر نہیں کیا جائے گا۔

حسن یار جنگ کے بعد جو شاہی خاندان کے فرد تھے ہمارا خیال تھا کہ سابق صدر اتحاد المسلمین مولانا مظہر علی کامل کو اس عہدے کے لئے منتخب کریں گے لیکن مولانا کی اپنی مشکلات تھیں۔ وہ اس خیال کے تو حامی تھے کہ آزاد حیدر آباد کی جلاوطن حکومت قائم ہونا چاہئے اور وہ اس کی مجلس مشاورت میں رہنا بھی چاہتے تھے لیکن صدارت کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ صدر کے نام کا اعلان کئے بغیر یہ تحریک چلائیں اسی پر اتفاق رائے ہو گیا۔

دوسرے ہی دن وزارت خارجہ کے سیکرٹری صاحب کا خصوصی ایلچی ہمارے پاس آیا اور بتایا کہ سیکرٹری خارجہ اس اہم مسئلہ پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اکرام اللہ صاحب اس وقت

Marfat.com

معتمد خارجہ تھے اور موہٹا پیلس کلفٹن میں وزارت کا دفتر تھا۔ حکومت پاکستان نے بڑی شدو مد سے اس خیال کو روک دیا۔ ڈاکٹر صاحب عملی سیاست کے آدمی نہیں تھے ان کی سوچ وفکر علمی تھی۔ ریاست ہائے کیلن ٹائن اور جوہو کے فیصلے بیشک پری وی کونسل نے کئے تھے، بین الاقوامی دستوری اور سیاسی تاریخ میں ان کی حیثیت نظائر کی سی تھی لیکن دنیا کے کام اصول اور قانون کے مطابق نہیں چلتے۔ اقبال نے اسی لئے کہا کہ — عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد! حالات کا تقاضہ تھا کہ ہم خاموش ہو جائیں — جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگیں تو یہی صورت ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک میر لائق علی صاحب پاکستان نہیں آئے تھے۔ حیدر آباد دکن سے تو انھوں نے اپنے آخری پیام میں مشتاق احمد خان صاحب ایجنٹ جنرل کو جلاوطن حکومت کے قیام کا مشورہ دیا تھا لیکن یہاں آکر وہ بھی خاموش ہو گئے۔

اسی زمانے میں سوسائٹی نے اعلان کیا کہ بہادر یار جنگ اسکول میں ڈاکٹر صاحب فرانسیسی اور روسی زبانوں کی تعلیم دیں گے۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے کچھ خاص خاص لیکچر بھی ہوئے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب نے بہادر یار جنگ اسکول کی مالی امداد بھی کی۔ اسکول اسی زمانے میں قائم ہوا تھا۔ ابتداء میں اسکول کے اخراجات بڑی مشکل سے پورے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اساتذہ کی تنخواہوں کا انتظام نہیں ہو پا رہا تھا ڈاکٹر یاسین زبیری، شیخ حیدر صاحب اور میں خداداد کالونی کے مکان میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئے۔ میں نے اسکول کی مجلس انتظامیہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اپنی مشکلات بیان کیں۔ ہم لوگ اس وقت خداداد کالونی کے ایک گھر میں کچی مٹی کی دیواروں کے کمرے میں چاندنی کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تکیے کے پیچھے ہاتھ ڈالا جس سے وہ لگے بیٹھے تھے، اپنا بٹوہ نکالا اور میرے سامنے ڈال دیا۔ فرمایا — جتنی ضرورت ہو اس میں سے لے لیجئے۔ میں بڑی شش وپنج میں پڑ گیا۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے انکار کے باوجود حکومت پاکستان نے ان کے لئے کچھ الاؤنس اور بھتہ مقرر کر دیا تھا لیکن کتنا؟ کچھ معلوم نہ تھا۔ میں رک گیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا — آپ بلا تکلف جتنی رقم کی ضرورت ہو اس میں سے نکال لیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ تنخواہوں کی رقم میں سترہ سو روپے کی کمی تھی۔ میں نے

Marfat.com

عرض کیا— ڈاکٹر صاحب! میری ضرورت تو سترہ سو روپے کی ہے آپ جو مناسب سمجھیں عطیہ عنایت فرمائیں۔ انھوں نے بڑی ہمت افزائی کے لہجے میں مجھ سے فرمایا— میں نے کہہ تو دیا کہ آپ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے رقم نکال لیں۔ ہم تینوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر میں نے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا تو فرمایا— بسم اللہ! میں نے بٹوہ کھولا۔ یہ سو سو روپے کے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں اس میں سے ایک ایک نوٹ نکالتا گیا اور فرش پر ڈالتا گیا اور فرش پر ڈالتا گیا سترہ کی گنتی ختم ہوئی تو میں نے بٹوہ بند کر کے انھیں پیش کیا۔ انھوں نے بٹوہ میرے ہاتھ سے لے کر تکیے کے پیچھے ڈال دیا۔ نوٹ فرش پر پڑے رہے اور پھر ہم باتوں میں ایسے مشغول ہو گئے— اللہ کا شکر کہ اس مہینے ہمارے پورے اسٹاف کی تنخواہ مل گئی۔

ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ایک واقعہ میں نے یونیورسٹی میں سنا تھا۔ ایل ایل ایم کی کلاسوں کا اجراء ہوا تو صبح ساڑھے سات بجے سے کلاسیں شروع ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ پہلے دن یونیورسٹی کی بس میں سوار ہوئے جوان کے گھر کے قریب سے چلتی تھی تو چار پانچ طالب علم اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بعد میں داخل ہوئے تو طالب علم کھڑے ہو گئے وہ اندر آ کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کنڈیکٹر پہلے انہی کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے دس روپے کا نوٹ تھمایا۔ دو تین آنے کا اس زمانے میں ٹکٹ تھا۔ جب کنڈیکٹر نے کہا کہ— اس کے پاس ریزگاری نہیں ہے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ— میرے اکیلے کا ٹکٹ نہیں سب کے ٹکٹ کے پیسے اس میں سے کاٹ لیجئے! وہ دن اور پھر یہ ڈاکٹر صاحب کا معمول ہو گیا کہ صبح کی پہلی بس میں جتنے طالب علم ہوتے سب ان کے ٹکٹ پر سفر کرتے۔ یہ اطلاع عام ہوئی تو کچھ نادار لڑکوں نے پہلی بس پکڑنی شروع کی اور تعداد بہت بڑھ گئی لیکن ڈاکٹر صاحب کے معمول میں فرق نہ آیا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے ساتھیوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور طالب علموں اور ضرورت مندوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ فضول خرچ وہ بالکل نہیں تھے مگر آڑے وقت دینے کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب پیرس لوٹ گئے تو پھر کبھی کبھار ان سے خط و کتابت ہوتی رہی۔ ۱۹۸۳ء میں امریکہ سے واپسی کے موقع پر بہت ارادہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس جاؤں لیکن قاہرہ جانے کے اسباب بن گئے۔ ۱۹۸۹ء میں جب میں لندن گیا اور تین چار مہینے وہاں رہنے کا اتفاق ہوا تو میرا بڑا دل چاہا کہ میں فرانس جا کر ڈاکٹر صاحب سے مل آؤں لیکن موقع نہ مل سکا۔ میں اس لئے بھی ان سے ملنا چاہتا تھا کہ پندرہویں صدی کے آغاز پر اقوام متحدہ کے اجلاس کے لئے جنرل ضیاء الحق نے جو تقریر کی اس بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ یہ تقریر بروہی صاحب کی تجویز پر جنرل صاحب نے ڈاکٹر حمید اللہ ہی سے لکھوائی تھی۔

ڈاکٹر صاحب خطبات بہاولپور کے لئے جب ۱۹۸۰ء میں یہاں آئے اس وقت بھی میری ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت وہ وزیر اعظم کے مہمان خانے نمبر ۱۰ عبداللہ ہارون روڈ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی صحت اچھی تھی۔ یادداشت بھی اچھی تھی۔ مارچ ۱۹۸۰ء کے اس پروگرام کی دعوت پر اگرچہ کہ بہاولپور اسلامی یونیورسٹی کی طرف سے تھی، اس کا خاکہ خود ڈاکٹر صاحب نے بنا کر روانہ کیا تھا۔

خطبات بہاولپور کی تعداد بارہ ہے۔ میرے خیال میں سر سید احمد خان کی کتاب خطبات احمدیہ کے بعد اردو زبان میں تاریخی اور تحقیقی مواد کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ ان خطبات میں سے پچاس ساٹھ ایسے عنوانات نکل سکتے ہیں جن پر مختلف جامعات میں پی ایچ ڈی کے لئے تحقیقی کام ہو سکتا ہے۔ ان خطبات سے ڈاکٹر صاحب کی وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کوئی خطیب نہیں۔ تدریسی انداز میں بولتے ہیں۔ الفاظ کی جادوگری اور آواز کے زیر و بم کا خیال نہیں رکھتے پھر بھی جی چاہتا ہے کہ ان کی گفتگو جاری رہے۔ خطبات بہاولپور میں ڈاکٹر صاحب کا پانچواں خطبہ قانون بین الممالک پر ہے۔ یہ ایسا موضوع ہے جو عام طور پر دینی درسگاہوں کے طالب علموں کی دسترس سے باہر ہے۔ بے شک امام ابوحنیفہؒ کی اکیڈیمی میں اس موضوع پر چھان بین اور بحث و تمحیص ہوئی ہے لیکن اردو زبان میں اس پر کوئی مواد نہیں ملتا۔

Marfat.com

۱۹۳۶ء میں جب جامعہ عثمانیہ کے ایل ایل بی کے نصاب میں اس مضمون کو داخل کیا گیا تو انگریزی کی جس کتاب کو پڑھنے کی سفارش کی گئی وہ ۱۹۲۴ء کی چھپی ہوئی تھی جبکہ اس موضوع پر تازہ ترین تبدیلیوں کا ذکر کتاب میں ہونا چاہئے تھا۔ پھر اس کتاب میں اور امریکہ کی چھپی ہوئی اور کتابوں میں اسلامی ممالک کی تاریخ سے کوئی مثالیں اور نظیریں نہیں ملتیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۳۰ء سے اس موضوع پر تحقیقی کام کا آغاز کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے جمع کردہ مواد سے ایک سال کام چلایا اور پھر نومبر ۱۹۳۶ء میں اپنی کتاب چھاپی۔ اسی کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے امام محمد شیبانی کی کتاب السیر الصغیر سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ مسلمانوں نے دوسو (۲۰۰) برس میں قانون بین الممالک مرتب کر لیا تھا جبکہ مشاہر یونان و روما کے وارثین اور مغربی مفکرین نے صدیوں کا وقت لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر جو کتاب لکھی اس کا نام تھا:—

سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل

یعنی

قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں

یہی کتاب تھی اور اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی نظر کی وجہ سے انھیں آزاد حیدر آباد کے مقدمے کے سلسلے میں صیانتی کونسل کے وفد میں شامل کیا گیا تھا۔

قانون بین الممالک پر ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب سے ڈاکٹر صاحب کی ایک اور اہم تصنیف کا بھی تعلق ہے اور وہ ہے:-

سیاسی وثیقہ جات — عہد نبویؐ تا بہ خلافت راشدہ۔

اس کتاب کا ترجمہ مولانا ابو یحیٰی امام خان نوشہروی نے کیا اور ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے مجلس ترقی ادب لاہور نے اسے شائع کیا۔ یہ تحقیقی مقالہ بھی جو بال جبریل کے سائز کی کتاب کے ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے اردو ادب کے دامن میں ایک نیا گوہر آبدار ہے۔ اگر چہ کہ بعد میں صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ اور دور عثمانیؓ اور دور مرتضویؓ کے بھی کچھ خطوط اور دستاویزات شائع ہوئے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب

Marfat.com

بڑی اہم ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی جانے والی عہد حاضر کی بیشتر کتابوں کے مصنف ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کی افادیت سے واقف نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ سیرت کی کتابیں اکثر نقل نویسی کا شہکار ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور تصنیف کا ذکر بھی خطبات بہاولپور کے ساتھ ہونا چاہئے جس کا نام ہے — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی!

اس کے پہلے دو ایڈیشن ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۵ء میں چھپے تھے اس کا تیسرا ایڈیشن ڈاکٹر صاحب کی اجازت اور ان کی نظر ثانی کے بعد ۱۹۶۱ء میں دارالاشاعت کراچی نے چھاپا۔

اس میں ڈاکٹر صاحب کے (۳۳) مضامین شامل ہیں۔ تیسرے مضمون — مواد و ماخذ — کے بارہ ابواب میں جو سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہیں — بہاولپور کے خطبات میں مملکت اور نظم و نسق، نظام دفاع اور غزوات اور خطبہ نمبر ۱۲ تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ وہ خطبات ہیں جو اس کتاب کے بعض ابواب کی نظر ثانی اور مواد میں اضافے کے مظہر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب ''عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی'' بھی ایسا موضوع ہے جو ڈاکٹر صاحب کے خطبات بہاولپور میں شامل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی میں بھی اس کا مواد موجود ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک چھوٹی کتاب ہے — عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ۔ اس کا موضوع بھی خطبہ نمبر (۸) نظام دفاع اور غزوات — کے تحت آ گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ میں نے پہلی مرتبہ انگریزی میں پڑھا۔ یہ جہازی سائز کے ایک رسالے کی صورت میں تھا۔ اس میں نقشے بنے ہوئے تھے۔

پیرس جانے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے نجد و حجاز کے سفر میں اس مقالے کے لئے بہت کچھ مواد اکٹھا کیا تھا اور کوشش کی تھی کہ ایک ایک میدان جنگ خود اپنی آنکھوں سے جا کر دیکھیں۔

اردو زبان میں یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے۔ اردو میں یہ درسی کتابوں

Marfat.com

کے سائز پر چھپا اور اردو کتابوں کے ناشرین نے اس کے نقشے اور چارٹ اس میں سے نکال دیئے ہیں۔ جس زمانے میں ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ کتاب چھپی اس زمانے میں میجر جنرل اکبر اور دوسرے بہت سے فوجیوں کی کتابیں منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ مصر میں اب سے چالیس برس پہلے ان تفصیلات اور ندرت کے ساتھ کوئی کتاب نہ چھپی تھی۔

صحیفہ ہمام بن منبہؒ کی تدوین کا کام ڈاکٹر صاحب نے طالب علمی کے زمانے ہی سے شروع کر دیا تھا۔ یہ ان کا مدون کیا ہوا پہلا مخطوطہ ہے جس میں حضرت ابو ہریرہؓ کی جمع کردہ حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کئی اور کتابیں مدون (Edit) کیں جن میں بلاذری کی انساب الاشراف، ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات کو بڑی شہرت ملی۔

انساب الاشراف کے حوالے تو ملتے تھے لیکن اس کی کچھ جلدیں ناپید ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے کو مدون (Edit) کر کے تاریخ اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔

ابوحنیفہ دینوری نے جزیرہ نمائے عرب کی تمام جڑی بوٹیوں کی تفصیل ان کے خواص اور ان کے بارے میں بعض حیرت انگیز تفصیلات دی ہیں۔ یاقوت اور حاجی خلیفہ کے مطابق تیسری صدی ہجری کے آخری چوتھائی میں وہ پیدا ہوا۔ یوں چوتھی صدی ہجری کا یہ ماہر علم نباتیات بہت بڑا مورخ اور اخبار الطّوال کا مصنف بھی ہے۔

قرآن حکیم کے ترجمے فرانسیسی میں موجود ہیں پھر بھی ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی انھوں نے فرانسیسی زبان میں لکھی ہے جو دو جلدوں میں چھپ گئی ہے۔ انھوں نے دو بڑی اہم کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ایک امام محمد شیبانی کی کتاب السیر ہے اور دوسری شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ البالغہ جس کی پہلی جلد کا ترجمہ غالباً انھوں نے پبلشر کو دے دیا ہے۔

یہاں خطبات گارسان دتاسی پر ان کی نظر ثانی کا ذکر کرتا چلوں۔ یہ اردو ادب و زبان سے متعلق خطبات ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان اور پروفیسر عزیز احمد نے ان کا ترجمہ کیا تھا۔ مولوی عبدالحق کے کہنے پر ڈاکٹر صاحب نے نظر ثانی کے نام سے نیا ترجمہ کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب کی اسلامی علوم سے متعلق تحریرات کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنے کی

Marfat.com

ہے کہ ان ترجموں اور تالیفات کی وجہ سے فرانسیسی قاری یا مستشرقین کو صحیح اسلامی نقطہ نظر میسر آئے گا۔

فرانسیسی اور جرمنی میں اسلامی ادب پر جتنا کام ہوا کم کسی اور زبان میں ہوا ہوگا۔ لیکن مستشرقین نے تمام اسلامی علوم اور تاریخ اسلام کے بارے میں مذموم جانبداری اور عصبیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے اسلام کی صحیح تصویر یورپ اور امریکہ کے سامنے نہیں رکھی۔ پچھلے سال ۱۹۹۶ء میں سان فرانسسکو کے ایک بڑے اجتماع میں اسلامی تعلیمات کو تصوف کا لبادہ اڑھا کر حجرہ نشینی اور چلہ کشی اور مراقبے تک محدود کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں اپنے ۱۹۹۶ء کے دورے میں امریکہ اور شمالی امریکہ میں مجھے متعدد مواقع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانوں کی نقل مکانی سے اب ان علاقوں میں سے مستشرقین کی فریب کاریوں کا پردہ چاک ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب آٹھ زبانوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اردو ان کی مادری زبان ہے۔ عربی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ فارسی کی تعلیم انھوں نے لڑکپن میں حاصل کی۔ انگریزی جامعہ عثمانیہ کی طالب علمی کے چار سالہ دور میں انھوں نے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کا نصاب ختم کر کے حاصل کی۔ انساب الاشراف پر کام کے دوران میں انھیں ترکی میں طویل قیام کرنا پڑا۔ وہاں کی درسگاہوں میں پڑھانے کا موقع بھی ملا۔ اس زمانے میں انھوں نے ترکی میں اچھی خاصی دسترس پیدا کر لی۔ ڈاکٹر صاحب مراکش اور الجزائر میں بھی رہے ہیں۔ وہاں کے لوگ ڈاکٹر صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی زیارت کے لئے پیرس کا سفر کرتے ہیں۔

اطالوی، یونانی کے ساتھ ساتھ وہ جرمن زبان سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے جرمن میں بھی کلام پاک کے ترجمے کے کام کا آغاز کر دیا تھا اور چھ پاروں کا ترجمہ شاید مکمل کر چکے ہیں۔

انگریزی میں ڈاکٹر صاحب نے — ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے اوسط ضخامت کی ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے انگریزی میں کئی مضامین

Marfat.com

لکھے ہیں۔ ان کے اکثر مضامین مشہور عالم جریدے — اسلامک کلچر — میں چھپتے رہے ہیں۔

انگریزی میں لکھی ہوئی ان کی سیرت کا تو مکمل ترجمہ نقوش کے ایک رسول نمبر میں دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تمام تصانیف اور تالیفات کا احاطہ اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے۔ بریں ہم بعض اہم کتابوں اور امور کا تذکرہ ضروری تھا۔

ایک مرتبہ نواز شریف صاحب کے پہلے دور وزارت عظمیٰ میں جب وہ آئے تو انھیں دیکھ کر دل بیٹھ گیا۔ ان کا حافظہ متاثر ہو گیا تھا۔ بات کرتے اور بھول جاتے تھے۔ بہادر یار جنگ اکیڈیمی میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو کچھ زیادہ دیر تک تقریر نہ کر سکے اور اپنے موضوع سے انصاف بھی نہ کر سکے۔ حافظہ ہی ساتھ نہ دے رہا تھا۔ حیدر آباد کالونی کے جلسے میں میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا — مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے میں کیا بات کروں؟

اس موقع پر ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو حکومت نے خاص طور پر کراچی آنے جانے کا ٹکٹ بھیجا تھا کہ وہ اپنے دوست کی رفاقت میں رہیں۔ ڈاکٹر رضی بھی ان کے ہم عمر ہیں۔ اب ان کا بھی کبر سنی ہے یہی حال ہو گیا ہے۔ حال میں ان پر جو پیہم صدمات گزرے ہیں کچھ ان کا بھی اثر ہے۔

[illegible]ران کلب کے جلسے میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک زرد صحافت کے نمائندے نے جو ایک مذہبی جماعت کا دست گرفتہ ہے، ان سے اپنی عقل کے مطابق ایک اخلاق سوز سوال کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جس شرافت اور انکسار سے برا مانے بغیر ان کی کردار کشی کرنے والے کو بڑا با اخلاق جواب دیا تو وہ شوریدہ سر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس بد اخلاق نمائندے نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی کراچی میں آمد و رفت کے اخراجات برداشت کر کے نواز شریف ان سے اپنی مرضی کی بات کہلوانا چاہتے ہیں۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

Marfat.com

بات اصل میں یہ تھی کہ بلاسود بینکاری کے بارے میں نواز شریف صاحب ان سے بات کرنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے والد نے اپنے دور ملازمت میں ایک بلا سودی قرضہ کمیٹی بنائی تھی۔ وزارت مال گزاری کے بڑے بڑے لوگ اور بڑی تعداد میں ملازمین اس کے حصہ دار اور اس انجمن امداد باہمی کے رکن تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے دونوں بھائی مولوی حبیب اللہ اور مولوی صبغت اللہ اس کے منتظمین میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بلاسودی نظام پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ یہ مقالہ مجلّہ طیلسانین حیدرآباد دکن میں شائع ہوا تھا اور غالباً اسلامک کلچر کے بھی ایک شمارے میں چھپا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس کی مجلس ادارت کے رکن تھے۔ ایک زمانے میں مارماڈیوک پکتھال اس کے مدیر ہوتے تھے۔ یہ عالمی معیار کا پرچہ تھا جو دنیا کو اسلامی اقدار سے روشناس کراتا تھا۔

ابھی عالم اسلام میں بلاسود بینکاری کے تعلق سے بڑا شدید تضاد ہے۔ نقل مکانی کر کے جتنے مسلمان گھرانے امریکہ، یورپ اور کینیڈا میں بس گئے ہیں ان کا پہلا سوال ہر اسلامی اسکالر سے یہی ہوتا ہے۔ مجھ سے بھی پچھلے سال ۱۹۹۶ء کے دورے میں اور اس سے پہلے کے دوروں میں اس تعلق سے کئی سوال ہوئے تھے۔ دارالحرب، دارالامن اور دارالسلام کے معیارات کے مطابق میں نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا تھا۔ اصل مسئلہ اس پر اجماع کا ہے صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد کسی مسئلے پر مکمل اجماع صدیوں سے نہیں ہوا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے اس مقالے کی بڑی تلاش کی لیکن یہ مقالہ مجھے ابھی تک نہیں مل سکا۔

اس مرتبہ جب ڈاکٹر صاحب آئے تو میں ان کی رہائش گاہ نمبر ۱۰ عبداللہ ہارون روڈ گیا تھا۔ کوئی گھنٹہ بھر تنہائی میں ان سے باتیں کر کے آیا۔ اس موقع پر ہم البدایہ والنہایہ کی آٹھویں جلد کے بارے میں بھی کچھ دیر بات کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دو تین مرحلوں پر فرمایا — امام ابن کثیر بہت بڑے مورخ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے اس دورے کے زمانے میں کسی جگہ انھوں نے عورت کی امامت کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا تھا۔ اسے بھی ایک اختلافی مسئلہ بنانے کے لئے بعض لوگوں نے اخبار جنگ اور دیگر رسالوں میں مراسلے لکھے اور خبریں چھپائیں۔ ایک صاحب

Marfat.com

کا ارشاد تھا کہ ـــــ یہ تاریخ کے آدمی ہیں انھیں فقہی مسائل کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہئے ـــــ درسگاہ نظامیہ کا وہی کورس ڈاکٹر صاحب نے بھی پڑھا جوان مفتی صاحب نے پڑھا اور ان استادوں سے پڑھا جو اس وقت کے چوٹی کے اساتذہ تھے جن کے ہمسر آج نہیں ملتے۔ پھر انھوں نے ایم اے فقہ میں کیا اور ان کا پہلا ریسرچ بھی قانون بین الممالک کے فقہی مسائل ہی پر تھا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ سیاسی میدان کی طرح علمی میدان میں بھی صاحبان فکر ونظر کا بڑا زبردست خلا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مدینے میں عورتوں کی امام اُم ورقہ بنت عبداللہ کے بارے میں ابن سعد کی رائے دہرائی تھی، تنقید اس بات پر ہوئی جو ڈاکٹر نے چھیڑی ہی نہیں تھی ـــــ

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلے پر فکر ونظر جیسے وقیع مجلّے کی جلد نمبر ۲۶ (۱) ماہ ستمبر ۸۸ء میں واضح طور پر اپنا نقطہ نظر بتا دیا ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یہاں سے ایسی جامع کمالات شخصیات پیدا ہوں جو مشرقی اور مغربی علوم پر گہری نظر رکھنے والے ہوں۔ علامہ اقبال بھی الٰہیات کی تشکیل جدید کے لئے ایسی ذہین اور فطین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس خلا کو پُر کرنے والوں میں سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مدت العمر اپنے آپ کو علمی موضوعات اور تاریخی تحقیقات کی دنیا تک محدود رکھا۔ دینی سیاست کی اکھاڑ پٹک میں کبھی شریک نہیں ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کے اپنے بیان کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ ان کے مقالے ہیں اور ۱۶۴ (ایک سو چونسٹھ) کے لگ بھگ ان کی تصنیفات، تالیفات، ترجموں، نظر ثانی شدہ کتابوں، کتابچوں اور رسائل کی تعداد بنتی ہے۔ اس تعداد میں کمی وبیشی بھی ان کے خطوط میں موجود ہے جو مظہر ممتاز صاحب نے رسالہ ارمغان کے جولائی ۹۶ء تا دسمبر ۹۶ء کے مشترکہ شمارے میں چھپوائے ہیں۔ ملک تقسیم نہ ہوا ہوتا تو یہ کام زیادہ مشکل نہیں تھا۔ اب

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا سرمایہ چار جگہ پھیلا ہوا ہے حیدر آباد، کراچی، امریکہ اور پیرس میں اور کسی جگہ بھی کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں۔ جامعہ عثمانیہ میں جو طالبہ اس وقت ڈاکٹر صاحبہ پر ایم فل کر رہی ہیں شاید وہ اس معاملے میں پہل کریں تو اس ذخیرے کی وافر مقدار کو سمیٹ سکتی ہیں۔

ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات ڈاکٹر صاحب نے اپنی تدوین کے بعد پہلے بھی چھپوائی تھی۔ نظر ثانی کر کے کویت کی حکومت کو بھی دی تھی۔ اب اسے ہمدرد فاؤنڈیشن نے کراچی میں چھاپا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن بھی ڈاکٹر صاحب کی کئی نگارشات اور تصانیف کو سمیٹنا چاہتا ہے۔

(بشکریہ مجلّہ عثمانیہ، کراچی)

۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی درست جائے پیدائش کٹل منڈی حیدر آباد دکن ہے (مرتّب)۔
۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ امریکہ میں اپنے بڑے بھائی کی پوتی محترمہ سدیدہ عطاء اللہ کے ساتھ مقیم تھے (مرتّب)۔

❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر صاحب نے دو دفعہ جبل احد کی چڑھائی یہ جاننے کے لیے کی کہ جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کس جگہ آرام فرمایا تھا۔ یہ جاننے کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے حنین تک کا فاصلہ کتنے وقت میں طے کیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے مکہ سے حنین تک پیدل سفر کیا اور دوسری دفعہ گدھے پر سوار ہو کر سفر کیا۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص 177)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ چند یادیں کچھ باتیں

از ڈاکٹر عفان سلجوق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ذکر میں نے اکثر والد مرحوم کی زبانی سنا تھا پھر جن دنوں میں جامعہ کراچی سے تاریخ اسلام میں ایم اے کر رہا تھا ڈاکٹر صاحب موصوف کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ ۱۹۶۳ء میں امتحان سے فراغت کے بعد میں نے Ph.D کے لئے باہر کی جامعات سے خط و کتابت شروع کی اور اس سلسلے میں پیرس یونیورسٹی کے شعبہء علوم اسلامی سے بھی رابطہ کیا اور پہلی مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو خط لکھا۔ بلا کسی تاخیر کے ڈاکٹر صاحب کا جواب موصول ہو گیا انھوں نے پروفیسر کلوڈ کاہن Clads Cahen کا حوالہ دیا جو شعبہء علوم اسلامی کے سربراہ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے پیر الٰہی بخش کالونی کے قیام کے دوران انھوں نے مجھے دیکھا تھا۔ یہ بات ۵۰۔۱۹۴۹ء کی ہو گی اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔

پیرس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا میرا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس عرصے میں کراچی میں عالم اسلامی کا بین الاقوامی اجتماع ہوا جس میں میری ملاقات ایران کے مندوب ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی سے ہوئی جو تہران یونیورسٹی کی کلیہ الٰہیات کے سربراہ تھے۔ انھوں نے کمال شفقت سے مجھے تہران آنے کی دعوت دی، میں نے فارسی کی تعلیم والد مرحوم سے گھر ہی پر حاصل کی تھی اور اچھی طرح بولنے بھی لگا تھا، جامعہ کراچی سے فرانسیسی زبان کا سرٹیفکیٹ کورس بھی کر چکا تھا۔ اس بنا پر موتمر کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر انعام اللہ خان نے مجھے اس عالمی اجتماع میں رضا کارانہ خدمات کی انجام دہی کیلئے مامور کیا تھا۔ ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی اور ترکی کے ڈاکٹر صالح اوزجان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی۔

Marfat.com

موتمر کے اس اجتماع کے چند سال بعد مجھے تہران جانے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر ناظر زادہ نے تہران یونیورسٹی میں تاریخ میں ڈاکٹریٹ کرنے کیلئے سرکاری وظیفے کا بندوبست کر دیا۔ تہران میں میرا موضوع تحقیق ''سلجوقی تاریخ'' تھا چنانچہ اس نسبت سے میرے محترم استاد ڈاکٹر خان بابا بیانی نے مجھے استنبول یونیورسٹی جانے کا مشورہ دیا۔ مارچ ۱۹۶۹ء میں، میں استنبول پہنچ گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہر سال تین مہینے کیلئے استنبول یونیورسٹی اور انقرہ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دینے آتے تھے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ استنبول یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ کتب خانے میں تشریف فرما تھے۔ وہ اپنا کام کرتے رہے اور میرے لئے لائبریرین سے کہہ کر امام یافعی کی روضۃ الجنان منگوائی جس کی مجھے ضرورت تھی۔ دوپہر جب کتب خانہ سے اٹھے تو کمال سادگی اور اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرا ہینڈ بیگ اٹھالیا کیمپس پر طالب علموں اور اساتذہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ نیچے نہیں گرا، سپاہی پیلس Sepahe Palace ہوٹل پہنچے جو استنبول کے مسقّف بازار کے پاس واقع ہے، ڈاکٹر صاحب ہمیشہ یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ تین دن کے لئے مجھے اس ہوٹل میں اپنا مہمان بنا لیا۔ والد صاحب کے ساتھ ان کی جو گہری وابستگی تھی اس کا عملی اظہار اس طرح رونما ہوا۔ مجھے کمرہ میں جائے نماز لا کر دی اور قبلے کی سمت سے آگاہ کیا۔ صبح یونیورسٹی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی پیدل چلا گیا، ڈاکٹر صاحب بہت تیزی سے چلتے ہیں مجھے ان کے ساتھ قدم ملانے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی، اسی شام مجھے بایزید یلدرم کے مقبرہ اور مسجد کے قریب واقع ایک ریستوران میں کھانے پر لے گئے جہاں ولے سے میری تواضع کی گئی۔ ولمہ انگور کے پتوں میں چاول گوشت اور مغزیات لپیٹ کر تلا جاتا ہے۔

سپاہی پیلس ہوٹل میں تین دن قیام کے بعد حمید اللہ صاحب نے میری رہائش کا بندوبست امام خطیب اسکول کے ہاسٹل میں کر دیا جو استنبول کے قدیم محلّے چہار شنبہ میں واقع تھا غالباً مسجدِ فاتح کے عقب میں اس لئے کہ ان واقعات کو گزرے تقریباً تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ترکی میں احیاء اسلامی کی تحریک کے سلسلے میں امام خطیب نام کے

Marfat.com

مدرسوں کا جال بچھایا گیا تھا جس میں طلباء کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ مختلف پیشوں اور صنعت و حرفت کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ مدرسے اقامتی ہوا کرتے اور طلبا کی اخلاقی نشو ونما پر خصوصی توجہ دی جاتی۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں کے ایک استاد یوسیف کاوک چی کو میری دیکھ بھال پر مامور فرما دیا۔ آپ ہندوستان جا چکے تھے اور تھوڑی بہت اردو بول لیتے تھے بہت غیور اور منکسر المزاج تھے، اکثر شام استنبول کی سیر کیلئے نکلتے تو ہمیشہ بس کا کرایہ خود دیتے حالانکہ ان دنوں ان کا ہاتھ تنگ تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ایک دفعہ انھوں نے کلاس میں فرشتوں کے نام اور آسمانی کتابوں کے بارے میں سوال پوچھے جن کا طلبہ جواب نہ دے سکے تو انھوں نے خفا ہو کر کہا کہ اگر مصطفیٰ کمال کا شجرہ پوچھیں تو لوگ فر فر بتا دیتے ہیں۔ کسی طرح یہ بات وزارت تعلیم کے ارباب اختیار تک پہنچ گئی اور بے چارے یوسف پر کئی ہزار ''لیرا'' جرمانے کی سزا عائد کی گئی۔ ایک دفعہ تو اس نے حد ہی کر دی۔ اس کی جیب بالکل خالی تھی لہٰذا نہ صرف یہ کہ پیدل چلا یا بلکہ بسکٹ کے ایک پیکٹ پر رات بسر کرا دی۔ یوسف کو یہ تو گوارا تھا کہ میں بھی اس کی طرح بھوکا سو جاؤں مگر اس کی طبیعت یہ نہ مانی کہ ہم لوگ کھانا کھائیں اور اس کے پیسے میں ادا کروں۔ بعد میں یوسف کاوک چی نے بھی ڈاکٹریٹ کر لی تھی اور ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اتاترک یونیورسٹی ارض روم میں کلیہء معارف اسلامی کے ڈین (Dean) رہے اس دوران میری ان سے خط و کتابت رہی۔

استنبول میں کچھ عرصہ قیام کے بعد تہران واپس آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے تہران مجھے خط لکھا اور استفسار کیا کہ امام ابو یوسف کا مزار رے (موجودہ جنوبی تہران) میں کہیں موجود ہے اس کے آثار نہیں ملتے۔ انھوں نے امام کا مقامِ تدفین جبل طبرک لکھا۔ میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جبلِ طبرک نامی مقام موجود ہے یہ سیمنٹ سازی کے کارخانے کی حدود میں واقع ہے اور یہاں سے کارخانے کو پتھر فراہم کیا جاتا ہے۔ پرانے قبرستان کے آثار تو ہیں مگر امام صاحب کی قبر یا مقبرہ کا کوئی پتہ نہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رازانی کی ''تاریخِ تہران'' ڈاکٹر صاحب کو پیرس ارسال کر دی۔ تہران سے ڈاکٹریٹ مکمل کرنے کے بعد ستمبر 1971ء کے اواخر میں، میں پوسٹ ڈاکٹریٹ تحقیق کیلئے پیرس روانہ

Marfat.com

ہوا۔ استنبول سے ریل کا ٹکٹ خریدا، اٹلی کے سرحدی قصبے روپی چینا پر ویزا نہ ہونے کی بنا پر مجھے اور مصری، رشید سلطان کو ریل سے اتار لیا گیا رشید سلطان اخوان المسلمین کے، بقول ان کے پروپیگنڈہ سیکرٹری تھے اور مصر سے فرار ہو کر پیرس جا رہے تھے۔ ویزا کی کارروائی کی تکمیل کے بعد ہم دونوں ٹیکسی لے کر ٹریسٹی Trieste پہنچے۔ یہاں سے میں نے ڈاکٹر صاحب کو بذریعہ تار پیرس پہنچنے کی اطلاع دی میں۔ جمعہ کے روز پیرس پہنچا غالباً ستمبر کی ۳۰ یا یکم اکتوبر تھی۔ اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کو تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے چنانچہ ٹیکسی لے کر ریوڈی ٹورنان (Rue De Tournon) ان کے فلیٹ چلا گیا۔ ابھی میں کال بیل بجا رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب پیچھے سے زینے طے کرتے آ گئے۔ وہ مجھے لینے کیلئے دوسرے اسٹیشن پر منتظر تھے۔ پیرس میں ریل کے چار اسٹیشن ہیں، میں پہلے اسٹیشن ہی پر جو غالباً گار دلیسان تھا اتر پڑا تھا۔ فلیٹ مختصر اور آرام دہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے گھڑی دیکھی اور فرمایا کہ جمعہ کی نماز میں تقریباً آدھا گھنٹہ باقی ہے آپ تیار ہو جایئے۔ جلدی جلدی وضو کیا کپڑے تبدیل کئے اور مسجد کی طرف چل پڑے۔ حمید اللہ صاحب نے کہا اگر میٹرو (زیرِ زمین ریل) کے ذریعے مسجد چلتے ہیں تو راستے میں زیادہ اسٹیشن ملیں گے اور دیر ہو جائے گی لہٰذا مختصر راستے کے ذریعے پیدل اس سے پہلے پہنچ جائیں گے چنانچہ ڈاکٹر صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اور میں ساتھ ساتھ تقریباً دوڑتا ہوا مسجد میں خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہنچ گئے۔

مسجد میں اس روز تبلیغی جماعت بھی آئی ہوئی تھی، علی گڑھ یونیورسٹی کے کلیہء سائنس کے ایک نوجوان استاد بھی ساتھ تھے۔ پیش امام الجزائر کے تھے، فرانسیسی میں تقریر کی۔ مسجد کی چھت اور دیواروں پر جنوبی (شمالی افریقہ) طرز کا خوبصورت اور نازک لکڑی کا کام کیا گیا ہے۔ سپارے جو رکھے تھے وہ شمالی افریقہ کے کسی ملک کے چھپے ہوئے تھے، پڑھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی بالخصوص ''ی'' کے نقطے افقی کے بجائے ''••'' عمودی ''⋮'' دیئے گئے تھے وہ بھی باہم متصل۔ مسجد نمازیوں سے بھر گئی تھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے میری رہائش سے متعلق اپنے دوستوں سے مشورہ کیا۔ ایک ٹیونسی صاحب اصرار کرنے لگے کے میں انھیں اپنے گھر لے

Marfat.com

جاؤں گا اس لئے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ جب میں لاہور گیا تو پاکستانیوں نے میری بڑی مہمانداری کی تھی، اب خدا نے مجھے یہ موقع دیا ہے کہ میں اپنے کسی پاکستانی بھائی کے کام آ سکوں۔ بہرحال طے یہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ کے قریب ہوٹل سینٹ جلپس (St.Julpice) میں میرے قیام کا بندوست کیا جائے۔

سینٹ جلپس کا کمرہ مختصر مگر بہت آرام دہ تھا اور کرایہ بھی بہت واجبی۔ یہاں پیرس میں ڈاکٹر صاحب نے مسلم اسٹوڈنٹس آف فرانس کے صدر صالح منصور کو میری دیکھ بھال بلکہ نگرانی پر مامور فرما دیا۔ صالح منصور انجینئرنگ کے طالب علم تھے، بڑے ثقہ اور متدین اور ساتھ ساتھ مردانہ وجاہت کی منہ بولتی تصویر۔ پیرس میں ابھی سردی شروع نہیں ہوئی تھی۔ فرانسیسی خواتین ویسے بھی لباس کی بندشوں کو کچھ زیادہ برداشت نہیں کرتیں، پھر جب چمکیلی دھوپ نکلی ہو۔ ایسے میں اگر کسی خاتون کو مختصر لباس پہنے دیکھتے تو صالح منصور صاحب یہ کہہ کر میری توجہ اس طرف مبذول کراتے دیکھو بھائی شیطان جا رہا ہے اور پھر وہ لاحول پڑھتے اور مجھے بھی پڑھواتے۔ ڈاکٹر صاحب آتے جاتے ہوٹل کے استقبالیہ سے فون کر کے میری خیریت پوچھ لیتے۔ غالباً وہ اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ میں کمرہ میں ہوں یا سیر سپاٹے کر رہا ہوں۔ رات باہر نہ نکلنے کی سختی سے تاکید کی تھی کہ پیرس کی سڑکیں محفوظ نہیں ہیں لوگ شراب کے نشے میں دھت دندناتے پھرتے ہیں اور جب دل چاہے کسی کی پٹائی بھی کر دیتے ہیں کیونکہ یہ علاقہ سیرب گارڈن اور یونیورسٹی کے اطراف واقع تھا جہاں نوجوانوں کی اکثریت رہتی تھی۔

پیرس میں مجھے جہاں کہیں جانا ہوتا ڈاکٹر صاحب زیرِ زمین ریل کے اسٹیشنوں کی ترتیب کاغذ پر لکھ دیتے اور مجھے اچھی طرح ذہن نشین کرا دیتے۔ ان کے گھر کے قریب ترین اوڈین اسٹیشن تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی Unesco جانا ہوتا تو راستے میں آنے والے اسٹیشنوں میں ایک سیگور Segar بھی تھا۔ Unesco میں ان دنوں ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان سے تہران میں ملاقات ہوا کرتی بلکہ شام بلوارڈ الزبتھ دوم پر چہل قدمی بھی ہوتی، بڑے نفیس آدمی تھے خدا مغفرت کرے۔

Marfat.com

دوسرے جمعہ ساڑھے دس بجے پیرس یونیورسٹی کی اقامت گاہ میں میرا لیکچر تھا ''سلجوقی تاریخ اور ثقافت'' میں نے طلبہ سے انگریزی میں خطاب کیا جس کا ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی، نماز کے بعد برابر میں واقع مراکشی ریستوران گئے وہاں پر فرانس کی مشہور عالمہ اور اقبالیات کی ماہر ڈاکٹر ایوا وٹرائے مایوروچ سے ملاقات ہوئی، سلجوقی تاریخ ان کا اور میرا مشترکہ مضمون تھا۔ اس کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ انھوں نے علامہ اقبال کی Reconstruction of Religious Thought in Islam کا فرانسیسی ترجمہ کیا تھا، جس کی فرانسیسی علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی ہوئی۔ چونکہ ایوا نے فلسفہ میں Ph.D کی تھی اس لئے یونیورسٹی کے قواعد کی رو سے انھیں کوئی مشرقی زبان عربی فارسی یا سنسکرت سیکھنی لازمی تھی لہٰذا انھوں نے فارسی سیکھی تھی چنانچہ اقبال کے فارسی کلام کو انگریزی ترجموں کی مدد لیتے ہوئے فرانسیسی کے قالب میں منتقل کر دیا۔ اقبال سے ان کی رسائی پیر رومی تک ہوئی اور مثنوی کے مطالعے کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنے اس فکری ارتقاء کو ایک خوبصورت جملے میں سموتے ہوئے بولیں کہ میں استاد تک اس کے شاگرد کے توسط سے پہنچی، اس کے بعد السانید (یعنی اللہ) تک۔ ان دنوں وہ مولانا روم کے ہم عصر اناطول سلجوقیوں پر کتاب لکھ رہی تھی۔ میں نے سلاجقہ بزرگ یعنی اصل سلجوقی دور پر تحقیق کی تھی، ازراہ تفنن کہنے لگیں کہ میرے سلجوق تمہارے سلجوقیوں سے کہیں بہتر ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میڈم یہ مت بھولئے کہ آپ کے سلجوق میرے سلجوقی کی اولاد ہیں۔ ملک شاہ سلجوقی نے اپنی سلطنت اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی۔

سینٹ جلپس سے ڈاکٹر صاحب مجھے اپنے فلیٹ لے آئے۔ یہاں ان کے ساتھ رہ کر ان کی سادہ زندگی کا بچشم خود مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ فلیٹ میں کتابیں رکھنے کی جگہ نہیں تھی، صوفے پر، میز پر ہر، جگہ کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ عصر اور مغرب کے درمیان ڈاکٹر صاحب اخبار بینی کرتے یا خطوط کے جوابات لکھتے۔ اس زمانے میں سینکڑوں فرانک خطوط کی ترسیل میں خرچ ہو جاتے۔ کھانا خود پکاتے آلو چاول میں ڈال کر ابال لیتے اور دہی

Marfat.com

کے ساتھ کھا لیتے کبھی۔ ساربن، مچھلی اور ڈبل روٹی پر گزارہ ہو جاتا یا پھل اور سوئیس پنیر اور روٹی سے ہی کام چل جاتا۔ ہفتے میں دو تین دن دوپہر کو نوکرانی صفائی کیلئے آتی۔ ڈاکٹر صاحب فلیٹ کی چابی حوالے کر کے پارک میں جا کر بیٹھ جاتے جب وہ صفائی کر کے جا چکتی تب واپس آتے۔ ایک مرتبہ رات کسی نے گھنٹی بجائی چھ سات لوگ اندر آ گئے معلوم ہوا کہ لڑکا لڑکی شادی کرنا چاہتے ہیں جس کی ڈاکٹر صاحب کو پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ یہ لوگ شمالی افریقہ کے عرب نژاد مسلمان تھے مگر دین سے اس قدر بے بہرہ کہ ڈاکٹر صاحب نے مہر کے بارے میں استفسار کیا تو ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ سمجھانے پر دلہا میاں نے فوری پرس نکالا اور کچھ رقم اپنی ہونے والی دلہن کے ہاتھ پر رکھ دی، خطبہ ڈاکٹر صاحب نے پڑھا ایجاب وقبول وہیں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی ازدواجی خوشیوں کیلئے دعا کی اور اپنے پاس سے حاضرین محفل کو ٹافیاں دیں اس طرح یہ تقریب سعید اختتام کو پہنچی۔ فرانس کے سول قانون کے تحت دونوں نے صبح شادی کر لی تھی مگر آخر ہماری بھی تو اپنی قدریں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے فلیٹ کے قریب پیرس کی دو مشہور سڑکوں کا چوراہا ہے۔ سینٹ مشل اور کلوڈ برنارڈ۔ ایک روز میں یہاں سڑک کے کنارے کافی شاپ میں بیٹھا تھا کہ تہران یونیورسٹی کے دوست مجید محدث سے ملاقات ہو گئی پھر تو پیرس میں گھومنے پھرنے کا مزا ہی آ گیا۔ ان ہی دنوں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ایک بڑے نفیس ریستوران میں میری دعوت کی۔ رات کے کھانے پر میرے ساتھ صالح منصور بھی تھے۔ حلال اور حرام کی تمیز کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مچھلی کی ڈش منگوائی اور مجھے بھی تاکید کی کہ یونیورسٹی میں ریستوران میں یا تو صرف سبزی کی ڈش پر گزارا کروں یا مچھلی کھاؤں جو بہت مہنگی ہے۔ جب کبھی بیرون سفر پر جاتا ہوں تو ڈاکٹر صاحب کی اس نصیحت پر عمل کرتا ہوں۔ ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ کی جامعہء امن Peace University واقع کوسٹاریکا میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں پر ایک دو ہندو بھی تھے چنانچہ میں نے عارضی طور پر اپنے کو ''سبزی خور'' ظاہر کیا اور کئی روز تک سبزیوں اور ترکاریوں کے سوپ اور طرح طرح کے کھانے کھاتا رہا جو خاص طور پر

Marfat.com

ہمارے لئے بنائے جاتے تھے۔

پیرس میں ڈاکٹر صاحب تحقیق وتصنیف کے ساتھ ساتھ اسلام کی نشر واشاعت اور ترویج کیلئے سرگرمی سے مصروف عمل رہتے تھے مگر ان کا انداز روایتی نہیں تھا۔ انھوں نے مغرب میں اسلام پیش کرنے کیلئے دلائل اور تقابلی مطالعے کا سہارا لیا۔ چنانچہ اس ضمن میں اکثر سماجی تنظیموں اور ثقافتی اداروں کی دعوت پر لیکچر دینے جاتے اور اسلام پر کی جانے والی تنقید کا مدلل جواب دیتے اور حاضرین کو اس کی حقانیت اور صداقت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتے۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے کے ابتدائی سالوں سے ڈاکٹر صاحب پیرس میں مقیم ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جنگ عظیم دوم ختم ہو چکی تھی فرانسیسی مقبوضہ جات بالخصوص شمالی افریقہ میں اسلامی اور عرب قوم پرست تحریکوں نے نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد شروع کر دی تھی۔ پاکستان کے قیام نے اسلام کی طاقت کا لوہا منوا لیا تھا۔ ان حالات میں ساری دنیا اور ساتھ ہی ساتھ فرانس میں مسلمانوں کے متعلق زیادہ کچھ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت شدّت سے محسوس کی جانے لگی تھی۔ روایتی انداز سے نہیں بلکہ روشن خیال اور تیزی سے بدلتے عالمی حالات کے تناظر میں اسلامی تعلیمات وعقائد اور مسلمانوں کی فکری اور عملی روشنی اور ردعمل کی تشریح کی طرف مغربی علماء توجہ دینے لگے تھے۔ ان حالات میں ڈاکٹر صاحب کا پیرس پہنچنا حالات کے تقاضوں کے عین مطابق تھا جبکہ خاص طور پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اسلامی علوم کے ساتھ بین الاقوامی قانون کے بھی ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے اس تعلیمی پس منظر نے فرانس میں ان کے قیام اور خاموشی سے تبلیغ دین کے اس مشن کو آسان بلکہ فطری بنا دیا۔

ایک دفعہ پیرس میں مقیم بیرونی سفیروں کی بیگمات نے اپنے کلب میں ڈاکٹر صاحب کو اسلام پر تقریر کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں دین حق کو متعارف کرایا خواتین کے حقوق سے متعلق بھی گفتگو کی اور پردہ کی شرعی پابندیوں کا بھی ذکر کیا۔ تقریر کے بعد سوالات شروع ہوئے، چونکہ اسلام غور وفکر کی دعوت دیتا ہے اس لئے پردہ کے فوائد اور اس کی پابندی کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے

Marfat.com

خواتین سے پوچھا کہ جسم کے جو حصے نمایاں اور کھلے رہتے ہیں ان میں اور وہ حصے جو ڈھپے رہتے ہیں کیا فرق ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ جو حصے کھلے ہوتے ہیں ان کی جلد دھوپ اور موسمی اثرات کے پیش نظر ویسی ملائم اور نرم نہیں رہتی جیسے ان اعضاء کی ہوتی ہے جو ڈھکے ہوتے ہیں۔ یہی حال کھیتوں میں کام کرنے والی دیہاتی عورتوں اور دفتروں میں ایئر کنڈیشنڈ ماحول میں کام کرنے والی خواتین کی جلدوں میں ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ Exposure جلد کو کھردرا اور خشک کر دیتا ہے جب کہ جلد کو ڈھکا چھپا رکھنے سے اس کی فطری ملاحت، نرمی اور شگفتگی قائم رہتی ہے۔ اسلام نہ صرف حقوق نسواں کا علمبردار ہے بلکہ ان کے حسن و جمال کی نگہداشت کے اصول بھی سکھاتا ہے۔ پردہ میں رہ کر نسوانیت شرم وحیا غرض ہر چیز کی حفاظت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مسکرا کر کہنے لگے کہ برازیل کے سفیر کی بیوی جاتے ہوئے کہنے لگی کہ موسیو حمید اللہ میں بھی عنقریب ایک برقعہ سلوالوں گی۔

میں اس محفل میں شریک نہیں تھا، ڈاکٹر صاحب کی زبانی یہ روئیداد سنی تھی۔ اس سے دلچسپ واقعہ پاؤلا ماریا Paula Maria کا ہے جو پیرس کے مذہبی اور علمی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت تھی اور ڈاکٹر صاحب کو عرصے سے جانتی تھی۔ ایک بار کسی علمی مجلس میں اسلام کے معاشرتی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے تعدد ازدواج کا موضوع زیر بحث آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تعدد ازدواج دوسرے مذاہب اور ادیان میں بھی جائز ہے منجملہ عیسائیت کے۔ عیسائیت کا لفظ ان کی زبان سے غیر ارادی طور پر سہواً نکل گیا۔ بات آئی گئی ختم ہوگئی۔ کچھ روز کے بعد ڈاک سے مادام پاؤلا کا خط موصول ہوا جس میں اس نے ڈاکٹر صاحب کے اس جملے پر کہ عیسائیت میں بھی تعدد ازدواج کی گنجائش موجود ہے سخت تنقید کی اور لکھا کے مجھے توقع نہ تھی کہ آپ جیسا پڑھا لکھا شخص ایسی غیر ذمہ دارانہ بات کہے گا اور ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر صاحب سے اپنے الفاظ واپس لینے کا بھی مطالبہ کیا۔ خط پڑھ کر ایک لمحہ کیلئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب بھی سکتے میں آ گئے مگر فرماتے ہیں کہ خدا نے میری رہنمائی کی۔ اسی انداز اور لب ولہجہ میں، میں نے بھی پاؤلا کو مخاطب کیا کہ اگر کوئی اور یہ خط لکھتا تو مجھے چنداں تعجب نہ ہوتا مگر آپ جونن (Nun) ہونے کے ناطے خدا کی بیوی ہیں اور عیسائیت

Marfat.com

میں ایسی ان گنت مقدس بیویاں موجود ہیں تو پھر آپ کس طرح یہ کہہ رہی ہیں کہ عیسائیت میں تعداد ازدواج نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد مادام پاؤلا نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور معذرت چاہی، کچھ عرصہ بعد مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اپنا نام طاہرہ رکھا۔ اس قسم کے مناظرے اور مباحثے پیرس میں ان کی زندگی کا معمول بنے رہے۔

واپسی پر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہ ہوسکی انھیں کہیں جانا تھا، میز پر ایک پرچہ پر ہدایات لکھ دی تھیں کہ فلیٹ بند کر کے چابی کھڑکی میں رکھ دیں۔ پیرس کے چار سمت پروازوں کے چار ٹرمینل ہیں، جنوبی ٹرمینل سے آپ کی پرواز روانہ ہوگی، ٹیکسی لے کر فلاں مقام (اب یاد نہیں) تک جایئے وہاں سے ایئرپورٹ کیلئے بسیں چلتی ہیں۔ اس طرح پیرس میں میری ان کی ملاقات کا باب ختم ہوگیا۔ غالباً ۱۹۷۳ء میں رمضان کا مہینہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کراچی تشریف لائے اور پیر الٰہی بخش کالونی مکان ۲۱۸۹ میں مقیم ہوئے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے دوست معراج محمد (نور محمد کارخانہ تجارت کتب) کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے ملنے ان کے مکان پہنچا تو معلوم ہوا کہ تراویح کیلئے گئے ہوئے ہیں۔ دیر تک انتظار کیا ڈاکٹر صاحب نماز سے فارغ ہوکر آگئے۔ مختصر ملاقات ہوئی پیرس میں ان کی شفقت، عنایات اور احسانات کا ذکر کیا تو کمال شفقت سے بولے یہ باتیں پیرس کی ہیں جو میں وہیں بھول گیا۔

۱۹۷۴ء میں، میں ملائیشیا کی قومی یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دینے کیلئے کوالالمپور چلا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر صاحب چند ہفتوں کیلئے کوالالمپور توسیعی لیکچرز کیلئے آئے۔ پٹانگ جایا میں شان ہوٹل میں ٹھہرے، یہاں ان سے اکثر ملاقاتیں رہتیں۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ترکی میں احیاء اسلامی کی تحریک زور و شور سے جاری ہے۔ اس سلسلے میں ارض روم کی جامع مسجد جو سلجوقیوں نے تعمیر کروائی تھی اور ترک خونی انقلاب کے دوران اس کی مذہبی حیثیت کو ختم کر دیا گیا تھا اور فوجی مقاصد کیلئے استعمال ہونے لگی تھی اب دوبارہ نمازیوں کیلئے کھول دی گئی ہے۔ اس تقریب میں ڈاکٹر صاحب موجود تھے۔ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔ انھوں نے اس روز اس موقع کی مناسبت سے تقریر کی۔ میں اگست ۱۹۷۱ء میں

Marfat.com

جنگ ملاد گرو کی نوسو سالہ تقریبات ۱۰۷۱۔۱۹۷۱ء میں شرکت کے لئے جب ترکی گیا تھا تو اپنی آنکھوں سے اس مسجد کی حالت زار دیکھی تھی، مسجد مقفل تھی اور صحن میں فوجی ٹرک کھڑے تھے۔ اس طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ ارض روم کی اتاترک یونیورسٹی میں لڑکیاں اب حجاب (پردہ) کی پابندی کرنے لگی ہیں مگر چونکہ ایسا کرنا ترک قوانین کی خلاف ورزی ہے اس لئے انھیں ہر وقت مواخذہ کا خطرہ رہتا ہے۔ انھوں نے جب ڈاکٹر صاحب سے مشورہ چاہا تو مخصوص دھیمے لہجے میں کہا متحدہ پر امن جدوجہد لڑکیوں میں اس حجاب کا رجحان فرانس میں بھی احیاء اسلامی کی تحریک کا حرف آغاز ثابت ہوا۔

ملائیشیا میں ایران اور ترک ثقافت اور ادب کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں ۱۵۶۷ء میں عثمانی خلیفہ نے سماٹرا کی اسلامی ریاست آچہ کو عثمانی سلطنت کا حصہ قرار دیا تھا اور سفارتوں کا تبادلہ ہوا۔ ترک مجاہدوں نے یہاں پرتگالیوں کے چھکے چھڑا دیئے اور آج بھی آچہ میں ترک قبرستان اور بڑی عثمانی توپیں اس شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہیں جب عثمانی خلافت ایک عالمی طاقت تھی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب سے اکثر گفتگو رہی، انھوں نے اوزن چارشینی کی تاریخ کا حوالہ دیا اور وعدہ کیا کہ ترکی سے اس کے متعلقہ اوراق کی کاپی میرے لئے ارسال کر دیں گے۔ بعد میں، میں نے اپنا مقالہ اس موضوع کے حوالے سے جرمنی سے شائع کروایا۔ ملائیشیا میں اپنے قیام کے دوران کئی سال بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو آم کھانے کا موقع ملا۔ غالباً حیدرآباد چھوڑنے کے بعد سے انھوں نے آم نہیں کھایا تھا۔ ان کی مختصر خوراک کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے ایک بڑا آم لفافے میں لپیٹ کر ان کی میز پر رکھ دیا، کھول کر دیکھا اور کہنے لگے ارے یہ تو آم ہے میں سمجھا کوئی بم نہ رکھ دیا ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ پیرس میں ڈاکٹر صاحب کو اپنے خلاف دہشت گردی کا خطرہ ضرور تھا۔ بالخصوص ابتدائی سالوں میں جب کہ حیدرآباد پر بھارتی جارحیت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کچھ نہ کچھ کام ضرور کرتے رہتے، اس سلسلے میں بیرونی مبصروں کے مراسلے وغیرہ شامل ہیں۔ بھارتی جاسوسی ادارے اور ایجنسیاں ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتیں اور اس کی

Marfat.com

رپورٹ باضابطہ بھارتی حکومت کو بھیجی جاتی۔ ان خدشات کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ خود والد مرحوم مولانا مظہر علی کامل کو کچھ ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہونا پڑا تھا جب وہ قاہرہ میں ہندوستانی سفیر محمد حسین کے مدمقابل ہوئے۔ قاہرہ میں ان کی گرفتاری اور رہائی اور پراسرار علالت جس میں زندگی کی کوئی امید باقی نہیں تھی ان ہی خفیہ جاسوسی سرگرمیوں کا حصہ رہی ہے۔ والد صاحب مرحوم حیدر آباد کے موقف کی ترجمانی کیلئے عالمِ اسلام کے دورے پر بھیجے گئے تھے۔ اپنی عربی دانی اور مصری علماء سے تعلقات کی بنا پر کچھ خدمات پاکستانی حکومت نے بھی ان کو سونپی تھیں، یہ راز وہ اپنے سینے میں لے کر چلے گئے۔

کوالالمپور میں ایک مرتبہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ ساتھ ہی ملایا یونیورسٹی کے شعبہء تاریخ کے استاد ڈاکٹر حسن صاحب کو بھی دعوت دی۔ کھانے کے دوران عورتوں کے حقوق سے متعلق گفتگو بھی چل نکلی۔ میرے استفسار پر، کیا واقعی عورت ناقص العقل ہوتی ہے اور اس سلسلے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے نہایت جامع اور مدلل جواب دیا جس کی تفصیل اب میرے ذہن میں محفوظ نہیں، ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ ازراہ تفنن میری بیوی سے کہنے لگے کہ اگر آپا جان اجازت دیں تو اس کی اور طرح سے بھی تشریح کرسکتا ہوں۔ یہ بات بڑی دلچسپی کی حامل ہے کہ ڈاکٹر صاحب میری بیوی طاہرہ کو آپا جان کہہ کر مخاطب کرتے اور کوالالمپور میں جو خطوط آئے ان میں بھی بصراحت انھوں نے آپا جان لکھا ہے۔ اتفاق سے یہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ خط و کتابت کے معاملے میں، میں کچھ فطرتاً لاابالی واقع ہوا ہوں پھر ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے میری اس عادت پر یہ لکھ کر اپنی خوشنودی کی مہر ثبت کردی کہ آپ اچھا کرتے ہیں جو بے جا خطوط بازی نہیں کرتے۔

کوالالمپور میں اپنی ملازمت کی میعاد پوری کرکے کراچی واپس آ گیا۔ یہاں کے Unesco میں ثقافتی نمائندہ/مشیر کے عہدے پر میرا انتخاب ہوگیا۔ میں نے ریفری میں ڈاکٹر صاحب کا نام تحریر کیا تھا مگر یہاں کے قومی کمیشن کے توسط درخواست بھیجنے کی شرط میں پوری نہ کرسکا۔ ڈاکٹر صاحب نے یونیسکو میں بات کی مگر ان کے دوست کا تبادلہ ہو چکا تھا۔

Marfat.com

جس کا ذکر انھوں نے اپنے خط میں کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے میری آخری ملاقات شیخ زائد سینٹر میں ان کے خطاب کے موقع پر ہوئی۔ جلسہ جو کراچی کے شعبہء معارف اسلامی کے تحت ہوا تھا۔ مگر یہ ملاقات محض رسمی تھی گفتگو کا موقع نہ مل سکا۔

وقت تیزی سے گزرتا ہے اتنی تیزی سے کہ اس کا احساس تک نہیں ہوتا پیرس میں میرے قیام کو ۲۵ سال ہو گئے۔

وما علینا الاالبلاغ

(بشکریہ مجلّہء عثمانیہ کراچی)

چھوٹے چچا ڈاکٹر محمد حمید اللّٰہ صاحب نے گردشِ ایّام کو گردشِ ممالک بنا لیا ۔اپنے لیے تجرد کی زندگی اپنائی ۔ کتابیں، کاغذ اور قلم ان کے سب کچھ تھے ۔تنہائی اور بیماری گھر کی یاد دلاتی تھی ۔خطوں میں لکھتے تھے :نظروں سے دور ہوں، جسم یہاں ہے لیکن دل و جان وہیں ہیں۔انا میری شمل صاحبہ جب کبھی حیدرآباد آتیں تو ہمارے گھر ضرور آتیں اور فرداً فرداً ہر ایک سے ملاقات ضرور کرتیں۔وہ کہتی تھیں کہ جب کبھی حیدرآباد سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوتی تو وہ اپنے گھر کی ہر ایک بات دریافت کرتے۔اس گھر کے ذکر کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں آنسوئوں سے لبریز ہو جاتیں۔(چچا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب از کریمہ صبغۃ اللہ ص ۳۴)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

از محمد صلاح الدین

کسی اعلیٰ نصب العین یا مشن کیلئے زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دینے کی بات محاورتاً تو سنی سنائی لیکن اس کا کوئی عملی نمونہ دیکھنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ نامور زعماء اور اکابرین کی زندگی کا کچھ نہ کچھ وقت اہل خانہ، اعزاء، دوست احباب اور مختلف نوعیت کی معاشرتی تقریبات کی نذر ہوتا ہے اور اجتماعی زندگی میں ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ لیکن پیرس کے حالیہ سفر میں اسلام کے ایک ایسے خادم اسلام کو دیکھنے کا موقع اور اس سے دو تین ملاقاتیں کرنے کا شرف حاصل ہوا، جس کی زندگی مختصر نیند اور ضروری حاجات کے سوا پوری کی پوری اسلام کی خدمت کیلئے وقف ہے۔ اس میں نہ بیوی بچوں کا دخل ہے نہ کسی ملازم اور رفیق کی کوئی گنجائش اور نہ اعزاء اور دوست احباب یا تقریبات کا جھمیلا، حتیٰ کہ ٹیلی فون تک کا کوئی جھنجھٹ نہیں ہے۔ وقت کا ہر لمحہ اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام کیلئے وقف ہے اور اس میں ایسا انہماک و تسلسل ہے کہ دم لینے کی مہلت نہیں۔ بس یہ فکر دامن گیر ہے کہ ۸۴ سال کی عمر ہو چکی ہے، کہیں فرشتۂ اجل نے آدبوچا، اپنے رب کا سامنا ہوا اور اس نے یہ پوچھا کہ میں نے جو نعمت دین تمھیں عطا کی تھی اسے دوسروں تک پہنچانے کیلئے تم نے کیا کیا، تو میں وہاں کیا منہ دکھاؤں گا؟ ندامت و شرمندگی سے بچنے کیلئے کچھ تو زاد راہ ساتھ لے لوں، باقی سہارا اس کے عفو و درگزر اور عطا و بخشش سے مل جائے گا۔

یہ شخصیت ہے عالم اسلام کے معروف و منفرد محقق، مصنف، مترجم، مفسر، مبلغ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی، جو اپنے عظیم کام کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنے طرز زندگی کی بے مثال خصوصیات کے باعث، مسلم دنیا کے اہل علم و فضل اور فرانس اور فرانسیسی زبان سے وابستہ

Marfat.com

افریقی ممالک میں انتہائی قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ وزیر اعظم محمد نواز شریف نے جب مجھ سے پہلی بار اپنے دورۂ فرانس کا ذکر کیا، تو میں نے ان سے درخواست کی کہ وہاں ایک نامور عالم اور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ضرور ملئے، جو پاکستان میں آئین سازی کے ابتدائی مراحل میں گرانقدر خدمات انجام دے چکے ہیں اور مغربی دنیا میں اس ملک کا نام روشن کرنے میں انھوں نے بڑا کام کیا ہے۔ وزیر اعظم نے اسی وقت متعلقہ حکام کو ہدایت کی کہ پیرس میں سفارت خانہ کو پیغام دے دیا جائے کہ میرے پروگرام میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات کو بھی شامل کیا جائے۔ بعد ازاں وزیر اعظم کے ساتھ جانے والے صحافیوں میں جب مجھے شمولیت کی اطلاع ملی تو پیرس کو تفصیل سے دیکھنے کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے علاوہ، سب سے زیادہ خوشی اس خیال سے ہوئی کہ یہ سفر مجھے ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات کرنے اور ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع فراہم کرے گا۔ ڈاکٹر صاحب سے کراچی میں اس وقت ایک مختصر ملاقات ہوئی تھی، جب وہ جنرل ضیاء الحق شہید کی دعوت پر پاکستان آئے تھے اور بہاولپور کی اسلامیہ یونیورسٹی میں اپنے یادگار خطبات کا سلسلہ مکمل کر کے پیرس واپس جا رہے تھے۔ ان سے میری مراسلت بھی رہی، لیکن کبھی ان سے تفصیلی ملاقات کا موقع نہ مل سکا، میں نے اپنے زمانہ طالب علمی اور خصوصاً جامعہ کراچی سے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کی تیاری کے دوران ڈاکٹر صاحب کی کتابوں سے بہت استفادہ کیا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کے تبحر علم کے علاوہ جس چیز نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا تھا وہ یہ تھی کہ متعلّم اور معلم دونوں حیثیتوں سے ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی جرمنی اور فرانس میں گزری ہے، لیکن ان کی فکر اور تحریر پر مغربی فکر اور تہذیب کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا اور نہ وہ دیوبند یا ندوہ جیسی کسی دینی درسگاہ کے فاضل استاد کا اسلوب نگارش رکھتے ہیں، جس میں اساسیات دین پر گہرے اعتقاد کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ وہ جدید ترین دنیا کے شہری، اس کے علوم کے شناور اور اس کے انتہائی ترقی یافتہ باشندوں کے مسلّمہ استاد ہیں، مگر اپنی فکر اور تحریر کے لحاظ سے وہ متقدمین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی کو چند ہفتوں کیلئے مغرب کی ہوا لگ جائے تو وہ اپنے دیس میں خود کو اجنبی محسوس

Marfat.com

کرنے لگتا ہے لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اسلامی فکر اور مشرقی تہذیب میں ۶۰ سال کی رہائش کے باوجود ذرا متاثر نہ ہوئی بلکہ اس نے الٹا اہل یورپ کو متاثر کیا اور ہزاروں افراد کو اسلام کی آغوش میں پہنچا دیا۔ مغربی تہذیب علامہ اقبال کی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکی۔

پیرس میں ہم منگل ۱۴ جنوری کو ساڑھے آٹھ بجے شب پہنچے اور ایفل ٹاور کے نزدیک کنکورڈ کے علاقے میں واقع ہوٹل کریوں (Crillon) میں جہاں وزیر اعظم کے ساتھ ہمارے قیام کا انتظام کیا گیا تھا اپنے کمروں تک پہنچتے پہنچتے ۱۰ بج گئے۔ اس دن ۱۲ گھنٹے طویل سفر کے بعد آرام کے سوا کوئی دوسری مصروفیت نہ تھی اگلے روز ہم سرکاری مصروفیات میں شرکت سے فارغ تھے اس لئے سب نے اپنے اپنے ذوق وطلب کے مطابق پروگرام مرتب کئے۔ میں نے ناشتہ کے فوراً بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات کی سبیل نکالی۔ اپنے ارادہ کا ذکر چند دوستوں سے کیا، تو روزنامہ عبرت حیدرآباد کے ایڈیٹر قاضی اسد عابد اور روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ کے ایڈیٹر جناب قیصر بٹ نے ساتھ چلنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ہم ایک کار میں ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ پہنچے جو پیرس کے مرکزی علاقے میں ایک چار منزلہ عمارت میں واقع ہے ڈاکٹر صاحب چوتھی منزل پر رہتے ہیں۔ اس عمارت میں لفٹ نہیں ہے، لکڑی کا زینہ ہے اور ڈاکٹر صاحب اس پیرانہ سالی میں دن میں کئی بار اس زینے سے اترتے چڑھتے ہیں۔ انھوں نے اس عمارت میں زمانہ طالب علمی گزارا اور اب اسی میں ایک چھوٹے سے کمرے میں ۱۹۴۸ء سے مقیم ہیں۔ ہم تقریباً ساڑھے دس بجے صبح وہاں پہنچے، ڈاکٹر صاحب کا کمرہ بند دیکھ کر مایوس لوٹے، مگر عمارت کے صدر دروازے پر ڈاکٹر صاحب آتے ہوئے مل گئے۔ انھوں نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا اور بتایا کہ میں علی الصبح نماز کے بعد لائبریری چلا جاتا ہوں، وہیں سے واپس آرہا ہوں۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہم سب سے آگے نکل گئے اور ہم ان کا ساتھ نہ دے سکے، سب کے سانس پھولے ہوئے اور قدم بھاری تھے، ڈاکٹر صاحب نے تیسری منزل پر پہنچ کر بتایا کہ اوپر میرے کمرے کی مرمت ہو رہی ہے اس لئے عارضی طور پر یہاں رہ رہا ہوں۔ انھوں نے

Marfat.com

کمرہ کھولا تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ کتابوں کے کسی گودام میں آ گئے ہیں۔ ایک بوسیدہ صوفہ، فائلوں اور کتابوں سے لدی ایک پرانی میز، ایک جانب چھوٹی سی چارپائی اور اسٹیل کی تین چھوٹی کرسیاں، کتابوں کے بڑے بڑے بکسوں اور کریٹوں کے درمیان جمی ہوئی، بلکہ پھنسی ہوئی تھیں اور ان پر بیٹھنے سے قبل انھیں کتابوں اور فائلوں کے بوجھ سے آزاد کرنا ضروری تھا۔ ڈاکٹر صاحب بڑی دیر تک ہماری آمد پر مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ شفقت محبت، انکساری، عاجزی، تواضع اور اپنی بے سروسامانی کے سبب ہماری تکلیف و زحمت پر تاسف کے جذبات سے ان کا چہرہ معمور تھا۔ ابتدائی تعارفی گفتگو، کچھ پرانی یادوں کی تجدید اور اپنی چار کتابوں کی پیشکش کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سوال و جواب کے سلسلہ کا آغاز ہوا، تو انھوں نے بتایا کہ میں ۱۹۴۸ء سے یہاں مقیم ہوں۔ پاکستان یہیں سے گیا تھا اور وہاں مولانا سیّد سلیمان ندوی متعدد علماء اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مل کر پاکستان کے آئین کیلئے بنیادی نکات، علماء کے ۲۲ نکات اور نظام تعلیم کے خاکہ کی تیاری میں شریک رہا اور پھر پیرس واپس چلا آیا، انھیں میری زبانی مولانا ظفر احمد انصاری کے انتقال کی خبر ملی تو گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ مولانا کی ملی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مغفرت کیلئے دعا کی۔ ڈاکٹر بشارت علی کے انتقال پر بھی انھوں نے افسوس اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی۔ انھوں نے بتایا کہ وزارت تعلیم کے تحت یہاں اورینٹل اسٹڈیز ریسرچ سنٹر قائم ہے۔ اس میں ایسے صاحبان علم کو رکھا جاتا ہے جو مختلف وجوہ کی بنا پر اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ میں ۲۵ سال اس سے وابستہ رہ کر اب ریٹائر ہو چکا ہوں اور اس کے وظیفہ پر میری گزر بسر ہو رہی ہے۔ میں نے جرمنی کی بون یونیورسٹی سے ۱۹۳۲ء میں اسلام کے بین الاقوامی قانون پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اگلے سال سوربورن یونیورسٹی پیرس سے عہد نبویؐ کی ڈپلومیسی کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کیا۔ بعد ازاں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں پڑھانے لگا۔ سقوط حیدرآباد کے بعد میں پیرس چلا آیا اور یہاں تحقیقاتی ادارے سے وابستہ ہو گیا، اب میں کسی بھی ملک کا شہری نہیں ہوں۔ مستقل مہاجر ہوں، میری مہاجریت کی ایک سند حکومت فرانس نے جاری کر دی تھی، وہی میرا پاسپورٹ ہے، اس پر بیرونی سفر

Marfat.com

کرتا ہوں یوں میری شہریت آفاقی ہے۔ اپنے علمی کام سے متعلق ایک سوال پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میرا پہلا مضمون ۱۸/ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہفتہ روزہ ''نونہال'' لاہور میں ''مدراس کی سیر'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس موقع پر انھوں نے ایک پرانی کاپی دکھائی جس میں تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کے مضامین اور کتابوں کی فہرست موجود ہے۔ مختلف بین الاقوامی جرائد اور مختلف زبانوں میں ان کے شائع شدہ مقالات کی تعداد ۹۳۱ ہے، وہ ایک سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں ان کے بعض مضامین اور کتابوں کا ترجمہ چینی اور جاپانی سمیت متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ اس کے ۱۹ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ہر ایڈیشن ۱۰ سے ۲۰ ہزار کی تعداد میں طبع ہوا ہے اور آج کل وہ ۲۰ ویں ایڈیشن کا پروف پڑھنے میں مصروف ہیں۔ فرانسیسی میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ حال میں ان کی مرتب کردہ کتاب السیر الکبیر کی چار جلدیں ترکی زبان میں شائع ہوئی ہیں جو انھوں نے ہمیں دکھائیں ان کا موضوع اسلام کا بین الاقوامی قانون ہے۔ اردو زبان میں عہد نبویؐ کے میدان جنگ، عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، اسلامی اصول قانون اور نظریہ دستور کا ارتقاء امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، سیاسی وثیقہ جات از عہد نبویؐ تا خلافت راشدہ ان کی بلند پایہ تحقیقی کتب ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ٹیپو سلطان اور اس کی ترقی، یورپ میں ادبی نشاۃ ثانیہ، سلطنت مسقط وعمان، مشرق میں انقلاب کے لئے روسی تدابیر، سرور کائناتؐ کی حکومت جیسے عنوانات سے متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں وہ ایک عرصہ تک انقرہ کی ارض روم یونیورسٹی میں لیکچر دیتے رہے ہیں اور اس کیلئے ہر ہفتے پیرس سے انقرہ جایا کرتے تھے[1]۔ ڈاکٹر صاحب کو ۸ زبانوں اردو، فارسی، عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی اور اطالوی پر عبور حاصل ہے اور ان سب زبانوں میں ان کی تصانیف موجود ہیں وہ طویل عرصے فرانسیسی زبان کے ایک ماہنامہ جریدے ''فرانس اسلام'' کے مدیر بھی رہے اور ایک تنظیم ''جمعیۃ الصداقہ الاسلامیہ'' کے خازن ہیں۔

Marfat.com

اس سوال پر کہ آپ نے پیرس ہی کو اپنی مستقل رہائش کے لئے کیوں منتخب کیا؟ ڈاکٹر حمید اللہ نے بتایا کہ ایک تو ایسا تحقیقی ادارہ کہیں اور نہیں، جس کا میں ذکر کر چکا ہوں دوسرے یہاں ۸۰ لاکھ اور ایک کروڑ کتابوں پر مشتمل ایسی متعدد عظیم الشان لائبریریاں موجود ہیں جن کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ یہاں ایک ایک موضوع مثلاً عالم عرب پر خصوصی لائبریریاں موجود ہیں، جن میں موضوع سے متعلق ہر زبان کی کتابیں یکجا مل جاتی ہیں۔ لائبریری السنہ الشرقیہ میں ۳۰ لاکھ کتابیں موجود ہیں یہاں کا ماحول بھی نسبتاً زیادہ پرسکون اور علمی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ فرانس میں اگرچہ اسلام دشمنی کا جذبہ بہت شدید ہے اور الجزائر میں جو کچھ ہوا وہ اس کا واضح ثبوت ہے لیکن اس کے باوجود صرف پیرس میں اب تک ایک لاکھ فرانسیسی مسلمان ہو چکے ہیں، یہاں ایک سو سے زیادہ مساجد موجود ہی، اسلام قبول کرنے والے فرانسیسیوں کا یومیہ اوسط ۸ تا ۱۰ ہے، ان میں خواتین کی بڑی تعداد بھی شامل ہے ایک خاتون کا خط آج ہی ملا ہے، جس نے اسلام قبول کرنے کی درخواست کی ہے اور لکھا ہے کہ اگرچہ میرے قریب بھی ایک مسجد موجود ہے لیکن اس پاکیزہ اور مقدس مقام تک جانے کی میں اپنے اندر ہمت نہیں پاتی۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ خط ہمیں بھی دکھایا۔ انھوں نے بتایا کہ آج کل یہاں کسی ایک موضوع سے متعلق عیسائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کے نقطہ نظر کے اظہار کا پروگرام چل رہا ہے، جس میں اسلام کے نقطہ نظر کی ترجمانی کیلئے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔ موجودہ موضوع حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ تحقیق کے دوران نئے گوشے میرے سامنے آئے ہیں۔ مثلاً ہندوؤں کی رامائن اور یونانیوں کے مشہور شاعر ہومر (Homer) کی نظم اوڈیسی حضرت ابراہیمؑ کے دور کی تصانیف ہیں اور ان کی واقعہ نگاری پر حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کا اثر موجود ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ مسلمان، جو واقعہ حضرت اسماعیلؑ سے منسوب کرتے ہیں، وہ دراصل حضرت اسحاقؑ سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے ان کی کتابوں سے اور تاریخی ترتیب کے لحاظ سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا بیان کردہ واقعہ ہی درست ہے۔ اس پر یہودی علماء نے مجھ سے علیحدگی میں کہا کہ ہم تمہاری تحقیق صحیح تسلیم کر لیں تو ہمارا تو سارا مذہب ہی باطل قرار پائے گا اور کھیل بکھیڑا ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا

Marfat.com

کہ میرا کام تحقیق ہے ثبوت پیش کر دیئے ہیں ماننا نہ ماننا آپ کا کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میں آج کل ایک ایسی جگہ مسجد کی تعمیر میں مصروف ہوں جہاں فرانسیسی مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے لیکن ان کیلئے مسجد نہیں تھی۔ ایک عمارت خرید لی گئی ہے پانچ لاکھ فرانک ادا کئے جا چکے ہیں اتنی ہی رقم مزید مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

ہمیں شدت سے احساس تھا کہ ڈاکٹر حمید اللہ کی بہت قیمتی شے یعنی وقت کو ضائع کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، چنانچہ ہم نے اجازت چاہی اور گزارش کی کہ کوئی کلمہ نصیحت عطا فرمایئے، ڈاکٹر صاحب نے کمال انکساری کے ساتھ کہا ''استغفر اللہ! میں اور کلمہ نصیحت'' آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں، میں تو آپ کی کوئی تواضح نہ کرنے پر پہلے یہ بہت شرمندہ ہوں۔''

اس گفتگو کے دوران قاضی اسد عابد صاحب نے اپنا کیمرہ نکال لیا اور ڈاکٹر صاحب سے ایک تصویر کی اجازت چاہی۔ انھوں نے فوراً اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور کہا ''میں ناجائز کام کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟'' میں نے قاضی اسد عابد صاحب کو کیمرہ بند کر لینے کا اشارہ دیا اور تصویر پر اصرار نہیں کیا۔ یہ مضمون اسی لئے ڈاکٹر صاحب کی تصویر سے خالی ہے۔ رخصت ہوتے وقت ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ مجھے ابھی تک وزیر اعظم سے ملاقات کے صحیح وقت کی اطلاع نہیں ہو سکی میں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں ٹیلی فون نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر ہوئی ہوگی۔ میں کسی کو بھیج کر آپ کو اس کی اطلاع دیتا ہوں۔ ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹر صاحب کو سفارت خانہ کے ایک افسر نے یہ اطلاع بہم پہنچا دی۔

ہم واپسی پر راستے میں دیر تک اس مرد قلندر کے علم و فضل، اسلام کی اشاعت و تبلیغ کیلئے ان کی بے مثل خدمات اور اس کی سادگی، خوش خلقی اور عاجزی و انکساری پر اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے رہے۔

جمعرات ۱۶ جنوری کو صبح ساڑھے دس بجے وزیر اعظم سے ڈاکٹر حمید اللہ کی ملاقات تھی۔ ان کے لئے گاڑی کا انتظام تھا مگر انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں روزانہ میٹرو

Marfat.com

(زیر زمین ٹرین) سے سفر کرتا ہوں، اسی کے ذریعے آجاؤں گا، کوئی زحمت نہ فرمائیں۔ وہ مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے پہنچ گئے فرانسیسی وزیر دفاع سے وزیر اعظم کی ملاقات ۱۱ بجے طے تھی۔ پہلے سے جاری ملاقات میں کچھ زیادہ دیر ہوگئی اور ڈاکٹر صاحب کی باری آنے پر وزیر دفاع تشریف لے آئے۔ وزیر اعظم نے ڈاکٹر صاحب سے معذرت کرتے ہوئے درخواست کی کہ آپ آدھے گھنٹہ انتظار فرمالیں، میں آپ سے بہت اطمینان کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے ذرا بدمزگی کا اظہار نہ کیا اور کہا کہ میں گھنٹوں انتظار کیلئے تیار ہوں، آپ کی دوسری مصروفیات زیادہ اہم ہیں، وہ میرے ساتھ تقریباً پون گھنٹہ بیٹھے رہے اور دوسرے متعدد اصحاب ان سے گفتگو کا فیض اٹھاتے رہے۔ وزیر اعظم نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی ملاقات کیلئے پانچ افراد کا پینل مقرر کیا تھا۔ جن میں راقم بھی شامل تھا، لیکن میرے اور سینیٹر فتح محمد خان کے سوا اس میں باقی تین ارکان میں سے کوئی شریک نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا تفصیلی تعارف میرے ذمہ تھا، وزیر اعظم ان کی خدمت اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ نفاذ اسلام کے سلسلہ میں اپنی تجویز اور مشوروں سے نوازیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی انکساری کے ساتھ کہا کہ ''میں یہاں بہت دور بیٹھا ہوں، پاکستان کے حالات سے زیادہ واقف نہیں، آپ کو کیا مشورہ دوں؟ میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ پر توکل رکھئے، اپنا کام اسی کے بھروسے پر کرتے جایئے وہ ساری رکاوٹیں دور کرتا اور آسانیاں پیدا کرتا چلا جائے گا۔'' وزیر اعظم نے اب تک کے کام اور مجوزہ آئینی ترمیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو اپنے عزائم سے باخبر کیا، تو انھوں نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور ان کامیابیوں کیلئے دعا کی۔ وزیر اعظم نے جب پوچھا کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟ تو ڈاکٹر صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت بے نیازی کے ساتھ جواب دیا ''خدا کا فضل ہے، میں کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔'' اس موقع پر میں نے ڈاکٹر صاحب کو یاد دلایا کہ آپ کسی مسجد کی تعمیر کیلئے فنڈ کی کمی کا ذکر کررہے تھے، اس کی کچھ تفصیل وزیر اعظم کو بتایئے۔ انھوں نے کچھ تامل کیا تو میں نے ہی اس کی تفصیل پیش کی وزیر اعظم نے فرمایا کہ پانچ لاکھ فرانک، ایک لاکھ ڈالر کے برابر بنتے ہیں یہ

Marfat.com

پوری رقم حکومت پاکستان کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کو ادا کر دی جائے گی اور پاکستان کیلئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر وزیراعظم کا شکریہ ادا کیا، انھیں پاکستان آنے کی دعوت دی گئی تو انھوں نے کہا کہ میں وہاں آ کر کیا خدمت کر سکوں گا۔ یہاں ہمہ وقت تحریری کام اور نو مسلم فرانسیسیوں کی تعلیم و تربیت پر لگا رہتا ہوں۔ یہ کام میری غیر حاضری سے متاثر ہوگا۔ وزیراعظم نے کہا کہ آپ کی آمد ہمارے لئے باعث برکت ہوگی اور پوری قوم آپ کو اپنے درمیان پا کر خوشی محسوس کرے گی۔ ایک ہفتہ ہی کیلئے زحمت فرمائیے، آپ میرے مہمان ہوں گے، مجھے اپنی سہولت کے مطابق اپنی آمد کی تاریخ سے مطلع فرما دیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا اور بعد ازاں میرے نام ایک خط میں بتایا کہ میں رمضان کے بعد اور انگریزی مہینے کے آغاز پر آ سکتا ہوں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انھوں نے وزیراعظم کے نام خط اردو میں خود ٹائپ کیا وہ انگریزی اردو اور فرانسیسی عبارت خود ہی ٹائپ کرتے ہیں اور اکثر مسودہ کے بغیر براہ راست ٹائپ رائٹر پر عبارت تیار کرتے ہیں۔

وزیراعظم نے ڈاکٹر صاحب کے حالات سن کر یہ بھی پیش کش کی کہ آپ کیلئے حکومت کی طرف سے ایک ملازم فراہم کر دیا جائے گا جو گھر اور باہر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا مجھے اس سے محفوظ ہی رکھئے، وہ میرا وقت ہی خراب کرے گا جسے میں اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق صرف کرتا ہوں۔ وزیراعظم نے بہت اصرار کیا تو انھوں نے اس پر بھی غور کرنے کا وعدہ کیا۔ ٹی وی کے کیمرہ مین داخل ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور وزیراعظم سے کہا کہ مجھے اس سے محفوظ رکھئے وزیراعظم کے اشارے پر تمام کیمرہ مین باہر نکل گئے، اس لئے یہ ملاقات ٹی وی پر پیش نہ کی جا سکی۔

جمعہ کو اپنی روانگی سے قبل ایک بار پھر الوداعی ملاقات کے لئے ڈاکٹر صاحب کے ہاں حاضر ہوا وہ اس وقت اپنے ایک شاگرد کے ساتھ نمازِ مغرب ادا کر رہے تھے اور خود امام تھے۔ ان کی قرأت کی آواز دروازہ سے باہر صاف سنائی دے رہی تھی، اختتام نماز تک میں

Marfat.com

دروازے کے باہر منتظر کھڑا رہا، مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انھوں نے نماز سے قبل بجلی بجھا دی اور نماز ختم کرنے ہی بلب روشن کر دیئے۔ بعد میں عقدہ کھلا کہ شیشوں سے باہر ارد گرد کے لوگ نماز پڑھتے نہ دیکھیں، کیونکہ اس سے ظاہر داری اور نمائش عبادت کا پہلو نکلتا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ آپ کا خط وزیر اعظم کو پہنچا دیا گیا ہے۔ انھوں نے بڑی دعائیں دیں اور مسجد کا مسئلہ حل ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میں چونکہ اس بار تنہا تھا اور ڈاکٹر صاحب کا مراکشی شاگرد اردو سے ناواقف، اس لئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سے ایک نازک سوال کر ڈالا، ڈاکٹر صاحب آپ زندگی بھر قرآن وسنت کا درس دیتے رہے اور اس پر عمل بھی کرتے رہے، مگر آپ نے ایک سنت پر عمل نہیں کیا یعنی نکاح، اس کا کیا جواز ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر کہا کہ ''میں سخت گناہ گار ہوں، مجھے خود احساس ہے اور اب بڑھاپے میں تو اس کوتاہی کا بہت شدت سے احساس ہے، اللہ مجھے معاف فرمائے۔ آپ بھی میری اس کوتاہی پر معافی اور مغفرت کی دعا کیجئے۔ اس عمر میں اس کوتاہی کا ازالہ بھی کرنا چاہوں تو اب اس کا امکان کہاں؟'' یہ کہہ کر مزید کھلے اور اصل سبب بتایا کہ ہمارے ہاں یہ کام والدین کے ذمہ ہوتا ہے، میں چونکہ ایک طرف وطن سے دور، یہاں تنہا رہا اور دوسری طرف والدین سے بھی محروم تھا، اس لئے خاندان میں کسی کو خیال نہ آیا۔ میں تعلیم و تحقیق میں اس درجہ منہمک اور مستغرق رہا کہ اس طرف توجہ نہ گئی، بس یوں ہی وقت گزرتا گیا۔ یہ کوتاہی عمداً نہیں ہوئی، سہواً حالات نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے۔ میں نے دوسرا سوال تصویر سے اس درجہ گریز کے بارے میں کیا تو ڈاکٹر صاحب نے وہی جواب دیا کہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ میں نے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کی تصویروں کا حوالہ دیا تو انھوں نے کہا کہ تصویر کو ان ہی ناگزیر ضروریات تک محدود رہنا چاہئے، یہ تشہیر کا نہیں شناخت کا معاملہ ہے، میں تشہیر کیلئے تصویر کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟ یہ جواب تھا اس شخص کا جس کی زندگی تصویروں کے سیلاب کے درمیان گزری ہے۔ اس کا گھر آج تک ٹی وی اور ریڈیو تک کے وجود سے خالی ہے۔ ذرا غور کیجئے اس کے گھر میں بیوی بچے ہوتے ریڈیو اور ٹی وی ہوتے اور ٹیلی فون ہوتا تو مجموعی

Marfat.com

طور پر عمر عزیز کا کتنا حصہ ان کی نذر ہوتا اور دنیا اس عظیم محقق، مصنف اور مفسر کی کتنی قیمتی کتابوں سے اور تبلیغی خدمات کے کتنے نتائج سے محروم رہ جاتی؟ بظاہر یہ ایک غیر فطری اور غیر متوازن زندگی ہے، لیکن جس شخص نے زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے مشن کیلئے وقف کر دیا ہو، اس کے بارے میں کوئی اپنے دل سے پوچھے کہ راز حیات اس پر کھلا یا ہم پر؟

یہ ایسی ہی ہستیوں کا تو فیض ہے کہ آج فرانس میں عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب اسلام اور اس کی قبولیت کی رفتار سب سے زیادہ تیز ہے۔

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً

بملاحظہ والا مرتبت وزیر اعظم پاکستان

حفظہ اللہ وانما

جمعية الصّداقة الاسلامية

Amicale Des Musulmans en Europe

59- Rue Claude Benard Paris-5

۵۹۔ ریوکلوو برنار، پاریس/۵۹

خدا کا بے پایاں احسان ہے کہ آج کل فرانس میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور واحد دن بھی نہیں گزرتا بغیر اس کے کہ متعدد فرنگی مسلمان نہ ہو جائیں، فرانس کا دارالسلطنت، پاریس، دنیا کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے اور ایک محلے سے دوسرے میں طویل مسافتیں ہیں، مسجدیں ہیں، لیکن روز افزوں ضروریات کے لئے محض ناکافی ہیں، خاص کر مضافات شہر میں ایک مقام ہے، جس کا نام ہے شوازی لروا۔ وہاں بہت سے دیندار مسلمان بستے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری دی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مسجد بنائے، چاہے تیتر کے گھونسلے ہی جیسی، تو اللہ اسے جنت میں ایک مکان دے گا۔

جمعية الصّداقة الاسلامية فرانس کی قدیم ترین اسلام انجمنوں میں سے ایک ہے وہ ہفتہ وار دینی لیکچر کراتی ہے، اسلامی کتابیں بھی شائع کراتی ہے جو مقبول ہیں۔ سالہا

Marfat.com

سال تک وہ ایک ماہوار فرانسیسی رسالہ شائع کرتی رہی، جس کا نام تھا ''فرانس اسلام'' حقیر راقم الحروف (محمد حمید اللہ) اس کا خازن ہے، طویل اور مشقت بھری تلاش کے بعد اسے شوازی لروا میں ایک مکان ملا، جو فروخت ہو رہا تھا اور ہماری موجودہ ضروریات کیلئے کافی تھا، اس کی قیمت ڈیڑھ ملین فرانک، سوائے رجسٹری وغیرہ کے کثیر رقم ادا طلب باقی ہے اور مکان فروش نے اس کو قبول کیا کہ یہ باقی رقم بالاقساط اسے ادا کی جائے اور یہ بھی قبول کیا کہ مکان کے ایک حصے پر فوراً قبضہ کر لیں۔ چنانچہ وہاں ہم نے پنج وقتہ نمازیں فوراً شروع کرائیں۔ اس زمانے میں سنہ ۱۴۱۱ھ کا رمضان گزر رہا تھا اور ہم نے وہاں تراویح کی نمازیں بھی شروع کرائیں، اور محلے کے مسلمان بچوں کیلئے ایک مدرسہ بھی کھول دیا جس میں آج کل ساٹھ بچے تعلیم کیلئے ذوق وشوق سے آ رہے ہیں، اس مکان کا شوازی لروا میں پتہ درج ذیل ہے۔

33Rue Brogniart- 94- Chosy-le- Roi. Tel- 48842110

اس نے ایک بنک میں کھاتہ بھی کھول دیا ہے، یعنی

(B.I.C) (Banue Industrielle et Commercial de la Region Sude De Paris

64- RueMonge, Paris-5 Compte N 404104397

نیازمند ناچیز

محمد حمید اللہ

(بشکریہ ہفت روزہ تکبیر، کراچی)

---

۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہر سال تین ماہ کے لیے پیرس سے ترکی جایا کرتے تھے (مرتب)۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ- کچھ یادیں کچھ باتیں

از شیخ حیدر (ایڈووکیٹ)

ہر طالب علم کی زندگی میں استاد آتے ہیں اور اپنی سیرت کے نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ جو طالب علم کی کردار سازی کا سبب بنتے ہیں۔ میرے کرم فرما استادوں میں جن کی سیرت اور خصائل نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے حسن سلوک، برتاؤ اور رویے کو بڑا دخل ہے۔

یہ بات غالباً ۱۹۴۰ء کی ہے۔ جب میں بی اے (B.A) کا طالب علم تھا اور ڈاکٹر صاحب ولایت سے ہو کر جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لئے آ موجود ہوئے تھے۔ حیدر آباد کی تہذیبی زندگی میں ولایت کا فارغ التحصیل ہونا اور پھر ڈاکٹر آف فلاسفی ہونا، کوئی معمولی بات نہ تھی، ایسے لوگ عموماً کم آمیز، محتاط، معاشرتی زندگی میں منفرد مقام رکھتے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ڈاکٹر صاحب عجیب وغریب خوبیوں کے حامل تھے، ان کی طبیعت میں بلا کی سادگی تھی، ان کی وضع قطع مشرقی، لباس حیدر آبادی اور طرز رہائش اور بود و ماند قدیم عالموں کی طرح سادہ اور منکسرانہ تھا۔

لباس صاف پہنتے تھے۔ استری اور کلف کے قائل نہ تھے، غذا سادہ ہوتی، خشخشی قیمہ اور پراٹھا آپ کی مرغوب غذا تھی۔ برہنہ سر کبھی نہ ہوتے اور ہمیشہ باوضو رہتے، عادات و اطوار میں بزرگان دین اور صحابہ کرام کا نمونہ!

بات چیت میں آواز متوازن، مدھم اور سامع کیلئے خوش گوار ہوتی۔ لیکچر بھی اسی طور کے ہوتے، طالب علم جو ایک بار آپ کے لیکچر میں شریک ہوتا، اپنے وجود میں ایک اضافہ، خیالات میں توسیع، جذبات میں ہمہ گیری پاتا۔ وہ، طالب علم میں، علم کی جستجو، حق کی تلاش کا

Marfat.com

جذبہ پیدا کرتے۔ ہر لیکچر طالب علم پر علم کے نئے افق اور ان کی ہر بات ایک نئے صداقت کی دریافت ہوتی۔

میں نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر صاحب سے زیادہ سچا علم دوست انسان نہیں دیکھا، وہ ہمیشہ طالب علموں میں، علم کے نئے رجحانات اور امکانات کے پیدا کرنے میں کوشاں رہتے، اگر کسی طالب علم کو کسی موضوع پر مشکل پیش آتی تو وہ اس کی رہنمائی کیلئے چند ایک کتابیں خود لائبریری سے فراہم کرتے اور ابتدائی ہدایت کے بعد اسی موضوع پر اس طور بحث کرتے کہ طالب علم کی پڑھی ہوئی کتابوں کا اعادہ ہو جاتا اور بہت سے علم کے گوشے جو اس کی نظر سے پوشیدہ رہ گئے تھے اور مشکلات جو حل طلب تھے، اس پر روشن ہو جاتے طالب علم، اپنے میں ایک امنگ، نیا جذبہ اور ایک نیا شوق پاتا، وہ سچے علم دوست اور عالم باعمل تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے بے شمار شاگردوں میں سے چاہے وہ ایک بار ہی مستفید ہوا ہو وہ ہر وقت ان کی ذات ان کے تبحر علمی اور ان کی شرافت کا ساری زندگی قائل رہتا۔ طبیعت میں بلا کی بردباری، رویہ میں بلا کی سادگی تھی، چال میں دھیما پن، راستہ کے حدود اور احترام کا خیال رکھتے، میں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنی زندگی میں کبھی، اونچے لہجے میں بولتے غصہ کرتے اور تیز رفتاری سے چلتے نہیں دیکھا، ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اور ان کا بڑھتا ہوا ہر قدم انتہائی متوازن اور شائستہ ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب سہولت پسند اور فراغت طلب اور یار باش ہرگز نہ تھے۔ ان کی شخصیت کا توازن اور بات چیت کا رویہ محض پسندانہ نہ تھے۔ نجی گفتگو سے پرہیز کرتے اور دوسروں کے نجی معاملات سے لاتعلق رہتے۔ اسی لئے ان کی زندگی کے بہت سے گوشے، عزیز سے عزیز تر شاگردوں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ ان کی زندگی میں علمی تدبر، علمی انہماک اور علم کا شغف اس قدر رچا بسا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھنا گویا علم کو مجسم شکل میں دیکھنا تھا، وہ ایک کھلی کتاب تھے، سرتاپا انہماک اور سرتاپا صداقت۔

ڈاکٹر صاحب کے لیکچر عجیب و غریب ہوتے۔ ان میں نہ غرائب لفظی ہوتی اور نہ

Marfat.com

شوکت الفاظ، نہ علم کی نمائش ہوتی اور نہ حوالوں کی کثرت۔ وہ اس قدر سادہ اور دل نشیں انداز میں لیکچر دیتے کہ طالب علم کی ناواقفیت کا ہر گوشہ سیر ہو جاتا اور اس کی زندگی میں نئی جہتیں اور نئی راہیں نکل آتیں۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ طالب علم میں سچی لگن اور علم کا سچا شوق پیدا کرتا وہ نہ کسی طالب علم کو ٹوکتے اور نہ عیب نمائی کرتے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نمایاں کئے بغیر اپنے دوسرے لیکچر میں جو سابق لیکچر کا تتمہ ہوتا، اسی طرح ظاہر کرتے کہ ہر طالب علم اپنی کوتاہی اور اپنی کمزوری اور اپنی ناواقفیت کا خود ہی جواب پالیتا اور ڈاکٹر صاحب کے اس شغف آمیز رہبری سے بے حد متاثر ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب کے لیکچر انتہائی مربوط ہوتے جو بات تقدیم کے طور پر کہی جاتی اس کا ارتقاء اسی طور سے ہوتا کہ ہر قدم پر علم کے نئے دریچے کھلتے جاتے ان کا بیانیہ شعوری ہوتا، نثر سادہ، جملے مختصر، لفظی پیچیدگیوں، اصطلاحات کے انبار سے گریز کرتے حسب ضرورت انگریزی اصطلاح کے ساتھ اردو متبادل اصطلاح بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی توضیح، انتہائی دل نشیں انداز میں کرتے۔

ڈاکٹر صاحب جدید یورپین زبانوں پر حاوی تھے، فرانسیسی، جرمن، انگریزی، ترکی، عربی اور فارسی پر قدرت کاملہ تھی، لیکن اردو زبان پر قدرت اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق، بابائے اردو نے کراچی کے قیام کے دوران وفات سے پہلے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ گارسان دتاسی کے خطبات اور مقالات پر نظر ثانی کریں تاکہ طباعت دوم ہر قسم کے نقائص سے پاک ہو، سابقہ ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین اور سر راس مسعود کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھا، جو اپنے زمانے کے اچھے فرانسیسی دان سمجھے جاتے تھے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے اصلاح شدہ، خطبات کو دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک ذہین استاد نے بڑی احتیاط سے اصلاح کی ہے، قارئین اس بات کی صحت کیلئے سابقہ ترجمہ اور بعد کے ترجمہ کا از خود موازنہ کریں تو بات کی صداقت کو جان لیں گے ڈاکٹر صاحب کسی کی غلطی اور کوتاہی کو نمایاں نہیں کرتے تھے، جملوں میں اعتذار اور رویہ میں انکسار ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب مشکل سے مشکل موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کا بڑی سہولت کے

Marfat.com

ساتھ انگریزی، فرانسیسی اور اردو میں ترجمہ کر لیتے ہیں، ''اسلامی نظریہ قانون دستوری کا ارتقاء'' جو پادری میکڈانلڈ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے بڑی دقت نظر کے ساتھ کیا، ترجمہ اس قدر جامع ہے کہ انگریزی عبارت کہیں بھی ساقط نہیں ہوتی اور نہ مفہوم گریزاں بلکہ اردو ضمائر، انگریزی ضمائر کے عین مطابق ترجمہ میں شامل ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو دونوں زبانوں پر کس بلا کی قدرت حاصل تھی، ترجمہ رواں گویا مصنف نے کتاب انگریزی میں نہیں، اردو میں لکھی ہے، ڈاکٹر صاحب کے علمی کارنامے اس قدر زیادہ ہیں، ان کا تفصیلی جائزہ، ایک علیحدہ مضمون کا طالب ہے۔

''خطبات بہاولپور'' ڈاکٹر صاحب کا زبردست علمی کارنامہ ہیں، ان لیکچروں نے اسلام کے تحقیقاتی علوم میں ایک نئی جہت ایک نئی سمت کی رہنمائی کی ہے، یہ توسیعی لیکچر اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ہر جملہ انتہائی حزم و احتیاط اور پوری دیانت داری سے ادا کرتے ہیں، بات کو ناپ تول کر بیان کرتے ہین۔ اپنی کم علمی اور ناواقفیت کے اظہار میں شرم ساری نہیں محسوس کرتے بلکہ بڑی وسعت قلبی اور خندہ پیشانی سے اپنی ناواقفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے یہ توسیعی لیکچر آنے والے محققین کے لئے نشان راہ ثابت ہوں گے، ان لیکچروں نے تاریخ اسلام کی بے حساب گم شدہ کڑیوں کو جوڑا ہے، مسلمانوں کے علمی ورثہ کا کھوج لگایا ہے سامعین اور قارئین کے دلوں میں اسلام کی محبت، عظمت اور کھوئے ہوئے وقار کو صحیح مقام پر فائز کیا ہے۔ یہ کارنامہ ان کے تمام علمی کارناموں میں انتہائی وقیع اور دوررس نتائج کا حامل ہے۔

ہر لیکچر اپنے موضوع پر ایسا زبردست علمی سرمایہ ہے جو آپ کسی اور کتاب میں نہیں پائیں گے، ان لیکچروں کے موضوعات گو پامال اور بار بار دہرائے ہوئے ہیں جو ہر عالم دین کے قلم، ہر ذاکر اور خطیب کی زبان سے بارہا سن چکے ہیں لیکن جب آپ ڈاکٹر صاحب کے ان لیکچروں کو پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ تاریخ اسلام کے کتنے ہی گوشے ایسے ہیں جن سے قاری ناواقف اور کتنے ہی ایسے موضوعات ہیں جو انتہائی مغالطہ زدہ اور مغربی

Marfat.com

علوم کے زیر اثر گمراہ کن ہو گئے تھے۔ انھیں صحیح تناظر میں پیش فرما کر اسلام کی ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ان خطبات کو منظر عام پر لائے ہیں، جس سے مشکک ذہنوں میں یقین اور گم کردہ راہ لوگوں کو نشان منزل مل گئے ہیں، اب وہ اپنے ماضی سے شرمسار نہیں بلکہ اپنے ماضی کے ورثہ پر مفتخر، حق کے جویا اور صداقت کے متلاشی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ کارنامہ اسلام سے جذباتی عقیدت کو نہیں ابھارتا بلکہ اس میں یقین اور سطحی جذباتیت کی جگہ، شعوری احساس کو بیدار کرتا ہے، یہ خطبات، ماضی سے شرمساروں کو ذلت کی دلدل سے نکال کر یقین کی بلندیوں کی طرف گامزن کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی خدمات سے قطع نظر ان کا طور طریقہ اور رہن سہن طرز گفتگو قیام و طعام سب کچھ اپنے اندر ایک درس اور ایک ہدایت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خوش خوراک نہیں ہیں، کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتے ہین نہ کھانوں کی فرمائش کرتے ہیں، میزبان ڈاکٹر صاحب کی ضیافت میں مختلف قسم کی مرغن غذائیں فراہم کرتے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب دستر خوان سے انتہائی سادہ ڈش Dish کو تلاش کرتے ہیں اور بہت مختصر کھاتے ہیں۔ کھانے کے آداب اور پانی پینے میں حزم و احتیاط کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ دعوت سے فراغت کے بعد فضول گفتگو ماضی کے تذکروں یا گزرے ہوئے واقعات پر تبصرہ ہرگز نہیں کرتے، گفتگو کا رخ ماضی پرستی، تنگ نظرانہ تنقید اگر ہو تو وہ ان باتوں سے اس طرح گریز کرتے ہیں کہ حاضرین کو ناگوار نہ ہو، بے جا بحث کو پسند نہیں کرتے، ماضی پرستی اور ماضی کی خام کاریوں کا ذکر کبھی پسند خاطر نہیں وہ ہمیشہ حال میں زندہ رہتے ہیں فکر ماضی سے منسلک اور بہتر مستقبل کے امیدوار۔

اب سے ستاون (۵۷) برس پہلے ماضی کے دھندلکے میں، جب کہ میں، ایک طالب علم تھا، ڈاکٹر صاحب کی شفقتوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو واقعات کا ایک سلسلہ ہے کہ ختم ہونے نہیں پاتا۔

۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ میں بی اے (B.A) کا طالب علم تھا۔ اس زمانے میں

Marfat.com

یہ تجویز ہوئی کہ ''اورینٹل کانفرنس'' جامعہ عثمانیہ میں منعقد کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب اس کانفرنس کے روح رواں تھے اور اس کے انعقاد اور انتظامات میں طالب علموں کے ساتھ ہر قدم پر شریک رہے۔ جلسہ گاہ کی ترتیب سے لے کر کرسیوں کی قطار درست کرانے تک ڈاکٹر صاحب طالب علموں کے ساتھ مسلسل مصروف کار رہے۔ انھیں طالب علموں کے ساتھ کام کرنے میں اور ان کا حوصلہ بڑھانے میں بڑا لطف آتا تھا۔

جامعہ عثمانیہ میں قانون کی تعلیم صرف ایل ایل بی تک محدود تھی، یہ ڈاکٹر صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ایل ایل ایم کا اجراء عمل میں آیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے قانون کے فروغ اور قانون کے رجحانات کو حیدرآباد میں روشناس کرانے کی غرض سے کل ہند قانون کانفرنس، کے انعقاد کو پائے تکمیل تک پہنچایا اور ہندوستان کے ممتاز قانون دانوں کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔

اس عہد کے ذی علم قانون دانوں نے جنھوں نے اس اجلاس کی شرکت کو قبول کیا ان میں سر مارس گائیر (چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا) سر سی پی راما سوامی ایئر (دیوان ٹراونکور) سر شیخ عبدالقادر، سر تیج بہادر سپرو، قابل ذکر ہیں۔ البتہ سر شیخ عبدالقادر اور سر تیج بہادر سپرو نے اجلاس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس کے معتمد مقامی کے فرائض راقم الحروف نے انجام دیے اور کل ہند کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں ایک مجلس انتظامیہ تشکیل دی گئی:

صدر	ڈاکٹر ناظر یار جنگ
نائب صدر	حسین علی مرزا صاحب
معتمد مقامی	شیخ حیدر (راقم الحروف)
اراکین مجلس	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، مولوی عبدالرؤف، نواب اکبر علی خان، محمد احمد صاحب ناظم آثار قدیمہ وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب جو اس کانفرنس کے روح رواں تھے، اپنے آپ کو رکنیت ہی کی حد تک محدود رکھا۔ وہ کسی عہدہ اور کسی نمائش کے قائل نہ تھے۔ انھیں طالب علموں کا حوصلہ

Marfat.com

بڑھانے اور علم کا شوق پیدا کرنے کا ہر دم خیال رہتا۔

حیدر آباد کے سازشی ماحول کا ایک قصہ مجھے اب تک یاد ہے کہ جب اخبارات میں کل ہند قانون کانفرنس کے انعقاد کی تجویز عام ہوئی اور اس کو سراہا گیا تو چند ایک بدخواہوں نے وزیر اعظم حیدر آباد کو باور کرایا کہ کل ہند قانون کانفرنس کا انعقاد حیدر آباد (دکن) میں سیاسی الجھنوں کا سبب بن سکتی ہے۔ جس پر وزیر اعظم نے ایک اجلاس، شاہ منزل میں طلب کیا، اس اجلاس میں پروفیسر حسین علی مرزا صدر شعبہ قانون ڈاکٹر حمید اللہ اور میں خود معتمد مقامی شریک ہوئے۔ اس ملاقات میں وزیر اعظم نے ہدایت کی کہ کانفرنس کے اجلاس کو فوری طور پر ملتوی کر دیا جائے اور اخبارات کے ذریعہ اس کا اعلان کر دیا جائے۔

بہر حال قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا دوسرے ہی دن جامعہ عثمانیہ کے سنڈیکیٹ کے اجلاس میں طے پایا کہ کل ہند قانون کانفرنس، عثمانیہ کے زیر انتظام منعقد ہوگی اور رقوم مختلف مدات سے فراہم کی گئیں، مہمانوں کے قیام کیلئے Rock Castle Guest House تجویز کیا گیا۔

چنانچہ فوراً ہی مہمانان خصوصی کی جانب سے دعوت نامہ کی قبولیت کے اطلاعات آنا شروع ہو گئے، وزیر اعظم بہت ناخوش ہوئے اور راقم الحروف کے نام انسپکٹر پولیس نے ایک نوٹس جاری کیا کہ پولیس میں مچلکہ ضمانتی داخل کیا جائے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا، بالآخر نائب امیر جامعہ نے انسپکٹر جنرل پولیس کو فون سے اطلاع دی کہ وہ خود مچلکہ ضمانت داخل کرنے کو تیار ہیں۔ اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور کانفرنس کے کام کے سلسلے میں مجلس انتظامیہ میں بحث چھڑ گئی کہ کسی ذی اثر شخصیت کو معتمد مقامی مقرر کیا جائے جس کے پاس فون ہو اور کار نشین بھی ہو، اس کا دفتر مرکزی مقام پر ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر صاحب کو ان باتوں کا توڑ معلوم تھا انھوں نے کانفرنس کا دفتر باغ عامہ میں رکھا اور ٹیلی فون نصب کر دیا گیا جہاں دو چپراسی ہمہ وقت موجود رہتے، اس کے علاوہ دو ٹائپسٹ مقرر کئے گئے اور معتمد مقامی کے استعمال کے لئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی ذاتی موٹر کار فراہم کر دی۔ اس پر یہ مسئلہ اس طرح سلجھ گیا اور اس ناچیز کو ڈاکٹر صاحب کی سرپرستی میں

Marfat.com

آخری وقت تک کام کرنے کا موقع فراہم ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کی تجویز تھی کہ طلبہ قدیم کا تذکرہ شائع ہونا چاہئے، چنانچہ سوال بند مرتب ہوا اور شائع کر دیا گیا۔ طلبہ کے نام اور پتے مسجل جامعہ عثمانیہ نے فراہم کئے پھر کیا تھا جوابات کا تانتا بندھ گیا، بالاخر ڈاکٹر صاحب کے زیر نگرانی ''تذکرہ شعبہ قانون'' مرتب ہوا جو ایک یادگار ہے۔

کانفرنس کے اجلاس میں خطبہ استقبالیہ نواب مہدی یار جنگ بہادر نے پڑھا اور فرمان خسروی، وزیر اعظم حیدر آباد نے ارشاد فرمایا۔

اس سلسلے کی ایک اور یادگار تجویز انعقاد نمائش قانونی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔

کانفرنس کے دنوں میں ایک روز ڈاکٹر صاحب مغرب سے کچھ دیر پہلے تشریف لے آئے اور میز پر اٹھنی (آٹھ آنے) رکھتے ہوئے فرمانے لگے جناب سیکرٹری صاحب، ایک پیالی دودھ منگا دیجئے، صبح سے میں گھر سے نکلا ہوں، ناشتہ بھی نہیں کیا، کانفرنس کی مصروفیات اور جامعہ کے انتظامات میں ایسا مصروف رہا کہ میں دن بھر بھوکا رہا ہوں اور اب نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔ ایک پیالی دودھ پینے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سکھ کا سانس لیا۔

ان دنوں کانفرنس کے کاموں میں اکثر ۲۰۔۲۵ طالب علم لگے رہتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب پنڈال میں تشریف لے آئے اور ایک بس کا ٹکٹ میز پر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ اس ٹکٹ کی ایک رسید بنا دوں کیونکہ یہ رقم کانفرنس کے کاموں پر خرچ ہوئی تھی، میں نے رسید بنوا کر رقم واپس کر دی، پھر خاموشی سے کہنے لگے روزانہ جو بیس (۲۰) پچیس (۲۵) طالب علم کانفرنس کا کام کرتے ہیں انھیں ایک معینہ رقم دیدیا کرو اور رسید حاصل کر لو۔ ان سے حساب نہ لینا تا کہ ان میں دلچسپی اور خود اعتمادی پیدا ہو، یہ سب کچھ طلبہ کی موجودگی میں ہوا۔

مجھے اچھی طرح یاد پڑتا ہے کہ کانفرنس کے آخری ایام تھے۔ ڈاکٹر صاحب پنڈال میں داخل ہوئے اور خبر دی کہ رہبر دکن کا خصوصی شمارہ کل ہند کانفرنس قانون کے سلسلے میں

Marfat.com

شائع ہونے والا ہے۔ اس میں ایک مضمون ''معتمد کانفرنس'' کا بھی ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے مضمون کا عنوان ''ہندو قانون کی تدوین میں دکن کا حصہ'' ہے۔ فرمایا عنوان بہت عمدہ ہے۔ اس مضمون کی تیاری کا مواد دکنی کتابوں میں ہے۔ میں نے کتابوں کے نام گنا دیئے۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ دوسرے دن ڈاکٹر صاحب ان تمام کتابوں کو لے کر پنڈال میں داخل ہو رہے ہیں اور کتابوں کو میرے حوالے کر دیا۔ اس کا واحد مقصد مجھ پر اس مجوزہ مضمون کی تیاری کی اہمیت کو جتانا تھا اور میرے احساس ذمہ داری کو پابند کرنا تھا تا کہ میں مضمون کی تکمیل سے گریز نہ کروں اور مصروفیت کو بہانہ نہ بناؤں۔

جس دن رہبر دکن کا خصوصی شمارہ شائع ہوا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ پہلا مضمون ''اسلامی قانون میں دکن کا حصہ'' اور مضمون نگار کا نام ش۔ ح۔ رلکھا ہوا ہے۔ یہ مضمون میرا نہیں۔ یقیناً استاد محترم کا ہوگا اور دوسرا مضمون ''ہندو قانون کی تدوین میں دکن کا حصہ'' جہاں میرا پورا نام چھپا ہوا تھا۔

یہ عمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اپنے طلبہ کو آگے بڑھانے میں ڈاکٹر صاحب کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔

یہ ہے انداز تربیت، میرے محترم استاد ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا۔

خدا انھیں سلامت رکھے، استعداد، استقامت اور درازی صحت اور عمر بخشے۔ آمین!

(بشکریہ: مجلہ عثمانیہ کراچی)

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ

از ایم ایچ عسکری

ترجمہ: محمد سعید اللہ

''آج کل دادا کے ساتھ ایک ہی مسئلہ ہے کہ وہ تمام رات جاگتے ہیں اور دن میں سونا پسند کرتے ہیں اور اب ان کیلئے کوئی اور طریقہ یہ نہیں رہا ہے کہ وہ جاگنے کے اوقات سے پورا پورا استفادہ کر سکیں۔''

یہ ہیں وہ الفاظ جو سابقہ ریاست حیدر آباد دکن کی رہنے والی اور آج کل امریکہ کی ریاست فلاڈلفیا میں مقیم گھریلو زندگی گزارنے والی ایک خاتون بیگم سدیدہ شفیق نے اپنے خط میں تحریر کئے ہیں اور ''دادا'' سے ان کی مراد بین الاقوامی شہرت کے حامل محقق اسلام اور کئی کتابوں اور مضامین کے مصنف ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی شخصیت ہے جو گذشتہ پچاس برسوں سے پیرس میں تحقیق و تصنیف میں مصروف زندگی گزار رہے ہیں اور پچھلے کچھ عرصے سے بیمار ہیں۔

میں ذاتی طور پر بیگم سدیدہ شفیق سے واقف نہیں ہوں لیکن ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے میری اچھی خاصی شناسائی میرے پیرس میں پاکستانی سفارتخانے میں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۲ء تک بحیثیت پریس کونسلر تعیناتی کے دوران پیدا ہو گئی تھی۔ اس لحاظ سے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ سدیدہ نے ڈاکٹر حمید اللہ کے بارے میں اپنے خط میں تحریر کیا ہے وہ ان کی ذہنی بے چینی اور تڑپ کا صحیح آئینہ دار ہے کہ اپنی اس طویل عمر کے ۸۸ ویں برس میں بھی وہ اس بات کے خواہش مند رہتے ہیں کہ ان کے جاگنے کے اوقات پوری طرح علمی

Marfat.com

کاموں ہی میں صرف ہوں۔

میں ڈاکٹر صاحب کی صحت کے بارے میں (تھوڑے تھوڑے وقفے سے) اپنے طور پر معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ آہستہ آہستہ روبصحت ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اپنے عادات واطوار میں قدیم یونان کی ریاست اسپارٹا کے باشندے سے مماثلت رکھتے ہیں۔ پیرس کے لاطینی کوارٹرز روڈی ٹورنان (Reu De Tournon) کے علاقے میں اس قدیم اور انتہائی کمزور اور بوسیدہ عمارت کا جس میں ڈاکٹر صاحب قیام پذی ہیں فرانس کے دارالحکومت کے ان چند گنے چنے اپارٹمنٹس میں شمار ہوتا ہے جہاں ابھی تک لفٹ (Lift) نصب نہیں ہوئے ہیں۔ وہ اس عمارت کی چوتھی منزل پر رہتے ہیں اور دن میں کم از کم ۵ مرتبہ تو وہ لازمی طور پر ساری سیڑھیاں اترتے اور چڑھتے ہیں جبکہ وہ پیرس کی مشہور زمانہ مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے جاتے ہیں۔ انھوں نے ساری زندگی مجرد گزاری ہے۔ وہ خود اپنا کھانا تیار کرتے ہین (کم از کم اسی زمانے میں جب میں پیرس میں مقیم تھا یہی ان کا معمول تھا) اور ان کا کھانا ہمیشہ سادہ اور مختصر ہوتا جو بمشکل ان کے جسم اور جان کو قائم رکھنے کیلئے کافی ہوتا تھا، وہ حلال اور حرام کے بارے میں انتہائی محتاط ہوا کرتے تھے اور پیرس کی سپر مارکیٹوں میں موجود پکانے کے استعمال میں آنے والے اجزاء کے بارے میں بے حد محتاط رویہ اختیار کرتے تھے اسی لئے ان کے کھانے میں اکثر صرف ابلے ہوئے آلو ہی ہوا کرتے تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انھوں نے کبھی اپنے گھر سے باہر کہیں کھانا کھایا ہو حتیٰ کہ اپنے کسی اچھے دوست کے ہاں بھی نہیں، جب کبھی وہ ہمارے گھر آئے اور ہم نے انھیں چائے پیش کی وہ چائے کی پیالی کو بھی بغور دیکھتے۔ وہ میلوں پیدل چلنے کے عادی ہیں یا پھر بس یا (زیرزمین) میٹرو سے سفر کرلیا کرتے تھے۔ انھیں اس وقت انتہائی سخت الجھن اور پشیمانی سی محسوس ہونے لگتی تھی جب کبھی ہم انھیں سفارتخانے لے آنے یا واپس ان کے اپارٹمنٹ تک پہنچانے کیلئے اسٹاف کار مہیا کرنے کی پیشکش کیا کرتے تھے۔

Marfat.com

جب میں نومبر ۱۹۷۶ء میں پہلی مرتبہ پیرس پہنچا تو مجھے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ایک مشہور زمانہ اسکالر اور مصنف تھے بلکہ اس لئے بھی کہ میرے گہرے دوست پروفیسر محمد حسن عسکری کی عرصہ دراز سے ان سے باضابطہ خط و کتابت جاری تھی کیونکہ ان دونوں میں جو زبردست مشترکہ جذبہ کارفرما تھا وہ مذہب اور تصوف سے لگاؤ اور دلچسپی کا تھا۔ اسی لئے مجھے اس وقت کچھ تعجب سا ہوا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ سفارت خانے کی ترسیل خطوط کی فہرست میں سرے سے ان کا نام ہی موجود نہیں ہے۔ کسی کو ان کا ٹیلی فون نمبر بھی معلوم نہیں تھا جس کی وجہ (جو بہت جلد مجھے معلوم ہو گئی) یہ تھی کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں ٹیلی فون کنکشن حاصل کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے نہ ہی انھوں نے اپنے اپارٹمنٹ میں کبھی ریڈیو یا ٹی وی سیٹ لگوایا۔

ان سے میری ملاقاتوں کی یاد کچھ عرصے سے میرے ذہن پر چھا سی گئی ہے کیونکہ بعض اتفاقات کے نتیجے میں میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ وہ بیمار ہیں۔ پاکستانی اخبارات میں ان کی بیماری سے متعلق خبریں بالکل نہیں آئیں حالانکہ ان کی شخصیت یہاں پر بھی بے حد معروف ہے اور ابھی تک یہاں ان کی بعض کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ البتہ ہندوستان کے روزنامے ''سیاست'' (جو حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا ہے) کے ایک تراشے جو ان کے شیدائیوں میں سے کسی نے مجھے بھیجا تھا یہ معلوم ہوا کہ پچھلے سال (۱۹۹۶ء) جنوری میں مسجد میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے دوران ان پر غشی کا دورہ پڑا تھا۔ انھیں فشار خون کے کم دباؤ (Low Blood Pressure) کا مرض لاحق تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت ایک اور حیدرآبادی پروفیسر عبدالمجید ان کے ہمراہ تھے اور انھوں نے فوری طور پر ان کی دیکھ بھال کی۔ بعد ازاں سدیدہ ان کی تیمارداری کیلئے پاریس آ گئیں۔ سدیدہ نے کراچی میں مقیم ڈاکٹر صاحب کے ایک شیدائی جناب مظہر ممتاز قریشی کے نام اپنے خط مورخہ ۸/اگست ۱۹۸۶ء میں لکھا تھا کہ ''الحمدللہ دادا کی صحت اب بہت بہتر ہو گئی ہے۔ ہم دونوں روزانہ مارکیٹ جاتے ہیں اگرچہ وہ اب بھی مکمل طبی نگہداشت میں ہیں۔ گذشتہ جمعہ

Marfat.com

وہ مسجد بھی گئے تھے وہ آج کل اپنے ذاتی کاغذات کی فہرست تیار کر رہے ہیں۔ دادا بہت ہی مستعد اور مصروف آدمی ہیں اور بستر میں لیٹے رہنا پسند نہیں کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب رہتے تو پیرس میں ہیں لیکن ان کی کوئی متعینہ قومیت نہیں ہے وہ بلا قومیت کے بے وطن (Stateless) شخص کا درجہ رکھتے ہیں اور (جہاں تک مجھے معلوم ہے) بے وطن شخصی حیثیت پچھلی جنگ عظیم کے اختتام پر کسی بین الاقوامی کنونشن میں تسلیم کی گئی ہے۔ ان کے پاس فرانسیسی حکام کے جاری کردہ سفری کاغذات ہیں جو وہ فرانس کے باہر سفر کے لئے استعمال میں لاتے ہیں لیکن وہ ایک خاص معینہ مدت سے زیادہ عرصے تک فرانس سے باہر قیام نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی صورت میں ان کی بے وطن شخصی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ایک بار مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تھا کہ ۱۹۴۸ء میں کسی وقت وہ حیدر آباد دکن کے اس وفد کے ساتھ پیرس آئے تھے جس کی قیادت نواب معین نواز جنگ کر رہے تھے اور جو نظام دکن نے حیدر آباد کی آزادی کے مقدمے کی پیروی کے لئے بیرون ہند بھیجا تھا۔ اسی دوران جب ہندوستانی فوجوں نے ستمبر ۱۹۴۸ء میں ریاست حیدر آباد پر قبضہ کر لیا تو انھوں نے حیدر آباد واپس نہ جانے کا فیصلہ کیا اور تھوڑے سے عرصے کیلئے ان دنوں جبکہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی قرارداد مقاصد پر غور کر رہی تھی۔ انھوں نے مشیر کی حیثیت سے پاکستان میں خدمات انجام دیں اور پھر فوراً وہ یورپ چلے گئے۔

آزادی سے پہلے وہ جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) میں دینیات اور قانون کے مضامین کے استاد تھے۔ اس صدی کی دوسری دہائی میں وہ بون اور پیرس کی جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے پہلی مرتبہ یورپ پہنچے تھے۔ اپنی ڈی لٹ کی ڈگری کیلئے انھوں سے بین الاقوامی قانون پر اپنا مقالہ فرانسیسی زبان میں پیش کیا تھا۔ پیرس میں وہ اسلام اور اسلامی قوانین کے بے شمار یورپی ماہرین اور عالموں سے رابطہ کئے ہوئے تھے جن میں خاص طور پر قابل ذکر کالج ڈی فرانس کے مشہور زمانہ مستشرق پروفیسر لوی ماسیگنان Prof. (Louis Massignon) تھے۔ اسی لئے جب انھوں نے پیرس کو اپنا مستقل رہائشی مقام

Marfat.com

بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اس ممتاز ادارے میں جس کا نام (Rechrches Scientifques Centre National Des (C.N.R.S) تھا شمولیت اختیار کی۔ یہ ادارہ ان بے شمار علمی شخصیتوں، ادیبوں، سائنسدانوں اور فن کاروں کو جو دوسری جنگ عظیم کے بعد پیرس میں کھنچے چلے آئے تھے اور جن کے اپنے کوئی قابل ذکر ذرائع آمدنی نہ تھے روزگار فراہم کرنے کیلئے قائم کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ترکی اور جرمنی کی جامعات اور وہاں کے دیگر علمی اداروں میں لیکچر دینے کیلئے ان ملکوں کا باقاعدگی کے ساتھ سفر کرتے رہے ہیں۔

یہ شاید ۱۹۷۹ء یا ۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے اچانک ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو دریافت کرلیا۔ ان کے اسٹاف میں سے کسی نے مجھے پیرس فون کر کے بتلایا کہ صدر صاحب فون پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواباً کہا کہ اس کیلئے صدر صاحب کو ۴ روڈی ٹورمان میں جہاں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں ٹیلی فون نصب کروانا ہوگا۔ پھر مجھے ہدایات ملیں کہ میں ڈاکٹر صاحب کو سفارت خانے لے آؤں اور فوراً اسلام آباد فون کروں تا کہ صدر صاحب سفارتخانے کے فون پر ڈاکٹر صاحب سے بات چیت کرسکیں۔ ان دنوں صدر صاحب کا اسلامائزیشن پروگرام اپنے پورے عروج پر تھا۔ اسی لئے مجھے ڈاکٹر صاحب کے گھر کے کئی چکر لگانے پڑے تا کہ جنرل صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا رابطہ قائم ہوسکے۔ ایک یا دو مرتبہ تو ہفتہ واری چھٹیوں کے دوران بھی مجھے ڈاکٹر صاحب کے ہاں جا کر انھیں اپنے ہاں لے آنا پڑا ہے۔

مارچ ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی جانب سے اسلام کے اولین دور پر ایک سلسلہ تقاریر کیلئے مدعو کرنا چاہا، ڈاکٹر صاحب کو اس بات پر راضی کرنا کہ وہ حکومت پاکستان کی دعوت پر پاکستان کے دورے کا پروگرام بنائیں کوئی آسان کام نہ تھا۔ اولاً تو انھوں نے مجھے بتایا کہ کراچی میں ان کے کچھ عزیز و اقارب رہتے ہیں اس لئے وہ جب آئندہ ان سے ملاقات کیلئے کراچی جائیں گے تو وہ جامعہ بہاولپور جانے کا بھی پروگرام بنالیں گے۔ لیکن چونکہ بہاولپور میں

Marfat.com

تقاریر کے سلسلے کا پروگرام بنایا جا چکا تھا اس لئے بالآخر ڈاکٹر صاحب کو اس طے شدہ پروگرام کے مطابق پاکستان کا دورہ کرنے کیلئے بمشکل رضامند کرنا پڑا۔

چونکہ انھیں دعوت نامہ براہ راست سربراہ مملکت کی جانب سے بھیجا گیا تھا اس لئے انھیں وی آئی پی (V.I.P) سلوک بہم پہنچانا ضروری تھا۔ مجھے اس بات کیلئے بے حد پاپڑ بیلنے پڑے کہ وہ پی آئی اے کے طیارے کے اوّل درجہ میں سفر کریں وہ مصر تھے کہ وہ ہمیشہ اکانومی کلاس میں سفر کرتے رہے ہیں اس لئے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا بے جا اسراف ہو گا۔ بہر حال چونکہ وہ بنیادی طور پر انتہائی خوش اخلاق شخص واقع ہوئے ہیں اس لئے میرے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ فرسٹ کلاس میں سفر کیلئے انھیں راضی کر سکوں۔ اور جب میں نے ان سے کہا کہ سفارتخانے کی اسٹاف کار انھیں ان کے اپارٹمنٹ سے لے کر ایئرپورٹ پہنچائے گی تو انھوں نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مونٹا پار ناسے (Montaparnasse) سے روانہ ہونے والی بس براہ راست اورلی (Orly) ایئرپورٹ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ اسی طرح ایئرپورٹ جاتے رہے ہیں۔

ایئرپورٹ پہنچنے پر انھوں نے ایئرفرانس کا وی آئی پی لاؤنج استعمال کرنے سے جس کا پہلے سے انتظام کیا جا چکا تھا انکار کر دیا۔ اس بات پر پھر مجھ سے ان کی لفظی تکرار کی نوبت آ گئی اور میرے اصرار پر جب تک وہ وی آئی پی لاؤنج میں بیٹھے رہے بے حد بے چین رہے جیسے کہ انگاروں بیٹھے ہوں۔ انھوں نے ایئرفرانس کے اسٹاف کو اس بات سے روک دیا کہ وہ مقررہ پروٹوکول کے مطابق ان کا دستی سامان (ہینڈ بیگ) لاؤنج سے اٹھا کر ہوائی جہاز پر پہنچائیں۔ انھوں نے اس بیگ کو (جو کہ سفر کیلئے ان کا جملہ سامان تھا) اپنے ساتھ ہی چمٹائے رکھا جیسے کہ وہ ان کیلئے ایک بیش قیمت خزانہ ہو۔ انھوں نے مجھے سختی کے ساتھ اس بات سے منع کیا کہ میں انھیں رخصت کرنے کیلئے ہوائی جہاز تک جاؤں۔ بہر حال چونکہ وہ صدر صاحب کے مہمان کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے اس لئے میں ایئرپورٹ پر اس وقت تک بے چینی سے انتظار کرتا رہا جب تک کہ ان کا جہاز روانہ نہ ہوا اور جہاز کے زمینی عملے نے جہاز روانہ ہونے کی توثیق نہ کر دی۔ اس سفر پر روانہ ہونے کیلئے شروع ہی سے ان کے

Marfat.com

تردد کے پیش نظر مجھے، ڈر تھا کہ کہیں آخری لمحات میں وہ اپنا ارادہ تبدیل کر کے جہاز ہی پر سوار نہ ہوں۔

بارہ (۱۲) لیکچرز جو انھوں نے بہاولپور میں (بغیر کسی تیاری حتیٰ کہ بغیر نوٹس کے) دیئے ان کا تعلق اسلامی تاریخ کے اس اولین دور سے تھا جب اسلام کا ظہور شروع ہوا تھا اور اسلامی تعلیمات بتدریج آشکار ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے انگریزی زبان میں ان کا ترجمہ کیا اور اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تعاون سے انھیں کتابی شکل میں ''ظہور اسلام'' (The Emergence of Islam) کے نام سے شائع کروایا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس انتہائی اہم محنت طلب کام کے معاوضے کے طور پر انھوں نے ایک حبہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے تو اس نقد انعام کو بھی حکومت پاکستان نے ان کی نذر کیا تھا پورے کا پورا کسی علمی کام کیلئے اپنی جانب سے عطیہ کر دیا۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے بے شمار علمی اور تحقیقی کارنامے ہیں۔ انھوں نے ۱۹۶۶ء میں قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں دور نبویؐ اور دور خلافتؓ کے دوران اسلام کے سیاسی رجحانات پر ایک مبسوط کتاب تحریر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر بھی دو جلدوں میں فرانسیسی زبان میں ایک اور کتاب لکھی۔ آپ کا ایک محققانہ رسالہ ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا جس کا بعد ازاں دنیا کی مختلف زبانوں میں جن میں ملیالم بھی شامل ہے ترجمہ ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے مجھے قدیم مخطوطات اور قرآن سے متعلق کتابوں کی ایک نمائش میں مدعو کیا تھا جہاں قرآن مجید کا کشمیری زبان میں ایک ایسا ترجمہ بھی تھا جو عرصہ دراز قبل شائع کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک دفعہ عید میلاد النبیؐ کے موقع پر پاکستانی سفارت خانے میں بھی لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا گیا تھا اور یہ اسٹاف کے مختلف گریڈ کے ملازمین کیلئے ایک یادگار نادر موقع ثابت ہوا۔ انھیں کوئی شعلہ بیان خطیب تو نہیں کہا جا سکتا۔ بہتر طور پر انھیں ایک تجربہ

Marfat.com

کار استاد کی مثل سمجھا جا سکتا ہے جو سیدھے سادھے انداز میں اپنے سامعین تک اپنے نظریات وخیالات براہ راست پہنچاتا ہے۔ باوجود اس امر کے کہ وہ ایک عرصے سے یورپ میں زندگی بسر کر رہے ہیں انھوں نے اپنے ظاہری رہن سہن اور اطوار کو مغرب زدہ ہونے نہیں دیا، بلکہ اگر میں ایک عام شخص کے انداز میں گستاخانہ طرز بیان اختیار کروں تو یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ ان کی جڑیں ابھی تک ان قدیم روایتی حنفی مسلک کے اسلامی شعائر میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں جن کی علمائے ہند و پاکستان سختی سے پیروی کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس معاملے میں ان حضرات کو ڈاکٹر صاحب سے ناامیدی ہوتی ہے جو ان سے یہ غیر مناسب توقع رکھتے ہیں کہ ان جیسا علمی پس منظر رکھنے والا شخص شاید کوئی غیر روایتی نظریات کا اظہار کرے۔

پیرس میں جب کبھی میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کیلئے ان کے ہاں پہنچا تو انھیں نوجوان طلبہ میں گھرا ہوا پایا جن میں سے بیشتر کا تعلق شمالی افریقہ کے فرانسیسی بولنے والے ملکوں سے ہوتا تھا اور جو ان سے اسلام، قرآن اور فقہ کے مسائل پر مصروف گفتگو ہوتے تھے، ان میں بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی ہوا کرتے تھے۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد جن میں امریکی، یوروپی اور افریقی شامل تھے ان کے زیر اثر حلقہ بگوش اسلام ہوئی تھی۔ پیرس میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مجھ سے ایک انتہائی ممتاز فرانسیسی خاتون مادام ایواڈی وترے میوروویچ (Mm. Eva De Vitrey Meyerovitch) سے بھی متعارف کرایا تھا جن کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا اور جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی لئے اپنے خاندان کے ساتھ ان کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔

(بشکریہ مجلّہ عثمانیہ، کراچی)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ایک ملاقات

از سعید بن محمد باغزال

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی عالمانہ بین الاقوامی شخصیت سے کون سا دینی شعور رکھنے والا شخص ہوگا، جو واقف نہ ہوگا یا کم از کم ان کا نام گرامی نہ سنا ہوگا۔ الحمد للہ موصوف اب تقریباً ۹۰ سال کے ہو رہے ہیں اور پیرس/فرانس میں تقریباً نصف صدی سے پیرانہ سالی کے باوجود ایک مجتہد نوجوان کی طرح اسلام کی تابناک شمع روشن کئے ہوئے ہیں اور ''پیرس والے حمید اللہ'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ویسے جہاں تک میرے علم میں ہے موصوف کوئی پاسپورٹ نہیں رکھتے۔ البتہ وہ جس ملک کو بھی جانا چاہیں کسی ویزا کے بغیر جا سکتے ہیں اور وہاں رہ سکتے ہیں۔ موصوف محققانہ تالیف وتصنیف کے علاوہ بفضل تعالیٰ عرصہ دراز سے بے شمار Intellectuals کو مشرف بہ اسلام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عزم سلیم کو مزید تقویت عطا فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

فی الحال میرا مقصد صرف ایک اتفاقی ملاقات کے ایک ایسے اہم واقعہ سے قارئین کو روشناس کرانا ہے جس سے میرے تا حد علم خود ڈاکٹر صاحب کے قریبی عزیز یا احباب بشمول مولانا محمد ظفر احمد انصاری مرحوم جو جنیوا میں اسلامک سینٹر کے کافی عرصہ تک سربراہ رہنے کے ساتھ ساتھ غالباً امریکہ اور یورپ کے بعض اہم سنٹرس کے نگران بھی رہے تھے، ڈاکٹر صاحب سے پیرس اور انقرہ میں آج سے ۶، ۷ سال قبل تک بھی ملاقات کرتے رہے، اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور خواہش کی تھی کہ میں اس ملاقات پر مضمون لکھوں۔ یوں تو جب بھی موقع ملا ڈاکٹر حضرات سے اس واقعہ کا تذکرہ کرتا رہا ہوں لیکن مضمون لکھنے کی مجھے

Marfat.com

اب توفیق ہوئی۔

آمدم برسر مطلب یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء کے رمضان کے آخری دہے میں آخری دنوں کی آخری ساعتوں کی بات ہے کہ اپنے برادران اور احباب کے ساتھ مسجد نبویؐ میں افطار کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ نقشان کمپنی جدہ کے افضال احمد صاحب نے جو ڈاکٹر صاحب کے عزیز بھی ہوتے ہیں، آکر مجھ سے دریافت کیا کہ آپ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ملنا چاہیں گے، تو فوراً میں نے کہا کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اور ہم سب اپنی کھجوریں اور زمزم لے کر ڈاکٹر صاحب کی طرف دوڑے۔ اس غیر متوقع یکا یک ملاقات سے بن نہیں پڑ رہا تھا اتنی ممتاز اور بزرگ شخصیت سے کیا گفتگو کی جائے حالانکہ زمانہ طالب علمی میں جامعہ عثمانیہ کے کمرہ نمبر ۳۷ جا کر ڈاکٹر صاحب کے خصوصی لیکچر سنا کرتا تھا۔ بہر حال اتفاق سے انہی دنوں موصوف کی مشہور کتاب ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' جس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے تھے میرے زیر مطالعہ تھی، ذکر کیا تو دوران گفتگو بطور واقعہ فرمایا کہ کسی مشہور افریقی ملک کے وزیر جنگ نے جو غالباً دوسری عالم گیر جنگ میں بحیثیت جنرل بھی حصہ لیا ہوگا جس کا نام اور ملک افسوس کہ مجھے یاد نہ رہا، اس کتاب کو پڑھ کر ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا جو یقیناً ۱۹۴۷ء کے بعد ہی کا زمانہ ہوگا جس کے حیرت ناک الفاظ مجھے ابھی تک تازہ ہیں، درج ذیل کر رہا ہوں:

''ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں نے اگر ان چودہ سو سالوں میں کچھ نہ کیا ہو اور پھر کسی نے یہ کتاب لکھی ہو تو سب کی بخشائش کے لئے کافی ہے''۔

یہ بات سنتے ہی لاشعوری کیفیت میں مجھ سے یکا یک یہ جملہ نکل گیا کہ اس کتاب میں ایسی کیا خاص بات ہے تو ڈاکٹر صاحب نے بڑے تحمل اور مہربانی سے فرمایا کہ جب وہ یہ کتاب لکھتے ہوئے غزوۂ احد پر پہنچے تو معاً انہیں یہ خیال آیا کہ یہ جنگ مدینہ منورہ کے سامنے کے بجائے شہر کے پیچھے کیوں ہوئی؟ بس کیا تھا اس تشنگی کی خاطر لکھنا ملتوی کر دیا۔ حالانکہ بقول انہی کے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جنگ اسی میدان میں ہوئی اور اسی نام سے موسوم ہے۔ میدان احد اور جبل احد آج بھی اسی جگہ موجود ہیں چنانچہ اس کے بیس سال

Marfat.com

بعد موصوف کو بغرض ادائی حج ارض حجاز آنے کا موقع ملا تو یہاں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ کے تمام کتب خانے چھان لئے، لوگوں سے گفتگو کی یہاں تک کہ اطراف کی بستیوں کو جا جا کر مقامی بدوؤں سے بھی ملے کہ شاید یہ بات انہیں رواجاً سینہ بہ سینہ ملی ہو، مایوسی ہوئی لیکن بالآخران کی یہ حسن طلب مدینہ منورہ ہی میں ایک چھوٹی سی کتاب سے پوری ہوئی کہ جب کفار مکہ جنگ کے لئے نکلے تو ان کے پاس تیز رفتار سواریاں (گھوڑے اور اونٹ) بھی تھے تو انھوں نے طے کیا کہ سیدھے مدینہ کا رخ کرنے کے بجائے دور دور سے ہوتے ہوئے مدینہ کے پیچھے سے غفلت میں حملہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو جب انکشاف سے تشفی ہوئی تو وطن عزیز حیدرآباد دکن لوٹ کر اس اہم دستاویزی کتاب کو مکمل کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات شامل ہیں کتنی جستجو اور تحقیق سے لکھا۔ تب ہی تو اس وزیر جنگ اور فوجی جنرل نے ماہرانہ رائے سے اپنے دلی جذبات کا برملا اظہار کر دیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب جیسے غیور، باطل اور اعلیٰ کردار کی حامل شخصیت کے لئے کسی ایسی بات کا اظہار جس سے ان کی خودستائی ظاہر ہوتی ہو بہت محال تھا لیکن مسجد نبویؐ میں رمضان میں بہ حالت روزہ حقیقت پوشی بھی ان کے لئے ناممکن ہو کر رہی۔ مجھے خوش ہے کہ مجھ جیسا ناسمجھ، ضدی اس اہم انکشاف کا باعث بنا۔

اس ضمن میں آخری اور اہم تذکرہ کرتے ہوئے مضمون ختم کروں گا کہ مولانا ظفر احمد انصاری صاحب پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے شاید ۷۵۔۷۶ء میں خواہش کی تھی کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ اپنے سر میں بٹھایا ہوا قیمتی اثاثہ تنہا نکال سکیں اس لئے مناسب ہوگا کہ ان کو ایک درجن ایسے قابل نوجوان، پی ایچ ڈی جو ہونہار اور اس کام میں عملاً ذاتی دلچسپی بھی رکھتے ہوں اچھے معاوضہ اور عمدہ معاونین کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کئے جائیں تاکہ وہ جن مختلف موضوعات پر کتابوں کے حوالے دیں انھیں اس کے اقتباسات پیش کریں جس سے وہ اپنا تالیفی کام جلد مکمل کر سکیں۔ اس کے علاوہ موصوف سے کرید کرید کر قیمتی معلومات

Marfat.com

حاصل کر کے کتابی شکل دیں۔ اس تجویز کو بھٹو صاحب نے بخوشی قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ شاید کسی مناسب موقع کے انتظار یا تلاش میں رہے اور وقت نکل گیا۔ اب بھی تھوڑا وقت جو باقی ہے غنیمت ہے۔ کیا ہی اچھا ہو گا اگر کوئی اسلامی مملکت یا کم از کم چند اصحاب خیر و ثروت اس عظیم کام کی کمتر درجہ ہی کی سہی سرپرستی کا ذمہ لے لیں تو ایک بہت بڑی خدمت ہو گی۔

(بشکریہ مجلہ عثمانیہ، کراچی)

قرآن نے کوئی روحانی فریضہ ایسا نہیں عاید کیا ہے جس میں عقل سے اپیل نہ کی گئی ہو کہ غور کرو، سوچو اور سمجھنے کی کوشش کرو تا کہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ اس حکم کے بجا لانے سے ہمارا ہی فائدہ ہے۔ بار بار قرآن تنبیہ کرتا ہے کہ باپ دادا کی اندھی تقلید نہ کریں بلکہ آزادانہ طور پر غور کریں تا کہ ہم انفرادی اور شخصی طور پر اس قابل ہو سکیں کہ ہمارے اعمال کے ذمہ دار ہوں۔ آدمی کو چاہیے کہ جانوروں کی طرح جو دل میں آئے نہ کرے بلکہ عقل اور سمجھ سے بھی کام لے جو اللہ نے اس کو عطا کیے ہیں۔ جانوروں کو یہ چیزیں اللہ نے عطا نہیں کی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ کسی مذہبی کام کو ناقابل فہم اسرار قرار دے کر عقل کو علیحدہ چیز اور مذہب کو علیحدہ چیز نہ بنا لے اور صرف اعتقاد کی خاطر کسی چیز کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ وہ جو اعتقاد رکھے اس کے متعلق پوری طرح مطمئن ہو جائے کہ یہ اعتقاد صحیح ہے۔

("روزہ کیوں" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

Marfat.com

سیرت نبویہ ﷺ مصنّفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

ڈاکٹر شیخ عنایت اللّٰہ، سابق صدر شعبہء عربی اورینٹل کالج لاہور تھے۔ وہ عربی فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کا انتقال مورخہ ۴/نومبر ۱۹۷۷ء کو لاہور میں ہوا۔ انھوں نے ڈاکٹر محمّد حمیداللّٰہ کی سیرت طیّبہ ﷺ پر فرانسیسی زبان میں معروف کتاب کی اشاعت کے کچھ ہی بعداس کتاب اور ڈاکٹر صاحب کی دیگر علمی خدمات کے بارے میں ایک معلومات افزا مضمون لکھا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت جولائی ۱۹۶۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر عبدالرحمٰن مومن کے مطابق ڈاکٹر شیخ عنایت اللّٰہ نے اس کتاب کے فرانسیسی سے اردو ترجمے کا آغاز کر دیا تھا اور پچاس صفحات کا ترجمہ کر چکے تھے کہ وقتِ اجل آپہنچا۔ کئی برسوں بعد ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے اس کا فرانسیسی سے انگریزی ترجمہ کیا لیکن صرف پہلی جلد کا ترجمہ شایع ہو سکا کیونکہ دوسری جلد کا ترجمہ کمپیوٹر کی خرابی کی بنا پر ضایع ہو گیا۔ بعد ازاں اس پہلی جلد کے انگریزی ترجمے کا اردو ترجمہ لاہور سے شایع ہوا۔ اب تک اس کتاب کا مکمل ترجمہ ترکی اور یوگوسلاویہ کی بوشناق زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ترکی کے ایک معروف اخبار نے ڈاکٹر محمّد حمید اللّٰہ کے انتقال کے بعد مکمل ترکی ترجمے کے ۲ لاکھ نسخے بلاقیمت قارئین کو ہدیۃً پیش کیے تھے۔ (مرتّب)

''معارف'' کے صفحات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی سیرت نبویہ کا مختصر تذکرہ چند بار آچکا ہے جو فاضل موصوف نے حال ہی میں فرانسیسی زبان میں تالیف فرمائی ہے۔ میری طرح ان کے بہت سے دوسرے نیاز مند بھی اس اہم تصنیف کے بارے میں مزید تفصیلات حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔ مصنف علام نے جو چند جملے اس کے متعلق

Marfat.com

اپنے مکتوب گرامی مندرجہ معارف بابت دسمبر ۱۹۶۰ء میں لکھے ہیں وہ بھی کافی وشافی ثابت نہ ہوئے بلکہ ناظرین کے سمندِ شوق پر ان سے اور تازیانہ لگا۔ آخر کار میں نے وفورِ شوق سے مجبور ہو کر ایک طرف تو کیمبرج کے مشہور تاجر کتب ڈبلیو ہیفر اینڈ سنز کو کتاب کی بہم رسانی اور ترسیل کے لیے فرمایش بھیج دی اور دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کو ان کے پیرس کے پتہ پر لکھ بھیجا کہ آپ کی سیرت نبویہ کا ''معارف'' میں مختصر ذکر آیا ہے، براہ کرم اطلاع دیجئے کہ کتاب کا پورا عنوان کیا ہے اور اس کا ناشر کون ہے، تاکہ اس کے حصول میں آسانی رہے۔ اس استفسار کے جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب ہی بھیج دی جو راقم الحروف کو چند دن ہوئے بذریعہ ڈاک موصول ہوگئی ہے۔ اب میں اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ کتاب کی وصولی سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے اس میں ناظرینِ معارف کو بھی شریک کروں اور چند سطریں کتاب کے بارے میں بطور تعارف لکھوں جن سے دلدادگانِ سیرت کی تسکین کا قدرے سامان ہو جائے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف تقریباً تیس سال سے سیرت نبوی ﷺ کے متعلق نئے نئے عنوان قائم کر کے جدید معلومات فراہم کر رہے ہیں اور اس موضوع کے نئے نئے گوشے روشن کر رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک مدت دراز سے ریاضِ رسالت ﷺ میں نئے نئے پھول کھلا رہے ہیں اور مشتاقانِ رسول کے دیدہ و دل کو منور معطر کر رہے ہیں۔ اپنے مرغوب موضوع کی طرف وہ جس دلآویز انداز میں بار بار رجوع کرتے آئے ہیں اسے دیکھ کر عرب شاعر کی یہ بیت بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔

اَعِد ذِکْرَ نُعمانَ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ
ھُوَ اَلْمِسْکُ ما کرّر تہُ یتضوّعُ

ان ہی منتشر پھولوں کو جمع کر کے اب فاضل مذکور نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ایک خوبصورت گلدستہ تیار کیا ہے اور اسے اہلِ فرانس کی خدمت میں پیش کیا ہے جن کے ہاں وہ ایک مدت سے مقیم ہیں۔ انھوں نے اپنے میزبانوں کے پاسِ خاطر سے اسے فرانسیسی کا جامہ پہنایا ہے۔

Marfat.com

اگر چہ ڈاکٹر صاحب نے اس تالیف کے لیے فرانسیسی زبان اختیار کی ہے مگر بفضلِ خدا مشرق میں بھی ان کے بعض ایسے قدر دان بلکہ رمز شناس موجود ہیں جو ان کی ہر نوائے شیریں کو فردوس گوش بنانے کے لیے بیتاب ہیں۔

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر حق جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

ڈاکٹر صاحب کی تالیف کردہ سیرت نبویہ دو جلدوں میں منقسم ہے جن کی مجموعی ضخامت ۷۴۳ صفحات ہیں، صفحات کا شمار مسلسل ہے۔ اس تسلسل کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انڈکس میں صفحات کا اشارہ کافی ثابت ہوا، جلد کا ذکر غیر ضروری ٹھہرا۔ کتاب سفید کاغذ پر خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہی سنہ اشاعت ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء اور مقام طباعت و اشاعت پیرس ہے، ناشر کا پتہ اور پورا نام حاشیہ میں دیکھئے۔ پہلی جلد میں جو ۴۴۰ صفحات پر ختم ہوئی ہے، رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے واقعات کا بیان ہے، مضامین کی فہرست حسب ذیل ہے:

پیش لفظ، تدوین سیرت کی ضرورت مذہبی اور علمی نقطہء نظر سے، سیرت نبویہ کے مصادر و مآخذ، بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت مختلف اقطاع عالم کی حالت، قریش مکہ، ظہورِ قدسی، طفولیت اور ایامِ جوانی، حرب فجار، ازدواج، مذہبی شعور کی بیداری، بعثت، آغازِ تبلیغ، ہجرت حبشہ، قریش کا بنو ہاشم سے مقاطعہ، معراج النبی، مدینہ میں اشاعتِ اسلام، اشاعت اسلام میں عورتوں کا حصہ، میثاقِ مدینہ اور اس کا ترجمہ، قریش مکہ کے ساتھ تعلقات، سلسلہ غزوات (بدر، احد، احزاب وغیرہ)، صلح حدیبیہ، فتحِ مکہ، حجۃ الوداع، خطبہء حج، تبلیغی مراسلات بنام شاہانِ زمانہ، قبائل عرب کے ساتھ تعلقات، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ تعلقات، دیگر اہل مذاہب کے ساتھ تعلقات، صوبہ جات اور ان کی سرحدیں۔

دوسری جلد صفحہ ۴۴۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۷۴۳ پر ختم ہو جاتی ہے، فہرست مضامین حسب ذیل ہے:

رسول اکرم ﷺ کی خانگی زندگی، ازواجِ مطہرات، اصول الدین (القرآن، حدیث

Marfat.com

نبوی)، عقائد اسلامی، اخلاقی تعلیم، اصولِ معاشرت، نظامِ تعلیم، مکہ کی شہری مملکت، سلطنت کا اسلامی تصور، عدالتِ گستری، اقتصادی نظام (اسواق العرب، محاصل سلطنت، اخراجات کی مدات، حاکم کا صرفہء خاص، زکوٰۃ وصدقہ، تجارتی منڈیاں اور اجناس کے نرخنامے)، فوجی نظام، سفارت، سیاست نبوی کے چند بنیادی اصول، عہد نبوی کی طرز معاشرت، اسلام اور جمالیات، فنونِ لطیفہ، رسول اکرم ﷺ کی وفات اور تدفین، مسئلہ خلافت۔

ان میں اکثر مضامین ایسے ہیں جن کو فاضل مصنف اس سے پیشتر سپردِ قلم کر چکے ہیں مگر بعد میں نظر ثانی ترمیم ہوئی ہے چنانچہ بعض طویل مقالات کو کتاب کی موجودہ ضخامت اور گنجائش کی مناسبت سے قدرے مختصر کر دیا گیا ہے اور بعض کو پھیلا دیا ہے۔ بعض عنوانات نئے ہیں مثلاً فوجی نظام، سلطنت کی مالیات، تقسیم مملکت، صوبہ جات اور اضلاع میں اور ان کی سرحدیں وغیرہ۔

سیرت کے آخر میں ان تمام کتابوں کی فہرست ہے جن سے مصنف علاّم نے اپنی تالیف میں کام لیا ہے۔ اس فہرست میں جو سات صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے مروجہ سیرت وتاریخ کے علاوہ کتبِ حدیث کا وسیع ذخیرہ ہے اور دیگر متفرق قسم کی کتابیں ہیں جن میں سیرت نبوی ﷺ کے متعلق کارآمد معلومات ملتی ہیں۔ یہ طویل فہرست فاضل مصنف کی وسعتِ نظر پر شاہدِ عدل ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب کی غرض وغایت کو اور اسے فرانسیسی زبان میں تحریر کرنے کے سبب کو خود ہی اپنے مختصر مگر جامع پیش لفظ میں واضح کر دیا ہے، لہذا ان امور کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی بجائے یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ اس پیش لفظ کا ترجمہ ہدیہء ناظرین کر دیا جائے۔

"اگرچہ فرانسیسی زبان کا دامن ادبی خزانوں سے مالا مال ہے، مگر میری رائے میں اس میں ابھی تک سیرت نبوی ﷺ پر کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں رسول اکرم ﷺ کی زندگی اور ان کی تعلیم کا جامع بیان ہو۔ اسلام

Marfat.com

کا شمار دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں ہوتا ہے۔ اس مذہب کے بانی ﷺ کی سیرت کتابِ ہذا کا وہ موضوع ہے جو اہلِ تحقیق کے لیے کئی پہلوؤں سے جاذبِ توجہ ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں سیرت نبویہ پر ہزار ہا مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر تعجب ہے کہ وہ تنظیمی ادارے جو امت کی فلاح و بہبود کے لیے قائم ہوئے تھے محققین کی نگاہ سے اوجھل رہے ہیں۔ اس بارے میں جو تشنگی پائی جاتی ہے اس کو دور کرنے کی تالیفِ ہذا میں پہلی بار کوشش کی گئی ہے۔

سیرت نگاروں نے آج تک واقعات کے بیان میں بالعموم ترتیبِ زمانی کا لحاظ رکھا ہے مگر رسول خدا ﷺ چونکہ بہت سے اعداءِ دین کے ساتھ بیک وقت برسرِ پیکار رہے تھے اس لیے ان جماعتوں کے ساتھ آپ کے تعلقات کی جو نوعیت تھی، محض تسلسل زمانی کی پابندی سے اس کی بخوبی وضاحت نہیں ہو سکتی لہذا اس تالیف میں واقعات کو خاص موضوعات کے تحت الگ الگ ابواب میں جمع کیا گیا ہے۔ اس طریقِ کار سے کلام میں بعض اوقات قدرے تکرار ہو گئی ہے مگر اس سے بیان زیادہ مربوط اور زیادہ موثر بن گیا ہے۔

اس کتاب کی تحریر کا ایک سبب اور بھی ہے۔ مولف سوربون یعنی پیرس یونیورسٹی کا پرانا طالب علم ہے اور بارہ سال سے اہلِ فرانس کی مہمان نوازی سے محظوظ و مستفید ہو رہا ہے۔ اپنے میزبانوں کی مہربانی کے اعتراف کی مجھے اس سے بہتر اور احسن صورت نظر نہ آئی کہ میں اپنے قلم کے

Marfat.com

ذریعہ سے جو اس دنیا میں میرا واحد مال ومتاع ہے، اپنی
تیس سالہ مسلسل تحقیقات کے نتائج کو ان کی خدمت میں
پیش کروں۔ وہ تحقیقات جو سیرت کے اصلی مصادر ومآخذ
کے علاوہ دوسرے پیشرو محققین کی علمی کاوشوں پر بھی مبنی
ہیں۔''

مندرجہء بالا پیش لفظ میں چند ایک ایسے امور کی طرف اشارہ ہے جن کا ایک خاص پس منظر ہے۔ یہ پس منظر ''معارف'' کے بعض ناظرین سے پوشیدہ نہ ہوگا مگر اس موقع پر اگر میں چند گزارشات اس کے متعلق پیش کروں تو انھیں شاید بے محل تصور نہیں کیا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے ''قلم'' کی طرف جو لطیف اور دردانگیز اشارہ کیا ہے وہ ان کے نیازمندوں کے لیے بیحد رقّت انگیز ہے۔

اپنے قلم کا نام لیا تُو نے ہم نشیں
اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

۱۹۴۷ء کے انقلاب کے وقت ڈاکٹر صاحب حیدرآباد (دکن) سے باہر تھے، حالات نے اجازت نہ دی کہ وطن واپس جاسکیں۔ ان کا جو کچھ اثاثہ اور جو کچھ مادی اور معنوی مال ومتاع تھا وہیں رہ گیا، اور وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہے تھے۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بیخبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

مگر ہاں ایک چیز تھی جس کو زمانے کا ظالم وغاصب ہاتھ ان سے کسی صورت میں نہ چھین سکا اور وہ ان کا قلم معجز رقم تھا جس کو انھوں نے اپنے پیش لفظ میں اپنا واحد مال ومتاع کہا ہے۔ یہی وہ رشک انگیز قلم ہے جس کی انتھک روانی نے علم وفضل کے وہ دریا بہائے ہیں جن پر کوثر وتسنیم کا دھوکا ہوتا ہے۔

انقلابِ سیاسی وملکی کے بعد انھوں نے پیرس میں پناہ لی، پھر پاکستان کی دعوت پر

Marfat.com

دستور سازی کے سلسلے میں ایک مشیر خصوصی کی حیثیت سے سال ڈیڑھ سال کراچی میں بسر کیا، اور ایک مرتبہ ۱۹۵۰ء میں ایک علمی محفل کی شرکت کے لیے چند دن لاہور بھی تشریف لائے اور مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مجھے اس مردِ درویش کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، جس کا علمی انہماک فناء فی العلم کے درجے تک پہنچا ہوا ہے اور جس کے علمی کارناموں نے علمائے سلف کی یاد تازہ کر دی ہے:

مباش منکرِ غالب کر در زمانہءتست

ڈاکٹر صاحب کی مسلمہ فضیلت اور ان کی بین الاقوامی شہرت کی بنا پر پاکستان کے سرکاری اور علمی اداروں میں ہزار ڈیڑھ ہزار مشاہرہ کے کئی عہدے ان کے لیے چشم براہ تھے لیکن انھوں نے بغیر کسی پس وپیش کے بیش قرار مشاہروں سے منہ موڑا اور محض علم دوستی اور علم پروری کے جذبہ سے متاثر ہو کر دردیشی اور قناعت سے اپنا ناطہ جوڑا۔

پاکستان کو خیر باد کہہ کر اگر انھوں نے پھر پیرس کا رخ کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی وہاں کی یونیورسٹی میں اکتسابِ علم کر چکے تھے اور اپنے تجربہ کی بنا پر جانتے تھے کہ تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں جو علمی ذخیرے اور دوسرے وسائل ان کو پیرس میں میسر آ سکتے ہیں وہ کسی اور جگہ آسانی سے مہیا نہیں ہو سکتے۔ اندریں حالات اگر انھوں نے پیرس کو اپنے لیے بطور دار الہجرت اختیار کیا تو یہ حسنِ انتخاب نہ صرف ان کے حسنِ مذاق کی دلیل ہے بلکہ ان کی علمی خدمات کے پیشِ نظر قابلِ صد داد بھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے گذشتہ چند سالوں میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی نقطہءنظر سے نہ صرف قابلِ ذکر ہیں بلکہ لائق صد تحسین ہیں۔ اولاً انھوں نے ایک فرانسیسی ادیب کے ساتھ مل کر قرآن مجید کا فرانسیسی زبان مین ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے عربی متن کو سامنے رکھ کر اسے فرانسیسی میں منتقل کیا اور ان کے شریکِ کار نے محاورہ زبان اور سلاستِ بیان کے لحاظ سے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور ادبی نقطہءنظر سے اس کی نوک پلک درست کی اور اس اہتمام کے ساتھ آخر کار یہ ترجمہ فرنچ بک کلب (Club

Marfat.com

Francais du Livre) کی طرف سے شائع ہوا۔ اس سے قبل فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کے چند ترجمے موجود تھے، مثلاً Kasimirsky کا ترجمہ جو پہلی بار ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا اور پھر کئی مرتبہ چھپا۔ ابھی حال ہی میں پروفیسر بلاشیر (Blachere) اپنا جدید فرانسیسی ترجمہ دو جلدوں میں شائع کر چکے ہیں (مطبوعہ پیرس ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۱ء) مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب غالباً پہلے مسلمان فاضل ہیں جن کو کلام پاک کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس ترجمہ کی خاص خوبی اور اہمیت یہ ہے کہ فاضل مترجم نے ترجمہ کی صحت کے ساتھ ساتھ خالص اسلامی نقطۂ نظر کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی اغیار سے توقع رکھنا عبث ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا تازہ کارنامہ، علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) کی انساب الاشراف کی پہلی جلد کا ایڈٹ کرنا ہے۔ بلاذری تیسری صدی ہجری کا ایک نامور مورخ ہے جس کی فتوح البُلدان ایک عرصہ سے علمی حلقوں میں مشہور و متداول چلی آ رہی ہے، مگر اس کی مقابلہ میں انساب الاشراف ایک مطول کتاب ہے جس میں عربوں کی تاریخ، ان کے نامور خانوادوں کے اعتبار سے لکھی گئی ہے اور مختلف خاندانوں اور افراد کے تذکرہ کے ضمن میں اس کے عہد کی تاریخ بھی آ گئی ہے۔ ایک مدت ہوئی پروفیسر آلوت (Ahlwardt) نے اس کا ایک حصہ جرمنی سے شائع کیا تھا جس میں عبدالملک اموی کے عہدِ خلافت کا بیان ہے، پھر بیت المقدس کی عبرانی یونیورسٹی (Hebrew University) کی طرف سے اس کے دو حصے اور شائع ہوئے جو بنوامیّہ خصوصاً حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے متعلق ہیں۔ چونکہ وہاں اس کی آئندہ اشاعت کا کام رُک گیا ہے اس لیے اب مصری فضلاء کی ایک کمیٹی نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی قیادت میں اس اہم تاریخی کتاب کی مکمل اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس نئے بندوبست کے مطابق پہلی جلد کی تصحیح و ترتیب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے سپرد ہوئی جو قاہرہ کے مشہور ناشرین دار المعارف کی طرف سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے اور اشاریوں اور فہرستوں کو شامل کر کے ۷۲۲ صفحات میں ختم ہوئی ہے۔ چونکہ انساب الاشراف کی ابتدا بنو ہاشم سے ہوتی ہے اور

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ کے حالات کے ضمن میں عہدِ رسالت کی پوری تاریخ آ گئی ہے اس لیے کتاب کی پہلی جلد سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے۔ بلاذری دیگر مورخین مثلاً محمد بن اسحٰق، الواقدی اور محمد بن سعد سے متاخر بلکہ ایک حد تک ان کا خوشہ چین ہے مگر اس نے دیگر ثقہ لوگوں سے بھی روایت کی ہے لہٰذا اس کی تالیف کا ابتدائی حصہ سیرت نبوی ﷺ کے اہم مآخذ میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی وسیع اور وافر معلومات کی بدولت اس حصہ کو بڑی خوبی سے ترتیب دیا ہے، اس لیے اس حصہ کی اشاعت کو بھی ان کی ان خدمات میں شمار کرنا چاہیے، جن کا تعلق سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا تیسرا تازہ کارنامہ فرانسیسی زبان میں سیرتِ نبویہ کی تالیف ہے، جس کے تعارف کی غرض سے یہ سطور سپردِ قلم ہوئی ہیں۔ متفرق مضامین جو آپ نے اس دوران میں علمی رسالوں میں لکھے ان پر مستزاد ہیں اور پھر توفیقِ الٰہی اور تائیدِ ایزدی کی شانِ کریمی دیکھئے کہ فاضل موصوف نے یہ تمام اسلامی اور ملی خدمات اس زندلم یزل کے پہلو میں بیٹھ کر ادا کی ہیں جس کا نام فرانس ہے۔ اہلِ پیرس کی رنگینی ان کے بے نظیر شہر کو رات کے وقت بقعہء نور بنا دیتی ہے اور لوگ اسے مدینۃ النور کہتے ہیں، جہاں کا ہر ذرہ زائرین کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اس شہر سے آفتابِ علم کی کرنیں بھی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں جو دور دور تک اقطاعِ عالم کو روشن کرتی ہیں۔ وہاں کی عشرت گاہوں اور نگارخانوں کے افسانے تو زبان زدِ خاص وعام ہیں مگر عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ کبھی کبھی وہاں کے علمی اداروں اور ثقافتی مرکزوں کا بھی تذکرہ ہوجائے جو دنیا میں فقید المثال ہیں۔ سب سے پہلے وہاں کا قومی کتب خانہ Bilblioetheque Nationale قابل ذکر ہے جس پر اہلِ فرانس کو بجا طور پر ناز ہے اور جس میں علاوہ دیگر علمی ذخیروں کے مشرقی زبانوں کی لاکھوں مطبوعہ کتابیں اور ہزاروں نادر قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ وہاں سوربون Sorbonne کی یونیورسٹی ہے جہاں ہر علم وفن کے مستند اور قابل ترین اساتذہ سینکڑوں کی تعداد میں لیکچر دیتے ہیں اور علم کے دریا تے ہیں۔ پھر اسی یونیورسٹی کا ایک مخصوص معہد یا ادارہ ہے جسے Institut des

Marfat.com

etu des Islamiques کہتے ہیں اور جہاں خاص اسلامیات یعنی اسلامی علوم کے متعلق تحقیقی کام ہوتا ہے۔ پروفیسر بلاشیر آجکل اسکے مدیر اعلیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں مشرقی زبانوں کا ایک علیحدہ مستقل مدرسہ ہے جو (Ecole des langues orientales veranles) کے نام سے ۱۷۹۵ء سے قائم ہے اور درس وتدریس کے علاوہ مشرقی زبانوں اور ادبیات کے متعلق اعلیٰ پایہ کی سینکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے۔ ان اداروں کے علاوہ کئی ایسی سوسائٹیاں ہیں جہاں مستشرقین جمع ہو کر تبادلہء خیالات کرتے ہیں اور باہمی تعاون سے علم کی حدود کو آئے دن وسیع کرتے رہتے ہیں، مثلاً فرانس کی Societe Asiatique ۱۸۲۲ء سے مصروف عمل ہے جس کا مشہور مجلّہ Journal Asiatique تقریباً ۱۴۰ سال سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور بیش بہا معلومات کا خزینہ ہے۔ ایک خاص رسالہ اسلامی مسائل اور مباحث کے متعلق ہے جو ۱۹۲۷ء سے پروفیسر ماسینیون Massignon کی ادارت میں Revue des Etudes Islamiques کے نام سے شائع ہو رہا ہے اور اس سے پہلے Revue du monde Musaulman کے نام سے معروف تھا۔ ایک رسالہ Arabica کے نام سے علوم عربیہ کے ساتھ مخصوص ہے، جسے پروفیسر لوی پرووانسال L e v i Provencal نے 1954 میں جاری کیا اور جس میں عربی زبان کے اساتذہ اور محققین اپنے مقالات شائع کرتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ پیرس میں کئی عجائب خانے ہیں جن میں مشرقی صنعت وحرفت اور فنونِ لطیفہ کے اعلیٰ اور نادر نمونے موجود ہیں جن سے ان علوم کی تحقیق سے کام لیا جاتا ہے۔ غرض پیرس نہ صرف اپنے ظاہری جمال کے لحاظ سے عروس البلاد ہے بلکہ علمی کمال کے اعتبار سے بھی قبۃ العالم کہلانے کا مستحق ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ اخلاقِ حسنہ کا پرتو، جہد و ایثار کی مثال

از پروفیسر مرزا محمد منور

حضرت مولانا روم نے فرمایا ہے:

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود

ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود

وہ جو فقط پیٹ ہی بھرنے کو حیات کا فریضہ جانتا ہے حیوانی موت سے دوچار ہوتا ہے اور وہ جو اپنے اندر قرآنی انوار جذب کر لیتا ہے قرآن بن جاتا ہے۔ قرآن کریم نے خود اپنے آپ کو شفا اور رحمت قرار دیا۔ قرآن اکرم نے حضور نبی کریم ﷺ کو نور رحمۃ للعالمین اور رؤف الرحیم بتایا۔ پھر قدرتی امر ہے کہ جو فردِ آدم جس قدر قرآن و سیرت سے قریب ہوگا اتنا ہی اس کا وجود نور، رحمت، رافت اور شفا کا مجسمہ بنتا چلا جائے گا۔ ایسے شخص کی گفتگو واقعی اللہ کی رحمت اور برکت ہونی چاہیے، ایسے شخص کے قرب سے شفائے روحانی میسر آنی چاہیے، ایسے شخص کی آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلنی چاہییں۔ آخر قرآن کی تعلیم و ہدایت کا تقاضا لازماً یہ ہے نا کہ آدمی اخلاقِ الٰہی اپنے اندر سموئے اور بجا کہ اس اخلاق الٰہی کی مجسم مثال اور اس کا محسوس پیکر حضور نبی اعظم ﷺ کی سیرت مطہرہ ہے، گویا قرآن سے خود عکس عملاً اخلاق الٰہی اور اسوۂ حسنہ نبویہ ﷺ کے نور، خوشبو اور برکت کا مالک ہونا چاہیے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

Marfat.com

عکس اور برکن مثالِ او شوی
در جہاں عکسِ جمالِ او شوی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس وقت چوراسی برس کے ہیں۔ انھوں نے ہوش وحواس کی زندگی کا تقریباً سارا حصہ علم دین کے حصول اور خدمتِ دینِ رسول ﷺ میں بسر کر دیا۔ اب خود اپنی عمر ستر برس ہونے کو ہے، کوئی فرد اس طرح دین میں مستغرق نہیں گزرا، کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو ڈاکٹر صاحب کی طرح ایثار کا مجسمہ ہو، جس کو مادی حرص چھو کے بھی نہ گئی ہو اور جس نے کبھی ذرہ بھر بھی مالی خوشحالی کا دھندلا سا خیال بھی پاس نہ پھٹکنے دیا ہو۔ حضور نبی اعظم ﷺ نے فرمایا تھا الفَقْرُ فَقْرِی درویشی میرا افتخار ہے۔ حق یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کو جو بھی جانتا ہے، اس امر کا فی البدیہ اظہار کرتا ہے کہ ایسا مردِ درویش اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ہاں، اسلاف کرام میں ان جیسی بلکہ ان سے بھی برتر اور حسین تر مثالوں کا ذکر پڑھا ہے، وہ ذکر ٹھیک ہی ہوگا، ڈاکٹر صاحب کی سیرت کو دیکھ کر ان مجسم ایثار انکسار درویش کے باب میں بیان کردہ اوصاف کی تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب عملاً گویا مصدق ہیں اس کے کہ امت مسلمہ نے علم دین، بے غرض تبلیغ اور بے لوث خدمت اور بے پناہ ایثار کے مالک وہ وہ عالی شان افراد پیدا کیے ہیں جو دیگر امتوں نے شاید ہی پیدا کیے ہوں اور اصل نکتے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ تارک الدنیا راہب یا سادھو نہ ہوں، یہ مصروف معلم تھے اور یہ معلم علم ہی نہ تھے معلمِ تربیت بھی تھے۔ دیگر امتوں کے پاس قرآنی اقدار کے انوار نہ تھے، دیگر امتوں کے پاس اسوۂ حسنہ نبی اکرم ﷺ کی نعمتِ غیر مترقبہ نہ تھی۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر خداوند قدوس ورحیم کی یہ خاص عنایت ہے کہ وہ اپنی علمی روحانی کمائی بھی اور علم کی عطا کردہ مادی دولت بھی دوسروں پر بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے آغاز ہی میں متقی اہل ایمان کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بتائی گئی

Marfat.com

ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں، اس رزق میں اللہ کی ہر نعمت شامل ہے، نعمتِ علم بھی۔ ڈاکٹر صاحب نے ذوق وشوق سے اپنے خزانہء علمی کو مفت بانٹا، حیدر آباد (دکن)، بون اور پیرس سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں مگر ان کو نہ منصب کا زینہ بنایا اور نہ مادی خوشحالی اور وجاہت کا۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ اہل ایمان اپنی شدید ضرورت پر بھی دوسرے اہل ضرورت کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں، بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانے میں قرآن کے اس اصول کی عملی مثال اگر اپنی نظروں سے گزری ہے تو وہ فقط ڈاکٹر صاحب کی مثال ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرانس میں سالہائے دراز تعلیم دی، بہت بڑی تنخواہ پائی، اب بھی یقیناً بہت بڑی پنشن ہوگی لیکن ڈاکٹر صاحب نے سبزی اور چپاتی سے بڑھ کر اپنی خوراک کو پھیلنے نہ دیا، تنخواہ بھی مسلمان اہل حاجت خصوصاً طلبہ پر خرچ کر دیتے تھے اور آج بھی یہی حال ہے، کتابوں کی رائلٹی بھی اہل حاجت طلبہ پر صرف ہو جاتی ہے اور جو بھی ہدیہ یا انعام کسی اسلامی حکومت یا کسی اسلامی ادارے کی طرف سے ملا وہ بھی طلبہ کے لیے یا لائبریری کے لیے یا شعبہء اسلامیات وعربی کے لیے بخش دیا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہاولپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب قیوم قریشی کی طرف سے دیا گیا ہدیہ وہیں اسی جامعہ کے اسلامی وعربی شعبے کو دے دیا، شہید ضیاء الحق صدر پاکستان نے غالباً دس لاکھ کا ایوارڈ دیا وہ اسلام آباد کی بین الاسلامی لائبریری کو ہدیہ کر دیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ایثار کا ذہنی وعملی سلسلہء نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ تک پہنچتا ہے۔ اہل زر کے سلسلہء خاکبازی کے نسب نامے میں نمایاں ترین نام قارون کا ہے۔ حضرت سعدیؒ نے گلستان میں رقم کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے قارورن سے کہا: ''جس طرح اللہ نے تم پر احسان اور بخشش فرمائی ہے اس طرح تو بھی احسان اور بخشش کو اپنا رویہ بنالے''۔ قارون نے نہ سنا، پھر تو نے سنا کہ قارون کی عاقبت کیا تھی؟ ہم دنیاداری میں کدوکاوش کرتے ہیں، حلال راہ سے تو وہ قطعاً جائز ہے لیکن ہم اپنے مال کے مملوک بن کر رہ جاتے ہیں، ہم اپنے اپنے دور کے قارونوں کی نقل کرتے ہیں، کروڑ پتی ارب پتی اور کھرب پتی بن کر دکھانا چاہتے ہیں لیکن کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ جس

Marfat.com

نبوی ﷺ فقر کے وارث ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں، ان کی بھی پیروی کی جائے۔ کبھی کسی نے سوچا کہ قارون کے بجائے اسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ بننا چاہیے؟

اس مادی دور اور اس زمانہء جاہ پرستی میں مالی کمائی اور نمائش اور تکبر کا ذوق اور ولولہ بہت بڑھ گیا ہے۔ اہل زر اور اہل جاگیر کو تو چھوڑیں وہ تو ایسی قابل رحم مخلوق ہیں جن کو انسانی اقدار کے معیار پر جانچنا ان کی حیونیت کی توہین ہے، دکھ اس بات کا ہے کہ اہل علم اور پھر علم دین کے خزینہ دار بھی تمکنت و رعونت کا رویہ و اسلوب، اختیار کیے ہوئے ہیں، عام لباس گوارا نہیں، عام چال گوارا نہیں، عام گفتگو گوارا نہیں، عام رہن سہن گوارا نہیں، عام سوال و جواب گوارا نہیں، وہ ایک کہاوت ہے: ''مولوی صاحب، آپ کچھ پڑھے لکھے ہیں؟'' جواب ملا ''اگر پڑھے لکھے نہیں تو پھر جلے بھنے کیوں رہتے ہیں؟''۔ مولانا حالی نے اپنے مسدس میں ان کا نقشہ کھینچا تھا اور آخر میں طنزاً کہا تھا:

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلقِ رسول امیں ﷺ کے

آج مولانا حالی کے پیش کردہ خلق علماء دین کا رنگ اور بھی تیز ہو گیا ہے اس لیے کہ حالی کے دور میں مادی اور وجاہتی دوڑ اتنی شدید نہ تھی جتنی اب ہے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر حمید اللہ عجز و انکسار کی تصویر ہیں، ہاں عقیدہ اور ایمان کے ضمن میں کوہ پیکر۔

چند ماہ ہوئے راقم سطور اپنے دو عزیزوں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور محمد سہیل عمر کے ہمراہ پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا، ڈاکٹر صاحب موجود نہ تھے۔ پتہ چلا کہ وہ کسی مسجد میں جا کے صبح صبح ہی بیٹھ جاتے ہیں اور دین کی تعلیم کے خواہاں حضرات کے سوالات کے جوابات عرض کرتے ہیں اور اگر کوئی اسلام قبول کرنے آجائے تو اسے اسلام کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ہمسایوں کو ہم کارڈ دے آئے، ڈاکٹر صاحب ہم سے ملنے ہمارے ہوٹل پر پہنچے، ہم موجود نہ تھے، بہر حال دو بار یہی ہوا۔ ڈاکٹر صاحب پیرانہ سالی اور مصروفیت کے باوصف درِ دولت پر حاضر ہونے والے کو تلاش کرتے ہیں اور جوابی ملاقات کا فرض پورا کر کے اور قرض اتار کے رہتے ہیں۔

Marfat.com

بہر حال ڈاکٹر صاحب کی زیارت بفضلِ خدا میسر آ گئی، ڈاکٹر صاحب نے ہمیں ہماری رہائش گاہ پر تلاش کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو پاکستان میں قبل ازاں بھی تین چار بار دیکھا تھا مگر ڈاکٹر صاحب کو تو بار بار دیکھنے کا شوق رہتا ہے۔ ان کی زیارت کر لینا شادابیِ ایمان کا باعث ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے اس ملاقات میں کئی باتیں ہوئیں، یہ ملاقات گھنٹہ بھر رہی۔ ملاقات میں ہونے والی باتیں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے مفصل لکھ لی تھیں، ممکن ہے وہ کسی وقت شائع کرا دیں۔ ایک بات میں نے یہ بھی پوچھی تھی کہ آیا یہ سچ بتایا جاتا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے والوں میں ہزاروں گورے فرانسیسی شامل ہیں تو بڑے انکسار کے ساتھ فرمایا: ''ہزاروں نہیں البتہ سینکڑوں اہل مغرب نے میرے ہاتھ پر قبول اسلام کیا ہے''۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ گورے سب پڑھے لکھے لوگ تھے ،مرد و زن، ڈاکٹر انجینئر، سائنس کے معلمین، ماہرین علوم اجتماع اور فیلسوف حضرات و خواتین۔ اور خود ڈاکٹر صاحب سے متاثر اہل علم و دانش کے باعث جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ان کی تعداد یقیناً ہزاروں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب لوگ از راہِ اخلاص اسلام قبول کر رہے ہیں، کسی دنیوی حرص و ہوس کے باعث نہیں۔ دنیوی اعتبار سے مسلمان دے بھی کیا سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو بڑے آرام بڑے آرام سے یوں ہو رہا ہے کہ ایک ان پڑھ شخص اپنا مسیحی نام تبدیل کر کے اسلامی نام رکھ لیتا ہے، اسے مسلمان ہونے کی سند مل جاتی ہے اور وہ خلیجی اور دیگر عرب ممالک میں بے پایاں دولت کمانے چلا جاتا ہے، واپس آ کر پھر گرجے کی رونق بن جاتا ہے۔ سب کا نہ سہی لیکن کثیر تعداد کا یہی حال ہے۔

بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس وقت دنیا کے عظیم مبلغِ اسلام ہیں جن کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت اور خصوصاً سلوک درویشی اور فقر لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا، فرانسیسی میں دو جلدوں میں سیرت نبی اعظم ﷺ قلمبند فرمائی۔ دیگر اہم اسلامی موضوعات پر جو مقالے مختلف زبانوں میں تحریر کیے وہ سینکڑوں میں ہیں۔ ہمارے ملک میں ان کی اہم یادگار 'خطباتِ بہاولپور' ہیں جن کے باب میں ہم اس دور کے وائس چانسلر بہاولپور یونیورسٹی

Marfat.com

پروفیسر عبدالقیوم قریشی کے ممنونِ احسان ہیں۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔

ڈاکٹر صاحب کے پاس نہ فون ہے نہ کار، نہ مکان ہے، وہ فقط ایک ننھے سے کمرے میں رہتے ہیں۔ اسی میں ایک گوشہ انکے کچن نے سنبھال رکھا ہے جس میں سبزی پکا لیتے ہیں اور چپاتی یا ٹوسٹ گرم کر لیتے ہیں، گوشت نہیں کھاتے، کپڑے سادہ سے بھی کم تر، جب ہم سے ملنے آئے تو ان کے گرم اوورکوٹ کی ایک آستین پر پیوند سا لگا دکھائی دیتا تھا۔ کتابوں نے کمرے کی دیواروں کو چھت تک چھپا رکھا ہے، فرش پر بھی کتابیں، کتابوں پر بھی کتابیں۔ ڈاکٹر صاحب خدا جانے سونے کے لیے اس کمرے میں کیسے جگہ بنا لیتے ہیں؟ ہمیں کمرے کا یہ حال ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب نے بتایا، وہی ہمیں ڈاکٹر صاحب کی بارگاہ تک لے گئے تھے۔ کمرا خود ہم نے نہیں دیکھا۔

یہی ہے وہ درویشی جس پر عکس جمال ہے الفَقْرُ فَقْرِی کا ورنہ ڈاکٹر صاحب کو جو دولت ملی اس کے طفیل وہ پیرس میں کسی محل نما مکان میں رہ رہے ہوتے، فون اور کار میسر ہوتے، ملاقاتی کو گھنٹی بجانا پڑتی، کوئی ملازم یا ملازمہ آ کر تحقیقاتی انداز میں نام پتہ اور مقصد ملاقات پوچھتی اور پھر نہ جانے تیسری کوشش میں بھی بار ملاقات میسر آتا یا نہ اور ملاقات بھی یوں ہوتی کہ مغرور علمائے دین کی طرح گردن کی رگِ رعونت تنی ہوتی، یہاں یہ حال ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے والا ہر شخص بظاہر اس صورت حال سے دوچار ہوتا ہے کہ گویا وہ بڑا ہے اور ڈاکٹر صاحب چھوٹے ہیں۔ مولانا حالی کا شعر یاد آتا ہے:

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۲ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ایک یادگار ملاقات

از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نامور ماہر اقبالیات اور سابق صدر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور ہیں. انھوں نے پروفیسر مرزا محمّد منور اور محمّد سہیل عمر کی معیّت میں نومبر ۱۹۹۱ء میں عالمی اقبال کانفرنس منعقدہ قرطبہ میں شرکت کی خاطر اسپین کا سفر کیا تھا. اسپین سے پاکستان واپس آتے ہوئے پرپیرس میں ڈاکٹر محمّد حمید اللّٰہ مرحوم سے ۷/دسمبر ۱۹۹۱ کو ایک یادگار ملاقات کی. اس ملاقات کی روداد ہاشمی صاحب نے اپنے سفر نامے 'پوشیدہ تری خاک میں' میں شامل کی ہے. ہم ہاشمی صاحب کے تہِ دل سے مشکور ہیں کہ انھوں نے اِس یادگار ملاقات کی یہ روداد پیش نظر کتاب میں شامل کرنے کی بخوشی اجازت عطا فرمائی (مرتّب)

ہم ہوٹل اکادیمیہ کے کمرہ ۵ میں بالکل تیار اور منتظر بیٹھے تھے۔ ۵ بج کر چالیس منت پر مغرب کے کچھ ہی دیر بعد، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محبت اور احترام و اشتیاق کی نظر ان پر مرکوز تھی۔ ایک دبلا پتلا اور دھان پان آدمی، اوورکوٹ، فلر، جناح کیپ سے مماثل سیاہ ٹوپی، ڈاڑھی کے بال زیادہ تر سیاہ، ایک مایہ ناز شخصیت اور قابل فخر انسان، جس کی ساری زندگی خدمتِ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف رہی اور جو بہ ایں پیرانہ سالی آج بھی جوانوں کی طرح، بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سرگرمِ عمل ہے۔

علیک سلیک ہوئی۔ چند خیر مقدمی جملوں کے بعد ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ زحمت کر کے یہاں پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب ثقلِ سماعت کے سبب اونچا سنتے ہیں مگر گفتگو آہستہ آہستہ اور دھیمے لہجے میں کرتے ہیں۔

Marfat.com

خیر خیریت اور احوال پرسی کے بعد، ہمارے استفسارات پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا: ''میں چالیس سال سے یہاں ہوں..... میری شہریت فرانس کی نہیں، حیدر آباد کی بھی نہیں، بے وطن ہوں، میرے پاس کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں بس ٹریولنگ پیپرز ہیں جو فرانسیسی حکومت نے دیے ہیں، ان پر سفر کرتا ہوں۔''

سوال: فرانس کی شہریت کے لیے آپ نے کبھی مطالبہ نہیں کیا؟''

جواب: ''نہیں، معلوم نہیں کیوں؟ لیکن بہر حال کبھی نہیں کیا۔''

فرانس میں اسلام اور نو مسلموں کا ذکر چل نکلا۔ کہنے لگے: ''جی ہاں، بلا مبالغہ میرے ہاتھ پر سیکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا ہوگا، ان میں ہر طبقے کے لوگ ہیں: طلبہ، پروفیسر، عالم فاضل لوگ، کچھ سفیر بھی، نانبائی بھی اور اگر آپ یقین کریں تو پیرس میں بعض پادری اور نن بھی مسلمان ہوئے ہیں۔ الحمد للہ، ان میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہمارے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کیا جائے اور اگر ہمیں نام دینے کے ضرورت ہو تو بلا اجازت ہمارا نام نہ دیں۔''

مرزا صاحب: ''کیا ان کے بچے بھی مسلمان ہو جاتے ہیں؟''

جواب: ''جی ہاں، ان کا فورنیم بھی ہوتا ہے، جو اسلامی ہوتا ہے۔ یعنی عبداللہ، عبدالرحیم وغیرہ، لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ ویسے میں کہتا ہوں کہ بچے ماں باپ کے نگران ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ اسلام پر عمل کرتے ہیں تو بچے از خود تقلید کرتے ہیں۔ ان کے بہکنے کا امکان کم ہوتا ہے لیکن اگر ماں باپ خود عمل نہ کرتے ہوں اور چاہیں کہ بچے اولیاء اللہ بن جائیں تو.....''

مرزا صاحب: ''نو مسلموں کے لیے یا بچوں کے لیے دینی تعلیم کا کوئی بندوبست؟''

جواب: ''ادارے ہیں، مساجد ہیں، یہ ان کی مرضی ہے، چاہیں تو پڑھنے کے لیے آسکتے ہیں۔ بعض مساجد میں بچے اور بچیوں کے لیے شام کے اوقات میں بھی انتظام ہے۔ اتوار کی صبح بھی اہتمام ہوتا ہے۔''

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تصانیف کا ذکر آ گیا، فرانسیسی میں ان کا ترجمۂ قرآن اور سیرت النبی ﷺ بارہا چھپے ہیں۔ سیرت کا متعدد زبانوں میں ترجمہ

Marfat.com

ہو چکا ہے۔ان کی ایک کتاب Introduction to Islam کا ترجمہ ۲۰، ۲۲ زبانوں میں ہو چکا ہے۔اس کی تالیف کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ایک بار بتایا کہ:

''ایک دن میرے پاس امریکہ سے ایک گم نام شخص کا خط آیا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں ایک کالا انسان ہوں، میں نے کسی وجہ سے اسلام قبول کیا، لیکن تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے میں اپنے اس نئے مذہب سے متعلق معلومات حاصل کرسکوں، اگر آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہے تو مجھے بتایئے۔میں نے غور وخوض کے بعد یہ محسوس کیا کہ اسلام سے متعلق کوئی جامع کتاب نہیں پائی جاتی، انگریزی میں اور نہ فرانسیسی زبان میں۔میرے لیے آسان طریقہ تو یہ تھا کہ میں اس کالے شخص کو معذرت کا خط لکھ دیتا لیکن میں نے خیال کیا کہ اگر جامع کتاب نہیں ہے تو اسے لکھنا ہم پر فرض ہے، ہمیں یہ فرض ادا کرنا چاہیے۔

میں نے ایک دن اپنے دوستوں میں سے ۱۰، ۱۲، کو اپنے ہاں مدعو کیا اور انھیں کالے کا خط دکھایا اور ان سے کہا کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم ایک جامع کتاب تیار کریں جس میں اسلام کی ہر ضرورت کا مختصر طور پر ذکر ہو، لیکن یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں، ہم ۱۰، ۱۲، دوست مل کر اس کام کو انجام دیں، ان شاء اللہ خدا ہمیں اس کا اجر دے گا۔دوستوں نے میرے اس خیال کی تائید کی اور مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے اور کہا کہ تین ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔چنانچہ ہر ایک میں ایک ایک باب تقسیم کر دیا گیا۔مذکورہ ۱۰، ۱۲ دوستوں میں بھارت، مصر، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمان شامل تھے۔یہ کام شروع کیا گیا اور میں نے تین ماہ میں اپنے حصے کا کام مکمل کر لیا۔جب میں نے دوسروں سے معلوم کیا تو ہر ایک نے مجھ سے کہا معاف کیجئے ہمیں مزید کچھ وقت دیجیے ہم جلد اسے مکمل کر لیں گے۔چونکہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا، اس لیے میں نے دوسرے باب پر لکھنا شروع کیا ایک ماہ گزرنے کے بعد میں نے پھر اپنے دوستوں سے کام کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے پھر وہی جواب دیا، چنانچہ میں نے دوسرا اور تیسرا باب بھی لکھ ڈالا۔آخر کار سارے باب میں نے ہی لکھے اور اس طرح کتاب مکمل ہو گئی جو میری خواہش کے بغیر ایک ہی

Marfat.com

مولف کے خیالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح خدا نے خیالات میں یکسانیت uniformity of ideas پیدا کرنے کا انتظام فرمادیا۔"

ڈاکٹر صاحب کثیر التصانیف عالم ہیں، ان کی علمی و تحقیقی خدمات کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ ان کی بیسیوں کتابیں، دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر خلقِ خدا کے لیے فیض یابی کا ذریعہ بن رہی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ متعدد تراجم اور بعض ایڈیشن خود ان کے علم میں بھی نہیں آتے۔ میں نے ان کی سیرت کے ایک ملخص اردو ترجمے کا ذکر کیا جو دس بارہ سال پہلے کراچی سے چھپا تھا، انھیں اس کا علم نہ تھا۔ ان کی درویش منشی کا یہ عالم ہے کہ کتابوں کی آمدنی اور رائلٹی کو انھوں نے مالی فائدہ یا آسودگی کا ذریعہ نہیں بنایا، سب کچھ طلبہ یا تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو ہدیہ کر دیتے ہیں۔

ان کی زندگی سادگی اور فقر و درویشی کی ایک مثال ہے۔ بتانے لگے کہ گوشت نہیں کھاتا کیوں کہ یہاں کا ذبیحہ، میرے نزدیک مشکوک ہے۔ وہ خود ہی، اپنے کمرے میں دال، دلیا بنا لیتے ہیں یا ٹوسٹ اور دودھ گرم کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ان کے اوورکوٹ پر پیوند لگا ہوا تھا۔

بزمی صاحب، کچھ کہنے کے لیے منتظر اور بے تاب تھے.....

"ڈاکٹر صاحب، میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ یہاں حاضر ہوا، اور آپ سے ملاقات کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی۔"

ڈاکٹر صاحب: "میں بھی مشرف ہوا ہوں"

عبدالرحمٰن بزمی: "اور آپ سے مجھے بہت پرانی عقیدت ہے۔ میں "صدق" پڑھتا رہا ہوں۔"

ڈاکٹر حمید اللہ: "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں"

عبدالرحمٰن بزمی: "نہیں یہ بات نہیں ہے خدا نے آپ کو جو....."

ڈاکٹر حمید اللہ: "میں تو بس خدمت کہہ سکتا ہوں"

عبدالرحمٰن بزمی: "آپ کی جو شخصیت ہے، آپ کا مقام و مرتبہ ہے، علمی دنیا میں جو آپ کا

Marfat.com

اعتراف ہے، وہ اپنی جگہ بالکل مسلم ہے۔ اللہ نے توفیق عطا کی ہے تو یہ بڑی بات ہے۔ میں ۱۹۵۰ء سے 'صدق' منگا کر پڑھتا رہا یہ آپ سے غائبانہ تعارف کا ایک ذریعہ بن گیا کیوں کہ اس میں آپ کی کسی خدمت یا تصنیف کا ذکر ہوتا تھا۔ میں گذشتہ ۱۹ برسوں سے انگلستان میں مقیم ہوں اور کئی بار سوچا کہ آپ سے ملاقات کے لیے پیرس آؤں، لیکن ہر چیز کا ایک وقت معین ہے۔ آج ملاقات ہوئی ہے"

مرزا صاحب: "الحمد اللہ، الحمد اللہ..... اللہ ڈاکٹر صاحب کو خوش رکھے۔ آپ نے اس ضعیف العمری میں اتنی تکلیف اٹھائی۔ راستہ بھی دور کا ہے۔"

ڈاکٹر حمید اللہ: "میں پیدل نہیں آیا، میٹرو میں آیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی چل پھر سکتا ہوں۔"

ذرا سا توقف ہوا..... میں نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا: "کیا آپ کبھی علامہ اقبال سے بھی ملے؟"

ڈاکٹر حمید اللہ: "پہلی بار لاہور آیا تھا تو اقبال زندہ تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ وہ لیٹے رہتے تھے، نئے ملاقاتی آتے، سلام کرتے، کچھ دیر بعد چلے جاتے۔ اجازت کا کوئی سوال نہ تھا، دربارِ عام تھا۔ اسی طرح میں بھی ایک دوست کے ساتھ ان کے ہاں گیا۔"

مرزا محمد منور: "ڈاکٹر صاحب یہ کون سے سنہ کی بات ہے؟ ۳۷ء کی بات ہوگی؟"

ڈاکٹر حمید اللہ: "بہت پرانی بات ہے۔ ۱۹۳۲ء کی بات ہوگی۔ اس وقت صحیح طور پر یاد نہیں ہے۔"

مرزا محمد منور: "ان سے کوئی بات ہوئی؟"

ڈاکٹر حمید اللہ: "بس مختصر سی، میں نے کہا: مجھے قانون سے دلچسپی ہے، فیکلٹی آف لا کا طالب علم ہوں تو کہنے لگے: یہ بڑی اہم چیز ہے، اس میں تلاش اور کوشش جاری رکھو۔ اس وقت ان کے پاس کچھ اور دوست اور رفیق بھی موجود تھے، منشی طاہر دین بھی تھے۔"

اسی زمانے میں ڈاکٹر حمید اللہ نے جگن ناتھ آزاد کی نعتوں کا فرانسیسی ترجمہ کیا تھا۔ گفتگو میں

Marfat.com

اس کا ذکر بھی آیا۔ راقم نے پوچھا: ''ڈاکٹر صاحب، یہ ترجمہ آپ نے خود کیا یا فرمائش پر؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''فرمایش نہیں، بلکہ مجھے خود خواہش تھی۔ میں نے ترجمہ کیا، اجازت لی۔''

مرزا محمد منور: ''جگن ناتھ آزاد بھی قرطبہ میں آئے ہوئے تھے، وہیں انھوں نے بتایا کہ میری نعت کا ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے فرانسیسی میں کیا ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''جی ہاں، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی نظم مجھے پسند آئی۔''

قرطبہ میں آزاد صاحب نے اس کا ایک دستخطی نسخہ مجھے عنایت کیا تھا، میں نے مذکورہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے عرض کی: ''اس کتاب پر دستخط فرما دیں، آٹو گراف دے دیں۔ یہ آپ کا ترجمہ کیا ہوا ہے، میرے پاس کتاب یادگار رہے گی۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''آپ کا حکم ہے تو کر دیتا ہوں، لیکن مجھے یہ بالکل پسند نہیں۔''

میں نے عرض کیا: ''آپ کر دیجیے، میرے لیے یہ ایک افتخار ہوگا۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''کیا لکھوں صاحب؟''

راقم: ''جو آپ مناسب سمجھیں'' (یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے دستخط کر دیے۔) پھر فرمایا: ''میری یہ حالت ہے آپ کے لیے کوئی چھوٹی سی کتاب یا رسالہ بھی نہ لا سکا۔''

مرزا صاحب: ''آپ کی زیارت ہوگئی، اس سے بڑا تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''ویسے میرا بھی کچھ فریضہ ہے، جو مہمان آئے، اس کی کچھ خدمت کروں۔''

مرزا صاحب: ''اللہ آپ کو صحت مند رکھے۔ یہ جو آپ نے شمعِ دین یہاں روشن کر رکھی ہے....''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''اس میں میرا تو دخل نہیں ہے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔''

میں نے سوال کیا: ''آج کل آپ کا تصنیفی کام کیا ہے؟ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کر رہے ہیں؟''

کہنے لگے: ''روزانہ کوئی نہ کوئی کام چلتا رہتا ہے۔ ایک وقت میں پچیس کام ہاتھ میں رہتے ہیں۔ میں کوئی ایک کام نہیں بتا سکتا۔ جب تک کام مکمل نہ ہو، میں اس کا اعلان نہیں کرتا۔''

کچھ توقف کے بعد کہنے لگے: ''اب اجازت مرحمت فرمائیں۔''

Marfat.com

مرزا صاحب: ''جی تو نہیں چاہتا مگر.....''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''کوئی ضرورت ہو تو ضرور بتائیے گا۔''

راقم: ''آپ ہمارے لیے خصوصی دعا فرمائیے''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''وہ رب العالمین ہے، سب کی سنتا ہے.....''

اس کے بعد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی، پھر چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہ وقت رخصت عرض کیا: ''اگر اجازت ہو تو چائے کی ایک پیالی.....''

کہنے لگے: ''میں چائے نہیں پیتا، چالیس سال سے نہیں پی.....''

ہوٹل سے نیچے اترتے ہوئے پوچھا: ''آپ کا کتنے دن قیام رہے گا؟'' بتایا دس دسمبر کو روانہ ہوں گے..... فرمایا ''خدا آپ کو خیریت سے لے جائے.....''

اس مردِ درویش کو رخصت کر کے ہم واپس کمرے میں آئے تو ملاقات کا تاثر، ایک نشے کی سی کیفیت میں، باقی تھا۔ بہ الفاظ مرزا صاحب: ''یہ شادابیِ ایمان کی سی کیفیت تھی'' چنانچہ ہم خاصی دیر تک موصوف ہی کی باتیں کرتے رہے۔ بزمی صاحب اپنے دورۂ پیرس کی کامیابی پر بہت مسرور و شاداں تھے اور اس بات پر بھی کہ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کی باتیں فیتہ بند (Tape) کر لی تھیں۔ وہ کیسٹ کو جگہ جگہ سے الٹا گھما کر (reverse کر کے) دیکھ رہے تھے..... بلاشبہ ڈاکٹر صاحب جیسے نادر روزگار انسان کی آواز بھی ایک خزینہ ہے۔ بزمی صاحب کا اضطراب بجا تھا کہ اگر یہ آواز فیتہ بند نہ ہو سکی ہوتی تو بڑا حادثہ ہوتا۔ ایسا شخص نادر روزگار نہیں تو کیا ہے، اپنا کھانا خود پکاتا ہے، گوشت نہیں کھاتا، چائے نہیں پیتا۔ چالیس سال سے چائے نہیں پی..... پیرس کے اس شدید سرد موسم میں، جہاں دن میں دس مرتبہ چائے یا کافی پینے کو جی چاہتا ہے، اور راقم نے بھی کافی پینا شروع کر دی تھی، صبر و ضبط کا یہ مظاہرہ، ڈاکٹر صاحب جیسا پرہیز گار شخص ہی کر سکتا ہے۔ دھان پان جسم کے ساتھ ان کی صحت کا راز اسی ضبطِ نفس میں نظر آیا۔

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ

از سیّد ضمیر جعفری

سیّد ضمیر جعفری (وفات ۱۲/مئی ۱۹۹۹ء) اردو زبان و ادب کے معروف شاعر، ادیب اور صحافی تھے. انھوں نے موخہ ۱۱/مئی ۱۹۹۷ء کو امریکہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللّہ مرحوم سے ایک یادگار ملاقات کی اور اس کی روداد ماھنامہ اردو ڈائجسٹ لاھور بابت نومبر ۱۹۹۷ء میں شایع کرائی تھی. یھاں ھم اس روداد کو اردو ڈائجسٹ کے شکریے کے ساتھ نذرِ قارئین کر رھے ھیں(مرتّب)

آج اپنی زندگی کی ایک بڑی دیرینہ اور عزیز خواہش پوری ہوگئی۔ اپنا ایک کبھی کا کہا ہوا مصرع بھی یاد آ گیا۔

ملاقات ان سے کہاں ہوگئی ہے

عصرِ حاضر کی بہت محترم، ممتاز، یگانہ ومنفرد شخصیت، مفکر ومفسر جناب ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمت میں حاضری کی آرزو ایک مدت سے دل میں کسمسا رہی تھی۔ چند برس قبل پیرس میں ان کے دروازے تک بھی جا پہنچے مگر یہ سعادت تو ہمارے لیے امریکہ میں لکھی گئی تھی۔ زندگی کے اتفاقات کتنے عجیب ہیں کہ ہمیں یہ بھاگوان ساعت جنابِ حضرت علی کی وساطت سے نصیب ہوئی جو بے شک ایک خوش کلام شاعر ہیں مگر ان کی عالمی شہرت ایک سائنس دان کی ہے اور سائنس دانوں کے بارے میں عموماً یہ باور کیا جاتا ہے کہ ''دین'' سے ان کو کم ہی رغبت ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اندر کا شاعر ہمارے کام آ گیا۔

جناب حضرت علی، نیویارک سے تقریبا ایک سو میل دور کنیکٹی کٹ Connecticut ریاست کے ایک قصبے میں رہتے ہیں۔ مشاعروں کے علاوہ ٹیلی فون پر

Marfat.com

بھی گاہ بگاہ ان سے ربط رہتا ہے۔ ایک روز، نہ جانے کس حوالے سے انہوں نے اس جلیل القدر شخصیت سے اپنی ملاقات کے تذکرے میں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب ان دنوں امریکہ کی ریاست پین سلوے نیا Pennsylvania کے ایک چھوٹے سے قصبے ولکیز بارے Wilkes Barree میں اپنے بڑے بھائی کے پوتے کے پاس مقیم ہیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میں نے حضرت علی سے کہا ''جانِ من مجھے ان کی بارگاہ میں لے چلو۔''

حضرت نے کہا: '' وہ علیل ہیں۔ بہت نحیف ہوگئے ہیں۔ گھر والوں نے ملاقاتیں محدود کر رکھی ہیں۔ بہرحال کوشش کروں گا۔'' میں نے کہا: ''کوئی صورت پیدا کرو کہ میں انکی صورت ہی دیکھ لوں۔''

جیسا کہ پہلے عرض کیا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا شمار عالمِ اسلام کے چند جلیل القدر مفکرین میں ہوتا ہے، مگر ان سے میری ذاتی ارادت کا سرچشمہ ڈاکٹر صاحب کے دو ارادت مندوں اور اپنے کرم فرماؤں (پاکستان کے نامور سندھی اسکالر) جناب پیر حسام الدین راشدی اور (ممتاز ادیب و دانشور اور ''اسٹیٹ بینک آف پاکستان'' کے گورنر) جناب ممتاز حسن کی باتیں تھیں۔ فرانسیسی زبان میں ڈاکٹر صاحب کا قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر تو ایک عظیم الشان اور غیر فانی علمی کارنامہ تھا ہی، یہ دونوں حضرات ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی کے سادہ اور درویشانہ اسلوب سے بھی بے حد متاثر تھے۔ ان کی رائے میں مغرب میں اسلام کی ترویج و تفہیم کی پیش رفت میں جو مدد قرآنِ کریم کے اس فرانسیسی ترجمے سے ملی ہے، کسی اور ذریعے سے ممکن نہ ہوئی۔ ان کا کہنا تھا کہ ابلاغ کی ادبی خوبصورتی کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ کے فرانسیسی ترجمے کی وہی اہمیت و مقبولیت ہے جو علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے کو نصیب ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یہ بات تو معلوم تھی کہ ان کا تعلق حیدرآباد سے تھا، مگر ان کے خود اختیاری ''بن باس'' کا علم ممتاز حسن صاحب ہی سے ہوا کہ برصغیر کی آزادی کے بعد جب بھارت نے حیدرآباد (دکن) کی خود مختاری کو غصب کرنا چاہا تو نظام دکن نے جو وفد مجلس اقوام متحدہ میں اپنا

Marfat.com

موقف پیش کرنے کے لیے امریکہ بھیجا اس میں ڈاکٹر حمید اللہ بھی شامل تھے، مگر یہ وفد ابھی راستے ہی میں تھا کہ بھارت کے جنرل جے انت ناتھ چودھری نے ریاست ہی کو روند ڈالا

اور وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

ڈاکٹر صاحب اس سفر پر ایسے نکلے کہ پھر انہوں نے حیدر آباد واپس جانا پسند ہی نہ کیا اور پیرس میں مستقل مقیم ہو کر علمی کام میں مصروف ہو گئے۔ پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے یہ بات بھی عام سننے میں آئی کہ جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ان سے مشورہ کیا اور بہت بڑی رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی۔ اس مردِ قلندر نے مشورہ تو دیا مگر رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ہم ڈاکٹر صاحب کی عظمت کے ہالے میں پہلے بھی تھے مگر اس کا تصرف مزید اس وقت گہرا ہوا جب (ممتاز محقق و مصنف) ڈاکٹر افضل اقبال مرحوم کینیڈا میں پاکستان کے سفیر کے منصب سے سبکدوش ہو کر راولپنڈی میں مقیم ہوئے اور ان سے قریبی ربط و ضبط کا سلسلہ قائم ہوا۔ یہ اپنی ذات اور کتابوں میں مگن ''باغی شخص'' صرف تین شخصیتوں کا ''مرید'' تھا: مولانا جلال الدین رومی، مولانا محمد علی اور ڈاکٹر حمید اللہ۔ ڈاکٹر فضل اقبال جن دنوں برطانیہ میں ڈپٹی ہائی کمشنر تھے، پیرس میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے اسلامک سنٹر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مولانا کی تصنیفات صرف فرانسیسی زبان میں تھیں مگر ان کے ثمرات تو فرانسیسی کے علاوہ انگریزی، جرمن اور ترکی زبانوں میں بھی موجود ہیں۔ ان زبانوں میں آپ کی چند تصانیف ڈاکٹر افضل اقبال کے وسیع ذاتی کتب خانے میں بھی موجود تھیں۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے جہاں مرشد رومی اور مولانا محمد علی جوہر پر معرکہ آرا کتابیں لکھی ہیں، وہاں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی عظیم فکر انگریز تصنیف ''خطباتِ بہاولپور'' کا ترجمہ بھی افضل اقبال کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ وہ جن دنوں ''خطباتِ بہاولپور'' کا ترجمہ کر رہے تھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ شخص ڈاکٹر حمید اللہ کے افکار میں زندگی گزار رہا ہو۔

امریکہ میں ڈاکٹر صاحب کے جغرافیائی قرب نے دل میں ایک کرب کی سی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ بے چینی اپنا کام کر گئی۔ کل کنیکٹی کٹ سے حضرت علی صاحب نے

Marfat.com

ٹیلی فون پر بشارت دی: ''کل سرِ شام ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔ آپ کے گھر سے دو بجے روانہ ہوں گے۔''

''لانگ آئی لینڈ'' (Long Island) میں ہمارے گھر سے ولکیر تک اور پھر وہاں سے کنیکٹی کٹ میں جناب حضرت علی کے گھر تک ہم نے آج تقریباً دو سو میل سے زیادہ سفر کیا۔ خوش منظری کا بیان اس وقت مقصود نہیں۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ ہم امریکہ میں جا رہے تھے اور امریکہ کے پہاڑی علاقے میں جہاں آسمان کا حسن زمین پر اتر آتا ہے وہی عالم کہ ؎

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

قصبے میں حضرت نے جس مکان کے سامنے موٹر روکی اس کو دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا۔ مجھے یہ رہائش گاہ عالمِ اسلام کی اس جلیل القدر شخصیت کے شایانِ شان نہ لگی۔ مکان خاصا تھا، مگر دل ان کو کسی عالی شان محل میں دیکھنے کا متمنی تھا۔ جذبات کے دھارے مین یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہم کس عظیم الشان درویش کی بارگاہ میں کھڑے تھے۔ موٹر کی آواز سنتے ہی ایک ہنس مکھ نوجوان خیر مقدم کے لیے آ گئے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے پوتے عرفان تھے۔ اگلے لمحے ہم گھر کے سادہ سے ڈرائنگ روم میں محترمہ سدیدہ اور عرفان..... دونوں بہن بھائیوں سے باتیں کر رہے تھے۔ میز پر سنگترے کے رس کے بھرے گلاس ہمارے سامنے رکھے تھے۔ سدیدہ، جو بے حد شائستہ اور بہت تعلیم یافتہ خاتون ہیں، خود کسی دوسرے قصبے میں رہتی ہیں، مگر دادا کی ہمہ وقت تیمارداری کی ضرورت سے بھائی کے ہاں رہتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اوپر کی منزل میں آرام کر رہے تھے۔ گفتگو سے معلوم ہوا کہ جامعہء عثمانیہ حیدرآباد (دکن) سے فارغ ہو کر آپ کئی برس تک فرانس اور جرمنی کی جامعات میں تحصیلِ علم کرتے رہے۔ دوسری عالمی جنگ کا زمانہ وہیں گزارا۔ وطن واپس آئے تو سقوطِ حیدرآباد کا سانحہ پیش آ گیا۔ میرے ایک سوال پر سدیدہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۷۲ ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں مقالات اور زیرِ تصنیف مسودات ہیں جو پیرس کے اسلامک سنٹر میں موجود ہیں۔ کچھ دیر بعد سدیدہ ''دادا'' کو لینے اوپر چلی گئیں۔

Marfat.com

جاتے جاتے یہ بھی کہہ گئیں کہ ہمیں ان کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کچھ کہہ نہیں سکتی کہ وہ کتنی دیر تک بیٹھ سکیں گے۔

وہ اوپر گئیں تو عرفان صاحب سے باتوں میں علم ہوا کہ اس قصبے میں سارے بھارتیوں اور پاکستانیوں کو ملا کر گھروں کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ نہ تھی۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ سبزہ وگل سے ڈھکا ہوا یہ علاقہ ''کوئلے کی کانوں'' سے بھرا ہوا ہے۔ اس پر ہمارا اپنا کھیوڑہ (Khewra) کا علاقہ آنکھوں کے سامنے آ گیا جہاں کوئلہ زمین کے اندر بھی ہے اور زمین کے اوپر بھی۔

اتنے میں دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب پوتی کے سہارے آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ ہم دونوں نے آگے بڑھ کر تعظیم دی۔ انہوں نے تپاک سے مصافحہ کر کے دونوں ہاتھ سینے سے لگا کر اپنی شفقتِ کریمانہ کا اظہار فرمایا۔ میں نے اپنے روایتی تسلیمات کے کورنشی اسلوب میں جھک کر ان کے گھٹنوں کو چھونا چاہا تو انہوں نے میرے ہاتھ جھٹک دیے۔ سدیدہ نے بھی منع کیا کہ جھکنا انہیں پسند نہیں کہیں وہ آپ کو ڈانٹ ہی نہ دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے گاؤں پہن رکھا تھا، سر پر ہلکی سی ''جناح کیپ'' تھی۔ چھوٹی چھوٹی خشخشی ڈاڑھی چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی، مگر وہ بہت کمزور اور لاغر تھے۔ میں نے کسی عالمِ دین کو آج تک اتنا نحیف نہیں دیکھا۔ ان کو دیکھ کر دل کو جھٹکا سا لگا۔ ایک بات پر تعجب بھی ہوا کہ بظاہر ایک مشت استخواں ہونے کے باوجود چل پھر سکتے ہیں۔ سدیدہ نے بتایا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک تو مسجد تک ہو آتے تھے، سڑک تک ٹہل آتے تھے مگر ایک دن مسجد میں گر گئے تو اب گھر سے نہیں نکلتے۔

اس سے پہلے کہ ہم کچھ پوچھتے، آپ نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کوئی خدمت'' عرض کیا ''بس جناب والا کی شفقت درکار ہے۔''

میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر افضل اقبال کے ترجمے کا شاید ان کو علم نہ ہو۔ پہلا سوال ''خطبات بہاولپور'' کے ترجمے ہی کا پوچھا۔ آپ نے اثبات میں سر ہلایا۔ سدیدہ نے بتایا کہ کتاب ان کو پہنچ چکی ہے۔ آپ نے اظہارِ پسندیدگی فرمایا۔ یہ خبر بھی انہیں مل چکی تھی کہ

Marfat.com

ڈاکٹر افضل اقبال کا انتقال ہو چکا ہے۔

میں نے عرض کیا: ''حضرت کی خدمتِ گرامی میں حاضری کی دیرینہ تمنا تھی۔ زیارت سے بے حد خوشی ہوئی۔''

پوچھا ''فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی تکمیل پر کتنا عرصہ لگا۔''

فرمایا: ''یاد نہیں۔''

پوچھا: ''کیا آپ نے اپنی ''آٹو بائی گرافی'' تحریر فرمائی ہے؟''

فرمایا: ''نہیں''

پوچھا: ''لکھنے کا ارادہ ہے؟''

فرمایا۔ ''نہیں۔''

ڈاکٹر صاحب ہر سوال کا جواب ایک دو لفظوں میں دیتے رہے۔ ظاہر ہے ان کی موجودہ صورتِ حال میں لمبے لیکچروں کی ان سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی لیکن اب ایک سوال ہم نے اپنی دانست میں ایسا پوچھا کہ جواب میں دو چار جملے سننے کی توقع کر رہے تھے۔

پوچھا ''کیا جنرل ضیاء الحق نے آپ سے پاکستان میں نظامِ اسلام کے بارے میں استفادہ کیا تھا۔'' فرمایا۔ ''میں بہت عاجز آدمی ہوں۔'' (آپ نے انگریزی کا لفظ Humble استعمال کیا)۔

سوال جواب کے اس مکالمے میں تجربہ ہوا کہ آپ کی سماعت جتنی دھیمی تھی بصارت اتنی ہی روشن تھی۔ میری لکھی ہوئی تحریر جو میں مشکل سے اٹھا سکتا، وہ عینک کے بغیر پڑھ رہے تھے۔ گفتگو شاید اور چلتی، مگر سدیدہ درمیان میں ''دادا'' سے بار بار پوچھ رہی تھی:

''آپ کو سردی تو محسوس نہیں ہو رہی؟''

''کمبل لا دوں؟''

''آپ کو نیند تو نہیں آ رہی؟''

''آپ تھک تو نہیں گئے؟''

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب ''پوتی'' کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے رہے تھے، مگر آخر جب ایک مرتبہ یہ کہا کہ.....

''آپ کا کیا مشورہ ہے؟''

تو ''مزاج دان پوتی'' نے استراحت کا فیصلہ کیا اور جس طرح دادا کو اوپر سے تھام کر نیچے لائی تھیں، اسی طرح تھام کر نیچے سے اوپر لے گئیں۔

جاتے جاتے ان سے ہم نے ایک سوال اور پوچھ لیا:

''ملّتِ اسلامیہ کے لیے کوئی پیغام؟''

فرمایا: ''اللہ محفوظ رکھے.....اللہ بچائے۔'' رخصت ہوئے تو حسبِ معمول گرمجوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: ''کوئی خدمت؟''

اور پھر سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے دیکھتے گئے اور ایک موڑ مڑتے ہوئے ہاتھ ہلا کر ہمیں محبت بھرے اشارے سے نوازا۔

بعد میں کھانے کی میز پر گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کئی دلنواز پہلو سامنے آتے چلے گئے۔ ساری ملاقات میں وہ ہم سے ایک ہی سوال بار بار پوچھتے رہے:

''کوئی خدمت؟''

سدیدہ نے بتایا کہ دادا جان کی یہ ہمیشہ سے عادت رہی کہ وہ ہر آنے والے کا خیر مقدم دروازے پر جا کر کیا کرتے اور سب سے پہلے یہی دریافت فرماتے:

''میرے لائق کوئی خدمت؟''

ایک حیرت انگیز بات سدیدہ نے یہ بتائی کہ اب ۹۰ برس سے متجاوز عمر میں دادا جان کی یادداشت بہت کمزور ہوگئی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اچھے خاصے شناساؤں کو بھی شناخت نہیں کر سکتے، مگر قرآن کریم جو بچپن میں حفظ کیا تھا، یادداشت میں بدستور روشن ہے اور نماز کے اوقات کو نہیں بھولتے۔ یوں بھی حضرت کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا ہے۔

محترمہ سدیدہ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ جنرل ضیاء الحق کے بارے میں آپ کے سوال پر میں سمجھتی ہوں کہ دادا جان کی یادداشت نے ساتھ نہ دیا ورنہ ضیاء الحق تو انہیں

Marfat.com

خط میں بڑے بھائی لکھتے تھے۔ ان کی دعوت پر اور بعد میں ۱۹۹۲ء میں جناب نواز شریف (موجودہ وزیر اعظم) کی دعوت پر وہ پاکستان تشریف بھی لے گئے۔ میں اس دورے میں ان کے ہمراہ تھی۔

یادداشت کے ضمن میں ایک اور مرحلے پر جب میں نے علامہ عبداللہ یوسف علی کے قرآن حکیم کے انگریزی ترجمے اور تفسیر کا ذکر کیا، تو اس وقت بھی ڈاکٹر صاحب خاموش ہی رہے، تا آنکہ جب سدیدہ نے مزید وضاحت کی تو ستائش کا اظہار فرمایا۔ چند مسائل کا تذکرہ بھی آیا۔

(۱) سینکڑوں بیش بہا مسودات پیرس کے اسلامک سنٹر میں پڑے ہیں۔ اس علمی اثاثے کو کیونکر محفوظ کیا جائے؟

(۲) ڈاکٹر صاحب ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد (دکن) کے ''ریاستی پاسپورٹ'' پر ملک سے نکلے۔ فرانس کی شہریت انہوں نے اختیار نہ کی اور اب اسلامی دنیا کا یہ عظیم مفکر ان مشکلات سے دوچار ہے، جن کا کسی ایسے شخص کو سامنا کرنا پڑتا ہے جو کسی ملک کا شہری نہ ہو۔

جناب ڈاکٹر حمید اللہ جیسی شخصیت کسی ایک ملک کی نہیں پورے عالمِ اسلام کی متاعِ فخر ہے۔ انہوں نے تمام عمر ایک پاکیزہ تجرد اور پوری لگن کے ساتھ ذہنِ انسانی کی آبیاری میں گزار دی۔ یہ میراث پورے عالمِ سلام کی میراث اور امانت ہے۔

عرفان صاحب ہمیں باہر موٹر تک چھوڑنے آئے تو جس وقت الوداعی مصافحہ کے لیے حضرت کا ہاتھ ''پوتے'' کے ہاتھ میں تھا تو ناگاہ دیکھا کہ دادا جان گھر کی بالائی منزل کے دریچے کے شیشے میں سے ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ اتنی شدید علالت اور کہولت کے ایسے ضعف میں اخلاق اور انکسار کا ایسا رکھ رکھاؤ یہ ان جیسے عظیم انسان ہی کے بس کی بات تھی۔ ان کے نحیف اور کمزور ہاتھ مقدس علامتوں کی طرح لرزتے معلوم ہوئے:

یہ کون شخص زمین پر کھڑا تھا
سایہ سرِ افلاک پڑ رہا تھا

(مزد، کنیکٹی کٹ۔ ۱۱ مئی ۹۷ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک گفتگو

(یہ گفتگو ۱۰ جون ۱۹۹۴ء کو پیرس میں ریکارڈ کی گئی)

از پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن مومن

سوال: کل آپ نے ''سیرت کا البم'' نامی ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جس کا خاکہ آپ کے ذہن میں ہے۔ اس کتاب میں کیا کیا چیز شامل ہوں گی؟

جواب: میرے ذہن میں یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے سلسلہ میں جن بڑے مقاموں کا نام آتا ہے، جہاں رسول ﷺ تشریف لے گئے جیسے تبوک وغیرہ ان مقاموں کے فوٹو جمع کرو ں، اس میں مقدمہ ہو ہر تصویر کے متعلق مثلاً یہ رسول ﷺ کی ولادت کا مقام ہے، رسول ﷺ کے مدینے میں رہنے کا مقام ہے، جنگ احد کا مقام وغیرہ وغیرہ۔ ابھی لکھا نہیں گیا ہے صرف تصویریں جمع کی ہیں۔ سفر میں میرے مختلف تجربے ہوئے۔ جہاں جہاں موقع ملا میں نے فوٹو لیے۔ حکومت منع بھی کرتی ہے لیکن بعض وقت چھپ کے چوری چھپے لیا۔ بعض وقت ان کی اجازت سے بھی لیا۔ کافی تعداد میں فوٹو ہیں مثلاً مکہ سے ہجرت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کہاں سے گذرے، غار ثور وغیرہ سے۔ اس طرح کی تصویریں جمع کی ہیں۔ ممکن ہے سو دو تصویریں شامل ہوں۔

سوال: آثار بتاتے ہیں کہ ترکی میں نئے سرے سے اسلام کی لہر اٹھ رہی ہے۔ نوجوان طلبہ بالخصوص اسلامی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں۔ آپ نے ترکی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: سوائے اس کے کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کروں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اندرونی اسباب بھی ہیں بیرونی اسباب بھی ہیں۔

سوال: یورپ بالخصوص فرانس میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے کیا اسباب ہیں؟ ان

Marfat.com

حالات میں تبلیغ واشاعت کے کون سے ذرائع کارآمد ہوئے ہیں؟

جواب: یہ خود میں پوچھتا ہوں اپنے آپ سے۔کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔حکومت مخالف ہے، چرچ مخالف ہے،ان کے پاس وسائل ہیں۔اس کے باوجود بھی لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔یہ حیرت انگیز چیز ہے۔سوائے اس کے کچھ نہیں کہ سکتا کہ اللہ کی مہربانی ہے ،اللہ کا فضل ہے۔مرد بھی ہیں عورتیں بھی، جوان بھی ہیں بوڑھے بھی۔سب ہی قسم کے لوگ ہیں۔اب یہ سوال کے کتنے منافق ہیں اور جاسوسی کے لیے آئے ہیں اللہ بہتر جانتا ہے چنانچہ آج کل مجھ سے ایک سوال ہورہا ہے کہ کچھ عرصہ قبل ایک فرانسیسی شخص جو تیس سال اسلامی ممالک میں رہا ہے،شمالی افریقہ میں، مصر میں وغیرہ۔اس کے بعد ایک کتاب اس نے عربی میں لکھی ثلاثون عاماً فی الاسلام ۔لوگ (علماء) مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون شخص تھا۔اس کی سوانح عمری وغیرہ۔یہ کس زمانہ میں رہا ہوگا۔میں خود تلاش کررہا ہوں ۔بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسی کرنے کے لیے اسلام کا اظہار اس نے کیا تھا خاص کر نومسلموں سے لوگ نفسیاتی نقطۂ نظر سے زیادہ محبت سے پیش آتے ہیں۔تو بڑے لوگوں سے ملاقات، بادشاہوں، وزراء وغیرہ سے سیاسی نقطۂ نظر سے مفید چیزیں معلوم کریں۔اب آپ پوچھتے ہیں کہ لوگ مسلمان ہورہے ہیں کس لیے ہورہے ہیں۔یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔واقعی خدا کے فضل سے وہ اپنے پرانے دین کو چھوڑ کر مسلمان ہورہے ہیں۔ان میں سے کچھ منافق جاسوس بھی ہوسکتے ہیں مگر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں، وہ خدا کو معلوم ہے۔ایک چیز البتہ قابلِ ذکر ہے، وہ نئی نہیں ہے۔غیر مسلم اسلام قبول کریں یہ بہت ہے ساری دنیا میں چین، ایشیا، افریقہ ہر جگہ نظر آتی ہے لیکن مسلمان مرتد ہوجائیں اس کی مثالیں بہت کم ہیں ۔یہی چیز اب بھی فرانس میں بھی نظر آتی ہے۔ایک مشہور نام ہے آپ شاید واقف ہوں مسز میارووچ۔وہ الحمدللہ میرے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوئیں ان کے قصے سے میں واقف ہوں وہ اسی محلّہ میں رہتی ہیں۔انہیں فارسی سیکھنے کا شوق ہوا۔مفت کا استاد ملتا ہے تو میرے پاس آتی رہیں کچھ عرصہ کے بعد اسلام قبول کیا اس کے بعد ترک کردیا پھر دوبارہ مسلمان ہوئیں تو ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں۔ہر ایک کی سوانح عمری معلوم نہیں ہوسکتی۔اگر کوئی آدمی منافق ہے

Marfat.com

تو اس کے دل میں کیا ہے یہ ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ مادام میارووچ بوڑھی ہو گئیں ہیں اب بھی زندہ ہیں۔ یہ مسلمان ہوئیں پچاس سال پہلے۔

سوال: وہ اب بھی اسلام پر قائم ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ ایک Reaction ہے وہ یہ کہ اسلام کی ہر چیز کو لوگ پسند کرتے ہیں سوائے اس کے کہ اس میں کام بہت ہے۔ پانچوں وقت نماز پڑھیں۔ تیس دن روزے رکھیں۔ اس کا کیا حل ہے ظاہر ہے کچھ نہیں کر سکتے۔ میں یہی کہتا ہوں کہ اللہ کی خدمت چوبیس گھنٹے کرتے رہنا چاہیے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ اس نے ہم کو اپنی غلامی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہمیں پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ ایک ابدی زندگی آنے والی ہے۔ اس سے محروم ہم اپنے ہاتھوں سے ہوں تو یہ کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔ تھوڑی سی زحمت برداشت کر لو اگر اس پر یقین ہے۔ اگر یقین نہیں ہے تو خیر چھوڑ دیجیے۔

عورتوں اور مردوں میں بھی اسلام کی ایک چیز پر بہت اعتراض ہے اور وہ تعددِ ازدواج ہے۔ عورت ظاہر ہے نفسیاتی نقطۂ نظر سے وہ شریک بنانا پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ اپنے قانون کے احکام کی بنا پر عادی ہیں کہ ایک بیوی سرکاری ہو۔ غیر سرکاری جتنی چاہیں رکھ لو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو عورتوں سے میں کہتا ہوں کہ اب تم مثلاً عیسائی رہی ہو یا یہود ن رہی ہو تو اپنی کتاب کو دیکھئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار بیویاں تھیں، حضرت موسیٰ کی گیارہ بیویاں تھیں۔ تو ان پر اگر تمہیں اعتراض نہیں ہے تو اسلام پر بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اجازت ہے ضرور لیکن دو چیزیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہودی اور عیسائی مذہبوں میں جو اجازت ہے وہ غیر محدود ہے جتنی چاہیں آپ بیویاں رکھ سکتے ہیں۔ اسلام نے تحدید قائم کی کہ چار سے زیادہ نہ ہوں۔ دوسری چیز جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اجازت ضرور ہے لیکن اس سے استفادہ کرنے والے زیادہ نہیں ہیں مثلاً میں اپنے خاندان کا ذکر کرتا ہوں کہ ہمارے خاندان میں کئی سو آدمی ہیں۔ کھاتے پیتے لوگ ہیں لیکن تعددِ ازدواج نظر نہیں آتی۔ اجازت کے باوجود، کوئی سرکاری ممانعت نہ ہونے کے باوجود انہوں نے استفادہ ہی نہیں کیا۔ یہی یہاں بھی ہوگا اور میں کہتا ہوں ان عورتوں سے کہ تم بہتر جانتی ہو

Marfat.com

کہ اجازت نہ ہونے کے باوجود کتنے لوگ (فرانس میں) زنا کاری کے ذریعہ سے تعدد ازدواج پر عامل ہیں۔ یہ میرا جواب ہے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے نومسلموں میں تعددِ ازدواج کم ہی ہے۔ ایک مثال ملتی ہے اس طرح کے شادی شدہ مرد سے ہماری کسی نومسلم بہن کا پھر نکاح ہو یعنی موجودہ بیوی کے ساتھ وہ ایک نئی بیوی لیتا آئے۔ یہ بہرحال خرچیلی چیز ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا آج کے حالات اس کے متقاضی ہیں کہ مسجدوں میں عورتوں کے نماز پڑھنے کے لیے علیحدہ حجرے بنائے جائیں؟

جواب: مسجدوں میں عورتوں کے لیے علیحدہ حجرے بنائیں، خواہش تو آسان ہے لیکن اس پر عمل کے لیے پیسے چاہئیں۔ ایک نئے ملک میں مسجد بنانے میں بہت خرچ ہوتا ہے۔ اس پر اس طرح عمل کر رہے ہیں کہ پیرس میں مثلاً نماز کے لیے جو ہال ہے اس میں جگہ گھیر لیں جو صرف عورتوں کے لیے ہو اور وہ مسجد کے پچھلے حصے میں ہو۔

سوال: پنج وقتہ نمازوں میں عورتیں آتی ہیں؟

جواب: غالباً کم ہی آتی ہیں۔ فجر کی نماز میں نہیں آتیں۔ ممکن ہے ظہر و عصر کی نمازوں میں آتی ہوں۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ مسجد قیام گاہ کے قریب ہو۔ اگر دور ہو تو وہ غالباً نہیں آسکیں گی۔

سوال: سعودی عرب اور کویت وغیرہ میں فقہی اکیڈمیاں جو کام کر رہی ہیں ان سے آپ واقف ہوں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے دائرہ کو وسیع تر کرنے کی غرض سے عالمی سطح پر اس کام کا بیڑا اٹھایا جائے؟

جواب: عالمگیر بنانا چاہیں تو بنایئے لیکن یہ کام آسان نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے لیے ساری دنیا کی جو اکیڈمیاں ہیں یا ساری دنیا میں جو بڑے فقیہ ہیں ان کو ایک جگہ جمع کرنا آسان نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے ملک میں رہ کر خدمت کر سکے گا اپنے شہر میں لیکن فرانس میں بھی رہے وہ شخص اور جدّہ میں بھی رہے یہ آسان نہیں ہے۔ پھر اکیڈمی کس مقام پر بنائی جائے؟ اس میں دشواریاں ہیں۔ فرض کیجئے کہ ہم مکہ میں بنائیں یا مدینہ میں بنائیں سعودی

Marfat.com

حکومت کی پالیسی ایسی ہے کہ اس سے بھی بعض وقت دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے خیالات کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، یہ دشواری ہے۔ یہ فقہ اکیڈمی مذہبوں کے اختلافات سے بالاتر رہنی چاہیے۔ کبھی کبھی مذاقاً میں کہتا ہوں کہ ماسکو میں بنائیے۔

سوال: عمومی طور مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں از راہِ کرم ان پر روشنی ڈالیں۔

جواب: مسلمانوں اور نومسلموں کے مسائل زیادہ تر سیاسی ہیں جو قدیم سے ہیں۔ شیعہ سنی اختلاف بھی اسی لیے ہوا۔ خارجی اسی لیے ہوا۔ سوالات ابھی تک باقی ہیں۔ انسان کی خواہش ہے کہ میں بڑا بنوں، اس کے لیے آپس میں اتحاد کی جگہ، آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی جگہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ ہر جگہ یہی نظر آتا ہے۔ الجزائر میں، ترکی میں پاکستان میں ہندوستان میں ہر جگہ یہی ہے۔

سوال: آپ کی کون سی کتاب آپ کو سب سے زیادہ پسند ہیں؟

جواب: ممکن ہے یہ کہوں کہ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ یا سیرت النبی ﷺ پر جو کتاب ہے یہ دو کتابیں زیادہ بہتر ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے..... دونوں کتابیں کافی مقبول ہیں۔ ترجمہ بھی کافی مقبول ہے۔ سیرت کی کتاب کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور مقبول ہے، الحمدللہ۔

سوال: ایک بات میں نے دیکھی کہ سیرت پر فرانسیسی زبان میں آپ کی جو کتاب ہے وہ دو جلدوں میں ہے اور انگریزی میں ایک جلد میں ہے۔

جواب: انگریزی کتاب الگ ہے۔ وہ الگ چیز ہے۔ جو فرانسیسی کتاب ہے اس کے معنی ہیں رسول ﷺ کی حیات اور کام۔ اس میں تبلیغ کا کام بھی، سیاسی کام بھی، دشمنوں کے حملے ہوئے تو مدافعت، جنگ وغیرہ ساری چیزیں اس میں آ گئی ہیں۔ دو ضخیم جلدیں ہیں۔

سوال: فرانسیسی مسلمانوں میں عرب بھی ہیں ترک بھی، افریقی بھی اور مقامی نومسلم بھی۔ ان میں باہمی اخوت کا رشتہ کس حد تک ہے؟ خدا کرے کہ ہندوستان اور پاکستان میں مسلک کے نام پر جو طوفان بدتمیزی برپا ہے وہ یہاں نہ ہو۔

Marfat.com

جواب: الحمدللہ کوئی جھگڑے نہیں ہیں اور شاید جھگڑے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سیاسیات کا، الیکشن کا مسئلہ ان میں نہیں ہے۔ ورنہ کون سی پارٹی الیکشن میں کامیاب ہو، کون وزیراعظم بنے اس کی وجہ سے اختلاف ہو سکتے ہیں۔ الحمداللہ بھائی چارہ ہے۔ میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو جھگڑوں کا باعث بنے۔ یہ بات اور ہے کہ میں سنی ہوں اور آپ شیعہ ہیں تو میرے روابطہ کم رہیں گے۔ جھگڑے نہیں ہیں لیکن روابطہ کم رہیں گے۔ باقی رنگ کا مسئلہ، گورے کالے کا ایسا کوئی جھگڑا میرے علم میں نہیں آیا۔ جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں بڑی اکثریت گوروں کی ہے یورپین لوگوں کی۔ شاید ہی کوئی کالا شخص اسلام قبول کرتا ہے۔ بات شاید یہ ہے کہ ملک میں گورے باشندے اکثریت میں ہیں اور ان ہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔ جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ زیادہ تر گزارہ کے لیے ملازمت کرنے اور کمانے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں فرصت بھی نہیں ہوتی کہ اس پر کچھ سوچیں۔

سوال: مقامی لوگوں میں جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں مرد زیادہ ہوتے ہیں یا عورتیں؟

جواب: مرد زیادہ ہیں عورتیں بھی ہیں، کافی ہیں۔ لیکن مرد زیادہ ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نومسلم عورتیں زیادہ عالم فاضل نہیں ہوتیں۔ سڑک پر ایک عورت مجھے ٹوکتی ہے، کہتی ہے کہ میں نومسلم ہوں اور مجھے قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے تو یہ نادر چیز ہے۔ اس کو بھی قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے تفسیر سے نہیں۔

سوال: بینک کے سود کے بارے میں آپ کے تاثرات جاننا چاہوں گا۔

جواب: مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ اسلامی بینک نام کی چیزیں بھی ہیں۔ دوسری چیز کا مجھے خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے کہ مجبوری ہے۔ مثلاً مجھے اپنی تنخواہ کی پنشن ملتی ہے وہ راست نہیں ملتی، مجھے جا کر لینا نہیں پڑتا۔ میں بینک کے کھاتے کا نمبر ان کو دے دیتا ہوں۔ وہ خود ہی راست بھیجتے ہیں۔ باقی انٹرسٹ ملے، سود ملے تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کھائیں بھی۔ بینک سال کے اختتام پر آپ کی رقم کا سود بتاتی ہے کہ تمہارے لیے اتنا سود ہوا ہے۔ سود کی رقم لے کر خیرات کی جا سکتی ہے۔ اس بات کا کم ہی امکان ہے کہ ہم بینکوں سے کہیں کہ سود مت لو۔ وہ قائم ہی اسی لیے ہوتے ہیں کہ کمائیں اور کمانے کا منشا یہ ہے کہ مثلاً کھاتے داروں کی

Marfat.com

رقم وہ دوسروں کو قرض دیں۔ ہم کو بینک پانچ فیصد سود دیتا ہے اور لوگوں سے دس فیصد سود لیتا ہے۔ ایک طرح کی مجبوری ہے۔ کافی بینک ہیں۔ مسلمان بھی ہیں اور ان میں سعودی عرب کے بینک یا اس طرح کے اسلامی بینک بھی ہیں۔ ایک کوآپریٹو قسم کی بینک رباط میں شروع ہوئی۔ وہ بھی مختلف ملکوں میں پھیل رہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بینک سال میں جو رقم کماتا ہے وہ خود نہ لے بلکہ جو لوگ بینک میں کھاتا کھولتے ہیں وہ بھی اس میں شریک رہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اسے نفع میں شریک رکھے اور اگر خسارہ ہوا ہے تو خسارہ میں شریک رکھے۔ تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں مضاربت۔ یہ کم ہے ابھی۔

سوال: کون سے ایسے مسائل ہیں جن میں زمانا اجتہاد کی ضرورت ہے؟

جواب: پیرس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کرایہ کے مکان میں رہنے کی جگہ مکان خریدنے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ خریدنے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے کیا حل کریں۔ سود کے بغیر تو کوئی دے گا نہیں۔ اور اگر سود نہ دینا چاہیں تو کس طرح کریں۔ اس میں کیا کرنا چاہیے۔ یہ بڑا مسئلہ ہے۔ یہاں فرض کیجئے کہ مثلاً میں ایک کمرہ میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہوں تو یہ ممکن نہیں صرف اپنا کمرہ خریدوں۔ سارا مکان خریدنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ تو اپنا کمرہ خریدنے کے لیے مثلاً مجھے جس رقم کی ضرورت ہے اگر وہ فوراً دینے کی گنجائش نہ ہو بلکہ 20 سال کے عرصہ میں رفتہ رفتہ اسے ادا کروں تو ظاہر ہے بڑی خوشی سے یہ کام کروں گا۔ یہ مسئلہ بہت ہے یہاں پر۔ میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کو سود کی جگہ ہم یہ کہیں کہ محاسب تنخواہ ہے۔ بینک مجھے جو قرض دیتی ہے اس کو اسی کے لیے کام کرنا پڑتا ہے، ایک رجسٹر رکھنا ہوتا ہے۔ ایک محاسب ہوتا ہے، ایک کنٹرولر معلوم نہیں کتنے ملازم ہوتے ہیں۔ تو ان ملازمتوں کی تنخواہ کے لیے اگر ہم زائد رقم دیتے ہیں۔ مثلاً ایک ہزار قرض لیا اور 1200 ادا کیے یہ جو دو سو ہیں سود نہیں ہیں بلکہ حساب کے مصارف ہیں جو بینکوں کو پیش آتے ہیں۔ یہ میرے ذہن میں آتا ہے۔ اور یہ میں نے دیکھا کہ بعض بینک اسے قبول کرتے ہیں۔ اسے انٹرسٹ نہیں کہیں گے۔ اسے حساب کے مصارف کہیں گے۔ واللہ اعلم

(بشکریہ 'ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ سیرت، کمالات اور افادات' از پروفیسر عبدالرحمٰن مومن)

Marfat.com

خراجِ عقیدت

(بعد از وفات)

Marfat.com

Marfat.com

درویش صفت متبحر عالم

از ڈاکٹر نثار احمد اسرار

ڈاکٹر نثار احمد اسرار صاحب ۱۹۶۵ء تا ۲۰۰۴ء مسلسل ترکی میں رہے .وہ بیك وقت اردو،انگریزی ،ترکی اور جرمن زبانوں میں مہارت رکھتے تھے .ان زبانوں میں انھوں نے مختلف موضوعات پر بیس کتب تحریر فرمائیں جو پاکستان اور ترکی سے شایع ہوئیں.ان کا انتقال مورخہ ۲۸/جون ۲۰۰۴ء کو انقرہ میں ہوا. مرتب کتاب سے ان کا تعلق بڑا شفیقانہ اور برادرانہ تھا ،اسی بنا پر مرتّب کی گزارش پر آپ نے ڈاکٹر محمد حمید اللّٰہ سے استفادہ اور ملاقاتوں کی روداد اور ڈاکٹر محمد حمید اللّٰہ اور ترکی کے حوالے سے دو معلومات افزا مضامین روانہ فرمائے تھے جو نذر قارئین ہیں (مرتب)

آج سے اڑتیس سال پیشتر ۱۹۶۵ء کے اواخر میں جب میں ایک نوجوان اور ناتجربہ کار طالب علم کے طور پر ترکی آیا تھا تو یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میں اتنا طویل عرصہ مسلسل اور بغیر کسی تعطل کے ترکی میں قیام کروں گا اور شاید بقیہ زندگی بھی یہیں گزارنا پڑے گی۔ان دنوں میں اپنی غریب الوطنی کے احساس اور حب الوطنی کے جذبے کے تحت اپنے اعزہ واقارب اور دوست واحباب کو جو خطوط لکھتا تھا ان میں بڑی شان اور طمطراق سے مولانا محمد علی جوہر کا یہ شعر غیر شعوری طور پر لکھا کرتا تھا۔

آتی نہیں ہے یاد وطن کیا وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

رئیس الاحرار نے تو شاید یہ شعر وقتی طور پر اپنے وطن کی محبت اور حسرت کے جذبے کے تحت کہا ہوگا، گرچہ ان کی وفاتِ حسرت آیات غربت میں ہوئی اور ان کی آخری آرام گاہ بھی وطن سے دور بیت المقدس میں بنی۔لیکن یہ شعر اس وقت پاک و ہند کے ایک مایہ ناز

Marfat.com

جید عالم اور دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پر پوری طرح صادق آتا ہے اور اب عملی اور حقیقی طور پر اپنی حالت کا بھی ترجمان بن گیا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی عالموں کے عالم اور دانشوروں کے دانشور ڈاکٹر حمید اللہ کی۔ پچھلے دنوں ان کے انتقال کی خبر ترکی کے بعض اسلام پسند اخباروں میں پڑھی اور بعد میں ان سے متعلق بعض خاکے، مضامین اور بعض صحافیوں اور مصنّفین کے ان سے متعلق تاثرات پاکستانی اخبارات و جرائد میں بھی نظر سے گزرے تو خیال آیا کہ مجھ ناچیز پر بھی تو ان کا کچھ حق ہے۔ مجھے ان سے کئی برسوں تک عالم غربت میں، وطن سے دور، ترکی میں ملاقات کرنے، ان سے قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ سے متعلق بعض موضوعات میں درس لینے اور مراسلت رکھنے کا شرف و سعادت اور عزت حاصل ہے۔ جبکہ یہ لوگ ان سے اپنی شناسائی، ملاقات، دوستی اور ارادت کا ذکر کر رہے ہیں، کیوں نہیں میں بھی ان کے بارے میں اپنی یادداشتوں کو قرطاس ابیض پر بکھیر دوں۔ اس میں یقین جانیے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے جذبے یا اپنی خودنمائی، خودستائی اور بڑائی کا ذرّہ برابر دخل نہیں تھا۔ یہ گویا میری ڈاکٹر حمید اللہ سے عقیدت و محبت اور ان کی مجھ جیسے حقیر شخص کو پہنچائے ہوئے فیض اور ان کی عنایتوں، بھلائیوں اور احسانات کے لئے شکر اور نیاز مندی کا اظہار کرنا تھا۔ مقام شکر و اطمینان ہے کہ برادرم محمد راشد شیخ صاحب نے اس کا وسیلہ و ذریعہ پیدا کر دیا ہے اور مجھے اپنا ایک علمی قرض اتارنے، شاگردی کا فرض اور ذمہ داری پوری کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ دراصل علم و ادب کا دم بھرنے والے سارے پاکستانیوں، ہندوستانیوں بلکہ مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کو خراج عقیدت پیش کریں۔

میری یہ خوش قسمتی ہے کہ جب میں ۱۹۶۶ء کے اواخر میں انقرہ یونیورسٹی میں ترکی زبان کا ایک سالہ کورس مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کرنے کے ارادے سے جامعہ استنبول پہنچا تو وہاں مجھے پروفیسر ڈاکٹر احمد ذکی ولیدی طوغان اور ڈاکٹر حمید اللہ جیسے دو شہرۂ آفاق محققین، دانشوران اور اساتذہ کی رہنمائی میں پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھنے کا موقع ملا۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد ذکی ولیدی طوغان کا شمار بیسویں صدی کے گنے چنے سیاسی مدبرین،

Marfat.com

محققین، مورخین، ماہرین لسانیات اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۸۹۰ء میں روسی جمہوریہ باش کردستان میں پیدا ہوئے۔ قزان کی یونیورسٹی سے تاریخ، عربی اور فارسی کے مضامین میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۵۔۱۹۱۴ء میں روسی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے نمائندے رہے۔ اشتراکی انقلاب کے بعد روسی دستور ساز اسمبلی کے رکن بنے۔ اسی سال باش کردستان کے وزیر دفاع مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں جمہوریۂ باش کردستان کے صدر بنے۔ لیکن روسیوں کے ساتھ اختلافات کی بنا پر ترکستان منتقل ہو گئے۔ وہاں کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے پیرس اور برلن پہنچے۔ سالہا سال تک آسٹریا (ویانا) اور جرمنی میں تاریخ کے پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد استنبول آ گئے اور یہاں کلیۂ ادب کے شعبۂ تاریخ کے سربراہ مقرر ہوئے اور ۱۹۷۰ء میں ۸۰ سال کی عمر میں انتقال تک اس منصب پر فائز رہے۔ وہ ترکوں کی ابتدائی تاریخ کی اتھارٹی مانے جاتے تھے۔ شروع میں ان کے مصطفیٰ کمال اتاترک کے ساتھ اچھے مراسم تھے، علامہ اقبال سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ انگریزی، جرمن، فرانسیسی، عربی اور فارسی پر پورا عبور رکھتے تھے۔ ترکی زبان اور اس کے مختلف لہجوں کے بارے میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی بہت سی کتابیں ترکی کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔

میری پی ایچ ڈی کی تھیسس کا موضوع سلطان سلیمان اعظم اور دولت عثمانیہ کی مذہبی حکمت عملی اور خارجی تعلقات تھا۔ یہ علمی مقالہ مجھے ترکی زبان میں لکھنا تھا۔ ۱۹۶۷ء کا آغاز تھا، ابھی میں اپنی تھیسس سے متعلق دفتری کارروائیاں اور ابتدائی تیاریاں مکمل کر رہا تھا کہ مجھے پتہ چلا کہ ہماری فیکلٹی میں مشہور زمانہ محقق و دانشور ڈاکٹر حمید اللہ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ پچاس کے عشرے کے آغاز سے ہر سال مارچ سے مئی، یعنی تین ماہ کے لئے مہمان استاد کے طور پر استنبول یونیورسٹی میں درس دیا کرتے تھے۔ میرے استاد اور سپروائزر پروفیسر ذکی ولیدی طوغان فیکلٹی سے منسلک اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے بھی صدر تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ سے میری پہلی ملاقات انسٹیٹیوٹ ہی میں ہوئی جبکہ پروفیسر طوغان بھی وہاں

Marfat.com

موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو پہلی بار دیکھا تو تحیر و تعجب کے جذبات پر مشکل سے قابو پا سکا۔ سر پر جناح کیپ، باریش چہرہ، سفید رنگت لیکن کھلتا ہوا قد، انتہائی نحیف و نزار، لاغر، دبلا پتلا سا جسم۔ خدا مجھے معاف کرے مجھے وہ تپ دق کے مریض لگے۔ گفتگو کے دوران ان کے چہرے کے تاثر، اتار چڑھاؤ اور آواز کی لرزش سے بھی اس خیال کو تقویت پہنچتی تھی۔ لیکن الحمدللہ ان کی صحت میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ چلنے پھرنے میں بلا کی تیزی، چستی اور پھرتی تھی۔ ان کی شخصیت میں ایک عالمانہ شان، درویشانہ بے نیازی، مزاج میں بے پناہ عاجزی و انکساری، انداز گفتگو اور طور طریقے میں ایک خاص وقار تھا۔ دماغ اور ذہن انتہائی تیز و شفاف، اپنا نقطہ نظر بہت ہی واضح، مدلل اور پر اعتماد طریقے سے پیش کرتے تھے۔ ان کے بعض تحقیقی مقالات اور کتب کا مجھے پہلے سے علم تھا لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کا اُردو، انگریزی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، عربی اور فارسی پر یکساں عبور ہے تو حیرت ہوئی۔ ترکی بھی آسانی کے ساتھ پڑھنے لکھنے کی حد تک جانتے تھے۔ وہ زیادہ عرصہ فرانس میں رہنے اور اپنا علمی کام عموماً فرانسیسی زبان میں کرنے کی وجہ سے یہ جیسے ان کی مادری زبان بن گئی تھی۔ تقسیم برصغیر ہندو پاکستان اور سقوط حیدرآباد دکن کے بعد وہ اپنے پیدائشی مقام کو چھوڑ کر یورپ پہنچ گئے تھے اور پیرس میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ویسے وہ پہلے ہی ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آغاز میں بون اور پیرس میں ڈاکٹریٹ اور اعلیٰ تعلیم کے مدارج پورے کر چکے تھے۔

مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ نصف صدی کا عرصہ ہم زبانوں اور اردو دانوں سے دور گزارنے کے باوجود ان کی اُردو نہایت فصیح و بلیغ اور بامحاورہ تھی۔ گفتگو یا تحریر میں کسی قسم کا جھول یا نقص نہیں تھا اور اس دوران ان کی کئی اردو تصانیف شائع ہو چکی تھیں۔ اس حیرت کی وجہ اپنا ذاتی تجربہ ہے کہ ان کے مقابلے میں کم عرصہ ایک غیر ملک میں رہنے اور ۲۶ سال تک سفارتخانۂ پاکستان میں اپنے پاکستانی بھائیوں کے ساتھ اردو میں بات چیت کا موقع ملنے کے باوجود تحریر و تقریر میں پہلے جیسی روانی، برجستگی اور بے ساختگی نہیں رہی اور بہت سے الفاظ اور اشعار ذہن سے معدوم ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب بڑے مرنجاں مرنج، بااصول، قواعد وضوابط، انضباطِ اوقات اور صوم و صلوٰۃ کے پابند بزرگ تھے۔ ہر سال یونیورسٹی میں لیکچرز دینے کے لئے آتے تو ''سپاہی ہوٹل'' میں قیام فرماتے تھے۔ وہ جامعہ استنبول کے علاوہ انقرہ، ارزروم اور قونیہ کی یونیورسٹیوں اور اسلامی انسٹیٹیوٹوں میں بھی لیکچرز دیا کرتے تھے۔ استنبول یونیورسٹی میں ان کے لیکچرز کا خاص موضوع عالمی مذاہب کا تقابلی مطالعہ ہوتا تھا۔ میں نے ان کے دو ایک لیکچرز سنے۔ طلبہ اور استادوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ایک بڑے ہال میں وہ لیکچر فرانسیسی زبان میں دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں اسلامی تحقیقی ادارے سے منسوب ڈاکٹر صالح طوغ، جو بعد میں مارمارا یونیورسٹی کے فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین بنے لیکچر کا ترکی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ صالح طوغ صاحب ادارے کی جانب سے شائع ہونے والے ترکی رسالے کے ایڈیٹر بھی تھے۔ انھوں نے ۱۹۷۱ء میں اس رسالے کے جو دو شمارے شائع کئے ان میں ڈاکٹر حمید اللہ کے ساتھ میرے بھی کئی مضامین شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بعض عربی کتب کے تبصرے ترکی میں لکھے تھے۔ میں نے بھی ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور اور بعض دوسرے اداروں کی جانب سے شائع شدہ اردو کتب، خصوصاً عبدالمجید سالک کی ''مسلم ثقافت ہندوستان میں'' اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی کتب ''تشبیہات رومی'' اور ''حکمت رومی'' وغیرہ پر تبصرے اپنے استاد ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان کی خواہش پر لکھے تھے۔ ساڑھے تین سال کے عرصے میں میری ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کم از کم دس بارہ نشستیں اور ملاقاتیں رہیں۔ زیادہ تر انسٹیٹیوٹ میں اور دو بار سپاہی ہوٹل میں۔

میری پی ایچ ڈی تھیسس کا ایک باب اسلام میں خلافت کی ابتدا اور اس منصب کی خلفائے راشدین سے لے کر عباسی دور تک ارتقا اور تبدیلی اور بالآخر دولت عثمانیہ کو مبینہ طور پر منتقلی سے متعلق تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس موضوع پر بڑے مفید اور معلومات افزا نوٹس لئے اور حوالے کی کتب کے بارے میں رہنمائی لی۔ انھوں نے اس سلسلے میں عربی کے ابتدائی مآخذ مثلاً احادیث، سیرت ابن ہشام، سیرت ابنِ اسحاق، ابوالحسن ماوردی اور ابن کثیر کے علاوہ انگریزی، اطالوی، مصنف کائیتانی، فرانسیسی اور دوسرے مآخذ کا بھی تفصیلی

Marfat.com

حوالہ دیا۔ ان کی استنبول میں غیر موجودگی میں مراسلت کے ذریعے بعض نکات کی وضاحت کے لئے ان سے رجوع کیا۔ خصوصاً انھوں نے عثمانیوں کے عیسائیوں کے گرجاؤں اور دوسرے مقدس مقامات کو مسجد اور دوسرے اسلامی اداروں میں تبدیل کرنے کی روایت کی شرعی بنیاد فراہم کی، شام میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دور میں کلیساؤں کو مسجدوں تبدیل کئے جانے پر واقع ہونے کی مثال دی۔ اس بارے میں انھوں نے مجھے مفصل خط لکھے۔

ان کے میرے پاس سات آٹھ خطوط تھے۔ ان میں سے اب صرف چند زمانے کے دست و برد سے بچ گئے ہیں۔ ایک خط انھوں نے ۲/ مارچ ۱۹۹۲ء کو میرے اس خط کے جواب میں لکھا تھا، جس کی تحریک مجھے ایک طویل وقفے کے بعد رسالہ ''تکبیر'' میں محمد صلاح الدین شہید کے ان سے پیرس میں ملاقات سے متعلق ایک مضمون کے پڑھنے پر ہوئی تھی۔ اس میں انھوں نے اس ہیچمدان کے بعض تراجم، تصنیفات اور مقالات کی بنیاد پر لکھا کہ ''آپ نے بہت علمی کام کیا ہے، خدا اجر عظیم عطا فرمائے''۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ تکبیر میں ''بعض غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں'' وہ سابق وزیر اعظم نواز شریف کی دعوت پر پاکستان نہیں گئے تھے۔ ان کے دورۂ پاکستان کے بعد میں نے ان کو ایک اور خط لکھا تھا جس کا جواب انھوں نے ۳۰/ مئی ۱۹۹۲ء کو لکھا تھا۔ انھوں نے کسی قدر برہمی کے انداز میں لکھا کہ ان کے سفر پاکستان سے متعلق پاکستانی اخبارات اور رسائل میں بعض غلط سلط باتیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ صلاح الدین صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ حمید اللہ صاحب کو پیرس کی اسلامی انجمن سے ملحقہ مسجد کی تعمیر کے مکمل ہونے کے لئے پانچ لاکھ فرانک یا ایک لاکھ ڈالر کی رقم کی ضرورت تھی اور اسے نواز شریف صاحب نے عطا کر دیا لیکن حمید اللہ صاحب نے مجھے لکھا کہ ''مجھے انجمنوں اور اداروں کے لئے ایک پائی کا بھی عطیہ نہیں ملا''۔ اس وقت میرا ارادہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب Introduction to Islam کا ترکی ترجمہ کروں۔ لیکن اسی خط میں انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ اس کتاب کا ترکی ترجمہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ یہ واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب خطوط کا جواب بڑی سرعت اور پابندی سے دیتے تھے۔ خط و کتابت کے سلسلے میں ان کی یہ عادت قابل تقلید

Marfat.com

ہے۔

میں نے پی ایچ ڈی کا علمی مقالہ ۱۹۷۱ء کے اوائل میں مکمل کر لیا تھا۔ اس کے وسط تک مجھے ڈگری بھی مل گئی تو میں نے پاکستان واپس جانے کا ارادہ کیا۔ میں مشرقی پاکستان کے صدر مقام ڈھاکہ سے ترکی آیا تھا اور ظاہر ہے کہ میری واپسی بھی ڈھاکہ ہی ہونا تھی، لیکن وہاں حالات بڑے ناگفتہ بہ تھے اس لئے اس وقت تو وہاں نہیں جا سکا اور مغربی پاکستان ہی میں قسمت آزمائی کرنے اور وہاں کی یونیورسٹیوں اور علمی و تحقیقی اداروں ہی کی طرف رجوع کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے میری درخواست پر نہایت شفقت و محبت کے ساتھ کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور کئی دوسرے حکام کو تعارفی خطوط لکھ دیئے۔ انھوں نے ان خطوط میں اس ناچیز کے لئے انتہائی اچھے کلمات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ''یہاں نثار احمد اسرار صاحب سے ملاقات رہی اور مسلسل کئی سال تک — الحمدللہ اب ڈاکٹریٹ سے با اعزاز فارغ ہو گئے ہیں۔ ترک طلبہ میں وہ ملنسار سمجھے جاتے رہے تو ترک اساتذہ بھی ان کو ذہین اور باادب پاتے رہے''۔ ان کے اس تعارفی خط سے مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میرے استاد ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان مجھے اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں لینا چاہتے تھے۔ مگر ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

یہ تعارفی خطوط میں نے ترکی میں قیام کے دوران ہی ڈاک سے پاکستان بھیجے لیکن ہر جگہ سے نفی میں جوابات آئے۔

مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے شادی نہیں کی تھی۔ دراصل دیارِ غیر میں ان کے اہل خاندان نہ ہونے کی وجہ سے ان کا رشتہ طے ہونے کی کوئی سبیل نہیں ہو سکی۔ علاوہ ازیں ہمہ وقت تعلیم و تدریس اور علمی کاموں کے ساتھ ساتھ عبادت، اسلام کی خدمت اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی وہ اس طرف توجہ نہیں دے سکے اور جب وقت کافی گزر گیا تو پھر اس سنت رسولؐ کو پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ ویسے بھی تنہائی میں یکسوئی اور بغیر کسی مداخلت کے علمی کام اور دینی فرائض انجام دینے کی خاطر انھوں نے اپنا کوئی

Marfat.com

شریک کار یا خدمت گار بھی نہ رکھا تھا اور ساری عمر مجرد گزار دی۔

میں جس زمانے میں ڈاکٹر صاحب سے اپنی تھیسس کے لئے نوٹس لے رہا تھا اس زمانے میں جماعت اسلامی کا پرجوش حامی اور مولانا مودودی کا بڑا مداح تھا۔ اس لئے وقتاً فوقتاً سیاسی و اسلامی موضوعات سے متعلق مولانا کے نقطۂ نظر پر زور دینے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ گرچہ ڈاکٹر صاحب موصوف برصغیر کے سارے اسلامی مکاتب فکر کے بارے میں مثبت اور اچھے خیالات رکھتے ہیں لیکن وہ جماعت اور مودودی صاحب کی زیادہ موافقت میں نہیں ہیں۔ شاید وہ ان کی سیاست کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

اس زمانے میں میرا اردو سے لگاؤ اور قوم پرستی کا جذبہ بھی عروج پر تھا چنانچہ بار بار یہ خواہش ہوتی تھی کہ کاش ڈاکٹر صاحب پاکستان تشریف لے جائیں اور وہاں اپنی تصانیف اور افکار سے اردو علم و ادب اور اسلام کی خدمت کریں حتیٰ کہ اس خواہش کا دبے دبے الفاظ میں ذکر بھی کیا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ یہ کوئی مفید اقدام نہیں ہوگا۔ وہ اس بارے میں کس قدر حق بجانب تھے، اس کا اندازہ مجھے چند برسوں بعد ہو گیا۔ ہمارے ملک کی مادہ پرستی، جاہ پرستی، ہوس پرستی، منفعت پرستی، علم و ادب اور عالموں کی بے قدری، دولت، منصب و مقام کی پرستش، عہدوں کے لئے کھینچا تانی اور چڑھتے سورج کی پوجا کی جو ریت موجود ہے اس میں بھلا ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے درویش صفت، خدا ترس، بے غرض، صوفی منش اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی شان رکھنے والے ایک متبحر عالم و فاضل، محقق، دانشور اور مفکر کیا کر سکتے تھے؟ وہ ایک ایسے بے مثال عالم تھے جن کے سامنے بڑے بڑے حکمران بھی ہیچ تھے اور ان کو عہدہ، شان و شہرت کی بھی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ انھوں نے اپنی ساری عمر شان و شہرت اور دولت سے بے نیاز ہو کر بیرون ملک گزار دی اور ہر قسم کی ذاتی چپقلش، عہدوں کے حصول کے لئے ادنیٰ قسم کی کشاکش اور ذلت آمیز جھگڑوں اور جھمیلوں سے دور اور محفوظ رہے۔

ان دنوں نوجوانی کے انجانے پن اور نادانی کی بنا پر دل ہی دل میں یہ منصوبے بھی بناتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جا کر اسٹوڈیو میں ایک تصویر بنواؤں جو کہ یادگار

Marfat.com

رہے—اور بعد میں لوگوں کو پتہ چلے کہ میں اتنے بڑے اور مشہور عالم و فاضل استاد کا شاگرد رہا ہوں۔ لیکن اس خواہش کو کبھی بھی زبان پر لانے کا موقع نہیں ملا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تصویر کھنچوانے سے پرہیز بلکہ نفرت کرتے تھے۔

انھیں دنوں ڈارون کے نظریۂ ارتقا سے متعلق میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات اور شبہات کے بارے میں میں نے ان سے سوال کئے تو انھوں نے کہا کہ اس نظریئے کی تردید اور اسلامی نقطہ نظر سے ایک مدلل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔ ویسے انھوں نے بتایا کہ قرآن کریم کی بعض آیات اور بعض مسلم عالم و عارف حضرات نے ڈارون سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ ترکوں کے قبول اسلام کے مسئلے کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ ترکی کے مآخذ آپ کی نظر سے گزرتے ہیں، اس موضوع پر کام کرنا بڑی دلچسپی کا حامل ہوگا کیونکہ ترکوں کے قبول اسلام نے دنیا کی تاریخ بدل دی اور وسطی ایشیا کی اس وحشی اور خانہ بدوش قوم نے بعد میں اسلام کی علمبرداری کی اور ایشیا، یورپ اور افریقہ میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔

اگست ۱۹۹۸ء میں تکبیر میں ڈاکٹر صاحب کے انتقال سے متعلق ایک غلط رپورٹ شائع ہوئی۔ اس کے بعد کے شمارے میں رسالے نے اس غلط رپورٹنگ پر معذرت کر لی اور لکھا کہ وہ الحمدللہ حیات ہیں۔ تاہم اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی میں نے ترکی روزنامے ''ملی گزیتے'' (قومی اخبار) ساکاریا یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ثریا سرما (مرد) کا ایک مضمون پڑھا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ وہ—امریکہ کی ایک ریاست میں بڑی تگ و دو کے بعد ان سے ملاقات کرنے کے لئے ان کے مکان پہنچے وہاں ڈاکٹر صاحب کی بھتیجی، ان کے شوہر اور دوسرے اعزہ مقیم تھے۔ وہ دوسری منزل پر پہنچے اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ ان کو یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے ان کو پہچانا نہیں اور ان کی یادداشت بھی جاتی رہی تھی۔ حالانکہ ترکی میں وہ ان کے بہت قریب تھے اور ان سے بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا۔ غالباً ڈاکٹر صاحب کو الزائمر جیسی کوئی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔ مختصر یہ کہ ضعیف العمری، ذہن و دماغ کے ضرورت سے زیادہ استعمال اور اعصابی کمزوریوں کی

Marfat.com

وجہ سے یہ یادگار علمی ہستی بیکارِ محض بن گئی تھی۔ یہ سطور پڑھ کر دل پر ایک کچوکا لگا، غم واندوہ نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا اور اب تک سوچتا رہتا ہوں کہ یا اللہ جو شخص علم وادب کے اتنے بڑے خزانے کا مالک تھا، جس نے جلد جلد کتابیں لکھیں، جس نے تحقیق وتدقیق کے انبار لگا دیئے اور جس نے علم کے دریا بہا دیئے وہ دنیا سے اس طرح گیا کہ کئی برسوں اسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ وہ اس کے دل ودماغ کی پیداوار تھے اور اس کے عالمانہ اور فاضلانہ قلم سے نکلے تھے۔

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے
داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

ڈاکٹر صاحب کے انتقال پر ملال کی خبریں ''ملی گزیتے'' قومی اخبار، شفق (نئی شفق)، زمان (زمانہ) اور وکت (وقت) میں شائع ہوئیں۔ ایک آدھ مضمون بھی چھپے جن میں ڈاکٹر ثریا سرما، ابوبکر سیفیل اور سلیمان چوبان اوغلو کے تاثرات شامل تھے۔

❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر صاحب متعدد زبانیں جانتے تھے جن میں عربی و فارسی اور اردو کے علاوہ فرانسیسی، جرمن، عبرانی، انگریزی، ترکی، لاطینی، ہسپانوی، روسی اور چینی زبانیں شامل ہیں۔ انہوں نے 1933 میں جرمنی کے قیام کے دوران عبرانی زبان سیکھی تھی۔ 1953 میں چینی زبان سیکھی۔ ڈاکٹر صاحب کی کتابوں اور مضامین میں جرمن، فرانسیسی اور دیگر یورپی زبانوں کی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات بکثرت ملتے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص 101)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ترکی

ڈاکٹر نثار احمد اسرار

عظیم محقق اور دانشور علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے ۱۹۴۸ء میں سقوط حیدر آباد دکن کے بعد جو رضا کارانہ جلا وطنی اختیار کی تھی وہ ان کی ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء میں وفات حسرت آیات تک جاری رہی اور مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار مظفر الدین بہادر شاہ ظفر یا مولانا محمد علی جوہر کی مانند وطن سے دور ہی دفن کئے گئے۔ رضا کارانہ جلا وطنی، بے وطنی یا غریب الوطنی کے دوران ان کی عمر کا غالب حصہ یعنی نصف صدی سے کچھ اوپر فرانس اور پیرس میں گزرا۔ اس لحاظ سے اگر ان کا پہلا وطن عیسائیت کا مرکز فرانس تھا تو دوسرا وطن مسلمان ملک ترکی۔ جی ہاں! عظیم عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ کو ترکی سے ایک گونہ محبت تھی۔ وہ ترکی جس میں مسلمانوں کی عظمت کی بے پناہ نشانیاں موجود تھیں، جو ایک طویل عرصے تک عالم اسلام کا رہنما اور علمبردار رہا تھا اور خصوصاً اس وجہ سے کہ یہاں ڈاکٹر حمید اللہ جیسے علم کے پیاسے اور کتابوں کے کیڑے کے لئے سینکڑوں کتب خانے اور آرکائیوز موجود تھے اور جن میں قرآن وحدیث اور دوسرے علوم وفنون کے عربی، فارسی اور ترکی زبان میں موجود لاکھوں کی تعداد میں نادر قلمی نسخے تھے:-

ع وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی

علاوہ ازیں وہ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک یعنی تقریباً تیس سال متواتر مہمان استاد کے طور پر مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے لئے بلائے جاتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی مرحوم استاد کا تعلق ترکی اور یہاں کی درسگاہوں اور علمی حلقوں سے آخری دم تک قائم رہا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی زیادہ تر کتابیں ترکی میں ترجمہ کی جا چکی ہیں۔ اس بنا پر بلا

Marfat.com

مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتب برصغیر پاک و ہند اور فرانس کے بعد سب سے زیادہ ترکی میں شائع ہوئی ہیں۔ میری ناقص رائے میں ڈاکٹر صاحب کے نقطہ نظر سے ان کے ترکی کے ساتھ تعلق خاطر کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وطن سے دوری کی بنا پر اصلیت، مذہب اور معاشرے، انسانی تعلقات اور ایک مخصوص ماحول کے لحاظ سے فرانس میں ان کو جو اجنبیت محسوس ہوتی تھی اسے وہ کافی حد تک ترکی میں دور کرتے تھے اور ترکی ایک قسم کا حیدر آباد دکن یا برصغیر پاکستان و ہندوستان کا نعم البدل تھا۔ ویسے وہ ایک مرنجاں مرنج اور قلندر صفت انسان تھے اور ایک مومن کے لئے ساری دنیا کے وطن ہونے پر کامل یقین رکھتے تھے۔

ہر ملک ملکِ ما است کہ ملک خدائے ماست

ترکی میں عام لوگوں کو تو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کون تھے اور ان کے کارنامے کیا تھے۔ لیکن ایک محدود علمی حلقے خصوصاً اسلامی علوم سے شغف رکھنے والوں میں وہ بہت اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے وفات کی خبر اسلامی پریس، خاص کر روزنامہ ینی شفق (Yeni Safak) (نیا شفق)، ملی گزیتے (Milli Gazete) (قومی اخبار) زمان (Zaman) (زمانہ) اور وقت (Vakit) (وقت) اور بعض علمی و ادبی رسائل، خصوصاً درگاہ (Dergah) اور یدی اقلیم (Yedi Iklim) (ہفت اقلیم) میں شائع ہوئی۔ اخباروں میں ایک آدھ مضامین بھی شائع ہوئے خصوصاً ہفت اقلیم نے اپریل ۲۰۰۳ء میں ڈاکٹر حمید اللہ نمبر شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی رحلت کے بعد ترکی کے سب سے بڑے شہر استنبول میں کئی تعزیتی جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں ڈاکٹر صاحب کے مداحوں اور طلبہ نے جواب ترکی کے قابل ذکر اساتذہ میں شامل ہیں ڈاکٹر صاحب سے متعلق اپنے خیالات اور تاثرات کا اظہار کیا۔ نجی ٹیلی ویژن چینلز ''کنال۔ ے'' اور STV نے ان سے متعلق پروگرام پیش کئے۔

اخباروں میں برسر اقتدار انصاف اور ترقی پارٹی (AKP) کے ترجمان نیا شفق نے

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب مرحوم پر سب سے زیادہ خبریں اور مقالات شائع کیے۔ اس اخبار کی سرکولیشن ایک لاکھ ہے۔ اس نے فروری ۲۰۰۳ء کے آخر میں اپنے صفحات پر اور سارے ترکی میں بل بورڈز کے ذریعے اشتہارات دیئے جن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی تصنیف ''پیغمبر اسلام'' نامی سیرت النبی کی دو جلدوں کو اخبار میں شائع شدہ ۵۹ عدد کوپنوں کے عوض دینے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد اس اخبار کی سرکولیشن میں پچاس ہزار کا اضافہ ہو گیا۔ اور اپریل کے آخر میں کوپنوں کو جمع کرنے والے ڈیڑھ لاکھ قارئین کو دو جلدیں مفت تقسیم کیں۔ اسی اخبار نے اب ایک نئی مہم کا آغاز کیا ہے جس کے تحت ڈاکٹر حمید اللہ کی ایک دوسری مشہور تصنیف ''غزواتِ رسولؐ'' کوپنوں کے بدلے تقسیم کی جائے گی۔ آثار کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی دوسری شہرۂ آفاق کتب سے متعلق یہ مہم جاری رہے گی یعنی یہ مشہور تصنیفات لاکھوں کی تعداد میں قارئین تک پہنچیں گی جبکہ عام اشاعت کی حالت میں انھیں چند ہزار لوگ ہی لیتے ہیں۔

اخبار کا متعلقہ اشتہار جو اس کے صفحہ اول کی پیشانی پر کئی دنوں تک چھپتا رہا تھا اس کی ایک کاپی اس مضمون کے ہمراہ منسلک ہے۔ اشتہار کی عبارت یہ ہے: ''روزنامہ نیا شفق دور حاضر کے منفرد عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی عظیم اور ناقابل فراموش کتاب ''پیغمبر اسلام'' جس نے اسلام اور اس کے رسول کو مشرق سے مغرب تک ساری دنیا میں روشناس کرایا سارے ترکی کو بطور تحفہ پیش کر رہا ہے''۔

اس خصوصی مہم کے آغاز میں اخبار نے ترکی کے سرکردہ رہنماؤں اور دانشوروں کی ڈاکٹر صاحب سے متعلق آراء کو بھی جگہ دی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر صالح طوغ (Saleh Tug) ڈاکٹر حمید اللہ کے اولین اور عزیز ترین طلبہ میں شامل ہیں۔ ان کی کتاب ''پیغمبر اسلام'' کا فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔ مرمرا یونیورسٹی سے منسلک کلیہ الٰہیات کے ڈین کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ تحقیق اور تدقیق میں مصروف ہیں۔ ان کا شمار ترکی کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ثریا سرما (Sureyya Sirma): یہ بھی ڈاکٹر صاحب کے قریب ترین

Marfat.com

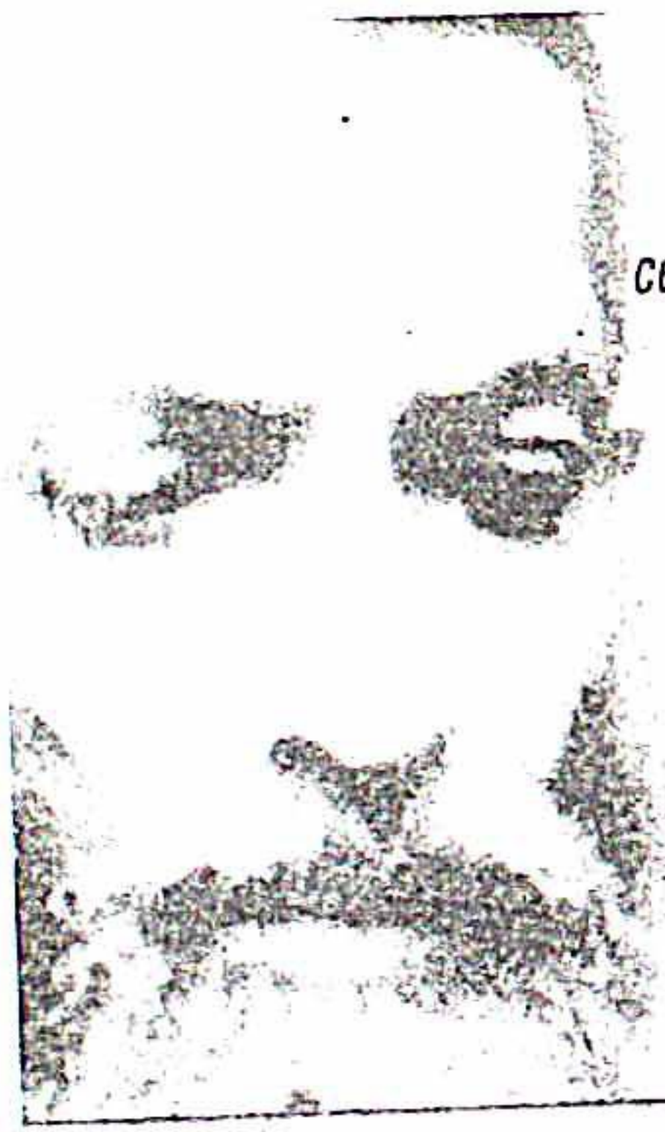

Peygamberimiz (S.A.V.) sözkonusu olduğunda, cevapsız hiçbir soru yoktur. Yalnızca "henüz doğru cevaplara ulaşamamış olanlar" vardır. Sizleri kafanızdaki bütün soru işaretlerinden kurtaracak dosdoğru bir kaynağa ve en doğru cevaplara ulaştıracağız.

Çağdaş İslam bilgini Prof. Dr. Muhammad Hamidullah'ın dev eseri

İNSANLIĞIN BAŞIS EKİSİ

İslâm Peygamberi

LE PROPHETE DE L'ISLAM

Yeni Şafak, en doğudan en batıya yayımlandığı ülkelerde büyük yankılar uyandıran İslâm'ı ve onun kullu ekisinin mesajlarını en uzak coğrafyalara dek ulaştıran bu unutulmaz eseri şimdi bütün Türkiye'ye armağan ediyor.

Sadece 59 kupona! İLK KUPON

3 MART PAZARTESİ Yeni Şafak'TA

Yeni Şafak

TÜRKİYE'NİN BİRİKİMİ

24 ŞUBAT 2003 PAZARTESİ

300.000 TL

ترکی کے معروف اخبار 'نئی شفق' کا اشتہار۔ اس اخبار کی جانب سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب 'پیغمبر اسلام ﷺ' کے ترکی ترجمے کی ڈیڑھ لاکھ کاپیاں قارئین میں بلا قیمت تقسیم کی گئیں

Marfat.com

طلبہ اور احباب میں شامل ہیں۔ انہوں نے آخری وقت تک ڈاکٹر صاحب اور ان کے اعزاء کے ساتھ تعلقات استوار رکھے تھے۔ ساکاریا یونیورسٹی کی الٰہیات فیکلٹی کے سابق ڈین ہیں۔ آج کل ویانا میں یونیورسٹی کے مہمان پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''استاد حمید اللہ محض اسلامی دنیا ہی نہیں بلکہ مغرب کے لئے بھی ایک نادر شخصیت تھے کیونکہ ایسے مسلمان عالم بہت کم ہیں جنھوں نے مغرب میں رہتے ہوئے بھی مغرب کے نظام فکر کے خلاف زبردست جدوجہد کی۔ انھوں نے ''پیغمبر اسلام'' کو تاریخی اصولوں اور علمی سانچوں کے مطابق نہایت عرق ریزی سے تحریر کیا اور اس کی فرانس میں اشاعت ایک بہت بڑے تاریخی واقعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرانسیسی اس کتاب سے بہت متاثر ہوئے''۔

پروفیسر ڈاکٹر حیرت تین قہرمان(Haryrettin Kahraman): یہ بھی ترکی کے ایک ممتاز عالم ہیں۔ مرمرا یونیورسٹی کی فیکلٹی آف الٰہیات سے منسلک رہے ہیں۔ فی الحال علمی و تحقیقی کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی روزنامہ نیا شفق کے کالم نویس ہیں، لکھتے ہیں:-

''ڈاکٹر حمید اللہ ایک ایسے عالم تھے جو قرآن سے بلاواسطہ الہام حاصل کرتے تھے وہ ایک مثالی اور ممتاز عالم تھے۔ ''پیغمبر اسلام''، محض مذہبی اور راسخ العقیدہ لوگوں ہی کے لئے نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں حتیٰ کہ بے دینوں کے لئے بھی ایک رہنما کتاب ہے''۔

پروفیسر ڈاکٹر قہرمان نے ایک تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ کے بارے میں کہا: ''میرا ایمان ہے کہ حمید اللہ محض ایک دانشور ہی نہیں بلکہ ایک ولی تھے''۔

صادق البیراک(Sadik Albayrak) : نیا شفق کے کالم نویس اور اسلامی موضوعات پر بے شمار کتابوں کے مصنف البیراک نے لکھا:-

''اسلامی نشاۃ الثانیہ کا آغاز ''پیغمبر اسلام'' سے ہوا ہے۔ استاد حمید اللہ نے اپنی

Marfat.com

زندگی کا سب سے مفید اور کارآمد حصہ استنبول اور پیرس میں گزارا۔ انھوں نے اس کتاب کے ذریعے اسلامی نشاۃ الثانیہ کا دروازہ کھولا ہے''۔

نیا شفق کے ایک اور ادبی کالم نگار دوجانے جندی اوغلو (Dücane Gundioglu) نے لکھا کہ ڈاکٹر حمید اللہ استادوں کے استاد تھے۔ انھوں نے سالہا سال تک ترکی میں اسلامی علوم سے متعلق درس دیئے اور پروفیسر اور دانشوروں کی ایک کھیپ کی کھیپ تیار کر دی۔ یہ دانشور آج کل ترکی میں اسلامی علوم کی اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ سب استاد حمید اللہ کی بے لوث خدمات، ایثار اور بے نفسی کے ثمرات ہیں۔

ان آراء کا جائزہ لینے کے بعد آیئے اب ہم ان مضامین، تبصرے اور تاثرات کا جائزہ لیں جو یہاں کے مختلف اخبارات و رسائل میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے بارے میں شائع ہوئے۔ لیکن ان سے پہلے میں اس ملاقات کا ذکر کرتا چلوں جو میں نے استنبول میں مارچ ۲۰۰۳ء کے تیسرے ہفتے میں اکیسویں صدی میں اسلامی ممالک کے مسائل سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے دوران ڈاکٹر صالح طوغ صاحب کے ساتھ کی۔ ڈاکٹر صالح طوغ نے مجھ سے ملتے ہی کہا: ''آپ کو علم ہوگا کہ روزنامہ نیا شفق ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی کتاب ''پیغمبر اسلام'' کی دو جلدوں کو کوپن کے عوض اپنے قارئین کو مفت تقسیم کر رہا ہے۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے قریب تھے ان سے متعلق اپنی یادداشتیں قلمبند کر دیں۔ بعض جلسوں میں بھی ان سے متعلق آپ کو تکلیف دوں گا''۔ میں نے کہا: ''میں بھی آپ سے اس موضوع پر بات چیت کرنے کا خواہشمند تھا۔ آپ ان کے سب سے عزیز طالب علم، اسسٹنٹ لیکچرر، مددگار، دوست اور ترجمان تھے۔ آپ کی یادداشتیں زیادہ اہم ہیں۔ انھیں اگر آپ مجھے عنایت کر دیں تو میں پاکستان میں بھی ان کو شائع کروانے کی کوشش کروں گا''۔ انھوں نے بتایا کہ ہفت اقلیم کا خاص نمبر آ رہا ہے اس میں ان کا مضمون ہوگا۔ میں نے بھی ان کو بتایا کہ میرا ایک مضمون بھی اس نمبر میں شامل ہوگا، لیکن میری یادداشتیں آپ جتنی اہم اور قابل قدر نہیں ہیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو حمید اللہ صاحب کی ماں کا نام معلوم ہے؟ میں نے کہا ''نہیں''۔ پھر وہ کہنے لگے: ''آپ کو پتہ ہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے بارے میں

Marfat.com

بات کرنے سے وحشت ہوتی تھی اور وہ اپنے ذکر سے ہمیشہ کتراتے تھے۔ اس لئے ان کی ماں کا نام معلوم نہیں ہوسکا''۔

بعد میں میں نے انقرہ آنے کے بعد ڈاکٹر طوغ سے ای میل کے ذریعے درخواست کی کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، تاثرات اور دلچسپ یادداشتیں مجھے بھیج دیں۔ لیکن ان کا جواب نہیں آیا۔ نیا شفق میں اور ہفت اقلیم میں ان کے مضامین نکلے لیکن ان میں ان کے ذاتی تاثرات کے بجائے ڈاکٹر حمید اللہ کی سوانح حیات موجود تھی۔

ڈاکٹر حمید اللہ سے متعلق ترکی میں اب تک شائع ہونے والے مقالات و مضامین کا بہ نظر غائر جائزہ لینے کے بعد استاد مرحوم کی ذات، تعلیم و تحقیق اور علمی کارناموں کے بارے میں جو مجموعی خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ دور جدید مشرق و مغرب میں ان کے پائے کا محقق مشکل ہی سے پیدا ہوا ہے۔ سیرۃ النبی، اسلامی فقہ، قرآن و حدیث، تاریخ اسلام اور خصوصاً دور نبوی اور عالمی مذاہب کے تقابلی مطالعے کے بارے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے علوم حیدر آباد دکن، فرانس، جرمنی اور ترکی کی جامعات میں حاصل کئے اور آٹھ دس زبانوں میں درجنوں معرکتہ الآراء کتب کے علاوہ ۷۰۰ کے لگ بھگ علمی مقالات کے انبار لگا دیئے۔ ان کی ذاتی زندگی درویشانہ اور صوفیانہ شان رکھتی تھی۔ خود ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے، کم کھاتے اور کم سوتے تھے۔ اپنی ساری زندگی ایک مبلغ اسلام اور مفکر اسلام کے طور پر خدمت اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ بیجا تنقید کرنے اور مناظرہ کے خواہشمند لوگوں کو اول تو کوئی جواب ہی نہیں دیتے اور دیتے بھی تو نہایت خندہ پیشانی، بشاشت، متانت اور شرافت سے اپنے ناقدین کے بارے میں وہ ہمیشہ اچھے خیالات اور خواہشات کا اظہار کرتے اور ان کو دعاؤں سے نوازتے تھے۔ بدگوئی، بدبینی اور غیبت سے دور بھاگتے تھے۔ دنیوی لذائذ اور نفسانی خواہشات سے ساری زندگی اجتناب کرتے رہے تھے۔ اپنی علمی عظمت کے باوجود انھوں نے ایک سادہ، سیدھے اور سچے مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزاری اور اسی طرح آخری سانس لی۔

ترکی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والوں میں ان کے

Marfat.com

ایک بہت بڑے مداح، مصنف اور مورخ اسمٰعیل قرا (Ismail Kara) پیش پیش ہیں۔ انھوں نے ترکی میں اسلام اور اسلامی تحریک کے حوالے سے بڑی قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے ماہنامہ درگاہ کے فروری ۲۰۰۳ء کے شمارے میں ''آفتاب غروب ہوگیا، دنیا تاریک ہوگئی'' کے عنوان سے ایک مفصل اور دقیع مضمون لکھا تھا۔ مضمون کے آغاز میں انھوں نے لکھا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو اپنی دنیا تبدیل کر لی۔ وہ دراصل اس فانی دنیا میں ایک روح اور خاکی پتلے کی طرح رہ رہے تھے اور اب عالم حقیقی میں بسیرا کر کے حیات جاوداں حاصل کر چکے ہیں۔ انھوں نے لکھا کہ اس سے پیشتر بھی کئی بار ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبریں آ چکی تھیں، لیکن آخری خبر صحیح اور مصدقہ تھی۔

اسمٰعیل قرا نے لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے ڈاکٹر حمید اللہ کے نام اور ان کی کتابوں سے اپنے بڑے بھائی مصطفیٰ قرا کے ذریعے روشناس ہوئے۔ انھوں نے سب سے پہلے ''پیغمبر اسلام''، ''اسلامیات'' اور ''رسول اللہ کے غزوات'' نامی کتابیں پڑھیں اور ان کتب کے مصنف کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا شوق چرایا۔ انہوں نے فروری ۱۹۶۹ء میں استنبول میں امام خطیب مدرسے میں ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک لیکچر سنا۔ ان کے ترجمان پہلے ڈاکٹر صالح طوغ اور بعد میں اسسٹنٹ لیکچرر یوسف ضیاء کاواک چی (Yusuf Ziya Kavakci) ہوا کرتے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو دیکھنے سے پہلے اسمٰعیل قرا نے ان کے بارے میں عجیب عجیب تصورات قائم کر رکھے تھے اور سوچتے تھے کہ اتنے بڑے پروفیسر کی تو بڑی شان ہوگی اور اس کے کروفر کے سامنے بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ بعد کا حال ان کی زبانی سنیے:

''مائیک پر آتے وقت ہی ان کی کسر نفسی کا اندازہ ہوگیا۔ طویل القامت لیکن بہت نحیف سا جسم، لمبی اور پتلی سی گردن، چھوٹا سا سر، جناح کیپ، زندہ آنکھیں، لمبی سی داڑھی جس میں سفیدی آنے لگی تھی۔ چہرے پر بشاشت جس میں کچھ اضطراب اور خفیف سی مسکراہٹ کی آمیزش تھی۔ یہ تھی وہ مبارک ہستی جو عالمانہ غرور و نخوت سے بہت دور تھی''۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے لیکچر کے آغاز میں بتایا کہ وہ فرانسیسی، جرمن، اردو یا

Marfat.com

انگریزی میں خطاب کر سکتے تھے لیکن وہ عربی کو ترجیح دیں گے جو کہ امہات المؤمنین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی زبان تھی۔ اسمٰعیل قرا لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے اس اعلان پر ان کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ وہ قرآن کی زبان میں ان کا لیکچر سن اور بڑی حد تک سمجھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں ان کو اس طرح اپنی عربی کو آگے بڑھانے کا موقع بھی مل گیا تھا۔

اسمٰعیل قرا نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے کئی لیکچرز کو سننے کا ذکر کیا ہے، جن میں ڈاکٹر صاحب نے علم کے دریا بہا دیئے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کی مختلف کتب کی ترکی میں اشاعت کے بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطوط نہایت صاف ستھری ترکی زبان میں تحریر کئے تھے۔

اسمٰعیل قرا نے ڈاکٹر صاحب سے متعلق ایک نہایت ہی دلچسپ اور ایک لحاظ سے ایک معجزانہ واقعے کا بھی ذکر کیا ہے جو مختصراً یوں ہے:

''سنیچر کا دن تھا۔ دیوان روڈ پر چیمبر لی تاش کے مقام پر ایک بڑی سی امریکی پلے ماؤتھ مارکہ ٹیکسی خراب ہوگئی تھی۔ ٹیکسی والا ہر ایک کو آواز دے رہا تھا: بھائیو ذرا اسے دھکا دے دو کہ اسٹارٹ ہو جائے۔ کئی آدمی زور لگا رہے تھے۔ میں نے بھی ہاتھ دے دیا لیکن گاڑی ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ ذرا سے وقفے کے بعد اپنے ہاتھ کے قریب پتلا سا ہاتھ دیکھا۔ گاڑی ڈگرنے لگی۔ لیکن میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ کیا اس پتلے سے ہاتھ سے گاڑی کو دھکا دو گے؟ اور ساتھ ہی اس ہاتھ کے مالک کے ہمدردی کے جذبے کی داد بھی دے رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ پرانی سالخوردہ گاڑی جس کے اسٹارٹ ہونے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے تھوڑی دور جانے کے بعد اپنی مخصوص گھڑ گھڑاہٹ اور شور کے ساتھ اسٹارٹ ہوگئی۔ میں نے اپنے ہاتھ صاف کئے اور کنکھیوں سے پتلے سے کمزور سے ہاتھ کے مالک کو دیکھنے کی کوشش کی۔ ارے یہ کیا؟ یہ تو ڈاکٹر حمید اللہ ہیں۔ فوراً ہی باادب ہو کر ان کو سلام کیا اور ان کا چہرہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ متبسم ہو گیا۔ سلام کا جواب اپنائیت سے دیا اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان کے ایک ہاتھ میں تقریباً نصف صدی پرانا کتابوں کا بیگ تھا''۔

Marfat.com

ماہنامہ ہفت اقلیم میں ۲۷ مضامین ترک پروفیسروں، دانشوروں، صحافیوں اور مصنّفین کے ہیں اور ایک عبدالمالک مجاہد صاحب کا انگریزی اور ترکی زبان میں۔ علاوہ ازیں اس خاص نمبر میں ڈاکٹر صاحب پر لکھی گئی تین نظمیں، کئی اشعار، دو تصاویر اور بہت سے خطوط کے عکس ہیں۔

ماہنامے کے ایڈیٹر علی حیدر حق سال (Haksal) نے اداریئے میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ خاکساری، عاجزی اور انکساری کے پتلے تھے۔ ان کی اس خصوصیت کے سبھی قائل اور مداح تھے۔ انھوں نے درویشانہ زندگی گزار دی اور پیرس کی ایک بوسیدہ سی عمارت کی پانچوں منزل کے ایک چھوٹے سے تاریک کمرے میں اپنی کتابوں اور علمی خزانے کے ساتھ نصف صدی سے زیادہ عرصہ بسر کیا۔ حق سال نے اپنے ایک الگ مضمون میں پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو موجودہ صدی کے عظیم مفکرین اور دانشوروں میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ وہ زندہ ہوتے تو ان کو یہ خطاب ملنے پر شرمندگی ہوتی حتیٰ کہ قدرے ناراضگی کا بھی اظہار کرتے لیکن اندر سے خوش بھی ہوتے کہ ان کو اس قابل سمجھا گیا۔ حق سال صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیچھے شاہکار کتابیں، تحقیق و عرق ریزی کے بہترین نمونے اور یادگار علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جو ابدالآباد تک ان کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے رسالے کے پہلے مضمون میں ڈاکٹر صاحب کے لائق شاگرد پروفیسر ڈاکٹر صالح طوغ نے ڈاکٹر صاحب کی سوانح عمری قلمبند کی ہے۔ ڈاکٹر صالح طوغ نے استاد مرحوم کے ابتدائی حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کا خاندان بہت بڑا تھا۔ وہ آٹھ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام سلطان بیگم اور والد کا نام مفتی ابو محمد خلیل اللہ تھا۔ انھوں نے ڈاکٹر طوغ کے ساتھ بات چیت میں اس بات کا بڑے فخر سے ذکر کیا تھا کہ اسلامی علوم کے بارے میں بنیادی تعلیم انھوں نے گھر پر اپنے والد، بہنوں اور خصوصاً والدہ محترمہ سے حاصل کی۔ ان کی والدہ نے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف مراحل اور واقعات بچپن ہی میں ذہن نشین کروا

Marfat.com

دیئے تھے۔ علاوہ ان کے اعزا و اقارب اور دوست احباب بھی عالم و فاضل لوگ تھے جنھوں نے ان کی زندگی اور علمی شخصیت کی تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

۱۹۳۲ء میں انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی میں اپنے ایم اے کی تھیسس ''جدید قانون بین الممالک کا آغاز'' کے لئے مواد تلاش کرنے کے سلسلے میں اس زمانے کے مشکل حالات میں یمن، حجاز، شام، فلسطین، مصر اور ترکی کے کتب خانوں میں تحقیق کی۔ اس طرح وہ پہلی بار استنبول اور ترکی زبان سے روشناس ہوئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک اور لائق قابل اور وفادار شاگرد پروفیسر ڈاکٹر یوسف ضیا کاواک چی نے ''دور جدید کے عظیم اسلامی اسکالر'' کے عنوان سے اپنے مفصل مضمون میں ڈاکٹر سے اپنی سالہا سال کی قربت، محبت و یگانگت کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر کاواک چی ایک عرصے تک جامعہ استنبول کے اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ سے اسسٹنٹ پروفیسر اور ریڈر کے طور پر منسلک رہے۔ اس دوران انھوں نے حمید اللہ صاحب کے بہت سے لیکچروں کے عربی سے ترکی میں ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔ پھر ارزروم یونیورسٹی کے کلیہ اسلامی علوم کے ڈین رہے اور بعد میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ریاست ٹیکساس میں جا کر بس گئے۔ وہاں وہ ایک اسلامی تنظیم کے سربراہ اور امام ہیں۔ ان کی بیٹی مروے کاواک چی دسمبر ۱۹۹۸ء میں ترکی کی اسمبلی کی رکن منتخب ہوئی تھیں لیکن حجاب کرنے کے الزام میں ایک سال کے عرصے میں اس کی رکنیت منسوخ کر دی گئی تھی۔ پروفیسر کاواک چی کو اپنے عزیز استاد کی میّت کو غسل دینے، کفنانے، دفنانے اور نماز جنازہ ادا کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

ڈاکٹر کاواک چی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ترکی میں ڈاکٹر حمید اللہ کے پہلے قابل اعتماد ترجمان ڈاکٹر فواد سیزگین تھے جو ۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب کے بعد جرمنی جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انھوں نے تحریر کیا ہے کہ ترکی میں یونیورسٹی کی سطح پر ۱۹۵۰ء کے آغاز میں اسلامی تحقیقی انسٹیٹیوٹ قائم کرنے کا سہرا پروفیسر ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان کے سر جاتا ہے۔ اس زمانے میں ترکی میں لفظ ''اسلام'' سے ارباب حل و عقد کو بہت چڑ تھی اور مذہب کے نام پر ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی تھی۔ چنانچہ انسٹیٹیوٹ اور اس سے منسلک لوگوں پر بھی کڑی

Marfat.com

نگاہ رکھی جاتی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ ۱۹۷۰ء تک ترکی کی خفیہ ایجنسی یا سی آئی ڈی ڈاکٹر حمید اللہ کا پیچھا کرتی رہی، لیکن سیاسی موضوعات سے متعلق ان کے لیکچرز اور مقالوں میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں پا سکی۔ استاد محترم بھی اس معاملے میں بڑے محتاط تھے اور سیاست سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن ان کو اندر ہی اندر اسلامی تعلیمی اداروں خصوصاً امام خطیب کے مدارس، کلیوں اور تحقیقی اداروں کی تعداد میں دن بدن اضافے، اسلامی علوم کے فروغ اور اسلامی کتب کی مقبولیت و اشاعت سے بہت خوشی ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ ۱۹۵۰ء میں وزیر اعظم عدنان مندریس کے زمانے سے عربی اور قرآن و حدیث کی تعلیم پر پابندیوں کے اٹھنے اور عربی میں اذان دینے کے ساتھ ساتھ امام خطیب کے مدارس کی تعداد جو کل سات تھی تھوڑے ہی عرصے میں ۵۰۰ تک پہنچ گئی۔ یونیورسٹیوں میں الٰہیات کی نئی فیکلٹیاں بھی قائم ہو گئیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے استنبول میں اپنی تحقیقات کے دوران قرآن کریم کے قدیم ترین نسخے، قیصر روم ہیراکلیس کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اور کئی اور نادر عربی مخطوطات دریافت کیے اور ان کو علمی دنیا سے روشناس کیا۔

ڈاکٹر کاواک چی لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ استنبول میں ہمیشہ سپاہی پالاس (Sipahi Palas) ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں قیام فرماتے تھے۔ ان کے کمرے کی کھڑکی ہمیشہ سلطان عبدالحمید دوم کے مزار یا قبر کی طرف کھلتی تھی۔ شاید وہ اس آخری بڑے عثمانی بادشاہ کی قبر کو دیکھ کر ان کے عظیم الشان ماضی کو اپنے تصور میں لانے کی کوشش کرتے تھے۔ ڈاکٹر کاواک چی کے خیال میں ڈاکٹر حمید اللہ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن دوسرے فرقوں اور مذاہب کے بارے میں بڑے فراخ دل تھے۔ خاص کر حنفی لٹریچر سے بہت متاثر تھے۔ اب ان کی زبانی ڈاکٹر صاحب کے سفر آخرت اور آخری رسوم کا حال سنیے:

"۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو استاد کی وفات کی خبر سنتے ہی ریاست فلوریڈا کے شہر جیکسن ول روانہ ہوا۔ ان کی بڑی پوتی سدیدہ فلیٹ میں موجود تھی۔ میں ان چند خوش نصیبوں میں سے ایک تھا، جو انھیں نصف صدی سے جانتے تھے۔ وہ اسی روز دوپہر کے وقت اپنے خالق حقیقی

Marfat.com

سے جا ملے تھے۔ میں نے ان کے بے جان جسم کا اسی شام کو دیدار کیا۔ دوسرے دن یعنی ۱۸ ردسمبر کو بدھ کے روز ان کے لئے کفن کا کپڑا کاٹا۔ میں، ان کے دو بڑے پوتے عرفان اور ریحان اور چند دوسرے افراد نے انھیں غسل دیا۔ اسی روز میں نے تقریباً ساٹھ افراد کی ایک جماعت کے نماز جنازہ کی امامت کی اور استاد مکرم کو چیپل ہل کے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ استاد مرحوم دنیا کے اس دوسرے کنارے کے قبرستان کے پانچویں مہمان تھے"۔

جیکسن ول میں مختلف قومیتوں کے تقریباً بیس ہزار مسلمان مقیم ہیں۔ ان میں سے آدھے بوسنیا کی جنگ کے بعد یہاں پہنچنے والے اہل ایمان ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر کاواک چی نے مزید لکھا ہے کہ سدیدہ خانم نے پیرس میں تقریباً ایک سال قیام کر کے اپنے دادا کی دیکھ بھال کی اور ان کی امریکہ روانگی کے انتظامات مکمل کئے تھے۔ وہ بڑی کدوکاوش کے بعد ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب کو امریکہ لے جانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) نے چند سال قبل ڈاکٹر صاحب کی یاد میں ان کی زندگی ہی میں ایک جلسہ منعقد کیا تھا جس میں کاواک چی کے علاوہ جنوبی افریقہ میں مقیم علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے فرزند ڈاکٹر سلمان ندوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔

انھوں نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ جہاں بہت سے لوگ ڈاکٹر حمید اللہ کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب جیسے مفکرین اسلام سے تشبیہ دیتے ہیں وہاں بعض تنگ نظر ملاؤں اور حاسدین کا ایک چھوٹا سا گروہ جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے انھیں نعوذ باللہ "بدعت اللہ" کہتے اور فاسق و فاجر کا درجہ دیتے ہیں حالانکہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ ان سے بھی بہت سی غلطیاں ہوئی ہوں گی اور ہر موقعے پر ان کی اصلاح کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ کبھی ان کے منہ نہ لگتے بلکہ ہمیشہ ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی خدا ترسی، فقیرانہ بود و باش اور شان بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے

Marfat.com

کاواک چی لکھتے ہیں کہ ان کا اپنا کوئی مکان تھا نہ فلیٹ، نہ گاڑی نہ گھوڑا۔ استنبول میں یونیورسٹی سے ہوٹل اور کتب خانوں تک پیدل چلتے تھے۔ پیرس میں طویل فاصلوں کے لئے بسوں کو ترجیح دیتے تھے۔ پیرس میں ایک بار ایک ریستوران میں صرف اس وجہ سے ان کو داخل نہیں ہونے دیا گیا تھا کہ انھوں نے جناح کیپ پہن رکھی تھی۔ وہ پیرس میں سبزی پر گزارہ کرتے تھے۔ ترکی میں ہوتے تو کبھی کبھار گوشت کھا لیتے تھے۔ عموماً روزہ رکھتے تھے یا تھوڑی سی دہی اور چاول کھا لیتے تھے۔ ان کی تنخواہ ترکی میں دوسرے مہمان اساتذہ کے مقابلے میں تین گنا کم تھی۔ اس کے باوجود وہ اس کی آدھی رقم غریب طلبہ کو وظیفے کے طور پر دے دیتے تھے۔

ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کے آخری دنوں میں کلمات کے ذریعے اظہار خیال سے محروم ہو گئے تھے۔ ان سے صرف سدیدہ بات کر سکتی تھیں۔ پہلے اردو میں اور پھر اشاروں میں۔ حمید اللہ صاحب ڈرائنگ روم میں موجود پنجرے میں سرخ چونچوں والی دو چڑیاؤں کو دیکھا کرتے تھے۔ بیچارے ڈاکٹر صاحب جو زندگی بھر اپنا اوورکوٹ اور کوٹ کسی کی طرف سے پکڑے جانے یا اپنے ہاتھوں کو بوسہ دلوانا قطعی پسند نہیں کرتے تھے اب اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور رفع حاجت کے لئے دوسروں کے محتاج تھے۔ حافظ قرآن اور مفسر قرآن ڈاکٹر حمید اللہ ایک شیر کی طرح زندہ رہے اور شیر ہی کی طرح پروقار طریقے سے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ وہ نہ کبھی جھکے اور نہ ٹوٹے۔ اپنے ایمان اور اپنے علم کا کبھی سودا نہیں کیا۔

یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر بکیر کارلی آغا (Bekir Karliaga) نے ''ایک عالم اور اہل ایمان'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے مغرب میں رہتے ہوئے بھی مغرب کے رنگ میں رنگنے کی بجائے اپنی مسلمانیت برقرار رکھی۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا تعارف ڈاکٹر صاحب سے ان کی مختلف کتب اور کئی لیکچروں سے ہوا۔ ۱۹۶۴ء کے بعد وہ مختلف مواقع پر ڈاکٹر صاحب سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کرنے کے

Marfat.com

لئے پیرس گئے تو وہاں ان سے مسجد میں ملے۔ کئی بار ان کے مکان بھی گئے۔ نقاہت اور ضعف کی حالت میں بھی وہ پانچویں منزل تک زینے سے چڑھتے اور اترتے تھے اور پیرس کے مسلمان طلباء کی ایسوسی ایشن اور مسجد کی تعمیر اور مرمت میں مصروف رہتے تھے۔ انھوں نے بلڈنگ کے گیٹ کیپر سے ڈاکٹر صاحب کے رہن سہن اور طور طریقے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے خیال سے اس کی رائے پوچھی تو اس نے کہا کہ وہ اگر ایک عیسائی ہوتے تو ان کو یقیناً ایک ولی کا درجہ دیا جاتا۔

ڈاکٹر کارلی آغا نے اپنے ایک عرب دوست کی زبانی یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب پیرس میں سیٹرون مارکہ ایک بڑی سی کار کو اکیلے دھکا دے رہے تھے۔ عرب دوست نے بھی مدد دی اور گاڑی چل پڑی۔ گاڑی میں سوار عورت شکریہ ادا کئے بغیر وہاں سے غائب ہوگئی یعنی ڈاکٹر صاحب مشکل میں گرفتار ہر شخص کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

راسم اوزدین اورین (Kasim Özdenoren) نے جو ترکی میں اسلامی ادب کے ادباء میں شمار کئے جاتے ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لئے کئی کہانی خاکے، ڈرامے اور ناولیں لکھ چکے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے جس میں انہوں نے اسلامی قوانین اور معاشیات سے متعلق بعض اصطلاحات کی وضاحت چاہی تھی۔ وہ ۱۹۷۲ء کے موسم بہار میں اتوار کے دن دس بجے سپاہی پالاس ہوٹل پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب وقت کے بڑے پابند تھے جیسے ہی اوزدین اورین لابی میں پہنچے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب سیڑھی کے آخری زینوں سے اتر رہے ہیں۔ شباہت سے ان کو فوراً پہچان لیا۔ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے، چائے کا آرڈر دے دیا اور ذین اورین نے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ یہ ڈاکٹر ایس اے صدیق کی کتاب سے متعلق سوالات تھے۔ انھوں نے پہلا سوال پوچھا، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جواب دینے سے پہلے اوپر اپنے کمرے میں بعض کتابیں دیکھ کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ زینوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے اور متعلقہ کتابوں کا حوالہ دے کر اپنا جواب دیا۔ اوزدین اورین نے دوسرا سوال کیا۔ اس کے

Marfat.com

لئے بھی ڈاکٹر صاحب حسب معمول اوپر پہنچے اور نیچے آئے۔ اس طرح سائل نے آٹھ سوال پوچھے اور ہر بار ڈاکٹر صاحب سیڑھی چڑھ کر اپنے کمرے میں گئے اور کتابیں دیکھ کر نیچے اترے۔ ابھی اور بھی کئی سوال جواب طلب رہ گئے تھے اور ڈاکٹر صاحب حسب معمول جواب دینے کے لئے تیار تھے۔ لیکن راسم اوزدین اورین کو بڑی ندامت ہوئی اور اس خیال سے کہ ڈاکٹر صاحب کو اور تکلیف نہ دوں یہ کہہ دیا کہ بس اتنے ہی سوالات تھے۔ انھوں نے ہوٹل والوں سے بات کی تو انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بڑے اچھے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ انھیں اس بات پر فخر ہے کہ اتنے بڑے عالم ان کے ہوٹل میں قیام کرتے ہیں مگر انھوں نے کبھی بھی اپنے کمرے میں خدمت کا موقع نہیں دیا۔ اکثر رات گئے شرٹ اور پینٹ پہن کر زینوں سے نیچے اتر کر پانی کے ایک گلاس کی درخواست کرتے ہیں اور کبھی بھی ٹیلیفون کر کے اپنے کمرے میں ویٹروں وغیرہ کو نہیں بلاتے کہ خواہ مخواہ ان کو تکلیف ہو گی۔

محمود کانک (Kanik) نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کو بڑی اہمیت دی ہے جس میں انھوں نے اپنے لیکچرز شروع کرنے سے پہلے کہا تھا کہ وہ امہات المومنین کی زبان یعنی عربی میں بولیں گے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے ایک اور مشہور شاگرد اور قریبی دوست و ہمدم پروفیسر ڈاکٹر احسان ثریا سرما (Sirma) نے اپنے مضمون میں اپنے محبوب استاد کے آخری لمحات کا ذکر نہایت جذباتی انداز میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ متواتر ۳۵ سال ڈاکٹر صاحب سے رابطے میں رہے۔ ان کے خیال میں ڈاکٹر صاحب علم و عرفان اور تقویٰ کی بلند ترین منزلوں سے گزر چکے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں پیرس میں پی ایچ ڈی کرتے وقت انھوں نے پاکستان پر ہندوستان کے جارحانہ حملے اور پاکستان کے دولخت ہونے سے متعلق ایک احتجاجی جلسے میں شرکت کا ذکر کیا ہے جہاں ڈاکٹر صاحب بھی موجود تھے۔ مقررین نے اپنی تقریروں میں ہندوستان کی خوب مذمت کی لیکن ان کی دھواں دھار تقریریں حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ ہندوستان نے اپنا وار کر دیا تھا اور پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے منصوبے میں بھی

Marfat.com

کامیاب ہوگیا تھا۔ جلسے کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے جملہ چست کیا ۔ نشستند و گفتند و برخاستند۔

ڈاکٹر سرما نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے امریکہ میں پہلے فلاڈلفیا اور بعد میں فلوریڈا میں قیام فرمایا۔ ۲۹/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ویانا میں ڈاکٹر سرما کو سدیدہ کا ایک ای میل ملا کہ ''دادا کی حالت نازک ہے''۔ دوسرے دن وہ وہاں سے فلوریڈا روانہ ہوگئے۔ وہاں جیکسن ول پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب ابھی حیات تھے لیکن حالت بڑی ہی قابل رحم۔ ''اس متقی عالم کی حالت کتنی قابل رحم تھی! میں سوچ رہا تھا کہ ہماری حالت کیا ہوگی اور افسوس کر رہا تھا۔ استاد بھی جیسے میرے چہرے کے یاس اور بے چارگی کا جائزہ لے رہے تھے لیکن ان کی زبان گنگ تھی۔ پتہ نہیں انھوں نے مجھے پہچانا یا نہیں لیکن جیسے آنکھوں سے یہ پیغام دے رہے تھے ''اولاد عزیز زندگی اسی کو کہتے ہیں، دیکھو یہ انسان کو کس حالت تک پہنچا دیتی ہے، اپنے آپ پر رحم کرو اور اپنے اعمال کو درست کرلو اور اللہ کے سوا کسی اور کا غلام نہ بنو''۔

''۴/نومبر ۲۰۰۲ء تک استاد کے پاس رہا، یعنی اس تاریخ تک جبکہ ترکی میں عام انتخابات کے نتائج آچکے تھے۔ میرے مختصر ایام جلد گزر گئے اور ان کو بستر مرگ پر چھوڑ کر ویانا واپس آگیا۔

''اس دوران ڈیڑھ ماہ گزر گیا۔ ۱۷/دسمبر کی رات کو سدیدہ کا ایک اور پیغام ملا۔ استاد اس دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ اس بار پوری کوشش کے باوجود ان کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے جیکسن ول نہیں جاسکا''۔

ترکی کے ایک اور ممتاز اسکالر پروفیسر ڈاکٹر شرافت تین گولجک (Serafettin Golkük) نے ''مغرب میں چمکنے والا اسلام کا ستارہ'' کے عنوان سے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ان کا ڈاکٹر صاحب سے پہلا تعارف ۱۹۶۳ء میں انقرہ یونیورسٹی کے کلیہ الٰہیات میں ایک کانفرنس کے دوران ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں سوربون یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کرنے کے لئے پیرس گئے تو ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے کئی مواقع ملے۔ وہ پیرس کی جامع مسجد میں فرانسیسی زبان میں وعظ دیا کرتے تھے۔ وہ کئی بار عیسائیوں اور مسلمانوں کی دوستی کی انجمن

Marfat.com

کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ انھوں نے اسلام کے پیغام امن کو پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور بڑی تعداد میں فرانسیسیوں کے مسلمان بننے میں مدد دی۔ پھر ۱۹۷۲ء میں انھوں نے سوربون میں اپنا جو تحقیقی مقالہ پیش کیا اس کی جیوری میں ڈاکٹر حمید اللہ بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر گولجک نے لکھا ہے کہ ۱۹۹۰ء کے بعد سوویت یونین کے خاتمے اور بلقان وغیرہ میں نئی مسلم ریاستوں کے وجود میں آنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ کو یقیناً بہت خوشی ہوئی ہوگی کیونکہ بہت عرصے سے وہ ان علاقوں کا دورہ کرنے کی اور وہاں اسلام کے نئے دور کے آغاز کا جائزہ لینے کی خواہش رکھتے تھے۔ لیکن ان کی یہ آرزو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی کیونکہ وہ بخارا، سمرقند اور تاشقند کو اسلامی علوم کے مراکز کے طور پر جانتے تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر سوات یلدرم (Suat Yildrim) نامی ایک اور مصنف اور اسکالر نے بھی ہفت اقلیم میں اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہ ۱۹۷۷ء کے آغاز میں ارزروم یونیورسٹی میں ڈاکٹر حمید اللہ کو بہت قریب سے دیکھتے رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ ۷۴-۱۹۷۵ء میں اپنی پی ایچ ڈی کی تھیسس کے سلسلے میں پیرس میں ڈاکٹر صاحب سے شرف نیاز حاصل کر چکے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو اپنے تحقیقی مقالے کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی دقیع کتابوں اور مقالات سے بہت مدد ملی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت عثمانؓ کے مصحف شریف سے متعلق بڑا قیمتی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہر اتوار کو پیرس کے مسلمان طلباء کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ وہ سالہا سال تک بلا ناغہ اور متواتر انجمن کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے تھے۔

ڈاکٹر سوات یلدرم لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کچھ زیادہ گرمجوش نہ تھے اور وہ زیادہ تر مولانا ابوالکلام آزاد اور شروع میں مولانا مودودی کی طرح تقسیم ہند کے خلاف تھے کیونکہ اس طرح برصغیر کے مسلمان کئی حصوں میں بٹ گئے اور مجموعی طور پر ان کی سیاسی، معاشی اور ثقافتی حیثیت کمزور ہوگئی۔ وہ تقدیر الٰہی کے قائل تھے اور اللہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے۔

Marfat.com

ترکی کے ایک بزرگ ادیب ایم اورحان اوکائی (M. Orhan Okay) نے روزنامہ ''زمان'' میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے متعلق اپنی یادداشت میں تحریر کیا ہے کہ غالباً ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء میں استنبول کے کلیہ ادبیات میں لیکچر سے پہلے ڈاکٹر صاحب کا تعارف پروفیسر ذکی ولیدی طوغان نے کیا تھا اور ان کے لیکچر کا ترجمہ ڈاکٹر فواد سیزگین نے کیا تھا۔ اس وقت کی ڈاکٹر صاحب کے ہیولے اور شبیہہ کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''کالی داڑھی، لمبے قد، مدقوق سے جسم اور سر پر موجود سیاہ ٹوپی کے لئے استاد حمید اللہ خط ثلث میں تحریر شدہ الف (ا) کی طرح لگتے تھے۔ لمبی پتلی سی گردن کے اوپر کا سر اور کچھ زیادہ بڑی داڑھی اس الف کے زلف کی مانند لگتی تھی۔ نحیف نزار بدن کے باوجود ان کی حرکات میں بے پناہ پھرتی تھی اور اس سے بھی یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ وہ کبھی جھکنے والے نہیں ہیں۔ دیکھنے میں وہ کچھ عمر رسیدہ لگتے تھے لیکن عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس زمانے میں ہماری نگاہ میں چالیس سال کے لوگ بوڑھے خیال کئے جاتے تھے۔

اوکائی صاحب نے لکھا ہے کہ ستمبر ۱۹۵۱ء میں استنبول میں مستشرقین کی جو بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کی مناسبت سے حمید اللہ صاحب نے دوسری بار دولت عثمانیہ کے اس تاریخی شہر میں قدم رکھا تھا اور اپنا تحقیقی مقالہ فرانسیسی زبان میں پڑھا تھا۔ یہیں پروفیسر ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان کی نظر انتخاب ڈاکٹر صاحب پر پڑی تھی اور ان سے یونیورسٹی میں متواتر درس دینے کا وعدہ کروالیا تھا۔ اوکائی صاحب کا ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک ارض روم کی اتاترک یونیورسٹی میں ان سے قریبی تعلق رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے یونیورسٹی کے مجلّے میں اسلامی تحقیق سے متعلق ایک کلیہ کے ڈھانچے کے بارے میں بھی ایک گراں قدر مضمون سپرد قلم کیا تھا۔

ایک اور مضمون نگار محمود رفعت قدم اوغلو (kedemoglu) نے ہفت اقلیم میں تحریر کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ان کی انسیت اور عقیدت ۱۹۷۴ء میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ استنبول یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب کے لیکچرز سنتے تھے۔ اسی زمانے میں ان کی منگنی ہوئی۔ عقد کی

Marfat.com

تاریخ طے ہوئی تو انھوں نے سرکاری کاغذی کارروائیوں اور رسوم کے علاوہ دینی نکاح پڑھوانے کا بھی فیصلہ کیا۔

نکاح خواں کے طور پر ان کی نظر میں ڈاکٹر صاحب کا نام تھا۔ اس کا ذکر کیا تو ڈاکٹر صاحب نے بخوشی قبول فرمالیا۔ یونیورسٹی اور ڈاکٹر صاحب کا قیام استنبول کے یورپی حصے میں تھا جبکہ نکاح شہر کے ایشیائی حصہ اسکدار باغلار باشی کے علاقے میں واقع دلہن کے گھر میں پڑھوانا تھا۔ اس زمانے میں باسفورس کے دو پل تعمیر نہ کئے جانے کی بناء پر استنبول کے دونوں حصوں میں سمندر میں صرف فیری بوٹ کے ذریعے سفر کرنا پڑتا تھا۔ مقررہ تاریخ کو یعنی ۲۳ رمئی ۱۹۷۴ء کو قدم اوغلو ڈاکٹر صاحب کو اپنے ہمراہ ایشیائی حصے میں لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب وہاں پوری تیاری کے ساتھ پہنچے تھے۔ بغیر کہے انھوں نے پتہ نہیں کہاں سے حاصل شدہ عربی کے ٹائپ رائٹر کے ذریعہ نکاح نامے کا متن تیار کرلیا تھا۔ اس میں آیات اور احادیث موجود تھیں، مہر کا حصہ خالی چھوڑ دیا تھا۔ اس کو انھوں نے ہمارے کہنے کے مطابق پُر کر دیا۔ رسم نکاح خوانی کے دوران ڈاکٹر صاحب نے متن پڑھا اور بڑی اچھی دعائیں کیں۔ متن کی تین کاپیوں پر خود دستخط کئے، دو گواہوں، دولہا دلہن اور دلہن کے والد کے دستخط کروائے۔ ایک کاپی اپنے پاس رکھی اور وہ دو کاپیاں ہمیں دے دیں اور عقد کے بعد نئے جوڑے کو اپنی کتابوں کا تحفہ بھی دیا۔ اس طرح یہ فرض بخیر و خوبی تمام ہوا۔

بُرسا کی اولوداغ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ایم علی سونمز (SONMEZ) نے ۶۷-۱۹۷۱ء میں پیرس میں اپنے قیام کے دوران بعض یادداشتوں کو ہفت اقلیم میں جگہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب پیرس کالج میں پروفیسر لاؤس (H. Laoust) کے ساتھ سالہا سال تک لیکچرز دیتے رہے تھے۔ پروفیسر لاؤس نے سونمز کو مشورہ دیا کہ وہ اسلامی موضوعات پر حمید اللہ صاحب کے لیکچرز سے استفادہ کریں کیونکہ وہ اسلام پر ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر لاؤس کو خود علم کلام، اسلامی فقہ، تفسیر اور حدیث وغیرہ کا وسیع علم تھا۔ چنانچہ سونمز نے ہر ہفتے حمید اللہ صاحب کے لیکچرز سننے شروع کر دیئے۔ ہر ہفتے پیرس کی جامع مسجد میں بھی ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹریٹ کی

Marfat.com

تھیسس مکمل ہوگئی تھی لیکن اسے فرانسیسی زبان میں عربی عبارات کے ساتھ صحیح، صاف اور قابل اعتماد انداز میں ٹائپ کروانے کا مسئلہ تھا۔ اس کے لئے وہ مطلوبہ رقم دینے کو تیار تھے۔ وقت کم تھا لیکن کوئی ڈھنگ کا ٹائپسٹ نہیں مل رہا تھا۔ اس مشکل کا ذکر انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے کیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ وقت ضائع کئے بغیر ایک چھوٹا سا ٹائپ رائٹر خرید لو اور اللہ کا نام لے کر لکھتے جاؤ۔ انھوں نے ان کے مشورے پر عمل کیا اور خوشی کا مقام ہے کہ تھیسس کو صحیح اور صاف لکھنے کا یہ مسئلہ نسبتاً کم پیسوں میں حل ہوگیا۔

❁ ❁ ❁ ❁

1994میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں چند روز گزارنے کے بعد میں پیرس سے استانبول کے لیے عازم سفر ہوا۔وہاں ڈاکٹر صاحب کے ایک نامور شاگرد اور ایک وقیع اسلامی ادارے کے سربراہ ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو(جو اب اسلامی ممالک کی نمائندہ تنظیم OIC کے ڈائریکٹر جنرل ہیں)سے ملاقات ہوئی۔میں نے دوران ملاقات ان سے کہا کہ میں ڈاکٹر حمید اللّٰہ صاحب کی خدمتِ با برکت میں تین روز گزارنے کے بعد یہاں آیا ہوں۔احسان اوغلو صاحب نے برجستہ کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی کیا بات ہے،وہ اس زمانے کے اولیاء اللّٰہ میں سے ہیں۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن،ص176)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ تین سال

از ڈاکٹر محمد صابر

پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر صاحب (پی ایچ ڈی، ترکیات، استنبول) سابق صدر شعبہء تاریخ اسلامی و ڈین فیکلٹی آف آرٹس، کراچی یونیورسٹی سے راقم الحروف کا برس ھا برس نیاز مندانہ تعلق رھا. آپ پاکستان میں ترکی زبان کے چند ماھرین میں سرفہرست تھے. آپ نے ترکی اردو لغت، محمد عاکف اور ترکان عثمانی کی شکل میں مفید کتابیں تصنیف و ترجمہ کیں. ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک استنبول یونیورسٹی میں ترکی زبان میں پی ایچ ڈی کے طالب علم رھے. اس دوران آپ کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم سے متعدد ملاقاتیں ھوئیں بعد ازاں خط و کتابت کا تعلق بھی قائم رھا. ڈاکٹر محمد صابر صاحب نے راقم الحروف کی گزارش پر یہ معلومات افزا مضمون سپرد قلم فرمایا تھا. ڈاکٹر محمد صابر کا انتقال مورخہ ۸/نومبر ۲۰۰۹ء کو کراچی میں ھوا. (مرتب)

بیسویں صدی کے سب سے عظیم عالم دین، مورخ، استاد اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) کے سابق طالب علم اور پروفیسر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ابن ابو محمد خلیل اللہ کا امریکا میں ۱۷/دسمبر ۲۰۰۲ء کو انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے اور یہ عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا نقصان ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی یاد میں ان کے قریبی عزیز فخری صاحب نے پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی میں ۱۹/دسمبر ۲۰۰۲ء کو قرآن خوانی اور تقاریر کا اہتمام کیا تھا۔ اس تقریب میں میں نے ترکی میں ڈاکٹریٹ کرنے کے دوران (۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۱ء) ان سے گہرے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات سے ترکی کے مسلمانوں کو بھی اتنا ہی صدمہ ہوا ہے جتنا پاکستان یا ہندوستان کے مسلمانوں کو۔ شعبہء تاریخ اسلامی، کراچی یونیورسٹی میں مورخہ ۴/ فروری ۲۰۰۳ء کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک جلسہ کا انعقاد کیا

Marfat.com

گیا جس میں وائس چانسلر و دیگر مقررین کے علاوہ میں نے بھی خطاب کیا۔ وائس چانسلر ڈاکٹر ظفر سعید سیفی صاحب نے کراچی یونیورسٹی میں ''ڈاکٹر حمید اللہ چیئر'' قائم کرنے کا اعلان کیا جبکہ میں نے ڈاکٹر حمید اللہ کے علاوہ جرمن اسکالر این میری شمل کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ہمدرد فاؤنڈیشن اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (Pakistan Historical Society) نے مورخہ ۷ فروری ۲۰۰۳ء کو ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں میں نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ترکی میں علمی کاوشوں کا تذکرہ کر کے روسی زبان کے بارے میں ان کے خیالات کا اظہار کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ روسی زبان سے واقف تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے میرے انتہائی قریبی تعلقات ترکی میں ڈاکٹریٹ کرنے کے دوران قائم ہوئے جو اخیر وقت تک قائم رہے۔ ڈاکٹر صاحب کے میرے نام تقریباً پندرہ خطوط (جو سب اردو میں ہیں) میں بعض ترکی جملے بھی ہیں۔ پیش نظر مضمون میں میں ترکی میں ڈاکٹر صاحب کے قیام کا تذکرہ بعد میں کروں گا، پہلے کچھ باتیں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اپنے ایک سابقہ مضمون سے متعلق لکھتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب ترکی میں اور بعد میں پاکستان میں میرا تذکرہ اپنے جاننے والوں سے کرتے رہتے تھے۔ میں نے کئی بار ان پر لکھنا چاہا لیکن ہمیشہ اس وجہ سے رک گیا کہ ڈاکٹر صاحب یہ پسند نہیں کرتے تھے اور یہ خوف بھی تھا کہ کہیں مضمون شایع ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب سے تعلقات محض کشیدہ ہی نہیں بالکل ختم نہ ہو جائیں۔ وہ نہ تو اپنی تصویر کھنچواتے تھے اور نہ اپنے متعلق ڈاکٹریٹ کروانا پسند کرتے تھے۔ میں ۱۹۹۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے ساٹھ سال کی عمر پوری ہونے پر سبکدوش ہو چکا تھا۔ یونیورسٹی کے سابق ڈپٹی لائبریرین عظیم قادری صدف نے مجھ سے کئی بار ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمات پر مضمون لکھنے کا مطالبہ کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ مضمون مجلّہ عثمانیہ میں چھپے گا، ساتھ ہی مجلّے کا پہلا شمارہ (۱۹۹۵ء کا) مجھے پیش کیا۔ مجبوراً میں نے اگست ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی خدمات اور استانبول میں مصروفیات پر مضمون لکھ کر انھیں دیا لیکن نامعلوم وجوہات کی وجہ سے وہ شایع

Marfat.com

نہیں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی یاد میں مذکورہ بالا تقریب کے بعد فخری صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے اور اپنے اہل خانہ اور دیگر رشتہ داروں سے میرا تعارف کرایا۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا ترکی میں ڈاکٹر صاحب سے اتنا قریبی تعلق رہا ہے، آپ ان کے بارے میں کچھ لکھیں۔ میں نے کہا کہ خواجہ حمید الدین شاہد صاحب کی طرف سے عظیم قادری صدف کو مضمون دے چکا ہوں اور حمید الدین شاہد صاحب کو خط لکھ کر اس مضمون کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس پر حاضرین نے مجھے مطلع کیا کہ شاہد صاحب اور صدف صاحب دونوں انتقال فرما چکے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر میں مواد جمع کر رہا ہوں جو ان شاء اللہ کتابی شکل اختیار کر لے گا۔ اس وقت جناب محمد راشد شیخ کے کہنے پر یہ تاثراتی مضمون لکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اب تک جو مضامین یا بیانات شایع ہوئے ہیں ان میں ڈاکٹر صاحب کی ترکی میں خدمات کا تذکرہ برائے نام ہی ہے، اس لیے میں نے اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب کے قیام ترکی کی بعض تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس بارے میں تاریخی ترتیب سے تمام واقعات کا تذکرہ کروں گا۔

۔میں نے الہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۵۴ء میں بی اے کرنے کے بعد کانپور میں مقیم ترکستانی مہاجر ہاشم بیگ تُرسون اوغلی ختنی (شاگرد مولانا حسین احمد مدنی) سے وسط ایشیائی ترکی سیکھی اور پھر پاکستان آکر جدید ترکی میں مہارت حاصل کی۔ میں کراچی یونیورسٹی میں ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء شعبہء تاریخ اسلامی میں ایم اے کا طالب علم تھا۔ اس دور میں ترکی ادباء و علماء مثلاً محمد عاکف اور سعید نورسی وغیرہ پر بہت سے مضامین اردو اور انگریزی میں شائع کیے۔ روزنامہ ڈان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر آغا محمد یعقوب داداشی (جو کوہ قاف کے ترک تھے) سے ترکی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا تھا جو پاکستان کے ترکی میں بہت ہی کامیاب پریس اتاشی رہ چکے تھے۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ صالح اوزجان نامی سیاسی و دینی شخصیت نے بڑی جدوجہد کے بعد ۱۹۵۶ء میں اسلام (ISLAM) نامی ترکی ماہنامہ انقرہ سے جاری کیا تو اس کی مجلسِ تحریر میں ترکی کے مشہور اہلِ علم و رہنما مثلاً علی فواد باش گیل، عبدالرحیم زاپ صو، حسن بصری چانتای، خالدہ نصرت، حامی دانش

Marfat.com

مند (مؤرخ)، لطفی دوغان، فواد سیزگین، نورالدین توپ چی، فریدون نافذ کے ساتھ ساتھ پیرس میں مقیم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا نامِ نامی بھی عالمِ دین کی حیثیت سے شامل کیا۔ اس رسالے کا لندن میں مظفر گورکان اور کراچی میں مجھے (محمد صابر احسان اوغلو IHSANÖGLU) نمائندہ مقرر کیا گیا۔ پاکستان کے بارے میں ساری خبریں میں روانہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ترکی کے انقلابی اسلامی شاعر اور ترکی کے قومی ترانے کے خالق محمد عاکف ارصوی کے اخبار ''سبیل الرشاد'' استانبول کے اس دور کے ایڈیٹر و مالک اشرف ادیب نے بھی مجھے اپنا نمائندہ بنالیا اور میں دونوں ترکی اداروں کو خبریں اور مضامین بھیجا کرتا تھا۔ میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نام اور تصانیف سے واقف تھا۔ ان کی کتابیں تاریخ اسلام کے نصاب میں شامل تھیں۔ صالح اوزجان صاحب نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ مولانا مودودی کی مختصر سوانح ترکی زبان میں لکھوں جس میں خاص طور سے ان کی تصانیف کا تذکرہ ہو۔ میرا یہ مضمون ماہنامہ اسلام انقرہ کے شمارہ مئی ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ترکی میں تقسیم کیا گیا۔ صالح اوزجان، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے پہلے سے واقف تھے جو ۱۹۵۴ء سے برابر لیکچر دینے پیرس سے استنبول آتے رہتے تھے۔ ماہنامہ اسلام میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اقتصادی نظام اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں بجٹ کے موضوع پر مضامین لگاتار شائع ہوئے جن کا فرانسیسی یا عربی سے ترجمہ ان کے جگری دوست کرنل کمال قوش چی نے کیا۔ اب میرا اس ماہنامے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب سے رابطہ ہوا لیکن ملاقات اس سے قبل نہ ہوئی تھی۔

میرا ترکی میں قیام اور تعلیم

۱۹۵۸ء میں جامعہ کراچی سے تاریخِ اسلام میں ایم اے کرتے ہی میرے استاد ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، پروفیسر اے بی اے حلیم، ڈاکٹر معین الحق اور خواجہ عبدالوحید کی دعاؤں کی برکت سے حکومت پاکستان نے استانبول یونیورسٹی میں ترکی زبان و ادب میں ڈاکٹریٹ کے لیے منتخب کیا اور میں اکتوبر ۱۹۵۸ء میں حکومت ترکی کے وظیفے پر ترکی پہنچ

Marfat.com

گیا۔ وہاں میری پہلی ملاقات خالدہ ادیب خانم سے ان کے گھر پر ہوئی جو انگریزی کی استاد تھیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد استانبول یونیورسٹی کے سامنے چھوٹے سے مکان میں قیام پذیر تھیں۔ انھوں نے مجھے عربی اور لاطینی رسم الخط میں دستخطوں کے ساتھ اپنی کتاب ''آتش دن گوملک (ATESTEN GÖMLEK) یعنی ''آتشیں قمیص'' دی۔ میری دوسری ملاقات یونیورسٹی میں جن صاحب سے ہوئی انھیں میں پاکستانی سمجھا اور ان کی وضع قطع، نرم گفتاری و بردباری سے بہت متاثر ہوا۔ دورانِ ملاقات ان کے پوچھنے پر میں نے عرض کیا کہ یہاں ڈاکٹریٹ کرنے آیا ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ ترکی جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ خوب واقف ہوں اور ترکی زبان میں ڈاکٹریٹ میں داخلے کا امتحان پاس کر چکا ہوں۔ کہنے لگے کہ آج تک پاکستان یا ہندوستان سے کوئی ایسا طالب علم نہیں آیا جو ترکی میں ترکی بولتا ہوا داخل ہوا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی لیکن ابھی تک تعارف نہیں ہوا۔ انھوں نے کہا کہ احقر محمد حمید اللہ ہے۔ میں نے رسالہ ''اسلام'' کا حوالہ دیا تو فرمانے لگے کہ آپ ہی ہیں احسان اوغلو؟ (احسان کے بیٹے) میں تو سمجھا تھا کوئی ترک ہوگا کراچی میں۔ ڈاکٹر صاحب سے یہ پہلی یادگار ملاقات مارچ ۱۹۵۹ء میں ہوئی تھی اور ان سے وہاں آخری ملاقات ۳۱ر مئی ۱۹۶۱ء کو ہوئی۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب استنبول سے انقرہ جا رہے تھے۔ انھوں نے مجھے استانبول کے ایشیائی حصے میں واقع حیدر پاشا نامی ریلوے اسٹیشن پر الوداع کہا۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کے علم و اخلاق سے میں اس قدر متاثر ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں ان کا احترام استاد سے کم نہیں اسی لیے میں انھیں بزرگ دوست کے بجائے استاد کہنا پسند کرتا ہوں۔

جب میں نومبر ۱۹۵۸ء میں استانبول پہنچا تو اس زمانے میں ترکی میں بڑی ہلچل تھی۔ یہودیت اور کمیونزم کے خلاف مسلمانوں میں تحریکیں چل رہی تھیں۔ جو جماعتیں اس وقت معروف تھیں ان میں جنرل جوادا تیل خان کی اسلامی دیموقراتیک پارتی، عصمت انونو کی اقتدار سے محروم جمہوریت خلق پارتی سی، عثمان بولوک کی ملّت پارتی سی، سعید نورسی کی غیر سیاسی نوعیت کی دینی تحریک جو طلبہ میں اثر رکھتی تھی اور جن کو ''نور طلبہ سی'' (طلبہء نور)

Marfat.com

کہتے تھے، کمالسٹ اور آزاد خیال لوگوں کی بھی تحریک تھی۔ اسی دور کی پیداوار اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ (استانبول یونیورسٹی) تھا جس کے بانی مبانی عظیم مؤرخ اور عظیم ماہرِ ترکیات ذکی ولیدی طوغان تھے جو لینن کے ساتھیوں میں سے تھے لیکن جب روس سے انھوں نے اپنے ملک باش قُردستان کو آزاد کرانا چاہا تو لینن اور استالین سے ان کی سخت دشمنی ہو گئی تھی، مجبوراً انھوں نے ہجرت کی اور ترکستان کے راستے افغانستان اور پھر ہندوستان اور وہاں سے استنبول پہنچے تھے۔ انور پاشا سے ان کا تعلق رہا ہے جن کو انھوں نے مشورہ دیا تھا کہ وسط ایشیا میں رہ کر روسیوں سے مقابلے کے بجائے اشتراکی فوج کو افغانستان سے ہرایا جاسکتا ہے لیکن انور پاشا روسیوں کے خلاف ڈٹے رہے اور بالآخر لینن نے انھیں تاجیکستان میں قتل کرادیا۔

ذکی ولیدی طوغان (متوفیٰ ۱۹۷۰ء) نے مصطفیٰ کمال پاشا کو لینن کے ارادوں سے خبردار کیا اور کہا کہ روسیوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے ترکی میں اقامت اختیار کی اور یہیں ان کے پاس مشہور روسی عالم موسیٰ جاراللہ استانبول میں رہے۔ طوغان تمام اسلامی علوم اور دس زبانوں سے واقف تھے۔ وہ ڈاکٹر حمید اللہ کی صلاحیتوں سے واقف تھے اور انکا خیال تھا کہ حمید اللہ کو استانبول یونیورسٹی سے منسلک کر کے علمی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں۔ اس عظیم پاکستان دوست انسان ذکی ولیدی طوغان کی کوششوں سے اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ ۱۹۵۳ء میں استانبول میں قائم ہو گیا لیکن کرسی (Chair) مکمل طور سے قائم نہ ہوسکی۔ اسکے بعد یونیورسٹی نے مہمان استاد کی حیثیت سے ڈاکٹر حمید اللہ کو لیکچر دینے کا حق دے دیا چنانچہ وہ ہر سال مارچ، اپریل، مئی میں ترکی میں قیام کرتے اور لیکچر دیتے۔ اس ادارے کے اصل بانی ذکی ولیدی طوغان ہیں اور انھیں کی کوششوں سے ڈاکٹر حمید اللہ کو مکمل پروفیسر کا اعزاز دیا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی ترکی آمد کا سلسلہ ۱۹۵۴ء میں شروع ہوا اور ۱۹۷۸ء تک جاری رہا۔ وہ تین ماہ تک استانبول یونیورسٹی اور اتاترک یونیورسٹی، ارضِ روم میں پڑھاتے۔ انقرہ یونیورسٹی صرف اس وقت جاتے جب انھیں لیکچر کی دعوت دی جاتی، مستقل حیثیت استانبول اور ارضِ روم یونیورسٹی ہی میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب قرآن، حدیث، علمِ

Marfat.com

کلام، تقابلِ ادیان اور سیرت النبی ﷺ پر لیکچر دیتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے دوست کرنل کمال قوش چی عربی محاورات، فولاد تورفانی (چینی ترکستان یا مشرقی ترکستان سے تعلق تھا) چینی زبان، ڈاکٹر محمود روسی زبان اور قفس اوغلو تاریخ کے موضوع پر لیکچر دیتے تھے۔ ڈاکٹر صالح طوغ، ڈاکٹر حمید اللہ کے خاص شاگرد اور ترجمان تھے۔ بعد میں ڈاکٹر یوسف ضیاء قواق چی نے یہ ذمہ داری قبول کی۔

ڈاکٹر حمید اللہ ۱۹۵۴ء سے برابر ترکی آتے رہے اور اسلامی دستوری تحریکیں، تاریخِ ادیان، ثقافتِ اسلامیہ کے موضوعات پر لیکچر دیتے رہے۔ میں ان لیکچروں میں شریک رہا۔ خاص بات یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ لیکچر عربی زبان میں دیتے اور ڈاکٹر صالح طوغ یا کوئی اور با اختیار استاد ترکی میں ترجمانی کرتا لیکن سوال کرنے والوں کے جوابات ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اسی زبان میں دیتے جس میں سوال کیا جاتا۔ سوال ترکی، عربی، فرانسیسی یا انگریزی کسی زبان میں کیا جاتا، ڈاکٹر صاحب بڑے تحمل سے مدلّل انداز میں جواب دیتے کہ سائل کی مکمل تشفی ہو جاتی۔ اس بارے میں ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ وہ اسلامی امور اور تدریس میں عربی کی برتری کے قائل ہیں۔ بعد میں اتاترک یونیورسٹی، ارضِ روم میں بھی ڈاکٹر صاحب کو بطور مہمان استاد بلایا گیا جہاں بذریعہ ہوائی جہاز استنبول سے جاتے اور اسی ذریعے سے واپس آتے۔ ڈاکٹر صاحب کا استنبول میں ہر سال قیام سپاہی پالاس (سپاہی ہوٹل) میں ہوتا اور ان کا کمرہ ہر سال انھیں کو ملتا تھا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کی قبر ہوٹل کے بالکل نزدیک ہے۔

روسی زبان

میں نے اسی دوران روسی زبان ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان سے سیکھی تھی لیکن ڈاکٹریٹ کے کام کی وجہ سے اس پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب روسی زبان جانتے تھے اور ۱۹۴۸ء میں کراچی قیام کے دوران یہ تجویز تھی کہ وہ روسی اور فرانسیسی کی تعلیم بہادر یار جنگ اسکول میں دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک خط میں مجھ سے میری روسی زبان کے

Marfat.com

بارے میں پوچھا تھا۔ وہ روسی زبان کی اہمیت سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ روسیوں اور روس کے مسلمانوں نے صدہا سال تک روسی زبان میں زبردست علمی کام کیا ہے اور ماسکو اور روس کے دوسرے شہر اسلامی علوم کے مراکز رہے ہیں۔ میں نے پاکستان آمد کے بعد ڈاکٹر صاحب کا اس بارے میں ایک اہم مضمون Sindh 1968 میں پڑھا تھا (ملاحظہ فرمایئے University Journal Sidelights on Muslim India from Russian Sources by Muhammad Hamidullah)

جن لوگوں نے اپنے مضامین میں یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب آٹھ زبانیں جانتے تھے وہ یہ بھول گئے کہ ڈاکٹر صاحب نے انکے علاوہ دو تین اور زبانیں بھی سیکھی تھیں اور یہ تعداد دس تک بلا مبالغہ پہنچ جاتی ہے یعنی اردو، عربی، فارسی، ترکی، انگریزی جرمن، فرانسیسی، اطالوی، اور روسی سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ قدیم اور جدید ترکی سے واقف تھے اور ترکوں اور عربوں سے انھی کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔

وضع قطع

ڈاکٹر صاحب کو ترکی میں میں نے ہمیشہ اچھے سوٹ میں ملبوس دیکھا۔ وہ جیب میں دو عدد قلم ضرور رکھتے۔ ان کی خوبصورت داڑھی تھی۔ ٹوپی بالوں والی پہنتے تھے جیسی پاکستان کے شمالی علاقوں یا ترکستان میں استعمال کی جاتی ہے۔ میں نے انھیں جناح کیپ میں نہیں دیکھا۔ ان کے این میری شمل اور دوسرے مستشرقین سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ ہمیشہ علمی معاملات میں دیانت اور تعلقات میں شرافت کے قائل تھے۔ ان کے پاس پیسہ ہمیشہ ہوتا تھا مگر یہ دوسروں ہی کے کام آتا۔ وہ کفایت شعار تھے مگر کنجوس نہ تھے۔ مجھے انھوں نے ترکی تاریخ پر صدر عظم کامل پاشا کی نادر کتاب عنایت کی۔ ایک بار میں نے ان سے جدید ترین اوزبکی۔ روسی لغت کی فرمائش کی تو انھوں نے ماسکو سے جرمنی منگوا کر مجھے بھیج دی۔ میں ڈاکٹریٹ کے سلسلے میں اور تاریخ کے سلسلے میں برابر ان سے رجوع کرتا تھا اور وہ

Marfat.com

بڑی فراخ دلی سے ہر طرح کی علمی مدد کرتے۔ قیامِ استنبول کے دوران شام کو میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی ٹہلتا۔ اس سیر کا مقصد ان سے کچھ نہ کچھ حاصل کرنا ہوتا۔ ہم جامع بایزید سے لے کر ایا صوفیہ اور گولڈن ہارن (خلیج زرّیں) تک چلے جاتے اور میں ان سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کرتا۔ ہر سال سمسٹر کے خاتمے کے وقت ڈاکٹر صاحب کے ملازمین کی جیبیں بھری ہوتیں۔ وہ ترکی سے پیرس جاتے ہوئے بطور امداد کافی رقم دے کر جاتے تھے۔ ان کی تنخواہ بھی کافی تھی اور اس سے بڑھ کر ان کی وہاں عزّت تھی۔ استانبول یونیورسٹی کے وائس چانسلر صدیق سامی اور ڈین منگوچے اوغلو سے لے کر یونیورسٹی اور ترکی کے دیگر اہل علم ان کی بے پناہ عزّت کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے شادی نہیں کی تھی۔ انھوں نے ترکی قوم کے سب سے بڑے شاعر اور مولانا جامی کے دوست اور مربی اور مرید میر علی شیر نوائی کی طرح ساری قوّت، صلاحیت، دولت اور طاقت علمِ دین کے لیے وقف کر دی تھی۔ ترکی میں قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب گوشت کھاتے تھے لیکن بہت کم۔ وہ عام طور سے ترکاری، دال، آلو وغیرہ پر گزارہ کرتے۔ میں نے ایک دن ان سے کہا کہ آپ ترکی میں گوشت کیوں نہیں کھاتے؟ کہنے لگے کہ یہ ترکی میں مخصوص نہیں، میں یوں بھی گوشت کم کھاتا ہوں۔ مجھ سے کہنے لگے کہ ترکی مسلمانوں کا ملک ہے اور ہوٹلوں میں ذبیحہ ہی ملتا ہے، میں آپ کو گوشت ہی کھلاؤں گا چنانچہ جب بھی موقع ملتا میں گوشت، مچھلی وغیرہ خوب کھاتا اور ڈاکٹر صاحب دیگر چیزیں کھاتے جن کا کل وزن بہ مشکل ایک چھٹانک ہوتا۔

تبدیلی رسم الخط

ڈاکٹر صاحب سے لیکچر میں بہت سے سوالات کیے جاتے جن میں عربی سے لاطینی رسم الخط کی تبدیلی کے بارے میں بھی ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب اس بارے میں فرماتے کہ عربی رسم الخط کے استعمال میں کم وقت، کم روشنائی، کم کاغذ اور کم محنت درکار ہوتی ہے۔ انھوں نے بعض ایسے عیسائیوں کے حوالے بھی دیے جو فرانسیسی زبان عربی رسم الخط

Marfat.com

میں لکھتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ آسانی کے لیے روایت اور قومی سلامتی کو سلام نہیں کہنا چاہیے۔ انھوں نے روشن خیال نوجوانوں سے سوال کیا کہ روسیوں، چینیوں، جاپانیوں اور ہندوستانیوں نے اپنے رسم الخط کو کیوں خیر باد نہیں کہا؟ کیا جاپانیوں نے ترقی نہیں کی؟ ڈاکٹر صاحب سنسکرت، روسی، لاطینی اور عربی رسم الخط سے واقف تھے۔ وہ یونانی بھی جانتے لیکن انھوں نے ان کا زیادہ تذکرہ نہیں کیا اسی لیے میں نے انھیں "نہ زبان" کہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کم گو، دیانت دار اور سچے عابد و زاہد انسان تھے مگر وہ زاہدِ خشک نہ تھے، بلکہ ہنس مکھ اور نرم گفتار تھے۔ وہ دینی معاملات میں بڑے سنجیدہ تھے اور سنّت کے زبر دست پابند۔ وہ کبھی کبھی نماز جامع بایزید میں پڑھتے تھے۔ ترکی میں جامع مسجد (جمعہ مسجد) کو CAMII اور چھوٹی مسجد کو MESÇIT کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عورتوں کے بارے میں جو خیالات رکھتے تھے، وہ میرے نام انکے خط سے واضح ہیں جو اسی کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ہمایوں کا خط

شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ہمایوںؒ جب ایران پہنچا تو آغاز میں طہماسپ خان، شاہِ ایران نے اس سے اچھا سلوک نہیں کیا چنانچہ ہمایوں نے افغانستان فتح کرنے کے بعد عثمانی سلطان سلیمان قانونی کو چغتائی ترکی میں ایک خط ارسال کیا جس میں مشہد سے افغانستان کی جانب کا علاقہ خود ہمایوں نے اپنے لئے اور باقی ایرانی ترکوں کے لئے تجویز کیا اس خط میں ترکی اور عربی الفاظ بہت تھے جن میں غلطیاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ طوپ قاپی سرای میوزیم گئے اور پورے خط کی تصحیح کی جس کا حوالہ میں نے کئی مضامین اور خاص کر ترکی دیوان بیرم خان میں دیا ہے۔

مصحفِ عثمان

حضرت عثمانؓ نے قرآن کے چھ نسخے تیار کرائے تھے۔ ایک مدینہ منورہ میں تھا جو

Marfat.com

آپ کے استعمال میں تھا اور بحالتِ تلاوت اس پر قاتلین کے حملے کے بعد آپ کے خون کے قطرے ٹپکے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ خون کے قطرے صرف ایک ہی قرآن پر ہو سکتے ہیں دو یا تین پر نہیں۔ سمرقند میں نہیں بلکہ تاش کنت (تاشکند، طشقند) کی مسجد میں موجود نسخے میں بھی خون کے دھبے ہیں۔ اس موضوع پر تاشکند سے ۱۹۷۱ء میں ایک کتاب ''تاریخ المصحف العثمانی فی طشقند'' تالیف شیخ اسماعیل مخدوم بن الشیخ ساتی آخوند شایع ہوئی۔ ایک کاپی مجھے بھیجی گئی تو میں نے ڈاکٹر صاحب کو اس بارے میں کچھ سوالات لکھ کر بھیجے۔ اس سے قبل میں توپ قاپی سرای میوزیم میں موجود مصحفِ عثمانؓ پر خون کے دھبے دیکھ چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں خط میں لکھا اور بعد میں بتایا کہ استانبول میں نسخے پر خون کے دھبے اسی آیت پر ہیں جن کا تاریخ میں ثبوت موجود ہے یعنی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۷: فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم. تاشقند والا نسخہ بالکل صحیح ہے لیکن اس جگہ خون کے قطرے نہیں ہیں اس لئے ترکی والے نسخے کی اہمیت زیادہ ہے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کو بابا خانوف نے یہی نسخہ تاشکند دکھایا اور اس کی کاپی بنوا کر دی جو اس وقت نیشنل میوزیم کراچی میں موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے بتایا کہ اس قرآن کو سینٹ پیٹرس برگ سے لینن کے حکم سے جنرل علی اکبر توپچی باشی (توپچی باشی توپچیوں کے سرغنہ کو کہتے ہیں) نامی ترکی النسل ترکستان تک لایا تھا بعد میں اس نے بھاگ کر یورپ میں پناہ لے لی۔

ڈاکٹر صاحب کے احباب

ترکی میں چند اہلِ قلم سے ان کے خصوصی تعلقات تھے جن میں سرفہرست کرنل کمال قوش چی (KOSÇU) جوان کے مضامین عربی یا فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ مجھے دوستوں سے ملانے ضرور لے جاتے، ہم دوستوں کے ہاں کافی دیر تک بیٹھتے اور ان کے بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لے جاتے۔ وہ دوستوں کے ہاں کھانا بھی کھاتے اور چائے اور قہوہ بھی پیتے۔ ڈاکٹر صاحب تمباکو نوشی کے دشمن تھے۔ میں نے

Marfat.com

ایک دن ان سے کہا کہ پہلے تو ولی اللہ اور پیر صاحبان حقہ بھی پیتے تھے اور پان بھی خوب چبا چبا کر کھاتے تھے تو اب یہ پابندی کیوں لگے؟ مسکرا کر مجھے کہنے لگے کہ اگر آپ پینا چاہیں یا منہ کو مشغول رکھنا چاہیں تو آپ ولی اللہ بن جایئے۔

ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ عرب لگتے ہیں۔ ہنس کر کہنے لگے کہ میں اصل عرب ہوں اور نوایت (نوائط) نامی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھ سے ڈاکٹر صاحب کی شادی کے بارے مین بارہا لوگوں نے کہا کہ یہ سوال صرف آپ پوچھ سکتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اس کے جواب میں کہا کہ جو شخص میرے والد کا ہم عصر ہو، میں اس سے ایسا سوال پوچھنے کی جرأت کو بدتمیزی سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی تصویر کے بارے میں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ان کی تصویر مطالعے کے دوران کھینچ لیں باقی ہم سنبھال لیں گے۔ میں نے جواباً کہا کہ جس کام کی اجازت بزرگ نہ دیں وہ نہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ تصویر سے بعض اوقات ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ انسان اس کا احترام کرنے اور بالآخر اسے پوجنے لگتا ہے۔ عموماً ڈاکٹر صاحب کی جو تصاویر نظر آتی ہیں وہ ان کی بے خبری میں کھینچی گئی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست مشہور عالمِ حدیث اور جنگِ آزادی کے مجاہد حسن بصری چانتای تھے۔ وہ حدیث پر اتھارٹی تھے اور انھوں نے مجھے اپنی دو کتابیں دی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب گھنٹوں ان سے گفتگو کرتے تھے۔ مشہور ایڈووکیٹ بلر برک خود ڈاکٹر صاحب سے ملنے آتے تھے۔ ترکستانی لیڈر عیسیٰ یوسف آلپتگین ان سے یونیورسٹی میں آکر ملتے۔ ان کے سیکریٹری چینی کے استاد فولاد تورفانی (تورفان چین کے مسلم اکثریتی صوبے سنکیانگ کے ایک شہر کا نام ہے) تو روزانہ ملنے آتے تھے۔ داغستانی لیڈر سعید شامل (مشہور داغستانی مجاہد امام شامل کے پوتے) بھی ڈاکٹر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب ہاتھ میں ایک چھڑی بھی رکھتے تھے اور ایک نوٹ بک ہمیشہ اپنے پاس رکھتے۔ جہاں کوئی اہم بات ملتی یا حوالہ تو نوٹ کر لیتے تھے۔ ڈاکٹریٹ کے سلسلے میں میں

Marfat.com

عربی الفاظ اور ان سے متعلق معلومات کے لیے ڈاکٹر صاحب ہی سے مدد حاصل کرتا تھا۔ جب میں نے برصغیر کی پہلی جدید ترکی اردو لغت تالیف کی تو ڈاکٹر صاحب اور ذکی ولیدی طوغان نے اس پر نوٹ لکھے۔

عیسائی علماء

دنیا کے بڑے بڑے مستشرقین ڈاکٹر صاحب کی عزت کرتے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب دیانت دار اور بہادری سے تبصرہ کرنے والوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بارے میں مجھ سے ایک مرتبہ اپنا یہ ذاتی واقعہ بیان کیا۔ روم میں منعقدہ ایک تقریب میں مستشرقین اور پادری جمع تھے۔ ایک پادری نے مجھے (ڈاکٹر صاحب کو) غور سے دیکھا اور کہا ''میں سمجھتا تھا کہ آپ روشن خیال عالم دین ہیں لیکن آپ متعصب ہیں، آپ کی ٹوپی، داڑھی اور ہر جگہ عربی زبان کی برتری کا جذبہ اس کی مثال ہے''۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا ''میں متعصب نہیں ہوں، حقیقتاً تم لوگ متعصب ہو۔ میں تمھارے ہی علماء کی عادت پر عمل کرتا ہوں۔ وہ جہاں جاتے ہیں ہیٹ رکھتے ہیں، وہ داڑھی بھی رکھتے ہیں، ان میں سے بہتوں کے ہاتھوں میں چھڑی بھی ہوتی ہے۔ پادری جب آپس میں ملتے ہیں تو صرف لاطینی زبان استعمال کرتے ہیں جو نہ تو حضرت عیسیٰؑ کی زبان، نہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان ہے۔ میں داڑھی بھی رکھتا ہوں اور ہر جگہ چھڑی استعمال کرتا ہوں اور جب علمائے دین سے ملتا ہوں تو قرآن کی زبان بولتا ہوں اور تم سے تمھاری زبانوں میں گفتگو کرتا ہوں۔ تم میں سے محض چند ہوں گے جو عربی زبان سے واقف ہوں یا سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوں۔'' ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر سارے عیسائی علماء لاجواب ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ عادت نہیں تھی کہ لوگوں کو نصیحتیں اور مشورے دیتے بلکہ وہ ایک عملی مسلمان تھے اور انکی عملی زندگی دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے تھے۔ ملکی سیاست یا کسی گروہ کی حمایت یا مخالفت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کی ترکی میں ہر جگہ لوگ تعریف ہی کرتے

Marfat.com

،صرف ایک مرتبہ نجیب فاضل نامی مشہور اسلامی شاعر وادیب (اتاترک کا شدید مخالف) نے معلوم نہیں کیوں انھیں بعید اللہ یعنی اللہ سے دور لکھ دیا۔ میں ان صاحب سے ملا تھا لیکن انھوں نے میرے سامنے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔

مولوی محمد شفیع

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)، پنجاب یونیورسٹی کے پہلے مدیر اعلیٰ اور اورینٹل کالج لاہور کے سابق پرنسپل مولوی محمد شفیع صاحب علمی تحقیق کے سلسلے میں جب استانبول آئے تو میرے سپرد یہ کام ہوا کہ اہم کتب خانوں میں ان کے ساتھ جا کر ان کے لیے کتب نکلواؤں اور ان کی ہر طرح سے مدد کروں۔ مولوی شفیع صاحب ترک قوم کے حامی لیکن ترکی زبان سے نابلد تھے۔ میں ان کے ساتھ کئی دن رہا اور اب میں اپنی یہ خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے لیے معاون مواد کی تلاش کے سلسلے میں مجھے بھی خدمت کا موقع ملا۔ ترکی سے یہ مضامین انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ اور نظر ثانی کے بعد اردو دائرۂ معارف اسلامیہ میں شامل کیے گئے۔ مولوی صاحب کے انتقال پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو بہت رنج ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے مرحوم دوست کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے فرانسیسی زبان میں ایک تعزیتی مضمون لکھا جو ''اسلام تدقیق لری انسنی توسی درگی سی'' استانبول، جلد IV ۱۹۶۴ میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کو میں بہت نرم مزاج انسان سمجھتا تھا لیکن حقیقتاً بوقت ضرورت وہ سخت بھی بن جاتے۔ وہ نازیبا حرکات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولوی محمد شفیع مرحوم کے بارے میں میں نے ایک مضمون ترکی سے پاکستان بھیجا جس میں یہ بھی لکھ دیا کہ ان کی مونچھیں ٹھاکر کی طرح تھیں۔ جب ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون پڑھا تو اس فقرے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور مجھے لکھا کہ میں نے ایک مسلمان کے حلیے کی تشبیہ کافروں سے دی ہے۔ میں نے اس پر ڈاکٹر صاحب سے معذرت کی اور پھر کوئی ایسی حرکت نہ کی جو ان کو

Marfat.com

ناگوار گزری ہو۔

دستور سازی

ایک مرتبہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ آپ دستور سازی کے لیے علماء کی مجلس میں شرکت کے لیے پاکستان گئے تھے پھر وہاں سے ناراض ہو کر آئے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس پر فرمایا کہ اوّل تو میں دستور بنانے یا دستور لکھوانے کے لیے نہیں بلایا گیا تھا۔ مجھے دعوت اس لیے دی گئی تھی کہ قرارداد مقاصد کی روشنی میں سفارشات پیش کروں اور مصادر سے مطلع کروں۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کے ایک بڑے عہدیدار نے مجھے کہا کہ مولانا ہم آپ کو اعتدال پسند سمجھتے تھے، آپ کی سفارشات تو بڑی سخت ہیں۔ اس پر میں نے ناراض ہو کر کہا کہ آپ کسی اور سے مشورہ کر لیں کیونکہ میں تو قرآن اور سنّت کے مطابق ہی رائے دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد میں اس کام کے سلسلے میں کبھی نہیں گیا۔

حیدر آباد کا مسئلہ

میں نے ایک روز ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ حیدر آباد کی صحیح پوزیشن سے مجھے آگاہ فرمایئے۔ انھوں نے فرمایا کہ نہ تو میر عثمان علی خان اور نہ ہی میر لائق علی نے قوم سے غداری کی۔ اس کے علاوہ جناح صاحب نے بھی حیدر آباد سے یہ نہیں کہا تھا کہ ڈٹے رہو، دیکھا جائے گا۔ حقیقت یہ تھی کہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے چنگل میں تھے، ہندوستان نے دھوکا دے کر چاروں طرف سے حیدر آباد پر حملہ کر دیا۔ میں خود اس وفد کا رکن تھا جو اقوام متحدہ میں حیدر آباد کا کیس پیش کرنے آیا تھا۔ جب بھارت نے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا تو میں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور فرانس میں بین الاقوامی مہاجر کی حیثیت سے رہنا منظور کیا۔ اب میں پنشن پر گزارہ کرتا ہوں اور سارے کتب خانوں سے استفادہ کرتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ میر لائق علی نے ہی چند کروڑ روپے حیدر آباد

Marfat.com

سے پاکستان بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے قاسم رضوی کے بارے میں تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میرے رشتہ دار دونوں ممالک میں ہیں، بعض کا اصرار ہے کہ کراچی میں رہوں، خدا کو جو منظور ہوگا دیکھا جائے گا۔اس بارے میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے ہمدرد فاؤنڈیشن اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے تعاون سے منعقدہ تقریب میں دورانِ تقریر بتایا کہ ڈاکٹر صاحب پاکستانی شہریت اختیار کرنے پر تیا رتھے لیکن ان سے اتنے سوالات کیے گئے اور ان سے اتنے کاغذات طلب کیے گئے کہ وہ بد دل ہو گئے۔وہ اس کو اپنی توہین سمجھتے تھے کہ مجرموں کی طرح اسناد اور کاغذات پیش کرتے جائیں۔بالآخر وہ پیرس سے امریکا پہنچے اور وہیں عمر کا بقیہ عرصہ گزارا اور وہیں انتقال فرما کر ابدی آرام فرما رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی بے شمار نعمتیں ان پر نازل فرمائے۔آمین

جب میں ترکی پہنچا تو میجر حسن صاحب پاکستانی سفیر تھے۔وہ انتہائی مشفق اور دین دار تھے۔سیکریٹری ڈاکٹر مقبول بھٹی تھے جو بعد میں چین میں پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے۔وہ اہل علم تھے۔ظفر حسن ایبک صاحب بھی وہیں تھے جنھوں نے ترکی شہریت اختیار کر لی تھی۔ڈاکٹر داؤد رہبر انقرہ میں اردو زبان پڑھاتے تھے۔این میری شمل ''جاوید نامہ'' کا ترجمہ کر کے انقرہ سے جا چکی تھیں لیکن سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور زبانوں کے ماہر پریس اتاشی سیّد شرف الحسن تھے جو جناب تابش دہلوی کے عزیز تھے۔وہ عربی، ترکی، فارسی، فرانسیسی اور انگریزی کے ماہر تھے۔وہ ترکی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔ان کے علاوہ اس زمانے میں اقبال شیدائی، علی نہاد تارلان، عبدالقادر قرہ خان، تیمور تاش وغیرہ سب لوگ پاکستان سے محبت کرتے تھے۔ان تمام لوگوں کے ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم سے بہت قریبی تعلقات تھے۔

یہ مضمون جو میں نے محمد راشد شیخ صاحب کی فرمائش اور اصرار پر لکھا، ترکی میں میرے سہ سالہ قیام کے دوران ڈاکٹر حمید اللہ سے ملاقاتوں کے بارے میں تھا۔ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب پر جب میری کتاب تیار ہوگی تو وہ اس کے علاوہ بہت سی معلومات و انکشافات پر مشتمل ہوگی۔

Marfat.com

استادِ محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم

از اسرائیل احمد مینائی

جناب اسرائیل احمد مینائی(نبیرہ حضرتِ امیر مینائی) ڈاکٹر محمّد حمید اللّٰہ مرحوم کے قدیم ترین شاگرد ھیں. انھیں یہ اعزاز حاصل ھے کہ جامعہ عثمانیہ سے ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں اور انھیں کے مشورے سے تحقیقی مقالہ برائے LLM لکھا، پھر مقالے پر نظرثانی بھی کرائی. آپ نے متعدد ملاقاتوں کے دوران ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کئی مفید اورمعلومات افزا باتوں سے مطلع فرمایا. راقم نے آپ کی اجازت سے ان یادداشتوں کو قلم بند کیا جن پر آپ نے نظرثانی فرمائی اور مفید اضافے بھی کئے، یوں یہ مفید مضمون تیار ھوا (مرتّب)

استاذ الاساتذہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایک بامقصد، طویل اور عزیمت سے بھرپور زندگی گزار کر مورخہ ۱۷، دسمبر ۲۰۰۲ء کو امریکا میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ راقم الحروف ان چند خوش نصیب انسانوں میں سے ہے جنھیں ڈاکٹر صاحب مرحوم سے جامعہ عثمانیہ میں شرف تلمذ حاصل ہوا اور بعد میں پیرس و کراچی میں انھیں قریب سے دیکھنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے۔ پیش نظر مضمون انھی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔

حیدرآباد میں راقم الحروف کا قیام ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۹ء تک رہا۔ ۱۹۴۶ء میں راقم نے جامعہ عثمانیہ میں LLB میں داخلہ لیا۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحب سے اوّلین تعارف ہوا۔ اس دور میں ڈاکٹر صاحب جامعہ عثمانیہ میں بطور استاد شعبہء قانون خدمات انجام دے رہے تھے۔ صدر شعبہ، پروفیسر حسین علی مرزا مرحوم تھے جو ڈاکٹر صاحب کے بھی استاد تھے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کی گو عمر اتنی زیادہ نہ تھی مگر ان کی علمیت، اخلاق اور بے داغ کردار کی وجہ سے ان کا جامعہ میں بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں LLM میں راقم نے داخلہ لیا تو ڈاکٹر صاحب ہی کے مشورے پر اسلامی سفارت کاری کے موضوع پر تحقیقی مقالہ

Marfat.com

لکھنے کا آغاز کیا۔ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے نگران مقالہ بھی ڈاکٹر صاحب ہی تھے۔ یہ LLM کا جامعہ میں پہلا batch تھا اور LLM کی تدریس کا آغاز ڈاکٹر صاحب ہی کی کوششوں سے ہوا تھا۔ LLM کے طالب علموں کو ڈاکٹر صاحب روزانہ قانون بین الممالک کے موضوع پر لیکچر بھی دیتے تھے، ڈاکٹر صاحب اکثر فرماتے تھے کہ International Law کا درست ترجمہ بین الاقوامی قانون نہیں بلکہ قانون بین الممالک ہے۔ میرا معمول تھا کہ اپنی رہائش گاہ واقع کوچہ فتح سلطان سے جامعہ عثمانیہ تک روزانہ بس میں سفر کرتا۔ اسی بس سے ڈاکٹر صاحب بھی جامعہ جاتے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کی رہائش کٹل منڈی میں تھی، یہ جگہ راقم کی رہائش کے قریب ہی واقع تھی ۔میں روزانہ صبح ساڑھے سات بجے بس میں سوار ہوتا۔ جامعہ تک سفر تقریباً نصف گھنٹے میں طے ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کا روزانہ کا معمول تھا کہ بس میں سوار ہوتے ہی ہم طالب علموں کی گنتی کرتے اور اپنا اور تمام طالب علمون کا کرایہ اپنے بٹوے سے نکال کر کنڈکٹر کو ادا کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کا لیکچر سب سے پہلے ہوتا جس کا وقت صبح آٹھ بجے تھا۔ LLM کی جماعت میں ہم کل آٹھ دس طالب علم تھے اس لیے ڈاکٹر صاحب ہمیں اپنے چیمبر ہی میں بلا لیتے اور وہیں لیکچر دیتے۔

اسی بس میں اکثر ڈاکٹر یوسف حسین خان بھی سفر کرتے جو جامعہ عثمانیہ کے شعبہء سیاسیات کے سربراہ تھے۔ بعد میں وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرووائس چانسلر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے وائس چانسلر بھی بنے۔ ایک دن دوران سفر ڈاکٹر یوسف صاحب نے بڑی محبت سے اپنی تازہ تصنیف ''روحِ اقبال'' کا نسخہ دستخط کر کے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو پیش کیا نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ کتاب کل ہی پریس سے آئی ہے۔ لیکچر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے وہ نسخہ مجھے دے دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ کتاب ڈاکٹر یوسف صاحب نے آپ کو دی ہے، اسے میں کیسے لے سکتا ہوں؟ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میں یہ کتاب اس لیے دے رہا ہوں کہ میں اپنے مخصوص موضوعات (مثلاً قرآن، حدیث، سیرت، قانون وغیرہ) پر ہی مطالعہ کے لیے وقت نکال پاتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ میں یہ کتاب نہیں پڑھ

Marfat.com

سکوں گا، کتاب شیلف میں رکھی رہے اس سے بہتر ہے کہ کتاب ایسے شخص کے پاس رہے جو اس کا مطالعہ کرے۔ کتاب کا بنیادی مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کریں''۔ اسی دن جب ڈاکٹر صاحب کا لیکچر ختم ہوا تو دوسرا لیکچر صدرِ شعبہء قانون پروفیسر حسین علی مرزا کا تھا۔ حسین علی مرزا صاحب صوفی منش آدمی اور ڈاکٹر صاحب کے استاد اور ان کے معترف تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی علمیت اور صلاحیت پر مرزا صاحب کو بجا طور پر فخر بھی تھا۔ میں نے یوسف حسین خاں صاحب کی کتاب سے متعلق صبح کا واقعہ ان سے بیان کیا تو اپنے مخصوص تبسم کے ساتھ نہایت دھیمے اور محبت آمیز لہجے میں فرمایا: ''حمید اللہ میں بے شمار خوبیاں ہیں، اللہ نے اسے علمی ذوق اور سیرت و کردار کی بے شمار خوبیاں عطا فرمائی ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ اسے رومی کے سوز و ساز اور خسرو کے گداز قلب سے بھی مالا مال کرے''۔ گداز قلبی کی دعا مرزا صاحب نے اس لیے مانگی تھی کہ ڈاکٹر صاحب ہر وقت بس اپنے کام سے ہی کام رکھتے تھے، دکھاوے اور جذباتیت سے کوسوں دور۔ ان کی ساری توجہ علمی مقاصد کے حصول میں صرف ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا یہی ایک پہلو ایسا تھا جس نے ان کو اتنی وقیع علمی تصنیفات اور تالیفات کی تکمیل کا موقع فراہم کیا۔ اس دور میں ڈاکٹر صاحب ہمیشہ علمی کاموں میں منہمک رہتے تھے، غیر متعلقہ کاموں میں وقت ضائع کرنا یا فضول موضوعات پر گفتگو کرنا ان کی عادت نہیں تھی۔ وقت کی قلت کا احساس اور اس کے صحیح اور بامقصد استعمال کی کوشش، یہی چیز اور یہی اصول ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے ہر دور میں کارفرما رہا اور اسی بنا پر ڈاکٹر صاحب محض اپنی ذاتی اور انفرادی کوششوں سے اس قدر وقیع اور متعدد علمی کارنامے انجام دے سکے۔

ڈاکٹر صاحب کی عادت تھی کہ وہ طالب علموں کی بلا دریغ مدد کرتے مگر ساتھ ساتھ نظم وضبط کے خیال سے ایک فاصلہ بھی رکھتے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب اپنے مثالی بے داغ کردار، پاکیزہ سیرت، حصول علم سے سچی لگن اور علمی شغف کے ذریعے اپنے طالب علموں کی رہنمائی اور تربیت کرتے۔ مطالعہ کی مصروفیات اور تصنیف و تالیف کی مشغولیات نے ڈاکٹر صاحب کو کم آمیز بنا دیا تھا۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کا علم

Marfat.com

مستحضر اور نافع تھا۔ وہ جہاں کہیں اور جس محفل میں بھی ہوتے وہاں علمی ماحول پیدا ہو جاتا۔

ڈاکٹر صاحب کے احساسِ ذمہ داری کا ایک یادگار واقعہ یہاں بیان کرتا ہوں۔ یہ ۱۹۴۸ء کے موسمِ گرما کا واقعہ ہے، ایک رات تقریباً دو بجے ڈاکٹر صاحب ہمارے گھر تشریف لائے اور مجھے بلایا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب شیروانی اور پاجامہ پہنتے تھے مگر اس رات صرف کرتے پاجامے میں ملبوس تھے۔ یہ وہ دور تھا جب حیدرآباد پر ہندوستانی افواج کے حملے کی افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ جب میں باہر آیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میں مختصر گفتگو کروں گا، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ کل صبح مجھے ایک نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہونا ہے، معلوم نہیں دوبارہ حیدرآباد آسکوں یا نہیں''۔ میں اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے منتخب کردہ موضوع اسلامی سفارت کاری پر LLM کے لیے ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں مقالہ تیار کر رہا تھا۔ اس بارے میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''اب میں آپ کے مقالے کی نگرانی نہیں کر سکوں گا۔ آپ کسی اور کو نگراں بنا لیجیے، البتہ آپ کی سہولت کے لیے میں نے ہدایات اور معاون کتب کے نام اس پرچے پر لکھ دیے ہیں''۔ ڈاکٹر صاحب نے پرچہ مجھے دیا اور دوسری صبح پیرس روانہ ہو گئے۔ اس زمانے میں سیکیورٹی کونسل کے اجلاس پیرس میں ہو رہے تھے اور ڈاکٹر صاحب نظام اور حکومت حیدرآباد کے وفد میں ایک نمائندے کے طور پر پیرس گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے انتخاب کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ نہ صرف بین الاقوامی قانون کے ماہر تھے بلکہ فرانسیسی زبان کے بھی۔ دوسری صبح ہمیں پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب پیرس روانہ ہو گئے۔ یہ رات اس لحاظ سے تاریخی تھی کہ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو کبھی دوبارہ اپنے وطن جانا نصیب نہ ہوا۔ اس بارے میں جب بھی ڈاکٹر صاحب سے گفتگو ہوئی، انھوں نے یہی فرمایا کہ وہ حیدرآباد ضرور جائیں گے مگر حیدرآباد کی آزادی کے بعد۔ ڈاکٹر صاحب کو حیدرآباد کی آزادی کا پختہ یقین تھا، اسی لیے آپ اپنا تمام کتب خانہ اور دیگر قیمتی مواد حیدرآباد ہی چھوڑ گئے تھے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے ڈاکٹر سیادت علی خاں صاحب کی نگرانی میں اپنا مقالہ مکمل کیا، البتہ بہ خواہش دل میں ضرور تھی کہ ڈاکٹر صاحب اس پر نظر ثانی فرمالیں۔ کچھ ہی

Marfat.com

عرصے بعد حیدر آباد پر ہندوستانی افواج کا حملہ ہوا اور ۱۹۴۹ء میں راقم کو وہاں سے کراچی منتقل ہونا پڑا۔

۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر صاحب حکومتِ پاکستان کی دعوت پر، آئین سازی کے لیے علماء کی کمیٹی میں شرکت کی غرض سے کراچی تشریف لائے۔ اس تاریخی کمیٹی کے سربراہ علاّمہ سیّد سلیمان ندوی تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب نے خداداد کالونی، کراچی میں قیام فرمایا۔ اس موقع پر راقم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے گزارش کی کہ میرے مقالے پر نظر ثانی فرمائیں اور مفید مشورے بھی دیں۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں شدید مصروف تھے اس لیے مجھ سے معذرت کر لی اور فرمایا کہ شدید مصروفیات کی وجہ سے یہ کام فی الحال ممکن نہ ہو سکے گا۔ ان دنوں علماء کی کمیٹی کے اجلاس موجودہ سندھ اسمبلی بلڈنگ میں ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اسمبلی بلڈنگ سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد میں روزانہ نماز ادا کرتے۔ بعد میں اس مسجد میں توسیع کی گئی اور اب یہ مسجدِ سلیمان کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصے بعد حالات سے مجبور ہو کر ڈاکٹر صاحب واپس پیرس چلے گئے۔

۱۹۵۴ء میں راقم ہیگ اکیڈمی آف انٹرنیشنل لاء، ہالینڈ میں ایک کورس کے سلسلے میں پہنچا۔ وہاں سے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا جس میں پیرس میں ملاقات اور مقالے پر نظر ثانی کی درخواست کی، جواباً ڈاکٹر صاحب کا مختصر کارڈ ملا جس میں تحریر تھا کہ سوربون یونیورسٹی کے فلاں کمرے میں فلاں تاریخ اور فلاں وقت پر پہنچ جاؤں، ڈاکٹر صاحب وہیں ملیں گے۔ راقم پہلی مرتبہ پیرس پہنچا تھا، فرانسیسی زبان سے بھی ناواقفیت تھی اس لیے مقررہ وقت پر نہ پہنچ سکا، پوچھتا پاچھتا ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے ایک معمر خاتون نکلیں اور مجھ سے کہا: الدُکتور، میں نے بھی جواباً الدُکتور کہا۔ اس پر وہ مجھے اندر لے گئیں۔ اندر ڈاکٹر صاحب تخت پر بیٹھے لوٹے سے وضو فرما رہے تھے۔ پورے کمرے میں جہاں نظر جاتی کتابیں ہی کتابیں تھیں، یہاں تک کہ جس تخت پر ڈاکٹر صاحب بیٹھے تھے، اس پر بھی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیکھ کر صرف اتنا کہا: ''آپ کو تاخیر ہو گئی''۔ وہ جمعہ کا دن تھا اس لیے ڈاکٹر صاحب مجھے نماز جمعہ کی ادائیگی

Marfat.com

کے لیے جامع مسجد فواد اوّل پیدل لے گئے۔ راستے میں ڈاکٹر صاحب نے دو مرد اور دو خواتین کو بھی نماز کے لیے لیا اور فرمایا کہ یہ نو مسلم فرانسیسی ہیں۔ تعارف پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک خاتون فرانس کی Director of Public Instruction کے عہدے پر فائز تھیں۔ جامع مسجد فواد اول مصر کے بادشاہ فواد اوّل نے تعمیر کرائی تھی اور اس میں لکڑی کا بہت عمدہ کام کیا گیا ہے۔ نماز جمعہ ایک مصری عالم نے پڑھائی، نماز کے بعد ہم تقریباً نصف گھنٹہ مسجد ہی میں بیٹھے جہاں ڈاکٹر صاحب نے نو مسلموں سے میرا تعارف کرایا اور ان سے مسلسل فرانسیسی میں گفتگو کرتے رہے۔ مسجد سے ڈاکٹر صاحب مجھے اپنے فلیٹ لے گئے اور فرمایا کہ میں دوپہر کو کھانا نہیں صرف پھل کھاتا ہوں، چنانچہ مجھے بھی پھل پیش کیے۔ اس کے بعد راقم کا معمول بن گیا کہ روزانہ ڈاکٹر صاحب کے بتائے ہوئے وقت پر حاضر ہوتا، وہ بغور مقالے کا مطالعہ فرماتے، مفید نوٹس لکھتے اور میرے حوالے کر دیتے۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب اپنی معروف کتاب الوثائق السیّاسیّة کا جرمن اور فرنچ ترجمہ کر رہے تھے، راقم نے ایک ملاقات کے دوران عرض کیا کہ آپ اس کا انگریزی ترجمہ کیوں نہیں کر رہے؟ ڈاکٹر صاحب کی عادت تھی کہ جب کوئی بات ناگوار گزرتی تو پہلے کندھوں کو اوپر کی طرف جنبش دیتے، پھر جواب دیتے۔ اس موقع پر بھی یہی کیا اور فرمایا: ''یہ آپ لوگ تاجروں کی زبان (انگریزی) ہی کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہیں، اگر کوئی علمی کام کرنا ہے یا علمی چیزیں پڑھنی ہیں تو علمی زبانیں مثلاً عربی، جرمن، فرنچ وغیرہ کیوں نہیں سیکھتے''۔ پھر فرمایا: ''اگر کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ہوا تو میں سب سے پہلے اردو میں ترجمہ کروں گا''۔

ایک روز ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ ان کے فلیٹ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک ٹھیلے والا نظر آیا جو کچھ فروخت کر رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا کہ یہ کیا آواز لگا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ ابلی ہوئی مچھلی فروخت کر رہا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے اس سے کچھ کہا، اس پر اس نے دو مچھلیاں نکالیں، ان کی آلائش صاف کی اور ایک ایک روٹی کے اندر رکھ کر سلاد چٹنی وغیرہ ڈال کر لفافوں میں رکھ دیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب

Marfat.com

نے میرا لفافہ مجھے دیا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مجھے توقع تھی کہ ڈاکٹر صاحب اب اسے کھائیں گے تو میں بھی کھانا شروع کروں کیونکہ یورپ میں اس طرح راہ چلتے کھانا معیوب نہیں سمجھا جاتا، لیکن ہوا یہ کہ کافی دور تک ہم باتیں کرتے پیدل چلتے رہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے اسے ایک بار بھی نہیں کھایا، اس پر میری بھی ہمت نہ ہوئی کہ ان کے سامنے کھاتا۔ جب ڈاکٹر صاحب کا فلیٹ نزدیک آ گیا تو میں نے اجازت لی اور اپنے کمرے میں آ کر اسے کھایا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو اسلامی آداب کا کس قدر خیال تھا، انھوں نے یورپ کے قلب میں رہ کر ساری زندگی انھی آداب پر عمل کرتے ہوئے گزار دی۔

اسی طرح دن گزرتے گئے اور ڈاکٹر صاحب نے مقالے پر مکمل نظر ثانی فرمائی اور قیمتی نوٹس بھی لکھ دیے۔ آخری دن مجھ سے فرمایا: ''آپ کا کام مکمل ہو گیا، میں بہت مصروف ہوں اس لیے آج کے بعد ہماری آپ سے ملاقات نہ ہو سکے گی''۔ یہ پیرس میں ان سے آخری ملاقات تھی۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحب کراچی تشریف لائے۔ اس دوران ان سے ملاقاتیں ہوئیں لیکن مختصر۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ حقیقی غنی وہ ہے جس کی ضروریات محدود ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پوری زندگی محدود بلکہ محدود ترین ضروریات سے گزار دی اور نظر ہمیشہ اپنے نصب العین پر رکھی، وہ حقیقت میں غنی، عالم باعمل اور صحیح معنیٰ میں اپنے نام نامی کا مصداق تھے۔ عمر کے ہر دور میں پاکیزگی، اعلیٰ سیرت و کردار کا نمونہ، علم نافع کا حصول اور اس کی اشاعت، بس یہی ڈاکٹر صاحب کی کامیاب اور سرخرو زندگی کا راز تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ہمیشہ اپنے بزرگوں، ہم عصروں اور اپنے چھوٹوں کے لیے مثالی اور قابل رشک رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

Marfat.com

ایسا کہاں سے لائیں کہ ''اُن'' سا کہیں جسے

از ڈاکٹر سیّد سلمان ندوی

ترجمہ: انور جاوید ہاشمی

اس دارالفناء میں یہی ہوتا چلا آیا پھر بھی لوگوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ کسی فرد کے بارے میں سنتے ہیں کہ موت سے کس کو رست گاری ہے، کے مصداق ان کا کوئی شناسا، عزیز یا چاہا جانے والا ابدی نیند سو چکا ہے۔ ایسی ہی کپکپی و سنسناہٹ پیدا کرنے والی الم ناک اطلاع ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو ہم لوگوں کے سننے میں آئی۔ اس صبح، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی پوتی (بھتیجے کی بیٹی) سدیدہ کے گھر واقع جیکسن ول (Jacksonville) فلوریڈا، امریکا میں وفات پا گئے تھے (سدیدہ نے ڈاکٹر کے مطابق صبح ۱۱ بجے کا وقت لکھا ہے) انّا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اس کے پاس ہم کو واپس جانا ہے۔

زیر نظر تاثراتی مضمون میں نہ تو ان کے تدریسی مقام اور بے نظیر علمی و تحقیقی کارناموں کا، جو بیشتر منظر عالم پر آ چکے ہیں کئی ایک کا آنا باقی ہے: احاطہ ممکن ہے نہ ہی ان باتوں کا اعادہ مقصود ہے جو ڈاکٹر حمید اللہ کے حوالے سے ہم آپ جانتے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ ان کی شخصیت کے وہ گوشے جو دوسروں کی نظر سے پوشیدہ ہوں یا ان سے تخلیقات کے حوالے سے مضمون قلم بند کر دوں، یہ تحریر سراسر ذاتی نوعیت کی ہے۔

میں نے اوائلِ عمری میں اعظم گڑھ، بھارت میں شبلی اکیڈمی کے اندر اپنے والد مولانا سیّد سلیمانِ ندوی (۱۹۵۳ء — ۱۸۸۳ء) اور ان کے مابین ہونے والی خط و کتابت کے حوالے سے پہلی مرتبہ ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' حیدر آباد (دکن) کا نام سنا تھا۔ مگر میں ان کی تصانیف میں سے اردو میں لکھی گئی ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' مطبوعہ ۱۹۵۰ء، ''عہد

Marfat.com

نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی'' دونوں مطبوعہ ۱۹۵۳ء اور ''عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ'' نامی کتابوں سے خاصا متاثر تھا جو والد صاحب کو انھوں نے اعزازی طور پر بھجوائی تھیں چنانچہ ان کے نام اور کام دونوں کا حوالہ میری دلچسپی کا سبب قرار پاتا ہے (قیام پاکستان کے بعد سیّد سلیمان ندوی صاحب کراچی آ گئے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ اسلامیہ کالج کراچی کے احاطے میں ان کا مزار ہے)۔

۲۰/جون ۱۹۵۰ء کو میں، کراچی، پاکستان میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملا جب وہ والد صاحب سے ملنے ہمارے گھر آئے تھے۔ مجھے ان کی سادہ لباسی اور آسان و قابل فہم لب و لہجے میں گفتگو کا انداز غیر معمولی لگا۔ میرے والد کو حکومتِ پاکستان نے خصوصی طور پر تعلیمات اسلامی کے بورڈ کا سربراہ بنانے کے لئے مدعو کیا تھا، اس بورڈ کے قیام کا مقصد و منشاء یہ تھا کہ یہ پہلی دستور ساز اسمبلی کو ملکی قوانین کی تدوین کے سلسلے میں اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کے لئے تجاویز و مشورے دے سکے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی آمد بھی اسی ضمن میں تھی کہ وہ (اراکین اور ماہرین و علماء) مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری، پروفیسر ایم عبدالخالق اور مفتی جعفر حسین مجتہد کے ساتھ باہمی طور پر اپنی تجاویز و سفارشات بطور رکن پیش کریں۔ بلا مبالغہ ڈاکٹر صاحب دساتیر اسلامی اور بین الاقوامی قانون کے مستند ماہر تھے۔

وہ اپنی تحقیق اور تصانیف کے لئے ہمہ وقت سرگرداں رہنے والے، مکمل ارتکاز و توجہ سے اس میں منہمک رہتے تھے اور خالی بیٹھ کر وقت نہ گزارنے والی ہستی تھے۔ دستور سازی کے لئے انھوں نے یہ مشکل محسوس کی کہ بورڈ کی تشکیل کے وقت دستور سازی میں اس قدر الجھاؤ اور حوالہ جات میں ابہام پیدا کیا گیا ہے کہ پہلے اسے دور کرنے کی ضرورت تھی۔ میرے والد صاحب ایسے کسی ادارے کی سربراہی نہیں چاہتے تھے جہاں نو آزاد اسلامی مملکت میں مادیّت اور ملغوبہ نظریات کی عمل داری کے لئے انتظامات کے منصوبے ہوں، سفارشات فائلوں میں رکھ دی جائیں اور چربہ جمہوریت کے پنپنے کے لئے تجاویز کی راہ سجھائی جا رہی ہو۔ وہ خواہاں تھے کہ ہر بات صاف اور واضح ہو اور اس میں کسی قسم کا الجھاؤ یا ابہام نہ ہو تو وہ اپنا کام شروع کریں۔ فائلیں بنتی گئیں اور داخلِ دفتر (الماریوں میں بند)

Marfat.com

ہوتی رہیں۔ ایک برس کا عرصہ گزر گیا اور جب (غیر اسلامی نظام حکومت کے لئے کوشاں افسران بالا ٹھنڈے پڑ گئے) معاملہ یہاں پہنچا کہ اب بورڈ اپنا کام شروع کرے تو ۱۹۵۱ء میں بطور سربراہ والد صاحب نے کچھ وقت کام کیا۔ اس اثناء میں ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا ڈاکٹر حمید اللہ کو یہ احساس ناقابل برداشت لگا کہ جس کام کے لئے انھیں پیرس سے یہاں طلب کیا گیا تھا وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر رہے اور ان کا وقت ضائع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انھوں نے کافی انتظار کر لیا چنانچہ جب انھوں نے واپس جانے کا تہیہ کیا تو والد صاحب نے ان سے کچھ مہلت اور مانگی مگر انھوں نے حتمی طور پر معذرت کر لی اور بورڈ کے باقاعدہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ پاکستان سے واپس پیرس روانہ ہو گئے (انھیں لیت و لعل پسند نہ تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی)۔

ان کی مرضی کے خلاف اس وقت مجھے بہت ہی معمولی سا ایسا واقعہ یاد آیا ہے کہ جب ڈاکٹر حمید اللہ کے اصول پسِ پشت رکھ کر مشروط انداز میں کسی کی بات ماننا پڑی — ہوا یہ کہ ایک دن علی الصبح وہ والد صاحب سے ملنے آئے، میرے ذہن میں اس صبح کی مکمل تصویر موجود ہے، والد صاحب ناشتہ کر رہے تھے انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو دعوت دی کہ وہ بھی ناشتہ کر لیں۔ وہ فرش پر بیٹھے دھیمے دھیمے والد صاحب سے گفتگو کرتے رہے تاہم ناشتے میں شریک نہ ہوئے۔ والد صاحب نے جب دوبارہ اصرار کیا کہ کوئی اور چیز نہیں تو چائے ہی پی لیں۔ انھوں نے پھر انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ اپنا ناشتہ کر چکے ہیں''۔ تیسری بار اصرار پر انھوں نے پوچھا ''سیّد صاحب! یہ مشورہ ہے یا حکم؟'' ان کے اس سوال کی حقیقت کا تجزیہ کرتے ہوئے والد صاحب نے بلا توقف و بلا تذبذب کہا ''حکم!'' چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ نے کوئی چیز ناشتے کی ٹرے سے لے کر کھائی۔ ایک ہی برس کے بعد وہ مجلس تعلیماتِ اسلامی کی رکنیت چھوڑ کر کراچی سے جا کر مستقلاً پیرس میں مقیم ہو گئے تھے اس کے باوجود بذریعہ ڈاک ہمارے والد صاحب نے ان سے وقتاً فوقتاً ماہرانہ مشورے لینے کے لئے رابطہ برقرار رکھا ہوا تھا۔

مجلس نے دستور اسلامی کے ضمن میں ان کے مشوروں سے استفادہ کیا۔ کئی مشکل

Marfat.com

مراحل پر ان کی دی گئی تجاویز، مشورے اور یہ خط و کتابت مجھے بخوبی یاد ہیں۔

ایک تاریخی دستوری دستاویز ان کی تدوین ''اسلامی ریاست کے بنیادی اصول'' کی موافقت ان ۳۱ علمائے اسلام نے بیک وقت اور اہل فکر و نظر نے کی جو کہ مختلف مسالک (اہل سنت، دیوبندی، شافعی، حنفی، مالکی، اہل تشیع وغیرہ) سے تعلق رکھتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد یہ خط و کتابت بند ہوگئی اور میں اپنی پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی تکمیل کے لئے شکاگو یونیورسٹی چلا گیا۔ البتہ میں شکاگو سے ان کے ساتھ قلمی رابطہ بحال رکھتا تھا۔ میرے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا عنوان تھا: ''عبداللہ بن الزبیرؓ اور مسئلہ خلافت''۔

ڈاکٹر حمید اللہ میں یہ خوبی تھی کہ فرض جان کر وہ ہر ایک کو جواب ضرور دیتے تھے، کم از کم خط کی رسید ضرور دیتے۔ انھوں نے اپنی متعدد تصانیف مجھے بھیجیں اور اپنی رائے بھی، ان کا کہنا تھا کہ ''خلیفہ'' کی اصطلاح اسلامیان عرب کی ابتدائی برادری نے اپنائی تھی''۔ ان کا موقف اس باب میں یہ رہا کہ اسلامی ریاست کا حاکم جس نام یا خطاب سے پہچانا جاتا ہو اس کا حوالہ اس طرز حکمرانی کے ضمن میں مناسب نہیں لگتا خواہ اپنے کسی نام سے ہی کیوں نہ پکارا جا رہا ہو! ان کی دلیل یہ تھی کہ بادشاہت یا شہنشاہیت، غیر اسلامی طرز حکمرانی نہیں۔ وہ قرآن کریم کی سورۃ النمل آیت ۱۶ سے استنباط کرتے ہیں: ''حضرت سلیمانؑ کو پیغمبر داؤدؑ کی بادشاہت ورثے میں ملی'' اس کا مطلب یہ کہ بادشاہت، حکومت کی شکل میں ہو سکتی ہے اور بادشاہ کا خطاب، اسلام کے منافی یا ٹکراؤ کا باعث نہیں۔

میرے نظریات ڈاکٹر حمید اللہ کے اس موقف کے بالکل برعکس تھے جب میں ہر طرح ان کو قائل کرنے میں ناکام رہا تو انھوں نے لکھا کہ ''میں یہ بات سمجھ لوں کہ وہ کس طرح سوچتے ہیں، البتہ ماننا نہ ماننا میری اپنی صوابدید پر ہے۔'' میں نے اپنا موقف نہیں چھوڑا اور ان کو بھرپور طریقے سے حتمی دلائل دے ڈالے۔ میں نے حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ قرآن کریم میں لفظ بادشاہ (ملک) اور خلیفہ دونوں کا ذکر ہے۔ اگر عرب 'بادشاہ' سے مانوس ہیں تو صحابہؓ نے یہ اصطلاح نہیں اپنائی بلکہ نئی اصطلاح ''خلیفہ'' کا انتخاب کیا۔ مزید یہ کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ دلیل دی کہ صحابہؓ نے باقاعدہ انتخاب کا طریقہ وضع

Marfat.com

کیا، حضرت سلیمانؑ کی طرح داؤدؑ بادشاہ کی سلطنت کا جانشین قرار دیے جانے کے برعکس۔ ان دونوں اصطلاحات (خطابات) کے ضمنی مفہوم بھی نکلتے ہیں یہی وجہ تھی کہ صحابہؓ نے 'بادشاہ' کی اصطلاح نہیں اپنائی اور ''خلیفہ'' کا انتخاب کیا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ اس پر توجہ بھی دیں گے لیکن ڈاکٹر حمید اللہ نے میری محکم دلیل پر توجہ دی وہ واقعی حقیقی حسب نسب رکھتے تھے۔

ان کی رہائش گاہ یعنی فلیٹ سترہویں صدی کی تعمیر کردہ ایک عمارت کی بالائی منزل پر ہے اور اس کو ''قومی یادگار'' کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس میں اوپر جانے کے لئے لفٹ نہیں ہے بلکہ چوڑے زینے سے جانا پڑتا ہے، فرش پر ماربل ٹائل لگے ہیں۔ یہ عمارت St. Sulpice نامی گرجا گھر کے مقابل ہے جو پیرس کے معروف دریائے Seine کا مغربی کنارا کہلاتا ہے۔ اس کی نسبت معروف کہانی کار ناول نگار ارینسٹ ہیمنگوے بوڑھا آدمی اور سمندر Old man and the sea کے مصنف اور آرٹسٹ Delacroix dwelt سے بھی ہے۔ سیاح اور سیر و سفر کے شوقین پڑوسی ممالک سے اس کی دلکشی دیکھنے آتے ہیں، ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق ''دریائے سین کا مغربی کنارا ان کے آبائی گھر حیدرآباد کے قریب سے گزرتی ہوئی موسیٰ ندی سے مماثلت رکھتا ہے''۔

گفتگو کے دوران انھوں نے والد صاحب کی کتاب ''عربوں کی جہاز رانی'' جو مدتوں پہلے اردو میں شائع ہوئی کے حوالے سے بتایا: ''جب کتاب شائع ہوگئی تو میں (ڈاکٹر حمید اللہ) نے ایک مختصر مضمون میں مصنف کی معلومات کے مآخذ بتائے اور بعض مقامات کی شناخت اور ناموں سے اختلاف کیا''۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ ''میں نے یہ مباحث حضرت سیّد صاحب کو ذاتی توجہ کے لئے بھیج دیے (سیّد صاحب میرے والد کی عرفیت تھی!) انھوں نے یہ پورا سلسلہ مباحث اپنے مجلّہ، معارف میں شائع کر دیا۔ ''استدراک'' کے عنوان سے ایک وضاحت بھی انھوں نے اس کتاب کی اشاعت ثانی میں شامل کی۔ میں یہ سب دیکھ کر شرمندگی محسوس کرنے لگا (کہ یہ ایک ذاتی سی خط و کتابت تھی) بے شک آپ کے والد متاثر کرنے والے عالی شان انسان تھے ان کی کشادہ قلبی اور سیرت کے حوالے سے ان

Marfat.com

کی تصانیف نے مجھے بہت متاثر کیا میں اس کو قابل قدر گردانتا ہوں۔''

اگلے روز جب کہ مجھے ان سے رخصت ہو جانا تھا میں ہوٹل کا کرایہ ادا کر کے منیجر کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ ''آپ کے میزبان'' ادائیگی کر چکے ہیں۔ مجھے بھی فوری طور پر معمولی سی شرمندگی ہوئی مگر ان کی وقعت میرے دل میں فزوں ہوگئی۔

جنوبی افریقہ آمد کے بعد جب وہ میرے اہل وعیال سے ملے تو انھوں نے اپنی وہ کتابیں جو مجھے اور بچوں کو دینے کے لئے لائے تھے اپنے دستخط (آٹوگراف) کے ساتھ عطا کیں جبکہ میری بیٹی کو نو (۹) زبانوں عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، فارسی، ترکی، اردو اور دیگر اجنبی زبانوں میں آٹوگراف دیے اور کمال یہ ہے کہ ان سب کا رسم الخط 'عربی' تھا۔

اور یوں ان دس روزہ قریبی تعلقات کے بعد سے میں ان سے قدرے بے تکلف سا خود کو محسوس کرنے لگا اور ان سے بعض ذاتی معاملات پر گفت وشنید یا سوال کرنے کا خود کو اہل سمجھنے لگا۔ انھوں نے میرے استفسار پر بتایا کہ وہ پیرس میں تنہا رہتے ہیں کوئی ان کا معاون ومددگار نہیں ہے۔ ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن جیسی کوئی چیز ان کے پاس نہیں۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ انھوں نے شادی کی ہی نہیں، اس کے باوجود وہ بچوں پر بہت مہربان ہیں اور ان سے شفقت ومحبت آمیز سلوک کیا کرتے۔ میرے گھر کے قیام کے دوران بیس سالہ بیٹے سمیر اور سولہ سالہ بیٹی سے وہ ہنسی مذاق، لطیفے بازی کرتے اور یہ بچے ان کی شرکت سے بڑا لطف اندوز ہوتے رہے۔ آخر ایک لمحہ ایسا آیا جب میں نے وہ سوال کر ہی دیا جو لوگ جاننا تو چاہتے تھے مگر خود میں ہمت یا حوصلہ نہیں پاتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب سے دریافت کر سکیں۔ میں نے نہایت ہی ملائمت اور احترام کے ساتھ جواب کی درخواست کے ساتھ پوچھا کہ ''آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟'' انھوں نے کسی مہربان کی طرح جواب دیا ''اوّل تو، میرے والد و والدہ میری نوعمری ہی میں داغ مفارقت دے گئے تھے سو اس صدمے کے بعد یہی خیال رہا کہ بڑے لوگ اپنے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں، سرپرستوں کی غیر موجودگی میں وہ اپنے آپ یہ معاملات کیوں کر طے کریں! دوسرا سبب یہ کہ اعلیٰ تعلیم کا جو رجحان پیدا ہو گیا تھا وہ اس امر کا متقاضی تھا کہ تعلیم پر مکمل توجہ دی جائے سو میں نے ازدواجی

Marfat.com

زندگی بسر کرنے کا خود کو اہل ہی نہیں جانا۔ پھر وہ عمر بھی نہیں رہی وقت خاصا آگے نکل چکا تھا۔''

بہت سے فقہی مسائل و معاملات پر ان کا اپنا نقطہ نظر واضح تھا کئی ایک کی بابت جنوبی افریقہ میں ان کے قیام کے باعث مجھے آگاہی ہوئی۔ وہ تصویر کشی کے مکمل طور پر مخالف تھے چنانچہ اگر کبھی کسی کو اپنی تصویر اتارتے ہوئے دیکھ لیتے تو دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ کے لئے جہاں صورتحال ناگزیر ہو اور تصویر کا ہونا لازمی ہو وہ اپنے لئے اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اسی طرح مجھے اس پر حیرت ہوئی کہ دوران فضائی سفر یا ٹرانزٹ کے دوران وہ نماز کی بروقت ادائیگی نہیں کرتے اس کا اندازہ یوں ہوا کہ میرے گھر پہنچتے ہی انھوں نے وضو کر کے قضاء نماز کی خواہش ظاہر کی۔ مزید حیرانی کا باعث میرے لئے یہ تھا کہ فقہی معاملات میں دوسروں کے لئے وہ جس قدر نرم خو تھے، اپنی ذات کے لئے اس سے قدرے زیادہ احتساب کرنے والے اور اس معاملے میں کسی رعایت کے طالب نہ تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا ایک بہترین تعارف (یا پیش لفظ بھی) لکھا۔ میں نے انھیں لکھا کہ اگر اس کی جگہ وہ انگریزی ترجمہ و تفسیر پیش کرتے تو شاید اس کا دائرۂ اثر بہ نسبت زیادہ ہوتا! انھوں نے جواب دیا ''یہ فرانسیسی زبان جاننے والوں کے لئے جو کسی اور زبان سے آشنا نہیں شائع کیا گیا ہے، اگر کوئی اس کا انگریزی ترجمہ کرنا چاہے تو انھیں اس کام سے بڑی خوشی ہوگی مزید یہ کہ وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس پیش لفظ کا ترجمہ کر کے انھیں دکھایا کہ میں یہ ''العلم'' میں شائع کر رہا ہوں ڈاکٹر صاحب نے اس پر نظر ثانی کی اور بعض جگہ تصحیح کر کے مجھے بھجوایا جو ''العلم'' مجلّے میں شائع ہوا۔

ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا کہ کیا مجھے علم ہے کہ سیدنا عثمان غنیؓ (خلیفۃ المسلمین ثالث) کی زیر نگرانی تیار شدہ 'مصحف عثمانی' کی نقل کیسے بنائی گئی جو تاشقند سے دریافت ہوا؟ میری لاعلمی پر انھوں نے بتایا کہ انقلاب روس ۱۹۱۷ء کے موقع پر ایک مسلمان جنرل عمر، جو

Marfat.com

اسے کمیونسٹ انقلابیوں کی دسترس میں نہیں رہنے دینا چاہتا تھا، ماسکو کے عجائب گھر سے اس نسخے کو اپنے قبضے میں لے کر تاشقند پہنچا۔ حکام بالا نے اس ٹرین کا تعاقب کیا جس میں جنرل عمر سفر کر رہا تھا مگر وہ اسے پکڑنے میں ناکام رہے اس طرح یہ تاریخی نسخہ قرآن کریم تاشقند کے عجائب گھر میں آ گیا۔

مصحفِ عثمانی کے اصل اوران دونسخوں کے کچھ اوراق ''گمشدہ'' ہیں۔ڈاکٹر حمید اللہ کی عرق ریزی سے ایک نسخے کی صورت میں مکمل مصحف عثمانی کا Fascimile ایڈیشن تیار ہوا جسے بعد میں ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں طبع کروایا۔ اپنے دورۂ جنوبی افریقہ میں ڈاکٹر صاحب نے آٹوگراف کے ساتھ مجھے اس کا ایک نسخہ مرحمت فرمایا۔

ان کی شخصیت کی بڑائی ان کے عجز اور منکسر المزاجی سے ظاہر ہوتی۔ وہ اپنی علمی و فکری سطح کے اعلیٰ مقام پر ہوتے ہوئے بھی کسی کو کم مرتبہ نہیں سمجھتے، وہ دوسروں سے بھی رائے طلب کیا کرتے تھے۔

جنوبی افریقہ کے قیام میں انھوں نے مجھ سے پوچھا ''پیرس کے قلب میں واقع جامع مسجد، انسٹی ٹیوٹ مسلمان قائم شدہ ۱۹۲۲ء میں اتنی کشادگی نہیں کہ جملہ مسلمان بیک وقت نماز جمعہ کی ادائیگی کر سکیں، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ جماعت برائے نماز جمعہ ہو تا کہ ہر نمازی اس کو ادا کر سکے؟'' میں نے جواباً عرض کیا، ''بالکل اگر اس نماز کی امامت الگ الگ امام کریں تو ایک خطبہ کے ساتھ یہ ہو سکتی ہے۔'' وہ کہنے لگے ''میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں دیگر علماء سے اس کی توثیق کا خواہاں تھا۔'' اتفاق یا خوش قسمتی کہیے کہ ہماری ملاقات مفتی محمود الحسن گنگوہی سے ہوگئی جو اس وقت جوہانسبرگ آئے ہوئے تھے۔ میں نے مفتی صاحب سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف ان کی معروف تصنیف ''صحیفہ ہمام ابن منبہ'' کے حوالے سے کرایا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے نماز جمعہ والا سوال مفتی صاحب سے بھی کیا اور ہم دونوں کی رائے کا انھوں نے اثبات کیا اور اضافہ کیا کہ ''ہر جماعت کا الگ خطبہ ہوگا اور نمازی و امام بھی دوسرے ہوں گے۔ پھر کہنے لگے آپ تو جماعت میں شمولیت کی دعوت دیں گے کوئی کارِ بد کی دعوت تو نہیں دے رہے۔'' ان کو یہ بات معلوم تھی اس کے باوجود

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ نے دوسروں سے تصدیق چاہی، حالانکہ وہ مدت مدید تک کسی فقہی مسئلے پر تحقیق کے بعد اگر دوررس نتیجہ نکال لیا کرتے تو پھر اس کو نہ تو تبدیل کرتے نہ آسانی سے کوئی دلیل اس کے خلاف قبول کرتے، اتنا ضرور کہتے کہ یہ میری رائے ہے میں اس کو درست مانتا ہوں دوسرے لوگ جسے بہتر سمجھتے ہیں ایسا ہی کریں، مانیں یا نہ مانیں!

وہ شہرت و مقبولیت کے لئے دکھاوا، تصنع و بناوٹ سے کتراتے تھے اور اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ ان کی آمدنی میں ناجائز طریقے سے رقم نہ آنے پائے۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق (متوفی اگست ۱۹۸۸ء) نے جب ان کو بین الاقوامی ہجرہ ایوارڈ کے لئے نامزد کیا تو وہ اسے قبول نہیں کر رہے تھے، ان کے پاکستانی مداحین نے جب اصرار کیا تو یہ ایوارڈ قبول کر کے دس لاکھ روپے کی خطیر رقم ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کو بطور عطیہ دے دی۔ ادارے نے اس رقم سے کتب خانہ حمید اللہ ان کے نام سے موسوم کر دیا۔ ۱۹۹۲ء میں آخری مرتبہ وہ اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف کی دعوت پر اسلام آباد آئے (سابق صدر غلام اسحاق خان نے انھیں ان کی مرضی کے مطابق پاکستان کی کسی بھی جامعہ میں صدر شعبہء معارف اسلامی بنانے اور اعلیٰ ترین سرکاری افسر کی تنخواہ، مراعات اور معاونین کی پیشکش کی وہ بھی انھوں نے قبول نہ کی)۔ جنوری ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب کیوں کہ ''جاں کنی'' کے عالم میں پیرس میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں داخل کئے گئے میں خدانخواستہ ان کے خاندان والوں کا کوئی راز افشا نہیں کر رہا بلکہ اس کی اہمیت صرف صداقت کی حد تک ہے جس سے ڈاکٹر صاحب کے اعلیٰ کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بینک اکاؤنٹس سے کسی نے تمام جمع شدہ رقم نکلوالی اور یہ اس وقت انھیں پتہ چلا جب وہ رقم نکالنے بینک گئے۔ وہ ایسے تہی دست ہو کر رہ گئے کہ روزانہ کی ضروریات کے لئے بھی کچھ نہ رہا۔ ناتوانی اور ۸۸ برس کی عمر غالباً تین دن تک وہ بغیر غذا کے رہے۔ غشی کے عالم میں انھیں جامع مسجد پیرس میں دیکھا گیا جب انھیں مسجد سے انتہائی نگہداشت کے شعبے میں ہسپتال لایا گیا۔ ڈاکٹروں نے Hypothermia تشخیص کیا۔ یہ خودی اور عزت نفس تھی کہ نہ تو انھوں نے کسی کے آگے دست سوال دراز کیا نہ یہ بات کسی کو بتائی۔

Marfat.com

میری مرحوم ڈاکٹر حمید اللہ سے آخری ملاقات ۱۲ ستمبر ۱۹۹۹ء کو ISNA (اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا) کے سالانہ اجتماع (۳ تا ۶ ستمبر) کے بعد ہوئی۔ یہ اجتماع ڈاکٹر حمید اللہ کے کارہائے نمایاں برائے مطالعہ اسلام و مسلمانان عالم کے حوالے سے ہوا۔ مجھے ان کی شخصیت، تعلیمی و تحقیقی سرگرمیوں، تصانیف اور تفہیم دین کے ضمن میں ان کے افکار و نظریات پر گفتگو کی غرض سے مدعو کیا گیا۔ میں سدیدہ کی قیام گاہ Wilkes Barre Pennsylvanic ڈاکٹر صاحب سے ملا اور پورا دن ان کے ساتھ گزارا۔ وہ اب بھی ویسے ہی گرم جوش، مہربان اور مجسم پیکر اخلاص نظر آئے جیسا عموماً میں نے دیکھا۔ وہ چل پھر تو رہے تھے مگر بہت نحیف و کمزور سے!

انھوں نے کہا ''پروردگار عالم کی مہربانی اور فضل ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے اس کے لئے کوشاں رہنے میں کسر اٹھا نہ رکھی، اب دوسرے لوگوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور جہاں تک میں نے چھوڑا ہے پیش قدمی کریں، وقت پورا ہو چکا ہے!''

ڈاکٹر حمید اللہ کی مساعی جمیلہ برائے علم و تحقیق صدقہ جاریہ ہے جس کا اجر انھیں رب العزت ضرور عطا کریں گے۔ ان کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے انھیں کی بات پر عمل پیرا ہوا جائے کہ:

''آگے بڑھو اس قدم کے بعد جہاں تک میں پہنچا اور باقی ماندہ کام آگے بڑھاؤ''۔

(بشکریہ روزنامہ جسارت کراچی مورخہ ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۳ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمیدؒ اللہ

ترکش مارا خدنگِ آخریں

از پروفیسر خورشید احمد

برعظیم پاک و ہند کے علمی اور دینی افق کو درخشاں کرنے والے تمام ستارے ایک ایک کر کے ڈوب گئے ہیں—!

علامہ اقبال گئے، مولانا اشرف علی تھانوی گئے، مولانا ابوالکلام آزاد گئے، مولانا شبیر احمد عثمانی گئے، سیّد سلیمان ندوی گئے، مفتی محمد شفیع گئے، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی گئے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن گئے، مولانا امین احسن اصلاحی گئے، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی گئے —اور اب مشرق سے اُبھرنے والے اس سنہری سلسلے کا آخری تارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مغرب کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو گیا—انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون!

محمد حمید اللہ ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ دولت آصفیہ ہی میں ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک کے مراحل طے کئے اور عثمانیہ یونیورسٹی سے، جو برعظیم کی تاریخ میں اردو کے محوری کردار اور اپنی اعلیٰ علمی روایات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی تھی، ایم اے اور ایل ایل بی کی سندات امتیازی شان سے حاصل کر کے اسی جامعہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ تقسیم ملک سے کچھ قبل اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے اور بون (Bonn) یونیورسٹی سے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی سند حاصل کی۔ ڈاکٹر حمیدؒ اللہ کی یہی تحقیق تھی جو بعد میں ضروری اضافوں کے ساتھ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف Muslim Conduct of State بنی۔

Marfat.com

جرمنی سے فرانس منتقل ہو گئے اور سوربون (Sorbonne) یونیورسٹی سے عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔

اس زمانے میں سقوط حیدر آباد (۱۹۴۸ء) کا سانحہ رونما ہوا۔ اس کے بعد پھر ڈاکٹر حمیدؒ اللہ پیرس ہی کے ہو کر رہ گئے۔ میرے استفسار پر ایک بار بتایا کہ میں دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آیا تھا۔ پھر میری غیرت نے قبول نہ کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ فرانسیسی شہرت بھی ساری عمر حاصل نہ کی۔ پناہ گزین کی حیثیت پر تمام عمر قانع رہے اور محض وثیقہ راہ داری (Travel documents) کے ذریعے عالمی سفر کرتے رہے جس کے تحت چھ ماہ کے اندر اندر انھیں فرانس واپس آنا پڑتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ کسی ملک کے بھی شہری نہ تھے بلکہ ذہنی اور مادی ہر دو اعتبار سے اس دنیا ہی کے شہری نہ تھے۔ ۷۰ سال بغیر پاسپورٹ کے گزارے اور بالآخر وہاں چلے گئے جہاں کسی دنیوی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی — ہاں ان کے پاس ایمان، عمل صالح اور علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کی جانے والی زندگی کا سرمایہ تھا اور یہی سب سے کام آنے والی چیز ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مشرق اور مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور چار میں (اردو، انگریزی، فرانسیسی، عربی) بلا واسطہ تحریر و تقریر کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مطالعہ اور گفتگو کی اعلیٰ استعداد جرمنی، اطالوی، فارسی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی حاصل تھی۔ پیرس کے مشہور تحقیقی مرکز Centre National de la Researche Scientifique سے ریٹائرمنٹ تک وابستہ رہے۔

علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ سے ایسا رشتہ باندھا کہ رشتۂ ازدواج کی فکر کی مہلت بھی نہ ملی اور امام ابن تیمیہؒ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر بار کے جھگڑے سے آزاد رہے اور صرف علم کا ورثہ چھوڑا۔ عالم اسلام کی چوٹی کی جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دیے، خصوصیت سے جامعہ استنبول سے طویل عرصے تک متعلق رہے۔ وہ ہر سال چند ماہ

Marfat.com

وہاں گزارتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بھی بارہ خطبات دیے جو خطبات بہاول پور کے عنوان سے شائع ہوئے اور ان کا خوب صورت انگریزی ترجمہ ڈاکٹر افضال اقبال نے کیا اور یہ The Emergence of Islam کے نام سے شائع ہوئے۔

میری نگاہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمانوں میں پہلے اور آخری مستشرق (Orientalist) تھے۔ مستشرق میں ان کو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انھوں نے مستشرقین کے طریق تحقیق (Methodology) پر ایسی ہی قدرت حاصل کر لی تھی جیسی غزالی نے یونانی فلسفے پر۔ وہ تحقیق اور طریق تالیف کے باب میں مستشرق ہوئے لیکن اس پہلو سے مستشرقین سے مختلف تھے کہ ان کا قبلہ درست تھا۔ ان کے اصل مآخذ قرآن وسنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انھوں نے اسلام کو، جیسا کہ وہ ہے، دنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق وتصنیف، تلاش وجستجو، نقد واحتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی اور قدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح علمی میدان میں اہل مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا، اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے چکا دیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے Paying in the same coin کہا جاتا ہے۔ الحمدللہ!

ڈاکٹر حمید اللہ فکر ونظر کے اعتبار سے ٹھیٹھ مسلمان تھے۔ انھوں نے سلف کے نقطۂ نظر کو پوری دیانت سے جدید زبان اور استشراق کے اسلوب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیش کیا اور ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلامی علوم اور دورِ جدید کے طلبہ اور محققین کے درمیان ایک پل بن گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی دلچسپیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور اس حیثیت سے ان کا کام کثیر جہتی (Multi dimensional) تھا۔ انھوں نے تحقیق کے مختلف میدانوں میں بڑے معرکہ کی چیزیں پیش کیں لیکن شاید ان کی سب سے زیادہ دین (Contribution) مسلمانوں کے بین الاقوامی قانون کے میدان میں ہے جس میں انھوں نے علمی دنیا سے یہ منوالیا کہ بین الاقوامی قانون کے اصل بانی مسلمان فقہاء اور علماء ہیں، سترھویں صدی کے

Marfat.com

مغربی مفکرین نہیں۔ تدوین حدیث کے باب میں بھی ان کا کام بڑا وقیع ہے اور صحیفہ ہمام ابن منبہؒ کی تالیف اور اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حدیث کی کتابت دور رسالت مآبؐ اور دور خلافت راشدہ ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ یہ مسودہ ان کو جرمنی کی ایک لائبریری سے ملا جس کو مناسب انداز میں تدوین کر کے اور یہ دکھا کر کہ اس اوّلین مسودے میں لکھی ہوئی احادیث اور بعد کے مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے، انھوں نے بڑے سائنسی انداز میں حدیث کی صحت کو منوانے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، آپؐ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط اور وثائق کی تلاش اور ترتیب — ان سب میدانوں میں ڈاکٹر حمید اللہ نے تحقیق اور تسوید کے وہ نقوش قائم کئے ہیں جو تا دیر چراغ راہ رہیں گے۔

اسلامی فقہ کی تدوین اور خصوصیت سے امام ابوحنیفہؒ کی Methodology پر ان کا کام راہ کشا حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی قانون اور قانون روما کے فرق کو بھی انھوں نے بڑے قاطع دلائل سے ثابت کیا اور مستشرقین کے اس غبارے سے ہوا نکال دی کہ اسلامی قانون دراصل قانون روما سے ماخوذ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے ترجموں کی معلومات کو جمع کرنا بھی ان کا ایک پسندیدہ موضوع تھا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش اساسی اور بنیادی کوشش کا مقام رکھتی ہے۔ ان کے طرزِ تحقیق میں صرف کتابی محنت ہی شامل نہ تھی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کی تحقیق میں انھوں نے پا پیادہ اور گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس راستے پر عملاً سفر کیا جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی اور اس طرح اس شاہراہ کو متعین کیا جو روایات میں دھندلی ہو گئی تھی۔ قرآن پاک اور سیرت مبارکہ ان کی زندگی کے صورت گر ہی نہ تھے، ان کی علمی دلچسپی کا بھی محور تھے۔

فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین بھی ان کے نمایاں کاموں میں سے ایک ہے۔ سیرت کی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ڈاکٹر صاحب نے خود ہی کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔[1]

Marfat.com

۱۰۰۰ سے زیادہ مقالے اور مضامین ان کے قلم سے نکلے اور اہل علم کی تشنگی دُور کرنے کا ذریعہ بنے۔ یقیناً ان کی چھوٹی بڑی کل کتب کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ سے میری پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں ابھی طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ میں سرگرم تھا اور وہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ وہ مولانا سیّد سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مجلس تعلیمات اسلامی کے رکن تھے اور اسمبلی کی عمارت ہی کے ایک حصے میں ان کا دفتر تھا۔ ان کے علم کی وسعت اور اس کے رعب کے تحت میرے ذہن نے ان کی ایک تصویر بنالی تھی لیکن ان کو دیکھ کر مجھ کو ایک دھچکا سا لگا۔ میں نے ان کو ایک دبلا پتلا اور سادہ سا فقیر منش انسان پایا۔ اکہرا بدن، لمبا قد، صاف رنگ، کتابی چہرہ، اوسط لمبائی کی مگر کفی ڈاڑھی، پُرنور آنکھیں — اور ان سب سے بڑھ کر انکسار کا مجسمہ، تواضع کا پتلا، سادگی کا پیکر اور جس چیز نے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ تھی کہ اسمبلی کے دفتر میں کرتے پاجامے میں ملبوس اور پاؤں میں کھڑاوں — پتا نہیں آج کی نسل اس شے سے واقف بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے بچپن میں وضو کے لئے لکڑی کی سادہ سی چپل ہوتی تھی جسے کھڑاوں کہتے تھے اور جو بالعموم غسل خانے میں رکھی جاتی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہ آسکتا تھا کہ کوئی اسمبلی کے دفتر میں کھڑاوں پہنے بیٹھا ہوگا۔

حیرانی کی یہ کیفیت چند ہی لمحات میں ان کی شفقت اور پیار سے بھری باتوں سے دور ہوگئی اور تبحر علمی کے ساتھ ان کا انکسار دل پر نقش ہوگیا۔ بات آہستہ آہستہ دھیمے لہجے میں، کچھ کچھ رک کر اور سر ہلا ہلا کر کرتے تھے مگر اس طرح کہ دل میں اتر جاتی تھی۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس وقت مجھے چونکا دیا جب ''چراغ راہ'' کے اسلامی قانون نمبر کی اشاعت پر بالکل غیر متوقع طور پر ان کا تین صفحے کا خط موصول ہوا۔ اور تین صفحے بھی ایسے کہ ان میں ۱۰ صفحوں کا لوازمہ موجود تھا، کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہلکے کاغذ پر چھوٹے حروف میں اس طرح لکھتے تھے کہ مختصر حاشیے کے سوا ہر جگہ بھری ہوتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی بات ان کی محنت تھی۔ اسلامی قانون نمبر پر بہت خوش تھے۔ بڑی فراخ دلی سے

Marfat.com

اس کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی بڑے انکسار سے لکھا کہ آپ کو زحمت سے بچانے کے لئے دوسرے ایڈیشن کے لئے کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کر رہا ہوں — اور اس طرح صفحہ اور سطر کے تعین کے ساتھ تین صفحوں میں انھوں نے میری اور میرے ساتھیوں کی بے احتیاطی کی تلافی کا سامان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ ۴۰ سال پر پھیلا ہوا ہے مگر کس دل سے لکھوں کہ اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا! آخری خط میری مختصر کتاب Family Life of Islam کے فرانسیسی ترجمے پر ان کی تصحیح و تنقید سے عبارت تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۸ء میں جو فلیٹ پیرس میں کرائے پر لیا تھا، وہ ایک ایسی عمارت کی چوتھی منزل پر تھا جس میں لفٹ نہ تھی۔ انھوں نے پیرس کے قیام کے آخری ایام تک اسی میں سکونت رکھی۔ اس فلیٹ کا ایک ایک کونہ بشمول باورچی خانہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ زندگی اتنی سادہ کہ کپڑے کے چند جوڑوں اور کھانے کے چند برتنوں کے سوا ان کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ کھانے کے بارے میں بھی اتنے محتاط تھے کہ حلال گوشت نہ ملنے کے باعث زمانہ طالب علمی میں ہی گوشت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ سبزی اور پنیر پر گزارا کرتے تھے اور جب یہ شبہ ہوا کہ پنیر میں بھی جانور کی آنتوں کی چربی استعمال ہوتی ہے تو اس سے بھی دست کش ہو گئے۔ علم و تقویٰ، قناعت اور سادگی میں سلف کی مثال تھے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ متعدد علمی مذاکرات میں شرکت کی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یادگار وہ مخیم (تربیتی کیمپ) تھا جو فرانس میں ایک دیہاتی علاقے میں فرانس کی مسلمان طلبہ کی اسلامی تنظیم (UMSO) کے تحت منعقد ہوا تھا اور جس میں پانچ دن رات ہم نے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عام طلبہ کی طرح زمین پر سوتے اور اپنے برتن اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کمال التفات سے ڈاکٹر صاحب نے میری تقاریر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ جزاهم الله خير الجزاء۔

وقت کی پابندی میں بھی ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ اس کی کوئی دوسری مثال اگر میں دے سکتا ہوں تو وہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے۔ یہاں اس واقعے کا ذکر بھی

Marfat.com

شاید غیر متعلق نہ ہو (اور اس کے راوی ڈاکٹر صاحب کے دیرینہ ساتھی اور میرے بزرگ دوست احمد عبداللہ المسدوسی مرحوم ہیں) کہ حیدرآباد کا نوجوان حمید اللہ اپنی پوری طالب علمی کے دور میں صرف ایک بار کلاس میں تاخیر سے پہنچا (غیر حاضری کا تو سوال ہی نہ تھا) اور یہ وہ دن تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد یہ نوجوان سیدھا جامعہ گیا اور کلاس میں شریک ہو گیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندا طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

ڈاکٹر حمید اللہ صرف علم و تحقیق ہی کے مرد میدان نہ تھے، دعوت و تبلیغ میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ پیرس کی جامع مسجد میں ایک مدت تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ انفرادی ملاقاتوں سے لے کر تبلیغی دورے اور ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسیں — ہر جگہ انھوں نے دعوت کا کام انجام دیا۔ فرانس میں وہ صرف شمالی افریقہ کے مسلمانوں کا ہی مرجع نہ تھے بلکہ فرانسیسی مسلمانوں کا بھی ایک حلقہ ان کے گرد قائم تھا۔ طلبہ اور نوجوانوں میں وہ بے حد مقبول تھے۔ وہ ان کو وقت دینے میں بے پناہ فراخدل تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہ سیاسی آدمی نہ تھے۔ اربابِ حکومت نے ان کو قریب لانے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے۔ علمی اور ادبی اعزازات سے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ہمیشہ ان سے دامن کش رہے۔ مجھے علم ہے کہ فیصل ایوارڈ میں ان کا نام آیا لیکن انھوں نے معذرت کر لی۔ پاکستان نے ہجری ایوارڈ ان کو پیش کیا مگر انھوں نے رسمی طور پر قبول کرنا پسند نہ کیا اور رقم اسلامک یونیورسٹی کے لئے وقف کر دی۔ سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی دینی حس اتنی بیدار تھی کہ آزاد حیدرآباد دکن سے یورپ جانے کے بعد مقبوضہ حیدرآباد دکن کبھی واپس نہ آئے بلکہ جب میں نے اصرار کیا کہ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے پروگرام میں شریک ہوں تو بڑے دکھے دل سے کہا کہ میں اِس انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں۔ کرتا جس نے میرے آزاد ملک کو بھارت کی غلامی میں دے دیا۔ وہ کبھی برطانیہ نہ آئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس وقت تک تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں مصروف رہے جب

Marfat.com

تک قویٰ نے ساتھ دیا۔ جب بیماریوں نے اس طرح آلیا کہ یہ کام جاری نہ رکھ سکے تو اپنی جان سے قیمتی لائبریری علمی کاموں کے لئے وقف کر دی اور خود امریکہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے۔ جب مجھے ایک اعلیٰ پاکستانی افسر اور سید حسین نصر کے توسط سے ان کی اس حالت کا علم ہوا تو میں نے کوشش کی کہ وہ پاکستان تشریف لے آئیں اور اس سلسلے میں صدر مملکت کو میں نے ایک خط بھی لکھا جس کا مثبت جواب ملا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے اعزہ کی پیشکش کو ترجیح دی اور فلوریڈا منتقل ہو گئے۔ افسوس پاکستان ان کے اس آخری دور میں ان کی خدمت کی سعادت سے محروم رہا۔ ۲۰۰۲ء کے دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ایک صدی (۹۵) سال اس عالم ناپائیدار میں گزار کر، علم و دعوت کی سینکڑوں شمعیں روشن کر کے اللہ کا یہ بندہ اپنے رب کی طرف مراجعت کر گیا تا کہ عباد الرحمٰن کے ابدی مسکن کو پالے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی بشری لغزشوں سے صرفِ نظر کرے اور انھیں جنت کی بہترین وادیوں میں جگہ دے۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

(بشکریہ ماہنامہ افکار معلم لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء)

۱) سیرت النبی ﷺ پر دو جلدی فرانسیسی کتاب کا اب تک مکمل انگریزی ترجمہ شایع نہ ہو سکا ہے۔ انگریزی میں سیرت پر یک جلدی کتاب اس کے علاوہ ہے جس کا نام Muhammad RasulUllah(SAW) ہے (مرتب)۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق

از ڈاکٹر محمود احمد غازی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی یاد میں ۲۱/ جنوری ۲۰۰۳ء کو اسلام آباد میں منعقدہ ایک تقریب میں ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے ایک فکر انگیز تقریر کی جس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی علمی خدمات اور منہج تحقیق پر مفید روشنی ڈالی. ماهنامه دعوة اسلام آباد مارچ ۲۰۰۳ء کے شکریے کے ساتھ ہم یہ تقریر شامل کر رہے ہیں. ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا انتقال مورخہ ۲۶/ستمبر ۲۰۱۰ء کو اسلام آباد میں ہوا. (مرتب)

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی شخصیت کوئی غیر معروف نہیں کہ ان کے بارے میں ضروری معلومات بتانے یا کسی رسمی تعارفی گفتگو کی ضرورت پیش آئے۔ اسلامی علوم کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ان کے کام کی نوعیت کیا تھی اور وہ دنیائے اسلام کے کتنے بڑے مفکر اور کتنے بڑے مصنف تھے۔ لیکن یہ بات ان کے خاص قارئین کے علاوہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وسعت نظر، تعمق علمی اور اپنی دلچسپیوں کے دائرے کی ہمہ گیری اور تنوع کے اعتبار سے ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام تھا۔ شاید بیسویں صدی کے کسی اور مصنف یا اسلامی اسکالر میں وہ وسعت علمی اور گہرائی نہیں پائی جاتی جو ڈاکٹر حمید اللہ میں پائی جاتی تھی۔ اسلامی علوم وفنون کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا رہا ہوگا جس میں مرحوم ڈاکٹر صاحب نے انتہائی فاضلانہ، عالمانہ اور انتہائی عمیق تحقیق کے نتائج دنیائے اسلام کے سامنے پیش نہ کیے ہوں۔

ڈاکٹر صاحب اصل میں قانون کے طالب علم تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت قانون کے میدان میں ہوئی۔ وہ قانون ہی کے استاد اور قانون ہی کے مصنف تھے۔ قانون

Marfat.com

میں بھی اصول قانون اور بین الاقوامی قانون ان کے دلچسپی کے میدان تھے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے دو عشروں میں ان کا بیشتر کام بین الاقوامی قانون کے میدان میں تھا۔ بین الاقوامی قانون پر انھوں نے فرانسیسی اور انگریزی سے اردو میں کئی کتابیں ترجمہ کیں جو عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبۂ ترجمہ کے تحت شائع ہوئیں۔ ایک اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں جدید بین الاقوامی قانون پر اردو میں قدیم ترین تحریریں شاید ڈاکٹر حمید اللہ ہی کی ہیں۔ ایک چھوٹی سی کتاب ''قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں'' ان کے بہت ابتدائی دور کی کتاب ہے جس کا پہلا ایڈیشن شاید تیس کی دہائی میں شائع ہوا تھا جب ڈاکٹر صاحب کی عمر ۲۶، ۲۷ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج دنیائے اسلام میں جو فکر پیدا ہو رہی ہے کہ مغربی علوم و فنون کا اسلامی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے اور اس کی اس انداز سے تدوین نو کی جائے کہ مغربی علوم و فنون اور اسلامی تصورات میں جو حصے ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں ان کو ایک نئے انداز سے مدون کر کے اسلامی علوم کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا جائے، یعنی وہ عمل جسے ''اسلامائزیشن آف نالج'' کا نام دیا جاتا ہے اور جس پر ۱۹۸۰ء کے عشرے میں کئی بزرگوں نے نہایت قابل قدر خدمات بھی انجام دیں، اگر ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کو دیکھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں پہلا علمی قدم انھوں نے ہی اٹھایا کہ بین الاقوامی قانون کے ان تمام مغربی تصورات کو سامنے رکھا، ان کا ناقدانہ جائزہ لیا، پھر اسلامی تعلیم اور اسلامی فقہ میں بین الاقوامی تعلقات اور قانون جنگ اور قانون صلح کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس کو اس طرح سے مرتب اور مثبت مغربی تصورات سے ہم آہنگ کیا کہ ایک بالکل نئی چیز قوم کے سامنے پیش کی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انھوں نے جس کام کی داغ بیل آج سے ساٹھ ستر سال پہلے ڈالی تھی اس کو آگے بڑھایا جائے اور ان تمام علوم و فنون کا، جو آج کی دنیا پر اثر انداز ہو رہے ہیں، اس انداز سے جائزہ لیا جائے کہ اس میں کیا چیز اسلام کی تعلیم سے ہم آہنگ ہے اور کیا چیز متعارض۔ جو متعارض ہے اس کو دلائل کے ذریعے سے ثابت کیا جائے کہ یہ متعارض ہے، اور جو ہم آہنگ ہے اس کو اسلامی تعلیم کے ساتھ ملا کر اس طرح پیش کیا جائے کہ علم کی وحدت کا جو اسلامی تصور ہے وہ

Marfat.com

ہمارے سامنے آجائے۔

بین الاقوامی قانون سے دلچسپی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو اسلام کے قانون بین الاقوام سے دلچسپی پیدا ہوئی جس کے لئے وہ قانون بین الممالک کی اصطلاح کو زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ اسلامی قانون کے بین الاقوامی پہلو پر انھوں نے کام شروع کیا اور ۱۹۳۳ء میں جرمنی کی بون یونیورسٹی میں اپنا وہ مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا: (Neutrality in یعنی Neutialitat in Islamischen Volkeriecht Muslim International Law) یہ اپنی نوعیت کا انوکھا کام تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جو انتہائی متواضع انسان تھے اور اپنی کسی چیز کے بارے میں کبھی تعلّی سے کام نہیں لیتے تھے، خود مجھ سے فرمایا کہ جرمن کیا بلکہ کسی بھی مغربی زبان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی تحریر ہے جس میں بین الاقوامی تعلقات میں غیر جانبداری کے اسلامی تصور پر اس طرح مدلل علمی انداز سے بحث کی گئی ہو اور اس کو بیان کیا گیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ جرمنی میں ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں ان کو ڈگری ملی اور ۱۹۳۵ء میں یہ شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے عثمانیہ یونیورسٹی سے پچھتّر روپے ماہوار کے وظیفہ پر پی ایچ ڈی کرنے کے لئے یہ سفر شروع کیا تھا اور ان کو غالباً تین سال کی چھٹی ملی تھی۔ سب سے پہلے وہ جرمنی تشریف لے گئے اور دس مہینے کی مختصر مدت میں یہ مقالہ تیار کر کے پیش کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی۔ اس پر ان کو خیال ہوا کہ ابھی وظیفہ کی مدت باقی ہے کیوں نہ وہ پیرس جائیں اور سوبورن یونیورسٹی سے دوسری ڈگری حاصل کر لیں۔ چنانچہ وہ سوبورن یونیورسٹی چلے گئے اور اگست ۱۹۳۴ء میں انھوں نے دوسرا مقالہ پیش کیا جس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ نظری مباحث پر مشتمل ہے دوسرا حصہ ان دستاویزات کا ہے جو عہد نبوی اور خلافت راشدہ سے متعلق ہیں۔ ان دستاویزات کی نوعیت یہ ہے کہ ان سے اسلام کے سیاسی نظام اور بین الاقوامی تعلقات اور اس زمانے کے لحاظ سے بین القبائلی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ مقالے کا عنوان تھا:

La Diplomatie Musulmane a l' epoch an Prophete de T'Slam et se caliphes Orthodoxes ۔ یہ مقالہ بھی پیرس میں ۱۹۳۵ء میں

Marfat.com

شائع ہوا اور اب دستیاب نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ازراہ مہربانی اس کی فوٹو کاپی مجھے عنایت فرمائی تھی جو میرے پاس موجود ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ چاہتے تھے کہ ابھی ایک سال باقی ہے اور پچھتّر روپے ماہوار کا وظیفہ ان کو اگر ملتا رہے تو وہ لینن گراڈ جا کر پی ایچ ڈی کی تیسری ڈگری بھی حاصل کر لیں۔ اس دوران میں انھوں نے روسی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ وہ لینن گراڈ جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے کسی افسر حسابات قسم کی مخلوق نے ان کو نوٹس دیا کہ آپ کو یونیورسٹی کے قواعد وضوابط کی رو سے جرمنی جانے کی اجازت دی گئی تھی، آپ بغیر اجازت پیرس چلے گئے اور اب کہیں اور جانا چاہتے ہیں اس لئے آپ فوراً واپس آئیں اور جواب دیں کہ کیوں نہ آپ کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جائے۔ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب نے اس محکمانہ کارروائی کا کیا جواب دیا، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لینن گراڈ سے پی ایچ ڈی نہ کر سکے اور واپس عثمانیہ یونیورسٹی تشریف لے گئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں انھوں نے اس مقالے کو جو اس سے پہلے وہ ایم اے کے لئے پیش کر چکے تھے، نئے انداز سے ترتیب دے کر "Muslim conduct of State" کے نام سے پیش کیا اور غالباً ۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء کے زمانے میں پی ایچ ڈی کی تیسری ڈگری عثمانیہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں انھیں بہت سے اساتذہ سے کسب فیض کرنے کا اتفاق ہوا جن کے وہ ہمیشہ مداح اور معترف رہے۔ اپنے اساتذہ میں وہ بہت تواتر سے مولانا مناظر احسن گیلانی کا نام لیا کرتے تھے جو وہاں دینیات اور اسلامیات کے صدر شعبہ تھے۔ اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا گیلانی سے بھرپور استفادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تینوں کتابیں خاص طور پر ان کی آخری کتاب "Muslim Conduct of State" اپنے موضوع پر انتہائی منفرد کتاب ہے۔ بین الاقوامی قانون کا اس زمانے میں جو تصور تھا اور اس وقت تک اس نے جو ترقی کی تھی اس کو سامنے رکھ کر انھوں نے اس سارے اسلامی مواد کو نئے انداز سے مرتب کیا۔ اس زمانے میں بین الاقوامی قانون کی انتہائی مقبول کتاب اوپن ہائم کی ''انٹرنیشنل لاء'' تھی جو دو جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں درسی کتاب کے طور پر معروف ومقبول تھی۔ انھوں نے اس کتاب کو بطور نمونہ

Marfat.com

کے سامنے رکھا، اس میں مضامین کی جس طرح تقسیم تھی اس کو اپنایا اور فقہ اسلامی کے علاوہ پورے اسلامی ادب میں بین الاقوامی تعلقات پر جو مواد دستیاب تھا، اس سب کو کھنگال کر سارے مواد کو ایک نئی ترتیب سے مرتب کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ۴۱-۱۹۴۰ء تک اسلامی تحقیق کا شاید سب سے اعلیٰ نمونہ قرار دی جاسکتی ہے۔ اتنی فاضلانہ کتاب اور اتنے ٹھوس اور عمیق مطالعے پر مبنی کہ جس میں دستیاب مواد کی ہر چیز کو سمو لیا گیا ہو شاید کوئی اور موجود نہیں ہے۔ اس زمانے میں یعنی بیسویں صدی میں اسلام کے بین الاقوامی قانون، قانون جنگ اور صلح پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کی تعداد اب سینکڑوں میں ہے لیکن اس کتاب کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ جامعیت میں کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بین الاقوامی قانون ۱۹۴۱ء تک جیسا کچھ تھا، اس میں زیر بحث کوئی اہم اور بنیادی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو اوپن ہائم نے اٹھایا ہو اور ڈاکٹر صاحب نے اسلامی ماخذ اور مصادر سے تلاش کر کے اس کا جواب نہ دیا ہو۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں سے ہی کام نہیں لیا بلکہ اس کے علاوہ تاریخ، سیرت اور مسلمانوں کی حربیات، مسلمان ملاحوں کی یادداشتوں اور ان کی بحریات، مسلمان سیاحوں کے تذکرے اور یادداشتیں، سفرنامے غرض کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انھوں نے اس کتاب میں کام نہ لیا ہو۔ بین الاقوامی قانون پر ڈاکٹر صاحب مزید کام کرتے رہے، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ انھوں نے ان دستاویزات پر جوان کے فرانسیسی مقالے کی دوسری جلد کا حصہ تھیں، مزید کام کیا اور ۱۹۴۰ء میں شاید پہلی مرتبہ ان دستاویزات کا عربی متن شائع کیا۔ یہ عہد نبوی کی سیاسی دستاویزات کا اب جامع ترین اور مقبول ترین مجموعہ ہے ''الوثائق السیاسیّة فی العهد النبوی والخلافة الراشدة'' کے نام سے پہلی بار ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک خاص انداز یہ تھا کہ مسلسل اپنی تحقیق میں اضافہ کرتے رہتے تھے اور اگر کہیں ایک لفظ کے اضافے کی گنجائش انھیں معلوم تھی تو اپنے خاص نسخے میں اضافہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ میری معلومات کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں اس کتاب کی آٹھ اشاعتیں سامنے آئیں اور ہر ایڈیشن میں پہلے کے مقابلے میں اضافے اور

Marfat.com

مزید تفصیلات انھوں نے بیان کی ہیں۔ غالباً اسی زمانے میں جب وہ ان وثائق و دستاویزات پر کام کر رہے تھے، ان کو سیرت کے کام سے دلچسپی ہوئی اور پھر انھوں نے زندگی کے بقیہ پانچ چھ عشرے سب کے سب سیرت کے کام میں صرف کئے۔ "Muslim Conduct of State" کے بعد غالباً بین الاقوامی قانون پر انھوں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا، چھوٹی موٹی تحریر لکھی ہو یا سابقہ کتابوں کے مختلف ایڈیشنوں میں اضافے کئے ہوں تو الگ بات ہے لیکن کوئی نئی کتاب نہیں لکھی۔ اس کے بعد ان کی تمام تر توجہ کا مرکز سیرت اور علم الحدیث رہے۔ علم حدیث میں ان کے کام کی حیثیت ایک خاص انداز کی ہے۔ وہ معروف معنوں میں محدث نہیں کہلائے۔ انھوں نے علم حدیث کی تدریس کا اس انداز سے کام نہیں کیا جیسا علم حدیث کے اساتذہ کرتے ہیں۔ لیکن علم حدیث کی تاریخ میں وہ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں، اتنے منفرد مقام کے کہ اگر علم حدیث کی تاریخ لکھی جائے تو شاید ''ڈاکٹر حمید اللہ کا کام'' اس تاریخ کا ایک منفرد عنوان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین نے پچھلی صدی کے اواسط سے ایک خاص نقطۂ نظر اپنایا تھا کہ علم حدیث کے نام سے جو ذخیرہ مسلمانوں کے پاس اس وقت موجود ہے یہ تاریخی اعتبار سے مستند نہیں ہے اس لئے کہ علم حدیث کے بیشتر متداول مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے۔ اس وجہ سے مستشرقین نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ چونکہ تین چار سو سال کے بعد یہ چیزیں لکھی گئی ہیں اور اس وقت تک بقول ان کے زبانی یادداشتوں کے ذریعے سے چلتی رہیں اور زبانی یادداشتوں میں سہو اور نسیان کا جو امکان ہے وہ واضح ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ سارا ذخیرہ غیر مستند ہے۔ اس تصور کو مختلف مستشرقین آگے بڑھاتے گئے اور اس کا سب سے بڑا اظہار جن مستشرقین کے ہاں ہوا ہے ان کی تحریریں مشہور و معروف ہیں، جن کے اثرات برصغیر میں بھی ہوئے۔ برصغیر کے بعض بااثر اور مقبول مصنّفین نے ان خیالات کو زیادہ پرجوش اور موثر انداز میں یہاں پھیلایا۔ خود مصر میں ایک دو مصنّفین آئے جو ان خیالات سے متاثر ہوئے اور مصر میں بھی اس کے اثرات پیدا ہوئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ ان اولین شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے اس موضوع کا علمی

Marfat.com

جواب دینے کا فیصلہ کیا اور بڑی تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ صحابہ کرام اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں حدیث کی تحریر وتسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا جس میں دور تابعین میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ صحابہ کرامؓ سے یہ پورا ذخیرہ زبانی اور تحریری دونوں انداز سے تابعین کو منتقل ہوا اور اسی انداز سے تابعین نے اپنے بعد کی نسل تک پہنچایا۔ اس وقت حدیث کے جتنے مجموعے ہمارے سامنے ہیں یہ سب کے سب نہ صرف سند متصل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں بلکہ ہر دور میں، ہر سطح پر تحریری یادداشتیں اور ذخیرے بھی موجود تھے جن پر اس علم کی بنیاد ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے سب سے پہلے غالباً ۴۳-۱۹۴۲ء میں صحیح بخاری کے مآخذ پر کام شروع کیا اور ابتدائی طور پر انھوں نے یہ پتہ چلایا کہ صحیح بخاری کے ماخذ میں ایک بڑا اہم مآخذ امام عبدالرزاق صنعانی (متوفی ۲۱۱ھ) بھی ہیں۔ امام عبدالرزاق صنعانی کی کتنی احادیث صحیح بخاری میں ہیں، اس کا انھوں نے جائزہ لیا۔ پھر انھوں نے بتایا کہ امام عبدالرزاق نے اپنے تمام حدیثی ذخیرے کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر لیا تھا جو اس وقت تک نہیں چھپا تھا لیکن اب چھپ چکا ہے اور مصنف عبدالرزاق کے نام سے ہر جگہ دستیاب ہے۔ اس لئے امام بخاری اور امام عبدالرزاق کے درمیان یہ کہنا کہ سنی سنائی باتیں نقل کر دی گئیں، درست نہیں ہے۔ پھر عبدالرزاق کے اساتذہ میں ان کے ماخذ میں انھوں نے یہ بتایا کہ اہم ترین ماخذ معمر بن راشد ہیں جن کا تحریری ذخیرہ جو اس وقت نہیں چھپا تھا، آج چھپ چکا ہے اور جامع معمر کے نام سے دستیاب ہے۔ یوں معمر بن راشد کے ذریعے سے تابعین کی سطح تک تحریری ذخیرے کی نشاندہی ہو گئی۔ پھر معمر بن راشد کے مآخذ میں دو ماخذ کا خاص طور پر انھوں نے ذکر کیا۔ ایک عبداللہ بن عمرو بن العاص، جن کے بارے میں تمام کتب حدیث میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحیفہ صادقہ کے نام سے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ دوسرا مجموعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے تلامذہ بالخصوص ہمام بن منبہ کا مرتب کردہ تھا۔ اس طرح انھوں نے ایک مثال سے معمر بن راشد کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک مجموعۂ احادیث پانچ سو روایات پر مشتمل تیار ہوا تھا،

Marfat.com

اس ذخیرے سے معمر بن راشد نے فائدہ اٹھایا، معمر بن راشد نے وہ ذخیرہ عبدالرزاق کو منتقل کیا، عبدالرزاق نے وہ ذخیرہ امام بخاری کو منتقل کیا اور یوں امام بخاری کی کتاب سامنے آئی جو اپنی ترتیب کی عمدگی اور جامعیت کی وجہ سے مقبول ہوئی، بقیہ مجموعوں میں ترتیب کی وہ عمدگی نہیں تھی یا وہ جامعیت نہیں تھی اس لئے وہ مقبول نہیں ہوسکیں۔ آج کہنے کو یہ بڑی آسان بات لگتی ہے لیکن اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے کتنا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا، کتنے کتب خانوں کی چھان بین کرنی پڑی ہوگی اور کتنے سال لگے ہوں گے اس کا اندازہ مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو بات لکھی اس کی بنیاد پر دور جدید میں بہت سے مصنّفین نے اس اسلوبِ تحقیق کو آگے بڑھایا اور پھر دلائل، قرائن اور شواہد سے اس بات کو پورے طور پر ثابت کر دیا کہ علم حدیث صرف زبانی روایات پر مبنی نہیں بلکہ انسانی وسائل کے اعتبار سے کسی بھی ذخیرۂ علم کو محفوظ کرنے کے لئے جو اسالیب انسانوں کے لئے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر علم حدیث کے ان قیمتی ذخائر کو محفوظ کیا گیا ہے۔ آج کوئی مستشرق یا مستشرقین سے متاثر کوئی مستغرب یہ بات نہیں کہتا کہ علم حدیث کی بنیاد سنی سنائی روایات پر ہے۔ یہ وہ بنیادی اہمیت کا کام ہے جو ڈاکٹر حمید اللہ نے علم حدیث کے باب میں کیا جس کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ علم حدیث کی تاریخ کے ایک انتہائی بنیادی پہلو سے متعلق ہے۔ اس سے ایک اور نئی جہت اور نئی رو کا آغاز ہوا ہے۔

علم حدیث کے ذریعے سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق علم سیرت سے پیدا ہوا۔ پھر انھوں نے تمام تر زندگی سیرت پر کام کرتے ہوئے گزار دی۔ کہا جا سکتا ہے کہ سیرت پر جو کام ہونا تھا، وہ ہو چکا، جنھیں لکھنا تھا لکھ چکے، اب سیرت پر کوئی نئی معلومات اور ذخیرہ کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے ڈاکٹر صاحب نے کوئی نیا ذخیرہ سیرت تو دریافت نہیں کیا۔ جو واقعات اور روایات سیرت پر دستیاب ہیں ڈاکٹر صاحب نے انہی وقائع اور واقعات سے کام لیا لیکن انھوں نے بعض ایسے سوالات اٹھائے اور بعض ایسے سوالات کے جوابات دیے جن سے قدیم مصنّفین نے اعتنا نہیں کیا تھا۔ اس میں سے میں صرف ایک مثال دینے پر اکتفا کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے کس انداز سے سیرت کے

Marfat.com

واقعات کو بیان کیا اور اس کی تشریح وتوضیح کی۔ ایک مزید بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے علم حدیث اور حدیث کے ذخائر سے کام لینے کے ساتھ ساتھ جب سیرت پر اپنی کتابیں تصنیف اور مرتب کیں اور خاص طور پر فرانسیسی زبان میں جوان کی دو جلدوں میں سیرت ہے، وہ اپنے موضوع پر عجیب اور منفرد انداز کی تحریر ہے۔ اس میں انھوں نے صرف سیرت اور حدیث کی کتابوں سے مدد نہیں لی بلکہ قدیم جاہلی ادب، علم انساب، تاریخ، تذکرہ، سوانح عمری، سفرناموں اور ایسی ہی دوسری کتابوں سے بھرپور کام لیا اور ان سب میں سیرت سے متعلق جو مواد تھا، ڈاکٹر صاحب نے اس کو اپنی کتابوں میں نہ صرف شامل کیا بلکہ اس سے سیرت کے مختلف واقعات کی توضیح وتشریح میں کام لیا۔

عام طور پر سیرت کا اسلوب یہ رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ ایک تشریحی انداز میں پیش کر دیتے ہیں کہ واقعہ اس طرح پیش آیا، فلاں جنگ ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی اور فلاں قبیلے کے ساتھ ہوئی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ فلاں علاقے ہی میں یہ جنگ کیوں ہوئی اور فلاں قبیلے ہی کے ساتھ کیوں ہوئی؟ اس قبیلے سے جنگ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں قبائل ہی سے کیوں مدد لی؟ اس طرح کے سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس علاقے کے اس وقت کے قبائل کا پوری طرح جائزہ لیا جائے اور ان قبائل کے آپس کے تعلقات کو بیان کیا جائے۔

مثال کے طور پر یہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ نجاشی کے پاس سفیر بھیجا تو اس غرض کے لئے حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو بھیجا۔ عمرو بن امیہ ہی کا انتخاب کیوں ہوا، اس کا کوئی جواب ارباب سیرت کے ہاں نہیں ملتا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کے لئے بنی ضمرہ قبیلے کی تاریخ کو کھنگالا، پھر بنی ضمرہ کے تعلقات جو اسلام سے ڈھائی سو سال پہلے سے نجاشی کے خاندان سے چلے آرہے تھے ان کا پتہ چلایا۔ پھر یہ معلوم کیا کہ نجاشی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حبشہ کا حکمران تھا، اس کا اپنی نوجوانی میں اپنے چچا یا کسی اور رشتے دار سے اختلاف ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں دوسرا مدعی تخت نشین ہو گیا اور اس کو جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ جلاوطن ہونے کے بعد وہ عرب میں آ گیا اور بنی ضمرہ

Marfat.com

کے ہاں پناہ گزیں ہوا اور عمرو بن امیہ ضمری کے کسی بزرگ نے اسے پناہ دی اور کافی عرصے وہ ان کے ہاں پناہ گزیں رہا، اس لئے یہ اس قبیلے کا مرہون احسان تھا اور اس قبیلے کے سردار کے ہاتھوں جو نامۂ مبارک ملنا تھا اس کے اپنے اثرات بھی تھے، قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک ہونے کے، جو تعلقات پچاس سال سے اس کے اور اس قبیلے کے درمیان چلے آرہے تھے اس کو وہ نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت اور حکمت کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے کہ افراد کے انتخاب کے معاملے میں آپ نے کن اسباب کی بنیاد پر کس حکمت عملی سے کام لیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کے مواد کا جائزہ لیا جو بظاہر ارباب سیرت کی نظر میں زیادہ مستند نہیں سمجھا جاتا اور بظاہر سنجیدہ محدثین اور ارباب سیرت نے اس کو درخور اعتنا بھی نہیں سمجھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس میں سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا۔ انھوں نے خود مجھے بتایا کہ انھوں نے کئی مرتبہ بالاستیعاب الاغانی کی تمام جلدیں پڑھی ہیں۔ الاغانی خالص ادب کی کتاب ہے اور افسانہ نگاری اور ادبیت کے اعتبار سے اس کا بڑا اونچا درجہ ہے، لیکن کبھی کسی مؤرخ نے یا کسی سنجیدہ مصنف نے اس کو تاریخی واقعات کا ماخذ نہیں سمجھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے مصنفین اور اہل علم کے اس اعتراض کا پورا احساس ہے جو الاغانی کی حیثیت کے بارے میں وہ کرتے رہے ہیں۔ لیکن الاغانی میں اگر کوئی ایسا واقعہ آیا ہے جس سے مثلاً یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی ضمرہ کا تعلق نجاشی سے کس نوعیت کا تھا تو اس کو قبول کرنے میں کیا تامل ہے۔ اس میں فن رجال کی بحثوں میں جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ یوں ڈاکٹر صاحب نے اس طرح کے خالص ادبی مواد سے بھی کام لیا۔ اس پر ہمارے بعض روایتی محدثین اور ارباب علم نے ان پر تنقید بھی کی اور یہ محسوس بھی کیا کہ وہ غیر مستند روایات سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ خالص حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے متعلق کسی چیز کے بارے میں انھوں نے کوئی غیر مستند روایت قبول نہیں کی لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے کہ اس سے کسی مستند روایت کی وضاحت ہوجاتی ہے تو اس طرح کی روایات لینے میں انھوں نے کبھی تامل

Marfat.com

نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کس طرح کے سوالات اٹھائے اس کی ایک چھوٹی سی مثال دینا چاہوں گا۔ عام طور پر سب ارباب سیرت نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کعب بن اشرف جو یہودیوں کے قبیلے کا سردار تھا، اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی بدزبانی کرتا تھا۔ اس کی بدزبانی اور سازشوں سے دق ہو کر آپؐ نے فرمایا: ''کعب بن اشرف سے کون نمٹ سکتا ہے؟'' محمد بن مسلمہ انصاری نے کہا کہ میں نمٹ سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے چند معتمد ساتھیوں کو خاموشی سے لے کر گئے اور رات کو جا کر اس کو قتل کر کے آ گئے۔ سب نے اس کی تفصیلات بیان کیں کہ کیسے گئے، کس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا اور کس راستے سے گئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیج کر کعب بن اشرف کو قتل کرا دیا تھا تو کیا یہ مان لیا جائے کہ حکمران اپنے کسی سیاسی مخالفت کو جب چاہے رات کو دو آدمی بھیج کر قتل کرا دے اور کیا اسلام میں یہ جائز ہے؟ اگر اس سوال کا مستند جواب تلاش کیا جائے تو کسی بھی قدیم مصنف کے ہاں یہ جواب نہیں ملتا۔ بلکہ کسی قدیم مصنف نے یہ سوال ہی سرے سے نہیں اٹھایا۔ یا تو انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی یا اس زمانے کے حالات میں یہ سوال پیدا نہیں ہوا، آج کل کے حالات میں بہرحال یہ سوال پیدا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ سوال اٹھایا اور اس پر غور شروع کیا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ یہ طے ہو کہ کعب بن اشرف کی حیثیت کیا تھی۔ یہ جاننے کے لئے ضروری تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ یثرب کی اس وقت کی حدود کیا تھیں؟ جس کو ہم دارالاسلام یا مدینۃ الرسول کہتے ہیں وہ کیا تھا؟ اس کے لئے جغرافیہ کا مطالعہ ضروری تھا۔ چنانچہ جغرافیہ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس پر کتنے سال لگے، میں نہیں جانتا۔ انھوں نے یثرب کی حدود متعین کیں، پھر یہ متعین کیا کہ کعب بن اشرف کا تعلق جس علاقے سے تھا وہ یثرب کی حدود میں داخل تھا یا نہیں، تحقیق ہوئی کہ وہ داخل نہیں تھا۔ جب داخل نہیں تھا تو اس کی حیثیت کیا تھی؟ کیا وہ معاہد تھا یا مصالح تھا یا محارب تھا۔ انھوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ وہ محارب تھا۔

Marfat.com

لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ وہ محارب علاقے سے تعلق رکھتا تھا، یہ ثابت بھی ہو جائے تب بھی بعض سوالات تشنہ رہ جاتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کعب بن اشرف کا قتل ہوا تو اس سے پہلے میثاق مدینہ لکھا جا چکا تھا۔ اگر میثاق مدینہ لکھا جا چکا تھا تو یہودی میثاق مدینہ میں شامل تھے اور کعب بن اشرف بھی شامل ہوگا اس لئے وہ معاہد ہوگا، محارب نہیں، اس سے پہلے محارب رہا ہوگا۔ اب انھوں نے میثاق مدینہ پر تحقیق شروع کی اور کافی تحقیق کے بعد ثابت کیا کہ آج جو میثاق مدینہ ہمارے سامنے ہے، یہ نہ ایک دستاویز ہے اور نہ ایک وقت میں لکھی گئی۔ بلکہ یہ تین دستاویزات کا مجموعہ ہے اور اسے تین مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ جنگ بدر کے فوراً بعد لکھا گیا دوسرا حصہ جنگ احد سے تھوڑا پہلے لکھا گیا اور اس کا تیسرا حصہ جنگ احد کے بعد لکھا گیا اور جیسے جیسے یثرب کے قبائل اس میں شامل ہوتے گئے ان کے لئے شرائط کا اضافہ ہوتا گیا اور دستاویز کے دوسرے حصے اس میں شامل ہوتے گئے۔

یہ تحقیق کرنے کے بعد انھوں نے ایک روایت کو بنیاد بنایا جو سنن ابوداؤد میں ہے، جس میں ایک باب ابوداؤد نے باندھا ہے ''باب اس بیان میں کہ بنونضیر کے یہودیوں کو مدینہ سے کیسے جلاوطن کیا گیا؟'' اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ لکھ لیا اور اہل مدینہ کو امان دے دی اور جنگ بدر ہوئی تو یہودی ڈر گئے اور انھوں نے سوچا کہ ان کو بھی اس امان میں شامل ہو جانا چاہئے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے اور کچھ کا خیال تھا کہ شامل نہ ہوں، جب کعب بن اشرف کا قتل ہوا تو پھر پورے یہودی اس میں شامل ہو گئے۔ گویا کعب بن اشرف کے قتل کے وقت میثاق مدینہ میں یہودی پارٹی نہیں تھے اور ان کی حیثیت ایک شہری یا معاہد کی نہیں بلکہ ایک محارب کی تھی اور محارب کے خلاف ملٹری ایکشن یا پولیس ایکشن لیا جا سکتا ہے اور جائز ہے۔ اس نتیجے پر ڈاکٹر صاحب کوئی پینتیس سال کی تحقیق کے بعد پہنچے۔

اس طرح کے بہت سے معاملات ہیں جس میں وقتاً فوقتاً مجھے بھی ان سے تبادلۂ خیال کا اتفاق ہوا۔ اس کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ اگر سوال کا جواب آج ان کے سامنے نہیں ہے

Marfat.com

تو اس پر کوئی فوری رائے قائم کر لیں۔ وہ فوری رائے کبھی قائم نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مسلسل غور کرتے رہتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوا کہ انھوں نے ایک سوال اٹھایا یا ان کے مخاطب نے کسی کم علمی، ناپختگی یا جلد بازی کی وجہ سے جواب دے دیا تو انھوں نے اس کو سراہا نہیں۔ ایک مرتبہ ایک نیاز مند سے پوچھا کہ یہ جو قرآن مجید میں آیا ہے کہ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ o كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ اس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جو نیک لوگ ہیں ان کی کتاب جنت میں جائے گی اور جو برے لوگ ہیں ان کی کتاب جہنم میں جائے گی، تو میری کتاب اگر جہنم میں چلی جائے اور میں بچ جاؤں تو یہ اچھی ہے، اگر نہیں تو اس سے مراد کیا ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد فیصلہ ہے۔ اور کتاب کا لفظ عربی میں زبان میں فیصلے کے لئے بھی آتا۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیک لوگوں کا فیصلہ جنت کے بارے میں ہوگا اور برے لوگوں کا فیصلہ جہنم کے بارے میں ہوگا۔ مخاطب کہنے لگا: جی بالکل، بالکل! فرمایا: اتنی جلدی نہ کیجئے۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے اس میں ابھی بہت سے سوالات ہیں۔ پھر اس پر جو اعتراض آئے، وہ بیان کئے۔

وہ مختلف معاملات پر اس طرح سے مسلسل سوچتے رہتے تھے اور ایسے سوالات اٹھاتے تھے کہ جن کا جواب کم از کم ان کے مخاطبین کے پاس تو نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھے لکھا کہ آج کل میں اپنے فرانسیسی ترجمے پر نظر ثانی کر رہا ہوں اور غالباً دسویں یا بارہویں نظر ثانی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ عربی زبان میں یاویلتا، یا ویلتنا اور یاویلنا میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے۔ اور اگر فرق ہے تو اس کو فرانسیسی یا انگریزی میں کیسے بیان کیا جائے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہاں جتنے بھی عربی دان یا اساتذہ تھے (میں کسی کی تحقیر نہیں کرتا) سب سے میں نے بات کی۔ اول تو اکثر کے ذہن میں یہ سوال پہلی مرتبہ آیا تھا کہ ان میں فرق بھی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ فرق تو ہے۔ عربی کے تین الگ الگ لفظ ہیں۔ قرآن پاک نے تین سیاقوں میں یہ تین الفاظ استعمال کئے ہیں تو کیوں کئے ہیں؟ کافی غور و خوض کے بعد یاویلتنا اور یاویلنا کا فرق تو سمجھ میں آ گیا لیکن اس کو انگریزی میں کیسے بیان کیا جائے غالباً انگریزی زبان اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فرانسیسی میں کیسے استعمال کیا جائے، یہ ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب کو بہتر معلوم ہوگا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرانا مقصود ہے کہ عام مترجمین قرآن بلکہ بڑے بڑے مترجمین قرآن نے، یا کسی نے بھی یا ویلتنا اور یاویلنا کے ترجمے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ یہ انگریزی زبان میں ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی علوم وفنون پر کتنی گہرائی اور باریک بینی سے کام کیا۔ ان کا آخری کام ایک لحاظ سے سیرت ہی ہے اور بقول شبلی ''یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا''۔

میری جب ان سے آخری ملاقات ہوئی تو وہ قرآن مجید پر کام کر رہے تھے اور صحیح بخاری کے انڈیکس بنا رہے تھے۔ اس دوران میں انھوں نے بیسیوں متون ایڈٹ کیے جس میں خالص نباتات جیسی کتاب بھی شامل ہے۔ ان سے کسی عربی اسلامی ادارے نے کہا کہ ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات ایڈٹ کر دیں۔ اس کی ایک جلد دستیاب تھی، دوسری دستیاب نہیں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے دستیاب جلد ایڈٹ کر کے دے دی۔ جب وہ اسے ایڈٹ کر رہے تھے تو حواشی لکھتے ہوئے ان کو یہ خیال ہوا کہ مسلمانوں میں جن لوگوں نے علم الادویہ پر لکھا ہے انھوں نے کتاب النبات کے حوالے بڑی کثرت سے دیے ہیں۔ اسی طرح بہت سے ارباب لغت نے بھی کتاب النبات کے حوالے دیے ہیں، اگر لغت کی تمام کتب کو چھانا جائے اور علم الادویہ کی تمام کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور جہاں جہاں ابوحنیفہ دینوری کے حوالے آئے ہیں، ان کو جمع کیا جائے تو شاید گمشدہ جلد دوبارہ مرتب ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے لسان العرب، قاموس، جمھرہ، کتاب العین جیسی بنیادی کتابیں سب بالاستیعاب پڑھنی شروع کیں اور پھر علم الادویہ کی کتابیں جن جن کی ہیں مثلاً زکریا، رازی وغیرہ، ان سب میں جہاں جہاں ابوحنیفہ کے حوالے لکھے تھے ان کو جمع کیا اور یوں گمشدہ جلد کا بیشتر حصہ الحمدللہ جمع ہو گیا جسے انھوں نے شائع بھی کر دیا۔ جب میں نے پہلی مرتبہ یہ واقعہ سنا تو یقین نہیں آیا کہ ایک انسان ایسا کام کر سکتا ہے۔

ایک چھوٹا سا واقعہ ذکر کروں جو میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ ان کی کتاب "Muslim Conduct of State" کا ایک خاتون نے اردو ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۷۹ء کو اسلام آباد میں ایک سیمینار میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے میں نے ذکر کیا کہ

Marfat.com

آپ کی کتاب کا ترجمہ ایک خاتون نے کیا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ آپ ایک نظر اس پر ڈال لیں۔ انھوں نے کہا دے دیجئے۔ سیمینار کے اختتام پر مغرب کے وقت وہ ہوٹل واپس جا رہے تھے، میں نے وہ بستہ ان کو دے دیا۔ اگلے دن میں صبح ساڑھے نو بجے پہنچا تو وہ بستہ بغل میں دبائے ہوئے تھے اور کہا یہ لے لیجئے۔ میں نے دیکھا تو اس کے کم وبیش ہر صفحہ پر کوئی نہ کوئی اصلاح اور غلطی کی درستگی موجود تھی جو انھوں نے کی ہوئی تھی۔ اب بظاہر اگر وہ پوری رات بھی کام کرتے رہے ہوں تو دس یا بارہ گھنٹے جو دو ملاقاتوں کے درمیانی وقفے سے عبارت تھے، اس مدت میں پانچ سو ساڑھے پانچ سو صفحات کا مسودہ دیکھنا اور ہر صفحے پر اصلاح کرنا میرے خیال میں ممکن نہیں۔ اس سے مجھے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جو بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ انسانوں کے لئے جو وقت اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس میں کچھ لوگوں کے لئے عام وقت میں سے طول رکھا ہے، خاص انسانوں میں وقت کے لئے عرض بھی رکھا ہے اور خاص الخاص انسانوں کے لئے عمق بھی رکھا ہے اور اس میں گہرائی بھی ہوتی ہے، تو شاید ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تین پہلو وقت (Three Dimentional Time) دے دیا تھا۔

ان کی اس طرح کی بہت سی مثالیں اور واقعات میرے علم میں ہیں جو میں بیان کر سکتا ہوں۔ آخر میں ایک چھوٹی سی مثال دینا چاہوں گا۔ برصغیر کے ایک بڑے عالم مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور کتاب اظہار الحق ہے جس میں بائبل اور مسیحیت پر تنقید ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کوئی پینتیس سال پہلے کراچی میں شائع ہوا تھا اور بڑا مقبول ہوا۔ اس کا اشتہار ایک دینی رسالے میں چھپتا تھا اور اس میں لکھا ہوتا تھا کہ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو لندن ٹائمز نے لکھا تھا کہ اگر یہ کتاب دنیائے مغرب میں پڑھی جاتی رہی تو مسیحیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ناشر کو خط لکھا اور پوچھا کہ آپ کے اشتہار میں لندن ٹائمز کا حوالہ دیکھا، پچھلے دنوں میں نے لندن ٹائمز کی فائل ۱۸۰۰ء سے لے کر ۱۹۰۰ء فلاں تک پوری دیکھ لی ہے، اس میں مجھے یہ جملہ نہیں ملا، تو آپ کا ذریعہ کیا ہے؟

اسی پر ختم کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے درجات بلند کرے۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمیدؒ اللہ

اسلام کے ایک مایۂ ناز سکالر اور فقر کے بے مثل پیکر

از الطاف حسن قریشی

حیدر آباد دکن کی سرزمین سے کیسے کیسے نادر روزگار پیدا ہوئے جو اپنی ذاتی صفات اور علمی کمالات کا نہایت گہرا نقش جریدۂ عالم پر ثبت کرتے رہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان میں سب سے نمایاں تھے۔ وہ عالم اسلام کے سب سے منفرد اور سب سے زیادہ منکسر المزاج محقق تھے — عاشق رسولؐ، حدیث کے رمز شناس اور قرون اولیٰ کی غایت درجہ کی شان استغنا کے حامل! تحقیق و جستجو کے میدان میں ایسے ایسے عظیم کام کئے کہ مغرب کے بڑے بڑے اسکالر ان سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے انھوں نے تحصیل علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ جامعہ عثمانیہ کے علاوہ فرانس اور جرمنی کی دو یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، ترکی، اطالوی، ہسپانوی، عبرانی اور سنسکرت[1] زبانوں کے عالم بن گئے۔ ستر برس تک تحقیق و تصنیف میں بسر کئے اور تین سو پچاس کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھیں[2]۔ ایک سے ایک نئی تحقیق، ایک سے ایک فکر تازہ کی تشکیل، انھوں نے وہ کام سرانجام دیے جو پہلے تشنہ تحقیق چلے آ رہے تھے اور اس خطے کو اپنی علمی کاوشوں کا مرکز بنایا جو اسلام کی علمی اور فکری عظمت سے ناواقف تھا۔ وہ علم کی تلاش میں پیرس آئے تھے اور وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ ان کی سیرت و کردار کی قوت اور ان کی تحریروں کی سلاست اور امتیازی شان سے متاثر ہو کر تیس ہزار سے زائد فرانسیسی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ان میں دانشور موریس بوکائی بھی شامل ہیں جنھوں نے ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء کتاب شائع کی جس میں یہ ثابت کیا

Marfat.com

گیا ہے کہ قرآن حکیم کے مندرجات سائنس کی تحقیقات سے کمال درجہ مطابقت رکھتے اور انسان اور کائنات کی تخلیق کے بارے میں سائنس دانوں کو مزید فکر و جستجو کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک دھان پان سے شخص نے مغربی معاشرے میں ایک خاموش علمی انقلاب برپا کر دیا۔ آج فرانس میں مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ تک جا پہنچی ہے اور حال ہی میں فرانسیسی حکومت نے مسلم کونسل کو وہی مرتبہ دیا ہے جو پہلے صرف یہودیوں کی کونسل کو حاصل تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق و جستجو کا اصل میدان ہمارے دینی ورثے کا روایتی پہلو تھا۔ انھوں نے ان بنیادی دستاویزات کی تلاش و تحقیق میں امام بخاری علیہ الرحمہ کی سی استقامت سے کام کیا جن سے ہماری علمی اور فکری تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ ان کا روایت اور سند کے حوالے سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ جائزہ لیا اور ان کی بنیاد پر جدید اسلامی تصورات کی عمارت قائم کی ہے۔ قرآن، حدیث اور سیرت طیبہ پر اس نوع کا تحقیقی کام سر انجام دیا جو تشکیل جدید کے لئے ایک وسیع میدان فراہم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلی بار انھوں نے اس موضوع پر تحقیق کی کہ قرآن مجید کے کن کن زبانوں میں کتنے ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں ایک سو بیس زبانوں میں قرآنی تراجم کی ایک ببلوگرافی مرتب کی جس سے یہ پتا چلا کہ قرآن مجید کے اردو میں تین سو، انگریزی میں ایک سو پچاس اور فرانسیسی میں ستر تراجم ہو چکے ہیں۔ تازہ ترین ترجمہ ڈاکٹر صاحب کا ہے جس کے کم و بیش ۲۰ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہر ایڈیشن ۲۰ ہزار نسخوں پر مشتمل ہے۔ ان حقائق نے دنیا کی بہت سی زبانوں کے اہل علم و فضل میں قرآن کا ترجمہ کرنے کا ذوق و شوق پیدا کیا اور اب اللہ کی آخری کتاب کا فہم عالمی سطح پر روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے تدوین حدیث کی تاریخ میں اپنی تحقیق سے گرانقدر اضافہ کیا اور یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ تدوین حدیث کا آغاز صحاح ستہ سے بہت پہلے ہو چکا تھا جس کی شہادت حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہمام بن منبہؒ کا صحیفہ ہے جس کا تعارف علمی دنیا میں بڑے پیمانے پر ان کے توسط سے ہوا۔ اس نایاب صحیفے کے دنیا میں دو ہی نسخے دریافت ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی مدد سے ایک مستند مجموعہ ترتیب دے کر بہت

Marfat.com

بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور تدوین احادیث کو ایک ناقابل تردید تاریخی سند فراہم کی۔ ایک ایسا ہی عظیم الشان کارنامہ ڈاکٹر صاحب نے عہد نبوتؐ کی دستاویزات کو "الوثائق السیاسیة" کے نام سے جمع کر کے سرانجام دیا۔ اس نوع کی علمی تحقیقات پتھروں میں سے قدیم علمی جواہر تلاش کرنے کے مترادف تھیں اور انہی کے باعث وہ اپنے ہم عصر علماء میں سب سے منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ سیرت نبویؐ پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہایت قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کے 'خطبات بہاولپور' میں ان بیشتر سوالوں کا جواب ملتا ہے جو اہل مغرب کے ذہنوں میں اٹھتے رہے ہیں۔ اسی طرح ترکی حکومت کی فرمائش پر لکھی ہوئی کتاب 'محمد الرسول اللہ' سیرت کے وہ پہلو اجاگر کرتی ہے جو بنی نوع انسان کے عصری مسائل حل کرنے میں بیش قیمت رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

عہد نبوت کی نایاب دستاویزات کی ترتیب و تالیف کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے "میثاق مدینہ" اور "حجۃ الوداع" کے مقام و مرتبے کا تعین عالمی تناظر میں کیا ہے۔ انھوں نے "میثاق مدینہ" کے تجزیاتی مطالعے کے بعد دنیا بھر کے دستور سازوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔

اس تحقیق سے قبل، امریکی دستور جو اٹھارہویں صدی میں مدون کیا گیا تھا، دنیا کے پہلے تحریری دستور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح "حجۃ الوداع" پر ان کی یہ تحقیق کہ وہ انسانی حقوق کا سب سے پہلا "بین الاقوامی چارٹر" ہے اسلام کے عالم گیر تصور کو ایک انتہائی بلند سطح سے روشناس کراتی ہے۔

پیرس مغربی تہذیب کا سب سے بڑا گہوارہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس خوبصورت شہر کے ایک محلے ریوتورنوں کے مکان نمبر ۴ کی چوتھی منزل میں نصف صدی سے زیادہ سکونت پذیر رہے۔ اس فلیٹ تک پہنچنے کے لئے لفٹ بھی نہیں تھی۔ ان کی بود و باش کا یہ سادہ سا اسلوب ان کی درویشی اور بے نیازی کی داستان بیان کرتا ہے۔ وہ اس میں تنہا رہتے تھے، بس دو کمرے تھے۔ ایک میں چاروں طرف کتابوں کے درمیان تحقیق و تصنیف کا لامتناہی سلسلہ اور دوسرا ملاقاتوں کے لئے مخصوص — بس ایک چھوٹا سا باورچی خانہ تھا جس میں

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب خود ہی کھانا اور چائے تیار کرتے۔ علمی جواہر پاروں کا کھوج لگانے کے ذوق و شوق میں امام بخاریؒ کی طرح وہ بھی شادی نہ کر سکے۔ وہ سلیقہ شعار ہونے کے باوجود کپڑوں کی آرائش وزیبائش سے بے نیاز رہے۔ گمنامی اور تنہائی میں انھوں نے دینی علوم پر اتنا زیادہ اور اس قدر گراں مایہ کام کیا جو ان گنت جامعات مل کر بھی سرانجام نہ دے سکیں۔ اسلامی خدمات کے حوالے سے ان کا شمار علماء کے اس گروہ میں ہوتا ہے جس نے برصغیر میں احیائے دین کی عظیم کاوشیں جاری رکھیں۔ ان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ شبلیؒ، سیّد سلیمان ندویؒ، سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ، امین احسن اصلاحیؒ اور سیّد ابوالحسن علی ندویؒ شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے ہم عصروں میں اس بنا پر ایک امتیازی شان کے مالک ہیں کہ باقی علماء نے اپنے اپنے معاشروں میں اسلام کو ایک فکری اور معاشرتی قوت عطا کی جبکہ انھوں نے مسلمانوں کو قیمتی روایت اور سند کا ایک بیش بہا خزینہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب میں اسلام کے ہمہ گیر تصورات اور تعلیمات کو اُسی کے محاورے اور تہذیبی اسلوب میں بڑے پیمانے پر متعارف کرایا اور اپنے آپ کو سیاسی اور مالی آلائشوں سے پاک صاف رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ امریکہ منتقل ہو گئے تھے، وہیں ۹۴ سال کی عمر میں مشرق کا یہ سورج نہایت خاموشی سے مغرب میں غروب ہو گیا۔

علم و تحقیق میں تو ان کے پائے کے اہل علم دور دور تک دکھائی نہیں دیتے، مگر فقر و استغنا میں شاید ان کا کوئی بھی ثانی اور ہم پلہ نہ ہو۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع شدہ کتابوں سے انھیں رائلٹی ملتی تو ساری رقم دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے غریبوں، مفلسوں اور ناداروں کو بھیج دیتے۔ اسّی کی دہائی میں انھیں پاکستان کی طرف سے دس لاکھ روپے کا قومی ایوارڈ ملا۔ یہ رقم انھوں نے ادارہ تحقیقات اسلامی کی لائبریری کو دے دی۔ خود اپنی گزر بسر کے لئے سوربون یونیورسٹی کی پنشن کا ایک حصہ بچا رکھتے۔ انھوں نے ایک علمی درویش کی سی زندگی گزاری اور کسی بھی حکومت کی طرف سے کسی بھی نوعیت کی پیشکش قبول نہیں کی۔

(بشکریہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء)

Marfat.com

آہ! فاضل گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحلت فرما گئے

از ضیاء الدین اصلاحی

افسوس صد افسوس کہ وہ فرزند اسلام نہیں رہا، جس کی اذانِ توحید سے مغرب کی وادیاں گونج رہی تھیں اور ہزاروں نفوس ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو رہے تھے، وہ سرچشمۂ ہدایت بند ہو گیا جس سے مریضانِ کفر و ضلالت شفایاب ہو رہے تھے، واحسرتا کہ دین و دانش کا وہ آفتاب غروب ہو گیا جس سے مشرق و مغرب دونوں ضیا بار تھے اور تاریکیوں میں بھٹکنے والے راہ یاب ہو رہے تھے، علم کا وہ بے کراں سمندر راکد ہو گیا جس سے اسلام کا درخت سرسبز و شاداب تھا، دریائے تحقیق کا وہ شناور اور غواص چلا گیا جو یورپ کے کتب خانوں میں اپنے آبا کی موجود کتابوں سے علم کے جواہر نکالتا تھا، وہ پیکرِ علم و فن روپوش ہو گیا جو ابر نیساں بن کر پون صدی سے موتی لٹا رہا تھا، حکمت و معرفت کا وہ مجمع البحرین دنیا سے رخصت ہو گیا جو مشرق کے علمی میخانوں سے بھی سرشار تھا اور مغرب کے میکدۂ حکمت سے بھی مخمور تھا، وہ ہستی نہیں رہی جس کے فضل و کمال کا سکہ بلادِ مشرق اور عالم اسلام ہی میں نہیں، یورپ و امریکہ میں بھی چل رہا تھا۔ حیف صد حیف اس ذات گرامی کا خاتمہ ہو گیا جس کا دماغ نادر معلومات کا خزینہ اور سینہ علوم نبوی کا سفینہ تھا، جس کا قلم دشمنان اسلام کی علمی خیانتوں اور عیاریوں کو بے نقاب کرتا تھا اور اسلام اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت و صداقت کو آشکارا کرتا تھا۔ آہ ثم آہ کہ وہ سراپا علم و تحقیق روپوش ہو گیا جو تاریخ اسلام اور سیرت نبوی کے اولین مصادر اور مسلمانوں کے نایاب اور گم شدہ علمی اندوختوں کو ڈھونڈ نکالتا تھا۔ وہ وجودِ مقدس خاموش ہو گیا جس نے پیرس میں بھی آداب سحر خیزی نہیں چھوڑے، جس کی راسخ العقیدگی کو مغرب کے فسق و فجور نے اور پختہ کر دیا تھا اور فحاشی و

Marfat.com

معصیت کی طغیانی نے اس کے ایمان و یقین میں مزید اضافہ کر دیا تھا، وادر یغا کہ وہ کامل الایمان اور راسخ العقیدہ غائب ہو گیا جس کے پائے استقامت و عزیمت کو کفر و الحاد کی بادِ صرصر کبھی متزلزل نہیں کر سکی، جس کی متاعِ دین و تقویٰ کو حسن و عشرت کی جلوہ گاہیں غارت نہ کر سکیں اور جس کے دامن عفت و طہارت پر دنیا کی رعنائیاں اور دل فریبیاں کوئی داغ و دھبہ نہ ڈال سکیں یعنی شہرۂ آفاق عالم و محقق، نام ور مصنف و فاضل، اسلام کے جاں نثار و فدائی اور اس کے مخلص داعی و مبلغ، نکتہ داں، سیرتِ نگار، دیدہ ور مورخ، اسلامی فقہ و قانون کے ماہر، علوم دینیہ میں یگانہ اور جدید علوم میں فخر روزگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۹۴ برس کی عمر میں ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جن کی پاکیزہ زندگی اور مطہر شخصیت قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھی اور جو اس عہد کے ابن سعد و طبری، بلاذری و یعقوبی، ابن اسحاق و ابن ہشام، ابن اثیر و ابوالفدا اور شمس الائمہ سرخسی اور علامہ ابن عابدین تھے، ان کی موت سے عالم اسلام ویران ہو گیا، دنیائے علم میں خاک اڑنے لگی، اہل علم، اصحاب نظر اور محققین سراپا درد و حسرت بنے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں۔

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۶ر محرم الحرام ۱۳۲۶ھ ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ارکاٹ (مدراس) کے مشہور عالم قاضی بدر الدولہ کے خاندان سے تھا جو ایک شریف و معزز عربی النسل نوائطی خاندان کی شاخ تھا، ان کے خاندان کو پشتینی علمی و دینی وجاہت حاصل تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے والد مفتی خلیل اللہ صاحب علوم دینیہ میں ممتاز تھے، اس طرح ڈاکٹر صاحب کا علمی و دینی شغف فطری ہی نہیں موروثی بھی تھا۔ جامعہ نظامیہ سے فراغت کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے فقہ و اصولِ فقہ میں ایم اے کیا، پھر ایل ایل بی، ایل ایل ایم اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، اس کے بعد ان کی حوصلہ مند طبیعت نے جرمنی اور فرانس کا رخ کیا اور بون یونیورسٹی (جرمنی) سے ''اسلام کے بین الاقوامی

Marfat.com

تعلقات'' پر ڈی فل کی اور سوربون یونیورسٹی پیرس سے ''عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری'' کے موضوع پر ڈی لٹ کی سند لی۔ اس کے بعد وطن آ کر جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الملکی کے پروفیسر کی حیثیت سے درس و تدریس کی خدمات انجام دیں، سقوطِ حیدرآباد کے زمانے میں حیدرآباد سے گئے تو واپس نہیں لوٹے اور ۱۹۴۸ء میں فرانس میں پناہ گزیں ہوئے اور اورینٹل اسٹڈیز ریسرچ سینٹر کے وظیفے پر پچیس برس گزارے۔ فرانس کے نیشنل سینٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے بھی بیس سال تک وابستہ رہے، اس کے بعد پیرس ہی میں رہ کر تحقیق و تبلیغ اور اسلام پر مختلف زبانوں میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے اور یہی دراصل ان کی زندگی کا اصل مشن تھا، اس عرصے میں انھوں نے یورپ و ایشیا کی متعدد جامعات میں اہم موضوعات پر توسیعی خطبات دیے۔ اس سلسلے میں انقرہ، استنبول (ترکی)، کوالالمپور (ملائشیا)، قاہرہ (مصر) اور یورپ کے بعض ملکوں میں ان کے لیکچر ہوئے جن میں اسلام کے بارے میں جدید ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک اور غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ پاکستان کی نوزائیدہ اسلامی مملکت کی آئین سازی اور نظام تعلیم کا خاکہ تیار کرنے میں بھی ہاتھ بٹایا جس میں بعض ممتاز علماء کے علاوہ علامہ سیّد سلیمان ندوی بھی شامل تھے، مگر جلد ہی ڈاکٹر صاحب کو حکومت کی بدنیتی کا اندازہ ہو گیا تو وہ اسلامی نظریاتی کونسل[1] سے الگ ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی حیات مستعار کا زیادہ حصہ پیرس میں تن تنہا گزرا، آخر میں طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو اپنے بھائی کی پوتی سدیدہ صاحبہ کے یہاں فلوریڈا (امریکہ) چلے گئے، بالآخر بہت مشغول علمی و تحقیقی زندگی گزار کر ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ سدیدہ صاحبہ کے والد محترم اور ڈاکٹر صاحب کے برادر زادہ جناب احمد عطاء اللہ صاحب کے خط ہی سے مجھے ان کی وفات کی دل دوز خبر ملی۔ ۱۸ر دسمبر کو جب ان کا جنازہ اٹھا ہوگا تو یہ غیبی صدا ضرور بلند ہوئی ہوگی کہ ؎

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مدت العمر تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ بحث وتحقیق کا ذوق ان میں فطری تھا اور تلاش وجستجو کی طرف ان کا طبعی میلان تھا۔ وہ فنا فی العلم تھے، ان کی زندگی کا کوئی لمحہ جستجوئے علم وتحقیق سے خالی نہیں گزرتا تھا، اس لئے جو کچھ لکھا وہ عالمانہ، محققانہ، بحث وتحقیق کا شاہ کار، محنت وجاں فشانی اور کدوکاوش کا نتیجہ ہے۔ ان کا تحریری سرمایہ وافر ومتنوع ہونے کے باوجود جدت وابتکار سے خالی نہیں، انھوں نے تصنیف وتالیف میں اپنی راہ الگ نکالی تھی، ان کا پسندیدہ موضوع سیرت نبوی تھا، اس سے بہتر ان کے نزدیک کوئی اور مشغلہ نہیں تھا، مگر ان کی تمام تصنیفات سیرت کے پامال، فرسودہ اور روایتی انداز سے ہٹ کر لکھی گئی ہیں۔ اردو کی اکثر تصانیف اسی موضوع پر ہیں اور سب نرالی اور اچھوتی ہیں مثلاً رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، عہد نبوی کا نظام تعلیم، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، مکتوبات نبوی، امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی، اسلامی ریاست، سیرت طیبہ کا پیغام عصر حاضر کے نام، عرب جنش تعلقات، اسلام کے قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں۔ ان میں معلومات کا جو خزانہ ہے اسے ڈاکٹر صاحب جیسا کثیر العلم، وسیع المطالعہ اور جویائے تحقیق ہی جمع کر سکتا تھا، ان کے بعض معلومات تو انکشاف کا درجہ رکھتے ہیں۔ اردو میں ایک مہتم بالشان کتاب ''خطبات بہاول پور'' ہے، جو ۱۹۸۰ء میں بہاول پور یونیورسٹی میں کسی تحریری یادداشت اور نوٹ کے بغیر دیے گئے ۱۲ لیکچروں کا مجموعہ ہے۔ ان میں قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ واجتہاد، قانون بین الممالک اور مملکت نظم ونسق کی تاریخ، دین (عقائد، عبادات وتصوف) دفاع وغزوات، تعلیم، تشریع وعدلیہ، مالیہ وتقویم کے نظام اور تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی عمر بھر کے مطالعہ وتحقیق کا نچوڑ آ گیا ہے جو بہت مدلل، پر مغز، بصیرت افروز اور عہد حاضر کے مذاق ورجحان کے مطابق ہے۔ ان خطبوں میں پیش کئے گئے حقائق انکشاف کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے اولیات میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں۔ انھوں نے دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو انسائیکلوپیڈیا) لاہور کے لئے جو ۱۲۲ اہم مقالات لکھے ہیں وہ بھی ان کے علمی تبحر اور دینی بصیرت کے حامل ہیں۔ مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دی

Marfat.com

تاسی کی دو کتابوں کے ترجمے، مقالات گارساں دی تاسی اور خطبات گارساں دی تاسی کے نام سے انجمن ترقی اردو ہند نے شائع کئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے جب ان کا مقابلہ اصل فرانسیسی نسخہ سے کیا تو اس میں اغلاط نظر آئیں، ان کے نظر ثانی کئے ہوئے تصحیح شدہ نسخے کو مولوی عبدالحق صاحب نے جب انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع کیا تو ایک ایک جلد کی دونوں کتابیں دو دو جلدوں میں ہو گئیں۔

ڈاکٹر صاحب کو بنیادی اور اصلی مصادو مآخذ کی تلاش و جستجو سے بڑی دلچسپی تھی۔ قدما کی نادر و نایاب کتابوں کو ڈھونڈ نکالنا اور ان کو ایڈٹ کر کے شائع کرنا ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ عربی زبان کی کئی بنیادی اور اہم کتابیں ان کی دریافت اور سعی و کوشش سے شائع ہوئیں، حدیث شریف میں صحیفہ ہمام بن منبہ کا مخطوطہ برلن سے حاصل کر کے اپنے حواشی و تعلیقات کے ساتھ بیروت سے شائع کیا۔ سیرت کے ابتدائی مصادر میں مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوى و الخلافة الراشده کو بھی بیروت سے شائع کیا۔ یہ عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور کی تین سو سے زیادہ دستاویزوں پر مشتمل ہے۔ سیرت ابن اسحاق جیسے نایاب و اولین ماخذ کو دریافت اور ایڈٹ کر کے رباط سے شائع کیا۔ مسلمانوں کے قدیم علم سیر کو قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے طور پر متعارف کرایا۔ اس کی طرف فقہ کے ابواب السیر کی وجہ سے ان کی توجہ مبذول ہوئی تھی۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب السیر الکبیر کو حیدر آباد سے انھوں نے طبع کرایا۔ امام ابوحنیفہؒ کے ایک اور شاگرد امام ابراہیم فزاری کی اسی موضوع کی ایک کتاب کا اس کی اہمیت کی بنا پر یونیسکو نے ڈاکٹر صاحب سے فرانسیسی ترجمہ کرایا تھا۔ اس سلسلے کی اور کتابوں کے نام یہ ہیں انساب الاشراف بلاذری، کتاب الانواع ابن قتیبه، کتاب الرده و نبذة من فتوح العراق واقدی، الذخائر و التحف قاضی رشید بن زبیر، کتاب النبات ابو خنیفه دینوری اور مقدمه فی علم السیر و حقوق الدول فی الاسلام فی احکام اهل الذمه، نزهة المشتاق۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کے تین قدیم ترین نسخوں کا پتا لگا کر ان کا تقابلی مطالعہ کیا تھا، ان میں ایک تاشقند (ازبکستان) دوسرا

Marfat.com

استنبول (ترکی) اور تیسرا انڈیا آفس لائبریری لندن میں تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ تینوں ایک ہی قسم کے چمڑے پر ہیں، ترکی والے نسخے پر خون کے نشانات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ شہادت کے وقت اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ نسخے کوفی رسم الخط میں تھے، ڈاکٹر صاحب نے سمرقند کے نسخے کو مصحف قرآن عثمانی کے نام سے جدید عربی خط میں نقطوں اور اعراب کے ساتھ مرتب کر کے فلاڈلفیا (امریکہ) سے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ ایک دو نہیں درجنوں زبانیں جانتے تھے۔ اردو ان کی مادری زبان تھی لیکن فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، فرنچ، جرمنی، اطالوی اور یونانی زبانوں پر بھی عبور تھا۔ فرنچ اور انگریزی میں اردو اور عربی ہی کی طرح متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور اس کے مخالفین کا جواب دینے کے لئے انھوں نے تصنیف و تالیف کے لئے خاص طور پر یورپین زبانوں کا انتخاب کیا تھا، سب سے مفید و مبارک کام فرنچ زبان میں ترجمۂ قرآن کی اشاعت ہے جس کے ۲۰ سے زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہیں اور کوئی ایڈیشن ۲۰ ہزار سے کم کا نہ تھا، اسلام کے تعارف کے لئے جو کتاب لکھی اس کے ۲۰ سے زیادہ زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ دو جلدوں میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب لکھی، دنیا کی ۱۲۰ زبانوں کے قرآنی تراجم کی ایک ببلوگرافی اور تصحیح ترجمہ بوسکائی صحیح البخاری تیار کی۔ پیغمبر اسلام کے چھ سیاسی خطوط فرنچ میں پیرس سے شائع کیا، اس کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے۔ مختلف مذاہب کا اٹلس پیرس سے شائع کیا، روزے پر بھی فرنچ میں کتاب لکھی، فرنچ انسائیکلوپیڈیا کے لئے اسلامی موضوعات پر متعدد مقالے لکھے۔ انگریزی زبان میں بھی متعدد کتابیں تالیف کیں، ان کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے اور ہر تصنیف متعدد بار چھپی اور نہایت مقبول ہوئی۔ ان میں ان کی کدو کاوش اور محنت و تحقیق سے زیادہ ان کے حسن نیت اور خونِ جگر کا دخل تھا جس کے بغیر معجزۂ فن کی نمود نہیں ہوتی۔ تصنیف و تالیف سے ان کا اصل مقصد احقاق حق و ابطال باطل، اسلام کا اثبات و اظہار اور مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا جواب تھا اور یہ ان کے لئے اس بنا پر آسان تھا کہ ان کو اسلام کے اصلی

Marfat.com

مصادر کی طرح یورپین زبانوں سے بھی براہ راست واقفیت تھی۔ اس کی وجہ سے وہ مخالفین کے اعتراضات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اور مدلل جواب دے کر انھیں قائل کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کی کوشش سے ہزاروں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے جن میں سفرا، پروفیسر اور معزز پیشوں سے وابستہ لوگ بھی ہوتے تھے۔ ان کی تصنیفات شائستہ، متین اور سلجھی ہوئی ہوتی ہیں، ان کی تحریر پُر مغز، سادہ، سلیس، عام فہم، دل نشین اور حشو و زوائد اور اینچ پینچ سے خالی ہوتی ہے۔ ان میں لفاظی، مبالغہ آرائی اور جذباتی لب و لہجہ نہیں ہوتا بلکہ ہر بات مدلل و مربوط ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب مسلکاً شافعی تھے، مگر متعدد مسائل میں وہ بڑی بالغ نظری اور مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے تھے، ان جیسا صاحب علم و نظر کسی ایک ہی فقہی گروہ سے وابستہ نہیں رہ سکتا تھا، وہ تمام ائمہ اسلام کے فضل و کمال اور عظمت کے معترف تھے۔ امام ابوحنیفہؒ، ان کے اصحاب اور اس مسلکِ فقہ کے کبار علما و اساطین کا ذکر بڑے احترام سے کرتے ہیں اور ان کی تحقیقات سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں تاہم اپنی تحقیق و جستجو اور دلائل سے جس کو صواب سمجھتے تھے اور جس پر ان کو شرح صدر ہوتا تھا اسی کو مانتے اور اختیار کرتے تھے، گہرے علم و مطالعہ کی بنا پر ان کے یہاں بعض تفردات بھی پائے جاتے ہیں، کیونکہ رسوخ فی العلم والدین کی بنا پر ان کے لئے روایتی اور مروجہ طریقوں کو اختیار کرنا اور رسم و رہِ آبا پر قانع ہو جانا ممکن نہیں تھا، اس میں مغرب سے مرعوبیت کو بھی دخل نہ تھا۔ انھوں نے یورپ میں رہ کر اسلام کی جو عظیم الشان خدمت کی ہے وہ بڑے بڑے علماء اور ادارے بھی نہیں کر سکے۔ ان کا عمل ہمیشہ عزیمت پر ہوتا تھا اور وہ اتباع سنت میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ ایک جرمن خاتون پردے کے اہتمام کے ساتھ ان سے ملنے آئیں مگر چہرہ کھلا ہوا تھا، ڈاکٹر صاحب دوسری طرف رخ کر کے ان سے باتیں کرتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے رہے، فوٹو کھنچوانے میں بھی محتاط تھے۔ ایک صاحب نے نکاح کی سنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں سخت گناہ گار ہوں، خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے معاف فرمائے، میں یتیم تھا جب وقت تھا تو کسی نے توجہ نہ دی پھر جب میں نے علم کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تو اس طرف توجہ نہ

Marfat.com

ہوئی، اللہ تعالیٰ میری کوتاہی کی مغفرت فرمائے، میں ترکِ سنت پر سخت نادم ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا، اردو کے مشہور اہل قلم اور ممتاز شاعر جناب جگن ناتھ آزاد جمہور نامہ کے نام سے دنیا کی منظوم تاریخ لکھ رہے تھے، اس کے ایک باب میں ظہور رسالت کا ذکر تھا جو معارف دسمبر ۱۹۵۹ء میں ''ولادت باسعادت۔ ساقی نامہ'' کے عنوان سے چھ صفحے میں چھپا تھا، ڈاکٹر صاحب عشق رسولؐ میں سرشاری کی بناء پر اس کا فرنچ ترجمہ کرنا چاہتے تھے، اس کی اطلاع مجھے دی تو میں نے جگن ناتھ صاحب سے ذکر کیا، ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، ڈاکٹر صاحب کا پتا مجھ سے لے کر انھیں شکریے کا خط لکھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زندگی کُن فی الدّنیا کانّك غَریب او عابر سبیل کی عملی تفسیر تھی، ان کا وطن حیدر آباد تھا لیکن ریاست کے انڈین یونین میں انضمام کے بعد علم کے غازی اور تحقیق کے مجاہد کو پردیس ہی میں رہنا پڑا، پیرس میں قیام کے باوجود نہ وہاں کی شہریت اختیار کی اور نہ کسی اور ملک کی نیشنلٹی ان کے پاس تھی، پیرس میں قیام عیش وعشرت کے لئے نہیں، علمی و تحقیقی اداروں اور کتب خانوں کی وجہ سے اختیار کیا تھا۔ ایسے ماڈرن شہر میں فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو کمروں کے جس فلیٹ میں رہتے تھے، وہ چوتھی منزل پر تھا، لفٹ نہیں تھی، کئی زینے طے کرنا ہوتے تھے، کمرے میں آسائش وزیبائش کے سامان کے بجائے کتابیں بھری ہوئی تھیں، اکیلے رہتے تھے نہ کوئی ملازم تھا اور نہ کوئی عزیز، سارے کام خود کرتے تھے، بازار سے سودا خود ہی جا کر لاتے، کھانا بھی خود پکاتے، غذا بہت سادہ تھی، حلال ذبیحہ ہونے کے باوجود ۳۰، ۴۰ برس سے گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا، ابلی سبزی ترکاری، دودھ اور اس سے تیار کی گئی چیزیں، انڈے اور پھل ان کی خوراک تھی، کپڑے بھی خود دھوتے تھے اور غالباً دو ہی ایک جوڑے کپڑے ان کے پاس رہتے تھے، ایک مرتبہ اسلام آباد گئے تو ان کا مختصر سامان دیکھ کر لوگ محو حیرت ہو گئے یعنی دو جوڑے کپڑے، ایک جوڑا جوتا، چند کتابیں اور رشتہ داروں کے لئے کچھ تحائف ع

سبک سار مردم سبک تر روند

سادہ زندگی ہی کی وجہ سے وہ ہمیشہ صحت مند، تندرست اور چاق و چوبند رہے اور اتنے

Marfat.com

سارے علمی کام کر ڈالے۔

زہد و اتقا، صبر و قناعت اور توکل و استغنا ان کا شعار تھا، ان میں حرص و ہوس کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ دنیا کے جاہ و اقبال، مال و دولت، شہرت و عزت اور نام و نمود سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ ایک صاحب ان سے انٹرویو لے رہے تھے تو وہ صرف علمی سوالات کا جواب دیتے تھے، اپنی ذات اور کارناموں سے متعلق سوالات کا کوئی جواب نہ دیتے، ان کی گوناگوں خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۹۹۴ء میں انھیں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا تو اسے لینے سے انکار کر دیا، کئی پاکستانی حکمرانوں نے بھی داد و دہش کرنی چاہی تو ان کا شکریہ ادا کر کے عاجزی سے معذرت کر دی۔ ان کی ساری کتابیں بہت مقبول ہوئیں اور ناشروں نے ان سے خوب کمایا مگر دولت سے بے نیازی کی وجہ سے وہ کتابوں کی رائلٹی نہیں لیتے تھے اور اگر کسی نے اصرار سے اس کے نام پر کچھ دیا تو اسے غربا، یتامیٰ اور بیوہ عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ خوش اخلاق، نرم گفتار اور شگفتہ مزاج تھے، ان میں کبر و غرور اور رعونت نہ تھی۔ سادگی، تواضع اور عاجزی و فروتنی میں بے مثال تھے، ان کی تحریروں سے بھی ان کے اخلاص و انکسار اور طالب علمانہ تواضع و خاکساری کا پتہ چلتا ہے، خود تو کبھی کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کیا مگر دوسروں کی خدمت و تکریم کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات کرتے، کوئی ان سے ملنے کے لئے آیا تو اسے لینے کے لئے ہوائی اڈے پہنچ جاتے اور اس کے لئے بچھے رہتے، سیر و تفریح کراتے، وضع داری اور شرافت ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

دارالمصنّفین سے ڈاکٹر صاحب کا بہت پرانا اور گہرا تعلق تھا، شروع ہی سے وہ اس کے قدرداں اور بڑے کرم فرما تھے۔ علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، اسی اخلاص اور محبت کی بنا پر ایک دفعہ حضرت سید صاحب سے ملنے کے لئے دار المصنّفین تشریف لائے تھے، ان کے بعد بھی اس سے ان کا مخلصانہ تعلق برابر قائم رہا۔ معارف کے پرانے مضمون نگار تھے، اس میں ان کے مضامین اور خطوط بڑے فخر سے شائع کئے جاتے تھے، ایک مرتبہ میں نے ان سے مضمون کی فرمائش کی تو جواب دیا کہ ''میں معارف کو دنیا کا سب سے بڑا رسالہ سمجھتا ہوں، جب کوئی چیز تیار ہوتی ہے تو پہلے اسی کو بھیجتا ہوں''۔

Marfat.com

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے، وہاں سے پیرس جانے کا اتفاق بھی ہوا، لیکن ڈاکٹر صاحب کی ملاقات سے محروم رہ جانے کا بہت افسوس تھا، لکھتے ہیں ''خواہش تھی کہ یہاں آکر دنیائے اسلام کے مشہور محقق اور عالم ڈاکٹر حمید اللہ کی بھی زیارت کروں، لندن سے ان کو ایک عریضہ بھیجا تھا کہ پیرس آکر ان کی دست بوسی کے لئے حاضر ہوں گا مگر ان کا خط موصول ہوا کہ میرا ان کے پاس پہنچنا مشکل ہے اس لئے کہ ان کے یہاں ٹیلی فون نہیں اور وہ جس مکان میں رہتے ہیں وہاں تک پہنچنے کے لئے ایک سو بیس زینے چڑھنے ہوتے ہیں، اس لئے انھوں نے لکھا کہ میں جہاں قیام کروں وہاں وہ خود آجائیں گے، چند گھنٹے کے قیام میں کہیں ٹھہرنے کا سوال نہیں تھا، ٹیلیفون سے رابطہ ممکن نہ تھا، کچھ لوگوں کو ان کا پتا دکھایا وہ بتا نہ سکے اور کچھ بولے بھی تو ہم سمجھ نہ سکے، مایوس ہو کر ہوائی اڈے چلے آئے، ان سے نیاز نہ حاصل کرنے کا افسوس زندگی بھر رہے گا''۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات دارالمصنّفین کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے، وہ اس کے اور معارف کے علمی محتسب، مخلص کرم فرما اور بڑے ہمدرد تھے۔ وہ دنیا کے صف اول کے ممتاز علماء و محققین میں تھے، اسلامی علوم پر اتنی وسیع و عمیق نظر رکھنے والے اب بہت کم لوگ ملیں گے۔ وہ بڑی خاموشی اور اخلاص سے علمی و دینی خدمات انجام دیتے تھے۔ بارالٰہا! تو اپنے اس مقبول بندے اور علم و دین کے خادم کی مغفرت فرما اور اسے بہشت بریں سے سرفراز کر اور اس کے اعزہ و متعلقین کو صبر و قرار نصیب کر۔

اللھم صبب علیه شآبیب رحمتك واغفرله وارحمه یا ارحم الراحمین.

(بشکریہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ مارچ ۲۰۰۳ء)

ا) یہ ادارہ 'مجلس تعلیمات اسلامی' تھا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نامی ادارہ کافی عرصہ بعد قائم کیا گیا (مرتب)۔

Marfat.com

دیارِ فرنگ کا مردِ مومن — مرحوم ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

پانچ سال پہلے اڑی ہوئی خبر، جو محض افواہ ثابت ہوئی تھی بالآخر حقیقت بن گئی کہ گزشتہ ماہ دسمبر ۲۰۰۲ء کی ۱۷ تاریخ کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے امریکی ریاست فلوریڈا میں اپنی مدت حیات پوری کر لی۔ پیدا ہندوستان کی ریاست حیدرآباد (دکن) میں ہوئے تھے، زندگی کا زیادہ بڑا حصہ فرانس کے شہر پیرس میں گزرا اور کوئی چھ سال قبل مٹی انھیں امریکی ریاست میں لے گئی۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور کرم سے نہال کئے جائیں۔

ڈاکٹر صاحب کا سنہ پیدائش ۱۹۰۸ء بتایا گیا ہے، یعنی ۹۴ سال کی بھرپور عمر پائی۔ ملاقات کبھی نہیں ہوئی، غالباً واقفیت، جہاں تک یاد آتا ہے اپنی نوعمری کے اس وقت سے کہی جاسکتی ہے جب ڈاکٹر صاحب کی کتاب دررسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی دفتر الفرقان میں آئی اور پھر کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ڈاکٹر صاحب حیدرآباد سے پیرس میں جا بسے، اس فاصلے نے قدرتی طور پر ایک پردہ حائل کر دیا حتیٰ کہ خود اپنے کو آب و دانہ نے لندن جا پہنچایا، وہاں ڈاکٹر صاحب کی کتابیں نظر پڑنے لگیں اور کچھ مدت بعد خط و کتابت کی بھی کچھ اور راہ استوار ہوئی۔ اس سے ڈاکٹر صاحب کے کچھ وہ اعلیٰ اوصاف بھی سامنے آئے جو کسی کی خالی کتابوں سے نہیں کھلا کرتے۔

ڈاکٹر صاحب جو پیرس پہنچے تو بسنے کے لئے نہیں ایک اور کام سے گئے تھے مگر وہ صورت بنی کے جیسے گئے ہوں ''آگ'' لینے کو اور پہنچیں تو ''پیمبری'' انتظار میں بیٹھی ملے۔ وہ ۱۹۴۸ء میں ریاست حیدرآباد کے اس وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے ہندوستان سے چلے تھے جسے اقوام متحدہ میں حکومت ہند کے اس اصرار کے خلاف استغاثہ کرنا تھا کہ

Marfat.com

ریاست آزاد نہیں رہ سکتی ہے، اسے ہندوستان کا حصہ بننا ہوگا، مگر جب یہ وفد پیرس پہنچا جہاں اس کو سیکورٹی کونسل میں اپنا کیس پیش کرنا تھا، اور اتنے میں حکومت ہند کے پولیس ایکشن نے قصہ تمام کر دیا تھا، پروفیسر صاحب آزاد ہی حیدرآباد کے ایسے مخلص دل سے قائل تھے کہ "نظام" حیدرآباد میں واپس جانا انھیں قبول نہ ہوا۔ پیرس ان کے لئے اجنبی جگہ نہ تھی، وہاں وہ ۱۹۳۶ء میں اپنی اعلیٰ ڈگری (ڈی لٹ) کے لئے عالب علم رہ چکے تھے، وہیں رہ پڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ جو چیز وہاں لینے پہنچے تھے وہ تو ہاتھ نہ آئی مگر اس سے بہت بڑی چیز اللہ رب العزت نے ان کے لئے مقدر فرما دی۔ اب وہ حضور نظام دکن کی حکومت کے نمائندہ نہیں تھے، اسلام کی سفارت کے لئے منتخب ہو گئے تھے۔ جہاں تک معلوم ہو سکتا ہے اس وقت سے لے کر ۱۹۹۶ء تک یعنی جب تک کہ وہ پیرس میں رہے، اصلاً اس دیار کے لئے اسلام کے سفیر ہی بن کر رہے۔ اپنی اعلیٰ علمی اور دینی صلاحیتوں سے بھی اور مومنانہ اخلاق طرز زندگی سے بھی۔ ڈاکٹر صاحب کی اس غیرت مندی ہی پر نظر کی جائے جس نے ان سے حیدرآباد نہ لوٹنے کا فیصلہ کرایا تو حیدرآباد کے قضیہ میں حکومت ہند کا بھی کوئی بڑے سے بڑا حامی جو اصول پر جان دینے کو بہرحال عزت کی بات مانتا ہو، اس کو لائق صد ستائش کہے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن پھر پیرس میں سفیر اسلام بن کر جو زندگی انھوں نے گزاری اس کے حالات سن کر تو آدمی دنگ سا رہ جاتا ہے۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ایم اے اور ایل ایل بی (انٹرنیشنل لا) کی ڈگریاں حاصل کئے ہوئے تھے پھر بون یونیورسٹی جرمنی سے ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کی سند لی اور آخر میں پیرس کی سوربون یونیورسٹی سے ڈی لٹ کیا۔ اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی میں اپنے خاص مضمون انٹرنیشنل لا کے پروفیسر تھے کہ پیرس کا وہ سفر پیش آیا جس نے پھر پیرس ہی میں بسا دیا، صرف ڈگریاں اور پروفیسری ہی نہیں تھی، ڈاکٹر صاحب کی علمی عظمت کی مان دان بھی تھی جگہ جگہ یونیورسٹیوں میں مدعو کئے جاتے تھے، اردو، انگریزی، عربی، فرانسی میں اعلیٰ درجہ کی کتابوں کے مصنف تھے اور پھر رہ پیرس میں رہے تھے مگر کس شان سے؟ ایک سو چودہ سیڑھیوں کی بلندی پر ایک معمولی سا فلیٹ تھا جہاں لفٹ ندارد (عام طور پر ۸۰ سیڑھیاں بتائی جاتی ہیں، مگر ان کی پڑپوتی (بھائی کی پوتی) جو

Marfat.com

انھیں ۱۹۹۶ء میں پیرس سے اپنے گھر امریکا لے کر گئیں ان کا بیان ۱۱۴ کا ہے) اکیلے رہتے کہ شادی شدہ نہ تھے۔ کھانا اپنا خود بناتے تھے، پیدل اور پبلک ٹرانسپورٹ پر چلتے پھرتے تھے، گویا ہر ٹیپ ٹاپ اور غیر ضروری اسباب راحت سے بے نیاز، مغربی اور وہ بھی فرانسیسی چمک دمک کی زندگی میں اسلام کی سفارت کاری کے لئے اس سادگی میں جو پرکاری ہے ڈاکٹر صاحب نے اگر اسے سمجھ کر یہ قلندرانہ درویشانہ زندگی اختیار کی اور دل کہتا ہے کہ ایسا ہی ہوگا تو اس مرتبہ کی بات انھوں نے کی جس کی داد کوئی مرتبہ والا ہی دے سکتا ہے کہ قدرِ جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری"۔

تکلفات سے ڈاکٹر صاحب کی بالاتری اور سادگی پسندی کا میرا ذاتی تجربہ خط و کتابت کی راہ کا ہے، میں اسلامی معاشرہ میں خواتین کے مسئلے پر لکھنے کے لئے مواد جمع کر رہا تھا، ایک خاص پہلو پر کوئی تشفی بخش ماخذ نہیں مل پایا، میری نظر تین حضرات کی طرف گئی جن سے کچھ گرہ کشائی کی امید تھی، ان میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے، سوچا کہ ڈاکٹر صاحب تو بالکل قریب ہیں کیوں نہ حاضر خدمت ہو کے استفادہ کیا جائے، ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اپنی ضرورت کا مختصراً اظہار کرتے ہوئے عریضہ لکھا اور حاضری کی اجازت طلب کی، یہ میرا پہلا خط تھا، ڈاکٹر صاحب کا نہایت سادہ اور مختصر جواب ملا یہ کام تو ایسا نہیں ہے کہ اس کے لئے سفر کی ضرورت ہو، اس کے لئے تو خط ہی کافی ہے۔ مزید یہ لکھا تھا کہ مجھے بہت ثقل سماعت ہے اس لئے زیادہ لمبی بات کی خاطر قلم کاغذ ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ خط کا کاغذ بھی ایسا ہی سادہ اور مختصر تھا جیسا کہ خط، جبکہ ہم جیسے چھوٹے موٹے بھی اب لیٹر پیڈ کے بغیر نہیں رہتے، اس کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب کے جتنے گرامی نامے ۱۹۸۴ء تا ۱۹۹۴ء باعث عزت ہوئے (جن میں سے دو میری کتاب "واقعہ کربلا" طبع سوم لکھنؤ میں شائع ہو چکے ہیں) سب کی یہی شان رہی، سرمو فرق نہ ہوا، لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی سادگی پسندی اور اس پر استقامت کی جڑ صوفیائے صادقین کی عظمت کو پانے میں تھی۔ برطانیہ میں مسلم طلبہ کی انجمن Fosis کی کانفرنس ۱۹۶۷ء کے لئے ڈاکٹر صاحب کے پیغام کا ایک اقتباس آج ہی امریکا کے اسلامی رسالے Islamic Horizons میں نظر پڑا ہے جس میں وہ صوفیاء کرام کی

Marfat.com

تعلیم کے حوالے سے طلبہ کو مشورہ دے رہے ہیں کہ ''کم بولو، کم کھاؤ، کم سوؤ'' اور اس پر اضافہ فرماتے ہیں Spend less on useless items (غیر ضروری خرچ سے بچو)۔

اپنے مشن سے ڈاکٹر صاحب کے خلوص کا یہ پہلو بھی فی زمانہ بے حد سبق آموز ہے کہ ان کی علمی قد و قامت اور اسلامی شان کے حوالہ سے بڑی بڑی ترغیبات بعض اسلامی ملکوں سے آئیں مگر ڈاکٹر صاحب کی استقامت کو جنبش نہ ہوئی۔ پاکستان اس سلسلے میں خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کے کئی کالم نگاروں نے ان دنوں میں شہادت دی ہے کہ اس کے حکمرانوں کی کسی بھی نوازش کا بار اٹھانے کا روادار ڈاکٹر صاحب کا مشنری خلوص نہ ہو سکا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر اپنے زمانے کے لئے اپنی عدم موزونیت کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا ''میں اس عہد و محل کا آدمی نہ تھا''۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں بھی اس کو عین حق کہا جائے تو صحیح ہوگا۔ ایسی جو پیشکش بھی کسی نے ان کو کی دراصل ان کو نہ پہچاننے کا ثبوت دیا۔ ریاض یونیورسٹی کے ایک سابق پروفیسر نے جو برصغیر سے ہی تعلق رکھتے ہیں بیان کیا ہے کہ ان کی تحریک پر سعودی وزیر تعلیم نے ڈاکٹر صاحب کو یونیورسٹی میں منصب قبول کرنے کی دعوت دی تھی جس سے ڈاکٹر صاحب نے معذرت فرما دی۔ کوئی شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب کی تحریک کے پیچھے ڈاکٹر صاحب کے لئے اعزاز و اکرام کا جذبہ تھا مگر اعزاز و اکرام کے یہ پیمانے ہمارے عہد و محل کے لوگوں کے لئے ہیں نہ کہ ڈاکٹر صاحب جیسے لوگ جن کے لئے اس کی پیشکش محض بار خاطر ہوتی ہیں۔

ریاض یونیورسٹی کی اس دعوت میں بظاہر ڈاکٹر صاحب کی خدمت اسلام کے جذبہ کا حوالہ ضرور تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس دعوت کی قبولیت سے معذرت کے ساتھ سعودی عرب کے لئے خدمت اسلام کی ایک تجویز بھی رکھ دی، تجویز یہ تھی کہ فرانس کے سابق افریقی مقبوضات میں فرنچ زبان کے ایک اسلامی میگزین کی ضرورت ہے جس کی ایڈیٹری کی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب بلا کسی معاوضے کے اٹھائیں گے، خود فرانس کے اندر لاکھوں کی تعداد میں ان مقبوضات کے مسلمان موجود ہیں جنھیں دینی رہنمائی اور سرپرستی کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز تو صدا بہ صحرا بنی مگر یہ واقعہ مرحوم کی عظمت کا یہ تابندہ نقش چھوڑ

Marfat.com

گیا کہ خدمتِ اسلام میں بھی کسی کی معاونت کی صرف وہ شکل قبول کرنے کے روادار تھے جس میں معاونت کا کوئی ذرہ ان کی ذات کو نہ چھونے پائے، بڑی بات ہے اور فی زمانہ کہا جائے کہ نایاب تو شاید ہی غلط ہو۔

اس حقیر کے نام ایک خط ڈاکٹر صاحب کی دینی فکر کے ایک ایسے گوشہ کو روشنی میں لاتا ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ شاید ہی کم لوگوں پر عیاں ہو اور وہ اس وقت کے ایک عمومی دلچسپی کے مسئلے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرانس کے بارے میں خبر چھپی کہ ایک مسلمان خاتون جو ایک کمپنی میں کارکنوں کو انگریزی پڑھانے کی سروس کرتی تھیں، ایک دن اسکارف باندھے ہوئے پہنچیں اور پہلے باس کے پاس جا کر بتایا کہ انھوں نے مذہبی وجوہ پر آئندہ سے اسکارف باندھنے کا فیصلہ کیا ہے، جس پر انھیں جواب مل گیا۔ یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہے، ان دنوں یورپ میں اس طرح کے واقعات پے بہ پے ہو رہے تھے اور برطانیہ میں بالآخر وہاں کے قوانین کے حوالے سے منوالیا گیا تھا کہ اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے، مگر میں اس طرح سوچتا تھا کہ خالی اسکارف کی حیثیت ایک نمائشی شے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ خواتین کے بارے میں اسلام کے حکم کی کم سے کم تعمیل بھی اس سے کافی زیادہ کو چاہتی ہے بلکہ اس کو حجاب کا نام دینے سے حجاب کے اسلامی تصور میں ایک تحریف کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ فرانس میں یہ سلسلہ اگرچہ کچھ بعد میں شروع ہوا مگر وہاں اسلام سے تعصب زیادہ ہے، اس نے اس پر زیادہ ہنگامہ کرایا، یہی دور تھا کہ وہ خبر آئی اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس نیک خاتون کو اس متعصب اور مشتعل ماحول میں یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مذہبی وجوہ پر اسکارف باندھنا چاہوں گی، اس کو ذاتی پسند بتانے میں کیا حرج تھا؟ بلکہ باس کے پاس جا کر بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کوئی پوچھتا تو کہہ دیتیں کہ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ جی میں آیا کہ ڈاکٹر صاحب سے اس سلسلے میں توجہ کی گزارش کروں کہ وہ اس دیار کے ''شیخ'' ہوتے ہیں۔ یکم اگست ۱۹۹۴ء کو عریضہ ارسال کیا، شاید دوسرے ہی دن پہنچ گیا کہ ۳/ اگست کا لکھا ہوا ڈاکٹر صاحب کا گرامی نامہ جواب لے آیا، میرے گمان کے برخلاف ڈاکٹر صاحب مجھ سے اتفاق نہیں فرما رہے تھے، مگر مجھے یہ خط کے ذکر سے اصل دلچسپی اس کے ایک دوسرے حصے کی وجہ

Marfat.com

سے ہے جسے درج کیا جارہا ہے پڑھیے (سرنامہ اور تمہیدی سطر چھوڑ کر)

''آج کل اسلام کے لئے ایک مشکل زمانہ ہے، افسران حکومت کے طریق کار بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ایک واحد جواب ہر صورت میں کام نہیں دیتا، اولاً عیسائی مذہبی عورتیں (نن) بھی برقع اوڑھ کر نکلتی ہیں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔

دوسرے ناچیز کے خیال میں صرف ڈھانکنا کافی نہیں، اسلامی (قرآنی) حکم جلابیب کا ہے جس میں منہ بھی چھپانا ضروری ہے''۔

اس حقیر کے خیال میں ''ننوں'' کا معاملہ مختلف تھا، مگر اوّل تو ڈاکٹر صاحب کا جو مقام دل میں تھا وہی اس پر گفتگو سے مانع ہونے کو کافی تھا، پھر یہ بعد والا جملہ تو قیامت ہی ڈھا گیا کہ ''اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں''۔ یورپ میں ساری عمر گزار دی اور حجاب کے بارے میں خیالات کا وہی حال جو حیدرآباد میں رہا ہوگا۔ یورپ میں بسے عصری تعلیم یافتہ لوگوں میں خدمت اسلام کا ذوق ماشاءاللہ اچھا خاصا نمایاں ہو رہا ہے مگر ماڈرن ازم سے اس حد تک بچ کر رہنے کی مثال شاذ ہی مل سکے گی اور شاید اسی اعتقادی پختگی کا نتیجہ اس خط کی وہ اگلی بات ہو جو اسی طرح چونکا دینے والی ہے، فرماتے ہیں:

''میں ایک پناہ گزین ہوں، کوئی قومیت پاس نہیں اور یہ بہت آسان ہے کہ مجھے ملک چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا فوراً حکم دیا جائے، ان حالات میں سوچتا ہوں کہ کیا کروں؟ آپ بھی سوچئے''۔

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

ڈاکٹر صاحب کے قلم نے بڑے اہم موضوعات پر اسلام کی خدمت خاص طور سے یورپ کے سامنے رکھ کر کی اس پر اور اس کی قدر و قیمت پر لکھنے والے ان شاءاللہ لکھیں گے، یہاں ان کی اس خدمت کا ذکر کر دینے کو جی چاہتا ہے جو یقیناً ان کی اپنی نظر میں بھی سب سے اوپر ہوگی، فرنچ زبان میں ترجمہ قرآن، اللہ ان کی سب خدمات قبول فرمائے اور ان کی خوبیوں کو دوسرے انسانی پیکروں میں زندگی عطا فرمائے۔ (آمین)

(بشکریہ روزنامہ اسلام، کراچی۔ ۶/، ۷/فروری ۲۰۰۳ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا وقتِ آخر

از سدیدہ عطاء اللہ

ترجمہ: محمد راشد شیخ

محترمہ سدیدہ عطاء اللہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے بڑے بھائی جناب محمد صبغت اللہ مرحوم کی پوتی اور جناب احمد عطاء اللہ صاحب کی صاحب زادی ہیں. جنوری ۱۹۹۶ء سے ڈاکٹر صاحب کے انتقال تک آپ ہی نے ڈاکٹر صاحب کی شب و روز خدمت کی اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھا. ڈاکٹر صاحب مرحوم کی بیماری، وقتِ آخر اور تدفین وغیرہ سے متعلق آپ کا یہ مضمون ہم نے Impact Magazine لندن بابت جنوری. مارچ ۲۰۰۳ء سے حاصل کر کے ترجمہ کیا. بعد ازاں جناب ریاض الدین صاحب (احمد عطاء اللہ صاحب کے سمدھی) کے ذریعے محترمہ کو بذریعہ Internet یہ مضمون بھیجا جس پر بعض مقامات پر انھوں نے ترمیم کی. اب یہ ترمیم و اضافہ شدہ مضمون ہم ان کے شکریے کے ساتھ شامل کتاب کر رہے ہیں. (مرتب)

دسمبر ۲۰۰۲ء کے تیسرے ہفتے میں دنیا عظیم مسلمان مصنف، دانشور اور مملکت حیدرآباد کے آخری شہری سے محروم ہوگئی۔ میں اپنے پیارے دادا جان، روحانی قائد، مرشد اور رہنما سے محروم ہوگئی۔ انّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

میرا دادا سے شدید قلبی تعلق تھا۔ دادا مجھ سے اصرار کرتے کہ میں ان کو بھیجے ہر سلام کا جواب دوں، ہر فون جوان کو کیا جاتا اور ہر خط جوان کو لکھا جاتا، میں انکی جانب سے اس کا جواب دیتی۔ اب میں یہ تحریر شکستہ قلبی کے ساتھ لکھ رہی ہوں تا کہ دادا جان کی زندگی کے آخری گھنٹوں کی تفصیلات سے آپ کو مطلع کر سکوں۔

پیر ۱۶/ دسمبر کو رات کا کھانا ہم نے ساتھ کھایا۔ اس کے بعد حسب معمول میں نے دادا کے بال اور ریش تراشنے کی کوشش کی، اس وقت انھوں نے صرف مونچھیں تراشنے کی

Marfat.com

اجازت دی اور اپنے معمول کے مطابق گیارہ بجے رات بستر پر دراز ہو گئے۔

منگل کی صبح چار بجے میں نے انھیں بیدار کیا تا کہ معمولات صبح انجام دے سکیں۔ وہ بغیر کسی کی مدد کے غسل خانے گئے، غسل کیا، اس کے بعد ناشتہ کیا۔ اسکے بعد صبح چھ بجے خود چل کر اپنے بستر تک گئے۔ روزانہ کے معمول کے مطابق جب صبح چھ بجے میں اپنے کام پر جانے کی خاطر تیاری میں مصروف تھی، اس وقت وہ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح پونے سات بجے گھر سے روانہ ہونے سے قبل جب میں نے ان کے کمرے میں دیکھا تو وہ چہرہ دیوار کی جانب کیے پرسکون نیند سو رہے تھے۔

دوپہر سوا ایک بجے میری واپسی ہوئی۔ اس وقت دادا جان نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا جو انھوں نے ۱۹۹۶ء میں از راہ مذاق مجھ سے پیرس میں کیا تھا۔ انھوں نے مذاقاً کہا تھا کہ وہ موت کے فرشتے کو میری موجودگی میں اپنی روح قبض کرنے کی اجازت نہیں دیں گے (ڈاکٹر کے مطابق انکا انتقال گیارہ بجے دن ہوا)۔

یہ ۲۰ر جنوری ۱۹۹۶ء بروز ہفتہ کا واقعہ ہے جب دادا جان کو تقریباً نیم مردہ حالت میں پیرس کے ایک ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ انھیں Hypothermia کی شکایت تھی۔ اطلاع ملتے ہی میں اگلی صبح امریکہ سے پیرس پہنچ گئی۔ اس وقت انھیں جان بچانے والے آلات لگے ہوئے تھے۔ اس سے اگلا دن پیر کا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ان کا جسمانی نظام معمول کے افعال انجام نہیں دے رہا اور یہ کسی وقت بھی بند ہو سکتا ہے۔ مجھ سے اجازت مانگی گئی کہ وہ آلات اور Tubes ہٹانے کی اجازت دوں جو انھیں لگائے گئے تھے تا کہ Life Support System بند کیا جا سکے۔ یہ تکلیف دہ فیصلہ کرنے میں مجھے تین دن لگے، بالآخر میں نے ڈاکٹروں کو اس کی اجازت دے دی، اور تمام آلات ہٹا لیے گئے۔ اگلی صبح ڈاکٹر یہ دیکھ کر شدید حیران ہوئے کہ دادا جان اپنی کوشش سے بستر پر بیٹھ چکے تھے اور خود ہی ناشتہ کر رہے تھے۔ رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا اس لیے وہ روزوں کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے نو سال کی عمر سے کبھی رمضان کا کوئی روزہ قضا نہیں کیا تھا۔

وہ اس بات پر معذرت خواہ تھے کہ مجھے ان کے دنیا سے کوچ سے متعلق ایک تکلیف

Marfat.com

دہ فیصلہ کرنا پڑا۔ میں نے ایک موقع پر مطالبہ کیا تھا کہ وہ میرے سامنے اس دنیا سے نہیں جائیں گے۔ اس درخواست سے وہ لطف اندوز ہوئے تھے لیکن یہ بھی فرمایا تھا کہ عملاً ایسا ممکن نہیں لیکن اگر ایسا ممکن ہوا تو وہ فرشتہء اجل سے یہ کہیں گے کہ ان کی روح میری موجودگی میں قبض نہ کی جائے۔

آج ۱۷/ دسمبر ۲۰۰۲ء کو وہ اس دنیا سے چلے گئے، اس وقت ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ان کے پیر اسی طرح جڑے ہوئے تھے اور انکے ہاتھ اسی طرح بند تھے جیسے وہ نماز کی ادائیگی کے وقت کرتے تھے۔ جس وقت میں کمرے میں داخل ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر چکے ہیں کیونکہ وہ اپنے پیر نیند کی حالت میں اپنے جسم سے ملا کر رکھتے تھے۔

اسی وقت میں نے اپنے بھائی عرفان خلیل اللہ، دادا کے ترک شاگرد ڈاکٹر یوسف ضیاء کاواچکی اور Dallas کے امام صاحب کو فون کیا اور انھیں یہ اطلاع دی۔ عرفان چند منٹ بعد ہی آگئے۔ پھر ہم نے ڈاکٹر سعدیہ (جنکا تعلق حیدرآباد سے ہے) کو فون کیا۔ انھوں نے آکر دادا کو دیکھا اور ہمیں وہی بات (انتقال کی خبر) بتائی جس کا ہمیں پہلے سے علم تھا۔ ان کی مدد سے عرفان اور میں نے دادا کا بستر اس طرح گھما دیا کہ دادا کا چہرہ مکّہ مکرمہ کی جانب ہو گیا نیز ان کا سر بھی ذرا اوپر کر دیا۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو حیدرآباد میں ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔

اس کے بعد ہم نے ڈاکٹر عبید اللہ احمد کو بھی بلوالیا جنھوں نے ہمارے Jacksonville منتقل ہونے کے بعد دادا کی نگہداشت اور ادویات کی فراہمی کی ذمہ داری لی تھی۔ وہ متعدد بار دادا کو دیکھنے گھر تشریف لا چکے تھے۔ حقیقتاً گزشتہ تین سال کے دوران دادا کی صحت کا انھوں نے بہت خیال رکھا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہمیں کئی مرتبہ دادا کو ہسپتال منتقل کرنا پڑتا۔

پولیس کے مراحل طے کرنے کے بعد محترمہ نائلہ بورڈن اور محترمہ نجمہ شہباز نے میت گھر اور قبرستان کے اہل کاروں سے رابطہ کیا۔ ہم نے ان سے یہ اجازت حاصل کر لی

Marfat.com

کہ دادا کی میت کو گھر پر ہی رکھیں اور جیسے ہی قبر تیار ہو، انھیں براہ راست قبرستان لے جائیں۔ بعدازاں ہم نے کمرے کا ایرکنڈیشنر چلا دیا، ان کے چاروں طرف برف کی سلیں رکھ دیں اور پنکھے بھی چلا دیے۔ ڈاکٹر یوسف کاوا پکی Dallas سے اور میرے بھائی ریحان Lancaster Pennslyvania سے رات دس بجے پہنچ گئے۔ اس کے بعد تقریباً پچاس مقامی مسلمان بھی ہمارے ہاں تشریف لے آئے۔

ریحان اور میں ساری رات دادا کے پاس ہی بیٹھے رہے جبکہ عرفان نے نہ صرف کفن کا انتظام کیا بلکہ قبر کی تیاری، میت کے غسل وغیرہ کے انتظامات بھی کیے۔ دوسری صبح میرے قریبی رشتہ دار جنید اور مظفر عادل شکاگو اور نیوجرسی سے پہنچ گئے۔

بدھ ۱۸ر دسمبر کی صبح بعد نماز فجر، ڈاکٹر یوسف کاوا پکی، عرفان، ریحان اور دو تین ہمسایوں نے مل کر دادا کو غسل دیا، اس کے بعد انھیں Dininig Area میں لٹا دیا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں دادا نے آخری مرتبہ تقریباً چوبیس گھنٹے قبل ناشتہ کیا تھا۔

اسی دن سوا بارہ بجے دادا کی میت کو لے کر ان کی آخری آرام گاہ Saint John Bluff کی جانب روانہ ہوئے۔ عرفان، ریحان، جنید، ڈاکٹر یوسف نے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر انھیں میت گاڑی تک پہنچایا اور ان کے کفن پر ایک اضافی پلاسٹک شیٹ بھی چڑھا دی۔ اس طرح ہم Chapal Hill کے قبرستان پہنچے۔ محترم احمد فریری نے دادا کے کفن پر وہ عطر لگایا جو انھیں مکہ مکرمہ میں قبول اسلام کے وقت تحفتاً پیش کیا گیا تھا۔ اس وقت قبرستان میں تقریباً ستر مرد اور پانچ خواتین موجود تھے۔ ڈاکٹر یوسف کاوا پکی نے نماز جنازہ پڑھائی، Jacksonville کے امام حافظ زید ملک، عرفان اور دیگر افراد قبر میں اترے۔ ڈاکٹر یوسف کاوا پکی، ڈاکٹر مظفر، ڈاکٹر جنید اور ریحان نے اپنے ہاتھوں سے دادا کو قبر میں اتارا۔

جب کبھی میں دادا سے کہتی کہ میرے خیال میں آپ کو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے تو وہ ازراہ مذاق کہتے کہ ڈاکٹروں کا ڈاکٹر (خود) گھر میں موجود ہے اس لیے کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اب ڈاکٹروں کے ڈاکٹر کو سینٹ جونز دریا کی مٹی کے حوالے کیا جا چکا

Marfat.com

نامہ۔

دادا پیرس کے قدیم درختوں کو پسند کرتے تھے اور حیدرآباد کے نیم اور املی کے درختوں کا ذکر بھی کیا کرتے تھے۔ آج وہ ایک عظیم الجثہ شاہ بلوط کے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کر رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ان کی قبر کے نزدیک انار کا ایک درخت بھی بودوں۔

دادا کی تدفین اس قبرستان کی پہلی قطار میں ہوئی ہے، اس طرح ان کے آگے کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ پہلی قطار کے بالکل آخر میں ہیں، اس طرح ان کے بائیں طرف کسی کی تدفین نہ ہوگی۔ ان کے دائیں طرف ایک تراسی سالہ خاتون مصنفہ، ایک جواں مرگ ماں جو نومسلم اسلامی مبلغہ بھی تھیں۔ یہ تو نیہ حسین تھیں جو مقامی مسلمانوں کے اجتماعات کا انتظام کرتی تھیں (جن کا انتقال جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد ہوا) اور ایک دوسالہ بچے کی قبریں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دادا کی ہر خواہش پوری کی ہو۔ وہ زندگی بھر اہل قلم اور بچوں کی صحبت کو ترجیح دیتے تھے، انتقال کے بعد بھی انھیں ایسی ہی صحبت ملی۔

دادا کی خواہش تھی کہ وہ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہوں جن کی زندگی خواہ گمنامی ہی میں گزری ہو اور جن کی وفات بھی گمنامی ہی میں ہوئی ہو لیکن ان کی خدمات کا اعتراف ان کے انتقال کے دوسو سال بعد بھی کیا جائے۔ انھوں نے ایسی ہی زندگی گزاری اور یقیناً وہ ایسے ہی انسانوں میں تھے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور وہ سب عطا فرمائے جسے وہ اس دنیاوی زندگی میں حاصل نہ کر سکے۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قوت عطا فرمائے کہ میں وہ کام کر سکوں جو اس کی خوشنودی کا باعث ہو۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

عالمی تحریک اسلامی کا ایک گمنام محسن

از پروفیسر افتخار احمد

گزشتہ چار برسوں میں عالمی تحریک اسلامی کو پے در پے دو عظیم صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ دسمبر ۱۹۹۹ء میں سیّد ابوالحسن علی ندوی اللہ کو پیارے ہوئے۔ علی میاں عالمی تحریک اسلامی کے ایک عظیم قائد اور بے مثل لیڈر تھے۔ آپ کی ساری زندگی مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کے رشتے استوار کرنے میں گزری۔ خصوصاً آخری پچاس برس تو آپ اس کام کے لئے مسلسل سفر میں رہے۔ دوسرے ڈاکٹر محمد حمید اللہ جن کے انتقال کو ابھی ایک سال ہی گزرا ہے جنہوں نے سقوط حیدر آباد کے بعد پیرس کو اپنا مستقل مسکن بنایا اور پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ بیس سال سے زیادہ عرصہ فرانس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ میں ملازمت کی۔ پیرس اور ترکی میں وزٹنگ پروفیسر رہے اور باقی زندگی ایک خاموش کارکن کی طرح تبلیغی اور تحقیقی مقاصد میں لگا دی۔ اپنے اس مشن سے آپ کو بے حد پیار تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد دکن میں کٹل منڈی کوچہ حبیب شاہ کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ عربی النسل تھے، خاندان نوایت/نوائط سے آپ کا تعلق تھا، اس خاندان کے افراد فن جہاز رانی میں ماہر تھے۔ آپ کے خاندان کے بزرگ صدیوں پہلے بلاد عرب سے ہجرت کر کے مدراس کے نزدیک ارکاٹ میں قیام پذیر ہوئے اب بھی اس خاندان کے سینکڑوں افراد مدراس میں رہ رہے ہیں۔ قاضی بدرالدولہ کا

Marfat.com

شمار آپ کے خاندان کے ان بزرگوں میں ہوتا تھا جن کی علمیت، نیک نامی اور شرافت کا دُور دُور تک شہرہ تھا۔ قاضی بدر الدولہ نے عربی، فارسی اور اردو میں تقریباً ۷۰ کتب تحریر کیں۔ آپ ان زبانوں میں جنوبی ہند میں اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے والد مفتی خلیل اللہ ایک جید عالم دین اور خدا ترس بزرگ تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس وقت دنیا میں قدم رکھا جب یورپ کا سامراجی نظام دم توڑ رہا تھا اور اس کے خلاف جنگ اور نفرت زوروں پر تھی۔ مصر میں احمد اعرابی پاشا اور سعد زاغلول پاشا آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ترکی میں نوجوان ترک منظّم ہو رہے تھے۔ ہندوستان میں تحریک علی گڑھ، دیوبند اور ندوہ کے اثرات واضح طور پر محسوس کئے جا رہے تھے جس کے سبب انگریزی ذریعہ تعلیم اور دینی مدارس کے درمیان ایک کشمکش برپا تھی۔ ان حالات میں والدین کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا تھا کہ وہ اپنے بچے کو کن کن علوم میں تعلیم دلائیں۔ مفتی خلیل اللہ جیسے روشن خیال انسان نے محمد حمید اللہ کے بارے میں فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگائی اور ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم نظامیہ میں داخل کرا دیا۔ اس زمانے میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ دار العلوم نظامیہ سے فارغ ہو کر آپ نے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں داخلہ لے لیا۔ جامعہ سے آپ نے فقہ اور اصول فقہ میں بالترتیب ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ جرمنی اور فرانس گئے یہاں سے ڈی فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیں۔ ۱۹۳۵ء میں فرانس سے ڈی لٹ کی ڈگری لے کر واپس وطن لوٹے تو جامعہ ہی میں آپ کی تعیناتی ہوئی۔ حیدر آباد پر فوج کشی کے زمانہ میں آپ ایک وفد کے ہمراہ حیدر آباد کا کیس لے کر پیرس (یہاں اقوام متحدہ کا ہیڈ کوارٹر تھا) چلے گئے۔ وفد میں آپ کے ہمراہ ڈاکٹر یوسف حسن خاں۔ شیام سندر، ظہیر احمد اور نوب معین یار جنگ تھے۔ اقوام متحدہ میں حیدر آباد کا کیس کیونکہ سنجیدگی سے نہیں لیا گیا تھا اس لئے وفد کے ارکان کوئی زیادہ پُر امید نہیں تھے۔ اسی دوران بھارت نے حیدر آباد پر قبضہ کر لیا۔ اس پر آپ نے فرانس ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔ البتہ کچھ مدت کے لئے پاکستان ضرور آئے۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستوریہ نے قراردادِ مقاصد منظور کی تو دستور کے بنیادی نکات کی تیاری کے لئے ۳۵ ارکان پر مشتمل

Marfat.com

بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ کمیٹی نے اپنی مدد کے لئے تین سب کمیٹیاں ـــ وفاقی، صوبائی و تقسیم اختیارات کی کمیٹی، حق رائے دہی کمیٹی اور کمیٹی برائے عدلیہ تشکیل دی۔ ان سب کمیٹیوں کی مدد کے لئے تعلیمات اسلامیہ کا ایک بورڈ بھی تشکیل دیا گیا۔ بورڈ کے ارکان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیّد سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مفتی جعفر حسین مجتہد، مولانا ظفر احمد انصاری اور پروفیسر عبدالخالق کو شامل کیا گیا۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے تعلیمات اسلامیہ بورڈ کے مشوروں کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ۷ ستمبر ۱۹۵۰ء کو دستوریہ میں رپورٹ پیش کی۔ حکمرانوں کی بدنیتی اور منافقت سے ناراض ہو کر ڈاکٹر محمد حمید اللہ واپس فرانس چلے گئے اور پھر مرتے دم تک کسی قسم کی دستوری مشاورت میں حصہ نہیں لیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں بیوروکریسی اور حکمران طبقہ اسلام اور جمہوریت کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی آپ نے معذرت کر دی۔ ۱۹۴۸ء سے دم واپسیں تک آپ ٹریولنگ ویزا پر فرانس میں مقیم رہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے فرانس میں قیام کے دوران اپنی تمام تر کوششیں ایک نکتہ پر مرکوز رکھیں یعنی مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اُن کے دل قرآن مجید اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز ہوں۔ فرانس میں دوران تعلیم ہی آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ یہاں کے عظیم کتب خانوں کی بدولت اس خطہ میں کام کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ بھی اسی جذبے کا اظہار تھا۔ اس ترجمہ کی اب تک چار لاکھ سے زائد کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں جبکہ ۲۰ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کے تین قدیم نسخوں کا تقابلی مقابلہ بھی کیا جن میں سے ایک ازبکستان میں، ایک ترکی اور ایک انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہے۔ ترکی کے نسخہ پر خون کے چھینٹوں کے نشانات تھے اور اغلب امکان یہی ہے کہ یہ وہی قرآن پاک تھا جس کی تلاوت حضرت عثمان غنیؓ شہادت کے وقت کر رہے تھے۔ آپ نے ۱۲۰ زبانوں کے قرآنی تراجم کی ببلیوگرافی اور تصحیح کی۔ سیرت پاک پر آپ کی ایک درجن سے زائد کتب دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو

Marfat.com

چکی ہیں ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، عہد نبویؐ کے میدان جنگ، میثاق مدینہ، مکتوبات نبویؐ، سیرت طیبہ کا پیغام — عصر حاضر کے نام، عرب جبش تعلقات وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے فرانسیسی زبان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چھیاسی خطوط بھی مرتب کئے۔ آپ کے مقالات کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے۔ صرف ۳۲ طویل مقالات انسائیکلوپیڈیا (دائرہ معارف اسلامی پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمان مفکرین میں امام ابن تیمیہ سے زیادہ متاثر تھے۔ آپ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن دیگر مسلک کے فقہاء کے بارے میں آپ نرم گوشہ رکھتے تھے۔ آپ کی مطبوعہ کتب کی تعداد ۱۷۴ ہے۔ اردو، فارسی، عربی، انگریز، جرمن، ترکش، فرانسیسی اور روسی زبانوں میں آپ کا تحقیقی سرمایہ محفوظ ہے۔ آپ کی ایک کتاب Introduction to Islam ۲۲ زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ کتاب مولانا مودودی کے رسالہ دینیات کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے جس کا ۳۵ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتب میں سلیس اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ آپ کا طرز استدلال خالصتاً اسلامی ہے۔ امام ابن تیمیہ جس طرح کتاب اللہ اور احادیث پر سختی سے کاربند رہے بالکل یہی موقف ساری زندگی آپ کا رہا۔ آپ نے فقہی مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی حیلہ سازی یا سیاسی منافقت کا سہارا نہیں لیا۔ ۱۹۹۲ء میں آپ پاکستان آئے۔ یہ دور پاکستان کی سیاسی تاریخ میں بہت ہنگامی دور تھا۔ ایک طرف بے نظیر بھٹو کے حمایتی تھے جو اُنہیں وزیراعظم بنانے پر تلے ہوئے تھے دوسری طرف علماء اور مسلم لیگ جن کے نزدیک عورت وزیراعظم نہیں بن سکتی تھی۔ مدیر تکبیر محمد صلاح الدین نے اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی رائے جاننا چاہی اور ۱۹۹۳ء کے اوائل میں ان سے خط و کتابت کی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے دوسرے یا تیسرے خط میں دوٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

> ''مسلمان عورت کے سربراہ مملکت ہونے سے متعلق میرا سادہ جواب یہ ہے کہ عام حالتوں میں اس کی ضرورت نہیں، کوئی مجبوری ہو تو حالت اضطرار کے باعث وہ جائز ہوگا۔ وہ حالتِ اضطرار قیامت تک کس کس قسم کی ہوگی یہ

Marfat.com

کہنا ناممکن ہے۔ فرض کیجئے پارلیمنٹ کے انتخابوں میں دیندار عورت کے بالمقابل ایک بددین اور منافق ہو، پارلیمنٹ میں غیر مسلم ارکان بھی ہیں تو اس کے نتائج پر بھی غور کرنا پڑے گا، غرض قیامت تک سارے پیش آنے والے امکانوں کی پیش بندی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے عام رائے یہ ہے کہ

''عام امن وسکون کے حالات میں عورت کا انتخاب نہ کیا جائے، خصوصی اضطراری حالت میں وہ جائز ہے— کیا یہ کافی ہے''۔

عورت کی حکمرانی کے بارے میں تقریباً یہ وہی موقف ہے جو مولانا مودودی نے ۱۹۶۴ء میں محترمہ فاطمہ جناح کے بارے میں اختیار کیا تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ امام ابن تیمیہ کی طرح کمزور اور ضعیف حدیثوں سے سند نہیں لیتے تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ حوالہ کے لئے صحاح ستہ کی بیان کی ہوئی روایت کا سہارا لیا جائے۔ واقعات بیان کرتے وقت اقوال وافعال صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کرنے کے علاوہ صحابہؓ کے آثار سے بھی ثبوت فراہم کرتے خاص طور پر خلفائے اربعہ کے اقوال سے۔ آپ نے جو اسلوب اپنی کتب اور مقالات میں اختیار کیا وہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے۔ روایات سے ہٹ کر آپ مکمل تحقیق کے بعد درست روایت نقل کرتے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے وقت آپ کا موقف یہ ہوتا تھا کہ فن رجال کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ میثاق مدینہ اور ایک یہودی کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ جس انداز سے تاریخی کتب میں ملتا ہے اس سے شکوک جنم لیتے ہیں اور قاری تضادات کا شکار ہو جاتا ہے۔ آپ نے تحقیق سے ثابت کیا کہ کعب بن اشرف کے قتل سے پہلے یہودی ''میثاق مدینہ'' میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ میثاق مدینہ تین دستاویزات کا مجموعہ ہے جس پر غزوۂ بدر کے بعد سے لے کر غزوۂ اُحد کے خاتمہ کے بعد کے زمانہ میں دستخط ہوئے۔

سیرت نگاری میں آپ نے ایک نیا اسلوب اختیار کیا۔ ہمیشہ موضوعات کی تلاش میں رہتے۔ الفاظ کا بہتر انتخاب کرتے اور قاری کے لئے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیتے۔ آپ کی شخصیت علمائے برصغیر میں سب سے زیادہ جدت پسند اور نرالی تھی۔ آپ

Marfat.com

اگرچہ مسلمان فلاسفر ابن رُشد سے متاثر نہیں تھے لیکن ابن رُشد کی طرح عقلیت پسند تھے۔ آپ کی تحریر میں مذہب کے الہامی اصول وعقائد کے سوا ہر چیز کو عقل اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنے کی گنجائش موجود ہے۔

سقوط حیدر آباد کے بعد آپ ایک نکاتی ایجنڈا پر کام کرتے رہے—وہ یہ کہ اسلامی ممالک اور مسلمانان عالم کو اسلامی اخوت پر مبنی عالمگیر رشتوں میں منسلک ہو جانا چاہئے—۱۹۶۰ء کا ذکر ہے کہ کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے لئے سعودی وزیر شیخ حسن آل شیخ کی طرف سے پیش کش ہوئی کہ آپ یہاں آ جائیں اور یونیورسٹی کی پروفیسری قبول کر لیں۔ آپ نے وزیر موصوف کو لکھا، سیّد رضوان علی ندوی کے الفاظ میں:

> ''افریقہ کے مختلف ممالک آزاد ہو رہے ہیں ان ملکوں میں کافی مسلمان ہیں، بعض ملک اسلامی بھی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان ملکوں کے باشندوں کی رہنمائی کے لئے فرانسیسی زبان میں ایک ماہوار علمی رسالہ نکالا جائے تا کہ آزاد ہونے والے اور فرانسیسی تسلط و تعلیم کے سبب اسلام سے بے خبر ممالک کی ذہنی و علمی تربیت ہو سکے۔ سعودی حکومت اگر اس منصوبہ کو فنانس کرے تو میں ایسے میگزین کی ادارت کی ذمہ داری کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں مجھے اپنے لئے تنخواہ و ملازمت کی طلب نہیں''۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریر میں توازن پایا جاتا ہے۔ آپ نے کسی جگہ بھی غیر ضروری مسائل پر توجہ نہیں دی حتیٰ کہ انٹرویوز کے دوران علمی سوالات کے علاوہ گپ شپ کے لئے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ آپ ساری زندگی حکمرانوں اور اُن کی نوازشات سے دور رہے۔ ۱۹۹۶ء میں فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے، لینے سے انکار کر دیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ہجرہ ایوارڈ دینے کا اعلان کیا، بڑی مشکل سے رضا مند ہوئے تو اسلام آباد میں قائم ادارہ تحقیقات اسلامی کو دے دیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کی داستان تھے۔ ان کی موت گویا اسلامی فن تاریخ نویسی کی موت ہے۔ تاریخ نویسی میں آپ نے جو اسلوب اپنایا اور جس انداز سے مختلف واقعات کا تجزیہ کیا وہ شبلی اور سیّد سلیمان ندوی سے ذرا مختلف لیکن

Marfat.com

مولانا مودودی اور علی میاں سے قریب تر ہے۔ یہی وہ بات ہے جو انہیں دوسرے مسلمان مورخین سے ممتاز کرتی ہے، عالم اسلام میں اب ان جیسا تاریخ نویس فقہ اور اسلامی قانون کا ماہر نظر نہیں آتا۔ دور جدید کے مفکرین اور فلسفیوں میں آپ حضرت علامہ اقبالؒ کی فکر سے متاثر تھے۔ اسلامی قانون کے ماخذ کے بارے میں ان کی اور علامہ اقبالؒ کی فکر اور اپروچ میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے The Reconstruction of Religious thought in Islam میں گورنر یمن حضرت معاذ بن جبلؓ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مکالمہ بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے مقالہ ''تدوین قانونِ اسلامی اور امام ابوحنیفہؒ'' میں اسی حدیث کا مکالمہ کی شکل میں حوالہ دیا ہے۔ آپ کے چراغ راہ اسلامی قانون نمبر جلد دوم میں اسلامی فقہ اور قانون پر چار نہایت قیمتی مقالات شائع ہوئے ہیں۔ ان مقالات کے علاوہ خطبات بہاولپور — اسلامی قانون اور فقہ پر بارہ لیکچروں کا مجموعہ — آپ کے یادگار مقالات ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا پسندیدہ موضوع سیرت پاک تھا۔ 'سیرت نگاری' میں روایتی انداز سے ہٹ کر آپ نے نیا اسلوب اختیار کیا۔ غزوات کے حوالہ سے سیرت پر اردو زبان میں متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ بریگیڈیئر گلزار احمد کی غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عبدالباری کی رسول اللہ کی جنگی اسکیم اور ڈاکٹر رؤف اقبال کی عہد نبویؐ کے غزوات اور سرایا، عمدہ کتب ہیں۔ لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی 'عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ' اس کی شان ہی نرالی ہے۔ جس انداز میں اور جس طرح انہوں نے خود میدانِ غزوات میں جا کر ایک تاریخ نویس اور ایک جنگی امور کے ماہر کی طرح جنگی حکمت عملی جو نبی پاکؐ نے اپنائی تھی، کا جائزہ لیا اس نے ان تمام شکوک کو رفع کرنے میں مدد دی جو ہماری روایتی تاریخی کتب کے ذریعے قارئین کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ دور جدید میں جس طرح جنگیں لڑی جاتی ہیں خاص طور پر امریکہ کا افغانستان اور عراق پر وحشیانہ حملہ، اسرائیل کا فلسطینیوں پر حملہ — اس کے بعد یہ سوال از خود پیدا ہوتا ہے کہ اب پرانی اسکیمیں اور حکمت عملی از کار رفتہ ہو چکی ہے اور اس کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسی سوال کا یوں جواب دیتے ہیں:

''فوجی تاریخ کے مطالعے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ گزشتہ فوجی معرکہ آرائیوں کی یادداشت سے ایسے سبق حاصل کریں جن کا اب اطلاق ہو سکے۔ صرف اسی غرض سے پڑھنا کہ محض تاریخی واقعات کا علم ہو جائے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ زمانہ حال کی فوجوں کی وسعت اور اُن کے ترقی یافتہ اسلحہ اور ذرائع نقل و حمل کے باعث ماضی سے حاصل ہونے والے بہت سے سبق حال پر منطبق نہیں ہو سکتے لیکن انسان کی فطرت اور وہ قواعد جن پر جنگ مبنی ہوتی ہے بدلتے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نہایت قدیم زمانے کی معرکہ آرائیوں سے بھی قیمتی سبق سیکھے جا سکتے ہیں۔ عہد نبویؐ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی و تگنی اور بعض اوقات دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے چند محلّوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (City State) سے جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو دس لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ کا رقبہ آپ کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ اس تقریباً برعظیم ہندوستان و پاکستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں یقیناً مکینوں (لاکھوں) کی آبادی تھی، دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا ——!!

ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے سیرت پاکؐ پر جو کام دوسری زبانوں میں کیا، ان کے تراجم شائع کئے جائیں اور ان کتب کو یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں بہادر یار جنگ اکیڈمی کو متحرک ہونا پڑے گا کہ وہ اپنے ایک گمنام سپوت کے کام کو گوشہ گمنامی میں نہ پڑا رہنے دے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ بھی یہی ہے کہ ان کی فکر کو ان کی کتب کے ذریعہ عام کیا جائے۔

Marfat.com

مایہ ناز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ

از ڈاکٹر حسن الدین احمد

پولیس ایکشن سے کچھ قبل مجلس اقوام متحدہ میں حیدر آباد کے نقطہ نظر کو پیش کرنے حضور نظام نے ایک وفد روانہ کیا تھا جس میں شیام سندر، ڈاکٹر یوسف حسین خاں وغیرہ شامل تھے۔ ظہیر احمد اس وفد کے سیکرٹری تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد بدلے ہوئے حالات میں حضرت نظام نے اس وفد کو واپس بلا لیا تو وفد کے ارکان حیدر آباد واپس آ گئے۔ ایک رکن نے واپسی سے انکار کرتے ہوئے یہ استدلال پیش کیا کہ مجھے ایک مقتدر حکمران نے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا اب جو مجھے واپس طلب کیا گیا ہے وہ سیاسی دباؤ کے تحت ہے۔ یہ رکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ تھے انہوں نے پیرس میں جہاں وہ بحیثیت پروفیسر خدمات انجام دے چکے تھے مستقل رہائش اختیار کر لی اور اپنی مرضی سے جلاوطنی کی زندگی بسر کی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زندگی اور ان کی قابل قدر خدمات پر بہت ہی کم لکھا گیا ہے۔ اس صورت حال کی ذمہ داری ان کے ہم عصروں پر تو ہے ہی خود ڈاکٹر صاحب پر بھی عائد ہوتی ہے۔ وہ حد درجہ منکسر المزاج تھے۔ جتنی بار ان کے مداحوں نے ان کے سوانحی حالات لکھنے کی اجازت چاہی اتنی بار انہوں نے اپنے خطوط میں پرزور طریقہ پر اس کی مخالفت کی۔ ایک خط میں انہوں نے لکھا ''میری رائے میں کسی زندہ شخص کے حالات پر کام نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں آزادی فکر نہیں رہتی''۔ اور ایک خط میں لکھا ''میری سوانح عمری سے نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ میں اس کا سرے سے مخالف ہوں'' ایک اور خط میں جناب مظہر ممتاز قریشی کو لکھا ''مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑ ہے، اپنے دوست حکیم محمد سعید

Marfat.com

صاحب کے منظور نظر سے فرمایئے کہ حمید اللہ نامی ''فاضل'' ابھی پیدا نہیں ہوا اس کی سوانح عمری کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کریں''۔

راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کے مزاج سے واقف تھا اس لئے روزنامہ سیاست میں ڈاکٹر صاحب کے حالاتِ زندگی پر جب ایک مضمون لکھنے کی جسارت کی تو مضمون کے آخر میں لکھا:

''میں جانتا ہوں کہ اگر یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی نظر سے گزرا تو ان کی منکسر المزاجی اس کے مندرجات کو بھی برداشت نہ کرے گی لیکن ان کی پسند یا ناپسند سے قطع نظر حقیقت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ ان کے مقام کو پہچاننا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم میں اپنے عالموں کی قدر کرنے کی صلاحیت ابھی باقی ہے''۔

مضمون میں میں نے لکھا تھا کہ ''ان کی آمدنی کا ذریعہ ان کی تصانیف کی رائلٹی ہے''۔ وہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی نظر سے گزرا انہوں نے تصحیح کی کہ وہ اپنی کسی کتاب کا حق تصنیف قبول نہیں کرتے اور یہ بتایا کہ ان کا ذریعہ آمدنی وہ وظیفہ حسن خدمت ہے جو حکومت فرانس سے ملتا ہے۔ اس طرح میرے مضمون کے بقیہ مندرجات کی توثیق ہوگئی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق نائطی قبیلہ کے مشہور علمی خاندان خانوادہ قاضی بدرالدولہ سے تھا۔ شہر حیدرآباد میں ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے (وہ نواب بہادر یار جنگ کے ہم عمر تھے) ابتدائی تعلیم دارالعلوم اور جامعہ نظامیہ میں ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں اعزاز کے ساتھ فقہ اسلامیہ میں ایم اے کی تکمیل کی اور اسی سال امتحان ایل ایل بی میں بھی درجہ اول میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اسلامی قانون بین الممالک میں تحقیقی کام کا آغاز کیا اور لندن، جرمنی، حجاز، لبنان، شام، فلسطین، مصر اور ترکی کے کتب خانوں سے بھرپور استفادہ کیا اور جامعہ عثمانیہ کی اجازت سے اپنا مقالہ ''اسلامی قانون بین الممالک'' جرمنی کی یونیورسٹی میں پیش کر کے D.Phil کی سند اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ پیرس سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ کے ذہنی نشو ونما میں خود ان کے خاندان کے مختلف افراد کا حصہ رہا۔ مفتی محمد سعید (بانی کتب خانہ سعیدیہ) کا انتقال ۱۸۹۵ء میں اور مولوی عبدالقادر (نصیر الدین ہاشمی کے والد) کا انتقال ۱۹۰۶ء میں ہو چکا تھا لیکن ان دو عظیم شخصیتوں کے خیالات، نقاط نظر اور عزائم کا ڈاکٹر حمید اللہ کے انداز فکر پر بالواسطہ ہی کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہوا۔

محمد مرتضیٰ (جنہوں نے جامعہ کے قیام کی تحریک کامیابی سے چلائی) کا انتقال ۱۹۲۵ء میں ہوا جبکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی عمر ۱۷ سال تھی۔ قاضی عبید اللہ فرزند قاضی بدر الدولہ کا انتقال ۱۹۲۷ء میں ہوا جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے نوجوان ذہن نے ہر دو بزرگوں کے پر خلوص جذبہ ملی کے اثر کو ضرور قبول کیا ہوگا۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۸ء تک ڈاکٹر صاحب بحیثیت ریڈر شعبہ قانون جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے۔ راقم الحروف ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۶ء تک کلیہ فنون جامعہ عثمانیہ کا طالب علم رہا۔ ان کا انہماک علمی مثالی اور متعدی تھا۔ طلباء اور اساتذہ سب ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ نامپلی سے جامعہ جانے والی پہلی بس سے جاتے۔ اس وقت جو طلباء ان کے ساتھ ہم سفر ہوتے ان کے ٹکٹ وہی ادا کرتے۔ کالج پہنچ کر وہ کتب خانے سے استفادہ کرتے۔ طالب علموں کو خندہ پیشانی اور فیاضی سے وقت اور مشورے دیتے۔ تنظیم مابعد جنگ کے سلسلہ میں حکومت حیدرآباد کی جانب سے تین سو سے زائد طالب علموں اور نوجوان سرکاری عہدہ داروں کو اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کے لئے ممالک غیر کو روانہ کیا جارہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر پر راقم الحروف کو ڈیپوٹیشن پر بھیجا گیا اور ان ہی کے بتائے ہوئے خطوط پر ٹریننگ ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان کی ایک کتاب ''القرآن فی کل لسان'' جس میں مختلف زبانوں میں قرآن شریف کے مختلف ترجموں کی فہرست شامل کی گئی ہے ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں ایک جامع کتاب ''محمد رسول اللہ'' لکھی جو ان کی زائد از پینتیس سال کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے سیرت النبیؐ کے مختلف گوشوں کے تعلق سے دلچسپ اور انوکھے عنوان قائم کرتے ہوئے موجودہ نسل کے ذہنوں کو

Marfat.com

روشن کیا۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علی وسلم کی سیاسی زندگی، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، دنیا کا پہلا تحریری دستور، قرآنی تصور مملکت، ہجرت یا نوآبادکاری وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک مقالہ ''سیاسی وثیقہ جات'' ہے جسے انہوں نے ۱۹۵۳ء میں جامعہ پیرس میں پیش کر کے Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔ اس کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے علمی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۱۶۴ ہے۔ یہ سب مختلف زبانوں میں ہیں۔ ان کی فہرست مرتب کی جائے تو دس جلدوں میں ہوگی۔ مقالات کے مجموعہ کی طباعت کے سلسلہ میں ایک خط میں لکھتے ہیں ''مجموعہ مقالات کی طباعت کا سوال ہی نہیں کیونکہ ہاتھ خالی ہے''۔

۱۹ جنوری ۱۹۹۶ء کو پیرس کی مسجد میں صلوٰۃ جمعہ کی سنتوں کے درمیان ڈاکٹر صاحب خون کے دباؤ میں کمی کے باعث اچانک بے ہوش ہو گئے۔ ان کے حیدرآبادی عقیدت مند جناب عبدالماجد نے جو ان کے قریب ہی تھے ڈاکٹر صاحب کو سنبھالا، ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں نے اپنے فلاں دوست کو ملاقات کا وقت دیا ہے مجھے ان کے پاس لے چلو۔ جناب عبدالماجد نے تامل کیا اور دواخانہ چلنے پر اصرار کیا اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب ملاقات کے لئے مصر رہے اور اپنے دوست سے ملاقات کی۔

ڈاکٹر صاحب کو ۱۹۸۵ء میں پاکستان کے سب سے بڑے ایوارڈ ''ہلال امتیاز ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔ انہوں نے ایوارڈ کی جملہ رقم یعنی ایک ملین روپے اسلامک ریسرچ اکیڈیمی (اسلام آباد) کو بطور عطیہ دے دی۔ ڈاکٹر صاحب پیرس میں ایک مختصر سے فلیٹ میں انتہائی سادہ اور طالب علمانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ روزانہ مختلف سربرآوردہ اصحاب ملاقات کے لئے آتے جن سے علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب خطوط کے جواب نہایت پابندی سے اور فوری دیتے۔ جناب مظہر ممتاز قریشی جو ڈاکٹر صاحب کے مداح اور ان کی علمی خدمات سے متاثر رہے، ڈاکٹر صاحب سے ۱۹۸۴ء اور ۱۹۹۵ء کے درمیان خط و کتابت کی اس عرصہ میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو ۲۳۰ خطوط لکھے اور ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب نے ہر خط کا جواب دیا ان خطوط کا مجموعہ سہ ماہی رسالہ ''ارمغان'' کے شمارہ میں شائع ہوا۔ مظہر ممتاز قریشی نے خطوط لکھ کر ایک اہم خدمت انجام دی ہے کیونکہ ان خطوط سے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے ایسے اہم گوشے سامنے آئے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی افتادِ طبع کی وجہ سے پردہ اخفاء میں رہتے۔

اپنی علمی مصروفیات کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنے وسیع خاندان کے افراد کو علیحدہ علیحدہ خطوط لکھنے کی بجائے مہینہ دو مہینہ میں ایک مشترکہ تفصیلی خط لکھتے جب ان کا مکتوب آتا تو اس کو تقریباً ایک سو افراد خاندان میں گشت کروایا جاتا۔ اکثر افراد مکتوب کی نقل کر لیتے۔ یہ سب اہل خاندان ان سے والہانہ عقیدت رکھتے اور ان کا نام احترام سے لیتے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کا شمار بلاشبہ مسلمانوں کے صف اول کے علماء میں تھا۔ اسلامیات اور علوم مشرقی پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ مذہب اسلام، مشرقی ثقافت اور اردو زبان سے ان کو غیر معمولی وابستگی اور والہانہ دلچسپی تھی۔ ان کو اپنے وطن اور شہر حیدر آباد سے بہت محبت تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

(بشکریہ مجلّہ عثمانیہ، کراچی)

1944ء میں ڈاکٹر صاحب مولانا سیّد سلیمان ندویؒ سے ملاقات کے لیے دار المصنفین تشریف لائے۔ سیّد صاحب اپنے کمرے میں مشغول تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کتب خانے کی عمارت میں پہنچنے سے پہلے اپنے جوتے اتار دیے۔ لوگوں نے کہا آپ جوتے پہنے ہوئے آئیے۔ انھوں نے فرمایا کہ جہاں سیرت نبوی ﷺ لکھی گئی ہو وہاں میں جوتے پہن کر جاؤں؟ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص222)

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ۔ پیرس کی چند یادیں

از ڈاکٹر احمد عبدالقدیر

نظام کالج حیدرآباد سے M.A کرنے کے بعد سنہ ۱۹۵۴ء میں لندن چلا گیا بڑے بھائی کے پاس اور عارضی طور پر انٹرنیشنل لاء میں داخلہ بھی لے لیا۔ لیکن بڑے بھائی عبدالشکور اور ان کے دوست عارف علی انصاری کا اصرار تھا کہ ''بین الاقوامی تعلقات'' پر Ph.D کروں۔ اس سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے پروفیسر شوازنگ برگر سے ملاقات کی۔ مضمون سے میری دلچسپی دیکھ کر داخلہ دینے کی رضامندی کا اظہار تو کر دیا مگر ہنستے ہوئے کہنے لگے ''تمہاری عمر ۲۲ سال ہے اور Ph.D کے لئے عمر کم ہے، ابھی تم فٹ بال کھیلو''۔ یہ سن کر مجھے غصہ آیا اور مایوسی بھی ہوئی۔ لیکن ان دونوں کا خیال تھا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو خط لکھ کر ان سے مشورہ بھی حاصل کر لوں۔ میں نے سارا احوال لکھ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ پیرس یونیورسٹی میں عمر کی کوئی پابندی نہیں ہے تو میرا داخلہ کروا دیں۔ تیسرے دن ڈاکٹر صاحب کا جواب آیا ''کل آجاؤ عمر کی پابندی نہیں داخلہ ہو سکے گا''، مختصر سا خط پڑھ کر خوشی خوشی Fly کر کے پیرس پہنچ گیا۔ شام کا وقت تھا، موسم بھی خوشگوار تھا، لطیف ہوائیں چل رہی تھیں، پیرس کی ہر چیز حسین لگ رہی تھی، ایئرپورٹ سے ٹیکسی لیکر 4-RUE DE TOURNON پہنچ گیا۔ اپنا سفری بیگ ٹیکسی سے اتار کر ڈرائیور کو میٹر سے زیادہ کرایہ دیا تو وہ فرنچ میں شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ عمارت کی نچلی منزل میں بوڑھی مالکن (LAND LADY) سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے کمرے کا پتہ پوچھا۔ اس نے فرنچ میں جواب دیا، میں انگریزی میں یہ بھی معلوم کر رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کمرے میں ہیں یا نہیں۔ وہ فرنچ

Marfat.com

میں کہہ رہی تھی، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بالآخر اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا ڈاکٹر صاحب کمرے میں ہیں، اوپر چلے جاؤ۔ چوتھی منزل پر پہنچ کر دروازے سے لگی ہوئی گھنٹی بجائی، ڈاکٹر صاحب باہر نکل آئے، دیکھتے ہی کہنے لگے ''آؤ آؤ اندر آ جاؤ تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ تمہارا خط پڑھ کر میں نے اپنے شاگرد غفور فرہادی سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ کل صبح وہ قریب کے ہوٹل میں انتظار کرے گا۔ تمہاری ملاقات بھی کرا دوں گا وہ تمہارا رفیق کار بھی ہوگا اور نگران بھی۔ پیرس جیسے شہر میں یہ بہت ضروری ہے، ایک رات تم اس ہوٹل میں ٹھہر جاؤ دوسرے روز کمرے کا انتظام بھی کرا دے گا اور فرنچ سکھانے والے ادارے میں داخل بھی کرا دے گا''۔

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ دکن کی باتیں، سیاسی باتیں، معاشی، علمی، مذہبی باتیں، پھر ڈاکٹر صاحب نے کہا کھانا کھا لو۔ ڈاکٹر صاحب کی غذا بہت سادہ تھی، ابلے ہوئے چاول، مچھلی کا ایک ٹکڑا اور سبزی کی ڈش، مجھے بھی سادہ غذا اچھی لگی۔ یہ رات ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں گزاری۔ دوسرے روز ہم قریب کے ہوٹل گئے جہاں غفور فرہادی کو ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔ ہم سے پہلے وہ وہاں پہنچ کر انتظار کر رہا تھا وقت سے پانچ منٹ پہلے آ گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا ''یہ عبدالقدیر میرے حیدر آبادی دوست عبدالغفور صاحب کے فرزند ارجمند ہیں، ان کی ہر طرح کی مدد کرنا تمہاری ذمہ داری ہے، میں ترکی جا رہا ہوں تین مہینے کے بعد آؤں گا''۔ اچھا خدا حافظ کہہ کر وہ چلے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کے جانے کے بعد غفور فرہادی نے اپنا تعارف کرایا۔ اس کا نسبی تعلق افغانستان سے تھا۔ وہ چند سال سے پیرس میں مقیم تھا۔ Ph.D کرنے آیا تھا لیکن پیرس کی رونقیں اس کو اتنی پسند آ گئیں کہ وہ ان میں کھو گیا۔ لیکن جب سے ڈاکٹر صاحب سے تعارف ہوا اس کی زندگی بدل گئی اور Ph.D بھی کر سکا۔ میں نے اپنا مختصر تعارف کرایا، ڈاکٹر صاحب سے ہمارے خاندانی مراسم تھے۔ میں پی ایچ ڈی کرنے لندن گیا عمر کی کمی کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا۔ اب ڈاکٹر صاحب نے پیرس بلایا ہے یہاں وہ داخلہ دلوا دیں گے۔ کچھ

Marfat.com

دیر بعد غفور فرہادی میری تسلی کر کے چلا گیا صبح آنے کا وعدہ کر گیا۔ میں اس کے جانے کے بعد بستر پر لیٹا ہوا سوچتا رہا نئی جگہ، نیا ماحول، نئے لوگ اور نئی زبان آخر کس طرح نئی دنیا میں رہ سکوں گا لیکن اللہ پر بھروسہ کر کے سو گیا۔ صبح صبح غفور فرہادی آ گیا ہم دونوں نے ناشتہ کیا مکھن ڈبل روٹی، جام اور کافی، پیرس میں پہلا ناشتہ کر کے بڑا لطف آیا۔ ہر چیز لذیذ تھی۔

ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر ہم اس بلڈنگ تک چلے گئے جہاں میرے لئے کمرے کا انتظام کر آیا تھا۔ اس بلڈنگ کی مالکن بھی بڑھیا تھیں۔ کرایہ طے کرنے کے بعد مالکن نے چابی مجھے تھما دی۔ ہم دونوں اوپر کی منزل پر چلے گئے۔ کمرے کا دروازہ کھول کر جائزہ لینے لگے کمرہ چھوٹا سا تھا لیکن اس میں آسائش کی ساری چیزیں موجود تھیں۔ نئی چیز خریدنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم لوگ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، غفور فرہادی تلخ و شیریں کہانیاں سناتا رہا اور پیرس کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا ''پیرس جنت نظیر بھی ہے اور دوزخ نظیر بھی''۔ اس کی باتوں میں خلوص بھی تھا، تجربہ بھی اور ہدایت بھی۔

ہم نے کمرے سے نیچے آ کر ٹیکسی لی اور فرنچ سکھانے والے ادارے گئے۔ اس کے ڈائریکٹر سے مل کر تعلیمی فیس ادا کر کے سوربون یونیورسٹی چلے گئے۔ یونیورسٹی پرانے طرز تعمیر کی مضبوط عمارت ہے۔ راہداریوں سے گزر کر پروفیسر کے کمرے تک پہنچے۔ غفور فرہادی نے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا حوالہ دے کر کہا ڈاکٹر صاحب نے بھیجا ہے Ph.D میں داخلہ کرانا ہے۔ پروفیسر مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ (میں دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا کہ یہ بھی یہی نہ کہے کہ فٹ بال کھیلو) مسکراتے ہوئے پروفیسر نے کہا ''دکتور حمید اللہ سے کہو داخلہ مل جائے گا۔ فرنچ سیکھنا لازمی''۔

پروفیسر کا شکریہ ادا کر کے ہم یونیورسٹی سے باہر آ گئے۔ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر غفور فرہادی مجھے پیرس کا جغرافیہ سمجھانے لگا۔ سڑکوں کے نام بتلائے، بسوں کے راستے سمجھائے اور زمین دوز (میٹرو) ٹرین کے اسٹیشنوں کے نام بتائے، غرض اتنی معلومات فراہم کر دیں کہ میں راستہ بھولنا چاہوں تو بھی بھول نہیں سکتا۔ اس نے بول چال کے فرانسیسی الفاظ اور گفتگو کے جملے بھی سکھائے تا کہ وقت ضرورت کام آئیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب تین مہینے کے بعد ترکی سے توسیعی لیکچرز کے بعد واپس آئے۔ ترکوں کی مہمانداری اور خلوص کی بے حد تعریف کرنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کا شیڈول انقرہ اور استنبول کی یونیورسٹی والوں نے صبح اور شام رکھا اور وقت مقررہ پر پہنچنے کے لئے ہیلی کاپٹر سروس کا اہتمام کیا۔ ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی والوں کی Shuttle Diplomacy کی تعریف کرنے لگے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وقت پر دونوں جگہ لیکچرز دے سکا۔

میں نے بھی گزشتہ تین مہینوں کی روئیداد سنائی۔ زبان سیکھنے کی رفتار سے آگاہی کی، غفور فرہادی اور اس کے دوستوں کے برادرانہ سلوک اور برتاؤ کا بھی ذکر کیا۔ ان دوستوں نے مجھے یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ میں کسی اجنبی دیس میں اکیلا ہوں۔ یہ سارے دوست مختلف ممالک سے پی ایچ ڈی کرنے آئے تھے۔ ان کا فکری تعلق اخوان المسلمین سے تھا۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے اپنے مقالات کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کرنے بھی آیا کرتے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب اسلام کی حقانیت اور طاقت کو ذہن نشین کراتے تاکہ یہ طالب علم اپنی عملی زندگی میں سرخرو ہو سکیں۔

ڈاکٹر صاحب کو پاکستانی سفارت خانے والوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں شب قدر پر تقریر کرنے کی دعوت دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے قرآن کریم کے نزول کو تفصیل سے بیان کیا اور شب قدر کی اہمیت بتلائی اور تدوین کے سلسلے میں عیسائیوں کی کوششوں کا ذکر کیا۔ عیسائیوں کی ایک انجمن نے میونخ (جرمنی) میں ایک ادارہ قائم کیا اس کا نام تھا ''قرآن کریم کی تحقیقات کا ادارہ'' جس کا کام یہ تھا کہ قرآن کریم میں تدوین کے فرق کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کے قدیم ترین نسخے خرید کر اور فوٹو کروا کر جمع کئے۔ جب ڈاکٹر صاحب ۱۹۳۳ء میں پیرس میں پڑھ رہے تھے تو اس زمانے میں اس ادارے کا ڈائریکٹر پریٹ زل (Pretzel) پیرس آیا اور پبلک لائبریریوں میں جتنے نسخے موجود تھے ان کے فوٹو حاصل کئے۔ اس ڈائریکٹر نے بتلایا تھا کہ ۱۹۳۳ء تک اس ادارے نے ۴۲۰۰۰ نسخوں کے فوٹو جمع کئے تھے اور دیگر نسخوں کے ساتھ مقابلہ کا کام جاری تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع کی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ

Marfat.com

یہ ہیں:

''قرآن کریم کے نسخوں میں مقابلے کا کام جو ہم نے شروع کیا تھا یہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ اب تک جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہے وہ کسی دوسرے نسخے میں نہیں ہوگی لیکن اختلاف روایت یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں نہیں ہے۔

اس لئے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ کا جو فرمان ہے ''.....ہم ہی نے اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے'' اس آیت کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے''۔

ڈاکٹر صاحب عموماً رمضان المبارک کے آخری عشرے میں پیرس کی جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھا کرتے۔ کوئی ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر صاحب کے فلیٹ کی مالکن نے کئی خطوط کا بنڈل بنا کر الجزائر کے شاگرد کے ذریعہ مسجد بھجوایا۔ جب ڈاکٹر صاحب حوائج سے فارغ ہونے باہر آئے تو شاگرد نے خطوط دکھائے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ان کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی، جب لا چکے ہو تو ان کو سرسری طور پر پڑھ کر سناؤ۔ دو چار خطوط جن کے جوابات ضروری تھے یہ ہدایت کی کہ ان کے جواب عارضی طور پر لکھ کر بھجوا دو۔ وضو کر کے اعتکاف میں بیٹھ گئے۔

ایک اتوار کی صبح ہمیشہ کی طرح ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں بیٹھا ہوا کتابوں کے قیمتی ذخیرے کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان کو کس طرح ترتیب وار رکھا جا سکتا ہے۔ جگہ مختصر کتابیں ہزاروں، میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو ڈاکٹر صاحب نے کہا اس بے ترتیبی سے مانوس ہو چکا ہوں تمہارا وقت ضائع ہوگا۔ البتہ تم ایک کام یہ کرو الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا اس میں نادر اور نایاب مخطوطات رکھے ہوئے ہیں ان کو ترتیب دے کر پی ایچ ڈی کے لئے کئی مقالے تحریر کئے جا سکتے ہیں، تم بھی ایک مخطوطہ اپنی پسند کا نکالو اور پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھو، تمہاری مدد میں کروں گا۔ میں نے کہا میری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ

Marfat.com

کی نگرانی میں ایک اور پی ایچ ڈی کروں۔

کوئی سنہ ۱۹۵۸ء کی بات ہوگی کہ مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملے ہوئے چند دن ہوئے تھے اچانک گھر سے ٹیلی گرام آیا والد صاحب سخت بیمار ہیں جلد آؤ۔ میں سخت پریشان ہوگیا اسی حالت میں ڈاکٹر صاحب کے فلیٹ پر چلا گیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی یہ خبر سن کر افسوس کرنے لگے۔ مجھے تاکید کی "جانے کے بعد میری طرف سے مزاج پرسی کرنا اور صحت کی اطلاع خط سے اور ٹیلی گرام سے دیتے رہنا"۔

جب میں آنکھوں میں آنسو لئے رخصت ہونے لگا تو ڈاکٹر صاحب نے ایک جملہ کہا جو آج تک مجھے یاد ہے "انسان کی بیشتر زندگی علم سیکھنے میں گزر جاتی ہے جب علم کو سمجھنے کا وقت آتا ہے تو وہ اس خاک دان سے چلا جاتا ہے"۔

(بشکریہ مجلّہ عثمانیہ، کراچی)

❁ ❁ ❁ ❁

جب امریکہ دریافت کیا گیا تو کولمبس کے رفیق اسپینی پادری لاس کازاس (فوت 1506) کے بیان کے مطابق عیسائیوں نے 38 سال کے عرصے میں ایک کروڑ بیس لاکھ امریکی ہندیوں (امریکہ کے آدی باسی قبائل) کو تہ تیغ کیا (صفحہ 31)۔ دوسری طرف آنحضورﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں اسلامی ریاست کا دائرہ مدینہ منورہ سے پھیل کر جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین کے دس لاکھ مربع میل کے رقبہ پر محیط ہو گیا۔ اس عرصے میں آپﷺ کو بہت سی لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں لیکن اس پوری فتح کے لیے دشمن کے بہ مشکل ڈھائی سو آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کے بہ مشکل ایک سو آدمی شہید ہوئے۔ غرض عہد نبوی میں دس سال تک اوسطاً روزانہ 275 مربع میل کا رقبہ فتح ہوا۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص 290)

Marfat.com

موتُ العالِم موتُ العالَم

عظیم محقق و مفکر اسلام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو خراج عقیدت

بشیر الدین احمد

علی اختر نے قائداعظم محمد علی جناح کی موت پر جو نظم لکھی تھی اس کا پہلا شعر تھا

کاش سننے کیلئے اب یہ خبر رہتا نہ میں
غم بہت تھے یہ غم صبر آزما سہتا نہ میں

چار چھ دن پہلے میرے ورد زبان تھا اور ۲۰ دسمبر کے اخباروں میں ہمارے محترم استاذ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات کی خبر تھی۔

مجھے اس کا شرف حاصل رہا ہے کہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا شاگرد رہا ہوں اور اس پر فخر کرتا ہوں۔ اپنی فوقانی تعلیم کے زمانے ہی سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا رہا۔ میرے پھوپھی زاد بھائی غلام محمد صاحب مرحوم ایڈوکیٹ ان کے ہم جماعت تھے۔ دارالعلوم ہی میں نہیں بلکہ یونیورسٹی میں بھی۔ ۱۹۳۰ء میں ان حضرات نے ایل ایل بی کیا۔ غلام محمد صاحب مرحوم اپنے بڑے ماموں مولوی شرف الدین احمد مرحوم وکیل ہائیکورٹ کے ساتھ پیشہ وکالت سے فوری وابستہ ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب تحقیق اور تجسس علم میں ملکوں پھرتے رہے۔ فرانس کی باوقار جامعہ سوربون سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کیا اور اس سے پہلے جرمنی سے ڈی فل بھی۔ دونوں مقاموں کے دونوں مضامین کا تعلق قانون بین الممالک سے تھا۔ فرانسیسی میں ان کا مقالہ ''اسلام میں سفارتکاری'' اور جرمن زبان میں ''اسلامی قانون میں غیر جانبداری'' تھا۔ MORDE نے اپنی کتاب ''حکومت

Marfat.com

ہائے یورپ میں لکھا ہے کہ سوربون سے ڈاکٹریٹ کرنا بہت دشوار کام ہے۔ یہاں اس کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ وہ ہندوستان میں جامعہ سوربون کے سرکاری نمائندہ رہے ہیں۔

جب ڈاکٹر صاحب حیدرآباد واپس آئے اور جامعہ عثمانیہ میں ملازمت کی کوشش کی تو بڑے نامساعد حالات سے گزرنا پڑا۔ اگر انہوں نے تحصیل علم آکسفورڈ، کیمبرج یا لندن یونیورسٹی سے کیا ہوتا تو تقرر میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔ بحیثیت لیکچرران کے تقرر کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی اور ڈاکٹر صاحب کا انٹرویو ہوا اور تقرر ۲۲۵ روپے سکہ عثمانیہ سربستہ یافت پر عمل میں آیا۔ یہ اور بات ہے کہ منتخب کرنے والی کمیٹی کے بعض ارکان نے ڈاکٹر صاحب کے آگے بعد کو زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اسی زمانہ میں کلکتہ یونیورسٹی نے ڈاکٹر صاحب کو ایک ہزار سکہ کلدار پر تقرر کی پیشکش کی جسے ڈاکٹر صاحب نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ میں اپنی مادر جامعہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

جامعہ عثمانیہ میں ایل ایل ایم کی جماعتوں کا آغاز ڈاکٹر صاحب ہی کی کوششوں اور مالی اعانت کا مرہون منت ہے۔ ایل ایل ایم کا وقت صبح ۷:۳۰ بجے سے ۱۰ بجکر ۵۰ منٹ مقرر کیا گیا تھا۔ بسوں کے انتظام کے لئے آر ٹی سی کے عہدیداروں سے میٹنگ ہوئی انہوں نے اتنی صبح بس چلانے سے انکار کر دیا کہ ایل ایل ایم کے چند طلباء کی خاطر بس نہیں چلائی جا سکتی آر ٹی سی کا اس میں نقصان ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس میٹنگ میں آر ٹی سی کے نقصان کی پابجائی کا ذمہ لیا اور صبح کی ٹرپ کا کرایہ ڈاکٹر صاحب اپنے مشاہرہ سے ادا کیا کرتے تھے۔ ایل ایل ایم کے آغاز کے سال ہندوؤں کے دھرم شاستر کے کوئی بنگالی ماہر آئے ہوئے تھے اور ڈاکٹر صاحب ان کی خدمات سے طلباء کو مستفیض ہونے کے موقع سے محروم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر ولی محمد جب وائس چانسلر ہو کر آئے تو انہوں نے سارے SYLLABUS میں غیر معمولی تبدیلیاں کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو شعبہ قانون کے نصاب کی تبدیلیوں سے بحیثیت ایک طالب علم کے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب نے وائس چانسلر سے ملاقات کی اور سابقہ نصاب کو بحال کر دیا جبکہ دوسرے شعبوں میں وائس چانسلر کی من مانی چلی۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب MUSLIM CONDUCT OF STATE ہے اس کا پہلا جملہ کچھ اس طرح ہے:

"THERE WAS NO INTERNATIONAL LAW IN EUROPE BEFORE 1856. WHAT PASSED AS SUCH WAS A MERE LAW OF EUROPEAN NATION."

جاپان کو پہلی مرتبہ COMUNITY OF NATIONS میں شامل کیا گیا جو ۱۸۵۶ء کا واقعہ ہے جب تک سوائے اقوام یوروپ کے کوئی نہیں تھا۔ اس ایک جملہ پر بہت تنقید ہوئی۔ قانون کی دنیا میں یہ ایک تہلکہ تھا۔

۱۹۴۵ء کی بات ہے جب کہ میں انٹرمیڈیٹ سال دوم میں شعبہ کامرس میں زیر تعلیم تھا۔ عصر جدید کلکتہ نے 'مسلمان اور تجارت' کے زیر عنوان سب سے اچھے مضمون پر ایک سو روپے کا انعام مقرر کیا تھا۔ میں نے اس میں حصہ لینے کا ارادہ کیا اور ایک چار صفحہ کا مضمون لکھ کر ڈاکٹر صاحب کو تصحیح کے لئے دیا اور بتایا کہ میں غلام محمد صاحب کا بھائی ہوں۔ دوسرے دن آنے کا حکم ہوا۔ صبح جب ان کے کمرہ میں داخل ہوا تو مجھے دیکھتے ہی الماری کی جانب تشریف لے گئے اور اپنے بیگ سے میرا مضمون نکالا اور میرے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا ''مضمون اچھا ہے، قرآن شریف کی ایک آیت غلط لکھی تھی میں نے تصحیح کر دی۔ لفظ فطرائین میرے لئے نیا ہے اس کی تشریح کیجئے۔ چار صفحات کے مضمون کے لئے ایک صفحہ کی تمہید طویل ہے، مختصر کیجئے۔ انعام نہ ملے تو مشن جاری رکھئے''۔ فطرائین PHYSIOCRATS کی میں نے تشریح کر دی اور مضمون میں تبدیلیاں کر دیں۔ اخبار ''میزان'' میں اس سرخی کے ساتھ خبر چھپی ''جامعہ عثمانیہ کے دو طالب علموں کو انعام'' عابد علی خاں مرحوم (ایڈیٹر سیاست) کو پہلا انعام ۱۰۰ روپے اور مجھے چاندی کا تمغہ ملا۔

شعبہ قانون کے ایک استاد نے انہیں ایک خط میں متبدلہ حالات کا ذکر کیا اور وہ

Marfat.com

چاہتے تھے کہ فرانس جا کر ملوں۔ڈاکٹر صاحب نے لکھا ''پہلے یہ بتایئے اس خداداد فرصت میں آپ نے کیا کیا، کونسی نئی زبان سیکھی، کس مضمون پر ریسرچ کیا، اپنے آپ کو ناگزیر بنالو۔ ہٹلر نے یہودی علماء کو آریائی نسل سے ہونے کی سند عطا کی تھی جنہیں ناگزیر سمجھا جاتا تھا۔

قانون کے پوسٹ گریجوایٹ (مابعد طیلسانی) امتحان میں مقالہ لکھنا ضروری تھا جس کے ۲۰۰ نشانات ہوا کرتے تھے۔ ہر مقالے میں اسلامی قانون سے مقابلہ کروایا اس طرح بیسیوں میں آپ کو ایسا ادب مل سکے گا۔ جامعہ عثمانیہ کے جشن سیمیں کے موقع پر جامعہ کے شعبہ قانون کے طیلسانین کے مختصر حالات زندگی پر مشتمل ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جواب شاید ناپید ہے۔ سیف بن سلطان استاذ شعبہ عربی کے بارے میں لکھا تھا کہ انہوں نے اللغۃ الحضریہ ۲۸ جلدوں میں مرتب کی ہے INTERNATIONAL LAW کے لئے قانون بین الاقوام کی جگہ قانون بین الممالک کی اصطلاح ڈاکٹر صاحب نے ہی مروج کی اس لئے کہ اس قانون کا موضوع ملک ہوتا ہے نہ کہ قوم اس لئے قانون بین الممالک کہنا درست ہے نہ کہ قانون بین الاقوام۔ اس موضوع پر ان کی ایک چھوٹی سی کتاب بھی ہے۔ قانون بین الممالک اس کے اصول اور نظریں فرانسیسی زبان میں پیش کی۔ ایک کتاب ہے جس کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے آٹھ دن میں مکمل کیا۔ قانون بین الممالک کا آغاز اور اس کا ارتقاء اس کتاب کا نام ہے۔ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ موجود نہیں ہے۔ عہد وسطیٰ میں قانون بین الممالک کے وجود سے انکار کرنے والے یہ نہیں مانتے کہ اس وقت اسلامی اصول کا پرکار بندی کی شروعات جنگ میں بے رحمی نہ کرنے کا اصول قانون بین الممالک کو اسلام ہی سے ملا۔ اب کسی ہندہ کو حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے کا حق نہیں۔ اس موضوع کو لے کر میں نے اندور یونیورسٹی سے THE CONCEPT OF BILLIGRENCY IN ISLAM AS COMPARED WITH MODERN LAWS OF WAR پی ایچ ڈی کے لئے رجسٹر کروایا تھا۔ اندور سے تبادلہ کی وجہ سے میرا رجسٹریشن یونیورسٹی نے منسوخ کر دیا۔ اردو میں قانون بین الممالک پر سب سے پہلی کتاب ڈاکٹر صاحب ہی نے لکھی۔ Law & War بھی انٹرنیشنل لا کی طرح بہت مختصر ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب نے جب فرانسیسی زبان میں قرآن کے ترجمہ کا بیڑا اٹھایا تو ڈاکٹر یوسف الدین کو لکھا تھا کہ فرانسیسی زبان میں جو تراجم یہاں موجود ہیں وہ غیر وفادارانہ اور معاندانہ ہیں۔ انہوں نے سیرت طیبہ پر بھی دو جلدوں میں کتاب لکھی۔ قرآن، بائبل اور سائنس کے مصنف کا ترجمہ قرآن بعد کا ہے۔

آپ نے بخاری شریف کا مکمل ترجمہ بھی فرمایا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر جگناتھ آزاد نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بارے میں جو نعت لکھی تھی اس کا بھی ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ ہمارے نائب صدر جمہوریہ محمد ہدایت اللہ فرانسیسی زبان کے عالم تھے۔ ایک بار مجھے حیدرآباد میں ۵۵ منٹ بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں نے ان کی فرانسیسی دانی کا ذکر کیا۔ جب وہ ایڈوکیٹ جنرل تھے تو فرانسیسی نظائر بھی پیش کیا کرتے تھے تب انہوں نے کہا مترا ں کی آمد پر میں نے ٹی وی پر فرانسیسی میں تقریر کی تھی۔ دوران گفتگو میں نے استفسار کیا آپ نے فرانسیسی زبان میں قرآن پڑھا ہے تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا تب میں نے بتایا کہ میرے پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ دوسرے دن میں نے انہیں اس کی ایک نقل دی۔ یہ دسمبر کی بات تھی نئے سال پر خود انہوں نے تہنیت بھیجی اور یہ لکھا:

I am dilghted to possess it

ڈاکٹر صاحب نے ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان کے ۹۲۱ مقالات عالمی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

انجمن ترقی اردو پاکستان نے گارساں دتاسی کے خطبات کا ترجمہ بھی چھاپا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب ہی کا کیا ہوا ہے۔

۱۹۳۸ء سے پہلے جب وہ حیدرآباد میں تھے انہوں نے McDONALD کی کتاب DEVELOPMENT OF MUSLIM THEOLOGY JURISPRUDENCE AND CONSTITUTIONAL HISTORY کا اردو ترجمہ کیا تھا جو ایک مقامی رسالہ میں چھپتا رہا۔ Copyrights کی وجہ سے وہ کتابی شکل میں نہیں آسکا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے اس کتاب کا ایک نسخہ

Marfat.com

سالار جنگ میوزیم لائبریری میں ہے اور دوسرا جامعہ عثمانیہ لائبریری میں ہے۔ کسی تیسرے نسخہ کا مجھے علم نہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب نے امام ہمام بن منبّہ کا مجموعہ مرتب کیا تو پاکستان کے ایک Prolific Writer نے یہ کہا کہ اگر میں نے اس کتاب کو پہلے دیکھا ہوتا تو وہ سب کتابیں جو میں نے لکھیں ہیں، نہ لکھتا۔

ڈاکٹر صاحب کی اخلاقی سطح بھی اتنی بلند تھی کہ جب وہ علی یاور جنگ مرحوم کے زمانہ وائس چانسلری میں عثمانیہ یونیورسٹی میں تھے تو ان سے استدعا کی گئی کہ وہ مخطوطات کی فہرست ترتیب فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تیار کر دی اور وائس چانسلر کو پیش کر دی۔ وائس چانسلر نے ان کو اس کام کا معاوضہ دینا چاہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ کام دفتری اوقات ہی میں کیا ہے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ جامعہ عثمانیہ میں ایک دور ایسا بھی تھا ممتحن بنائے جانے کے لئے اساتذہ صاحبان کی تگ و دو ہونے لگی تھی۔ ڈاکٹر صاحب ان سے دور رہتے تھے اور متعلقہ پروفیسر سے کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ کتابوں کی رائلٹی (حق تصنیف) انہوں نے کبھی نہیں لی۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک مشہور تالیف INTRODUCTION TO ISLAM ۲۰ یا ۲۲ زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کو افسوس تھا کہ کسی نے اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ اس کتاب کا بھوپال کی ایک اشاعت اسلام سوسائٹی درس دیا کرتی تھی اور سرٹیفکیٹ بھی دیا کرتی تھی۔ میرے ایک دوست قاضی عبدالحمید خان ساکن اندور اس سوسائٹی کے روح رواں ہوا کرتے تھے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب ڈاکٹر صاحب ہی کی زبانی سنئے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک دن میرے پاس امریکہ سے ایک گمنام شخص کا خط آیا جس میں اس نے لکھا کہ ''میں ایک کالا انسان ہوں، میں نے کسی وجہ سے اسلام قبول کیا لیکن تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے میں اپنے اس نئے مذہب سے متعلق معلومات حاصل کر سکوں۔ اگر آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہے تو مجھے بتائیے''۔ میں نے غور و خوض کے بعد یہ محسوس کیا کہ اسلام سے متعلق کوئی جامع کتاب نہیں پائی جاتی۔ جامع کتاب نہ انگریزی میں ہے اور نہ فرانسیسی زبان میں ہے۔ میرے لئے آسان

Marfat.com

طریقہ یہ تھا کہ میں اس کالے شخص کو معذرت کا خط لکھ دوں لیکن میں نے خیال کیا کہ اگر جامع کتاب نہیں ہے تو اسے لکھنا چاہئے یہ ہمارا فریضہ ہے۔ چنانچہ میں نے ایک دن اپنے دوستوں میں سے ۱۰، ۱۲ کو اپنے ہاں مدعو کیا اور انہیں کالے کا خط دکھایا اور ان سے کہا کہ کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم ایک جامع کتاب تیار کریں جس میں اسلام کی ہر ضرورت کا مختصر طور پر ذکر ہو۔ لیکن یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں ہم ۱۲، ۱۵ دوست مل کر اس کام کو انجام دیں انشاء اللہ خدا ہمیں اس کا اجر دے گا۔ دوستوں نے میرے اس خیال کی تائید کی اور مدد دینے کے لئے تیار ہو گئے اور کہا کہ تین ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ چنانچہ ہر ایک میں ایک ایک باب تقسیم کر دیا گیا۔ مذکورہ ۱۲، ۱۵ لوگوں میں بھارت، مصر، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمان شامل تھے۔ یہ کام شروع کیا گیا اور میں نے تین ماہ میں اپنے حصے کا کام مکمل کر لیا۔ جب میں نے دوسروں سے معلوم کیا تو ہر ایک نے مجھ سے کہا معاف کیجئے؟ ہمیں مزید کچھ وقت دیجئے ہم جلد اسے مکمل کر لیں گے۔ چونکہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا اس لئے میں نے دوسرے باب پر لکھنا شروع کیا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد میں نے اپنے دوستوں سے کام کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ دوسرا اور تیسرا باب بھی لکھ ڈالا اور آخر میں سارے باب میں نے ہی لکھے اور اس طرح کتاب مکمل ہو گئی جو میری خواہش کے بغیر ایک ہی مولف کے خیالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح خدا نے خیالات میں یکسانیت پیدا کرنے کا انتظام فرمایا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو بہاولپور یونیورسٹی پاکستان نے اسلام پر لیکچرز کے لئے مدعو کیا۔ خطبات بہاولپور اس طرح وجود میں آئے۔ یہ فی البدیہہ لیکچرز تھے۔ یونیورسٹی نے ان لیکچر کو ٹیپ ریکارڈ کیا اور ڈاکٹر صاحب کو نظر ثانی کے لئے بھیجا اور پھر یہ زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔ اس میں ایک جگہ بارنابس کی انجیل کا ذکر ہے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ ''میں بارنابس کو علیہ الرحمہ'' کہنے میں حق بجانب سمجھتا ہوں۔

---- پڑھنے والوں کو تعجب ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کشاف (Scout) رہے ہیں اور ان کا کوئی مضمون میری نظر سے گزرا ہے۔ وہ بنوٹ کے ماہر تھے اور اس میں ان کے استاد مولوی

Marfat.com

عبدالقدیر صاحب مرحوم مفسر قرآن اور عالم دین تھے۔ وہ جب حیدرآباد میں تھے انہوں نے غیر سودی کوآپریٹو سوسائٹیز کے قیام کا بھی بیڑا اٹھایا تھا جن میں سے شاید ایک ابھی باقی ہے و LAND RECORD OF SETTLEMENTS کے محکمہ میں ہے جہاں ان کے بھائی حبیب اللہ تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے فوٹو گرافروں کو دیکھ کر اپنا منہ چھپالیا تب پاکستان کے وزیراعظم نے ان کی تصویریں لینے سے منع کر دیا۔ کہیں میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ انہوں نے کہا میں محمد عبدہ (مصر کے) نہیں ہوں۔ شیعہ حضرات کلمہ میں زائد الفاظ لگاتے ہیں اس کے بارے میں ان کی تشریح جو انہوں نے MUSLIM CONDUCT OF STATE میں کی ہے لائق توجہ ہے جس سے غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ اسی طرح پردے کے جواز کے بارے میں انہوں نے خواتین کو جو قائل کیا وہ بھی ان کی حاضر دماغی کی عظیم مثال ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی ایک ببلیو گرافی تیار کی تھی القرآن فی کل لسان۔ شاید وہ حیدرآباد ہی میں کسی کتب خانہ میں ہے۔ ان کی کتاب السیئر الکبیر جو ترکی میں ہے وہ یہاں دیکھنے میں نہیں آئی۔ انگریزی میں ''محمد رسول اللہ'' نامی کتاب کو انہوں نے اپنی ۶۰ برس کی تحقیق کا نچوڑ قرار دیا ہے۔ کئی ایک چھوٹی چھوٹی کتابیں بین الممالک تعلقات کے بارے میں بھی ہیں۔ دو شخصی امور بھی ہیں جن پر پاکستان کے صلاح الدین نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کئے تھے۔ ایک تو سنت نکاح پر جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے کو گناہگار مانا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خاندان میں کسی کو اس کا خیال نہیں آیا۔ دوسرے تصویر کا مسئلہ تھا۔ وہ تصویر کو تشہیر کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتے ہیں پاسپورٹ وغیرہ کے لئے شناخت کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔

اپنے مرحوم استاذ کو خراج عقیدت میں ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو اس دور لیش منش مفکر اسلام کے بارے میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ایک تعارفی تقریر میں کہے تھے:

''جب ہم ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو جدید دور کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو ہمارا خیال فوری طور پر اپنے ان اکابرین کی طرف جاتا ہے جن کی زندگی کا مقصد صرف اللہ اور اس کے

Marfat.com

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے سوا کچھ اور نہ تھا اور پھر ہم سوچتے ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صحابہ کرامؓ کے اس کارواں کا ایک حصہ ہیں جو خدا نے ۲۱ ویں صدی تک ہمارے درمیان موجود رکھا تھا"۔

ایک اہم بات جو کہنے کی تھی وہ رہ گئی۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۴۸ء تک حکومت نظام کی ملازمت میں تھے اور ان کا پاسپورٹ برٹش پروٹیکٹڈ شہری کا تھا۔ اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل میں حیدر آباد پر پولیس ایکشن کا کیس دائر ہوا اس وقت انہیں اس وفد میں بحیثیت ماہر دستوری قانون وقانون بین الممالک شامل کیا گیا تھا۔ بی بی سی نے اس وفد کے نتیجہ کے بعد اپنی نیوز میں بتایا تھا کہ اس وفد کے ساتھ بین الممالک کے ایک پروفیسر بھی شریک ہیں جس سے وفد کو تقویت حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے میں مستقل مہاجر ہوں۔ میری یہ مہاجرت کی ایک اور سند حکومت فرانس نے جاری کر دی تھی وہی میرا پاسپورٹ ہے اسی پر سفر کرتا ہوں۔

(بشکریہ مجلہ عثمانیہ، کراچی)

❁ ❁ ❁ ❁

والد صاحب (محمد صبغۃ اللہ) کو چچا صاحب کو دوبارہ دیکھنے کی اور ملاقات کرنے کی حسرت تھی وہ پوری نہ ہوئی لیکن ہماری خواہش و تمنا پوری ہو گئی۔ گھر کی تقاریب میں آپ کی کمی شدت سے محسوس ہوتی۔ دعوت نامہ کا جواب دیتے کہ چچا جنت نشان آنے سے مجبور ہے، یہاں ہوں لیکن دل و جان وہیں ہیں، تصور میں خود کو تم سب کے درمیان پاتا ہوں۔ (چچا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب از کریمہ صبغۃ اللہ ص ۱۲۵)

Marfat.com

عالم اسلام کے مایۂ ناز محقق عصر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خاندان اور تعلیم کا مختصر تعارف

از مظہر ممتاز قریشی

اس کائنات کی گردش لیل و نہار میں کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن کی یادیں تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ ایسی ہی نہ مٹنے والی یادوں میں ۱۶ر محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء کا دن تاریخ میں یادگار بن گیا کیونکہ اُس دن شہر حیدر آباد کے قدیم محلّہ کٹل منڈی کے علمی گھرانے میں نورانی چہرہ لئے ہوئے ایک بچہ پیدا ہوا۔ نومولود کے والدین جناب ابو محمد خلیل اللہ اور والدہ محترمہ بی بی سلطان نے بچے کا نام محمد حمید اللہ رکھا۔ یہی بچہ تحصیل علم کی نورانی منزلوں کو طے کرتا ہوا جب ۲۷ سال کی عمر میں پیرس اور برلن کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لے کر وطن واپس آیا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مبارک نام عالم اسلامی کا روشن ستارہ بن کر علم کے آسمانِ افق پر اپنی نورانی روشنیاں بکھیرتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب کے خاندان کا نسبی تعلق عرب کے قبیلے نائط سے ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس قبیلے نے اپنی شناخت ہندوستان میں خاندان نوائط سے کرائی تھی۔

ایک اور روایت کے مطابق ۷۵۲ ہجری میں امیر قبیلہ سیّد عبدالرحمٰن نائطی کا جب بصرہ میں انتقال ہوا تو اس خاندان کے افراد ہندوستان کے مغربی ساحلی شہروں میں آباد ہوتے گئے۔ آج کل اس خاندان کے لوگ جنکل، گوکین، بیجاپور، احمد نگر، جاورہ، گوا، بمبئی دہلی، مدراس اور حیدر آباد دکن میں بسے ہوئے ہیں۔ ان کی بڑی تعداد مدراس اور حیدر آباد شہر میں

Marfat.com

مستقل طور پر آباد ہے۔ اس قوم کا بڑا حصہ شافعی مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض لوگ امام اعظمؒ کے ماننے والے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دادا امام العلماء قاضی صبغتہ اللہ بدر الدولہ مدراس کے عالم دین اور قاضی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر نہایت مفید کتاب ''فوائدِ بدریہ'' لکھی جو اُس زمانے میں بہت مشہور ہوئی۔

خاندانی روایت کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ درسِ نظامی کے ذریعہ فقہ، اصولِ فقہ کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ ہوا وہاں سے سترہ سال کی عمر میں بی اے ۱۹۲۵ء میں پاس کیا اور پھر ۱۹۲۸ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۳۰ء میں فقہ اسلامی میں ایم اے کیا۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اسکالر کی حیثیت سے قانون بین الممالک میں تحقیق کا کام شروع کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے ارباب اقتدار نے آپ کی گہری دلچسپی دیکھ کر مزید تحقیق کے لئے یورپ بھجوایا۔ پہلے آپ لندن گئے ۲۲ سال کی عمر ہونے کی وجہ سے پی ایچ ڈی میں داخلہ نہ مل سکا دوستوں کے مشورہ سے جرمنی چلے گئے برلن جا کر تمام شرائط پوری کرنے کے بعد داخلہ ہو سکا اور جرمن زبان میں اپنا مقالہ اسلامی قانون بین الممالک پیش کیا۔ ۱۹۳۳ء میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی، وطن واپس ہونے سے پہلے آپ پیرس گئے وہاں بھی زبان کی شرط رکھی گئی تھی۔ چونکہ دُھن کے پکے تھے فرانسیسی سیکھ کر سوربون یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۵ء میں اپنا مقالہ فرانسیسی میں لکھ کر پیش کیا اور ڈگری حاصل کی۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر صاحب وطن واپس آئے تو جامعہ عثمانیہ میں دینیات کے شعبے میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ چونکہ قانون کے شعبے میں کوئی جگہ خالی نہیں تھی اس لئے صبح کے پہلے گھنٹے میں قانون پڑھانے کی اجازت مل گئی۔ جب ڈاکٹر میر سعادت علی کا ہائی کورٹ میں تبادلہ ہو گیا تو ان کی جگہ ڈاکٹر صاحب کا ریڈر کی حیثیت سے باقاعدہ تقرر ہو گیا اور بعد میں پروفیسر بنا دیے گئے اور یہ سلسلہ ۱۹۴۸ء میں اُس وقت ختم ہوا جب ڈاکٹر صاحب کو اُس وفد کا مشیر مقرر کیا گیا جو بھارت کی جارحیت کے خلاف اقوام متحدہ میں مقدمہ دائر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایک پانچ رکنی وفد تشکیل دیا گیا جس کے سربراہ نواب معین نواز جنگ کو بنایا

Marfat.com

گیا دوسرے ارکان میں پروفیسر ڈاکٹر یوسف حسین خان اور ڈاکٹر حمید اللہ کے علاوہ سرکار کی طرف سے جناب ظہیر احمد اور عوامی نمائندے شیام سندر کو شامل کیا گیا۔ وفد کے ارکان خفیہ طور پر ستمبر کے دوسرے ہفتے میں سڈنی کاٹن کے ہوائی جہاز سے تہران کے راستے پیرس پہنچے۔ ان دنوں سلامتی کونسل کا ۳۵۷ واں اجلاس پیرس میں ہو رہا تھا۔ نواب معین نواز جنگ نے سلامتی کونسل میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اگلے اجلاس کے موقع پر ہندوستان کے نمائندے نے سلامتی کونسل کو بتلایا کہ بھارت کی فوج نے ریاستِ حیدر آباد پر قبضہ کر لیا ہے لہٰذا ایجنڈے سے مقدمہ خارج کر دیا جائے لیکن کونسل نے قانونی تقاضے پورے نہ ہونے کی وجہ سے خارج نہیں کیا۔ چنانچہ حیدر آباد کیس کے نام سے مقدمہ اب تک موجود ہے۔

جب ڈاکٹر صاحب نے پیرس میں ہی مستقل رہنے کا فیصلہ کر لیا تو گزر اوقات کے لئے اپنی پرانی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ اور کچھ عرصے کے بعد مرکزی سائنسی تحقیقاتی ادارے میں باقاعدہ ملازمت اختیار کر لی اور بیس سال تک علمی تحقیق کرتے رہے اور ۱۹۶۹ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ابھی تک وظیفہ حسن خدمت ہی ڈاکٹر صاحب کا ذریعہ آمدنی ہے۔

پاکستان کی حکومت نے ۱۹۴۹ء میں جب قانون سازی کا کام شروع کیا تھا تو قانون اور شریعت کے ماہرین کی ایک کمیٹی اسلامک کونسل کے نام سے بنائی تھی۔ اس کے سربراہ مولانا سلیمان ندوی صاحب تھے۔ کونسل کے ایک رکن مولانا ظفر احمد انصاری کے مشورے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو پیرس سے بلوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب آئے اور آئین کا خاکہ اور اس کو مرتب کرنے میں ماہرین کی مدد کی۔ جب دستور کا مسودہ تیار کر کے حکومت کے مقتدر حضرات کو پیش کیا گیا تو وزیر اعظم نے اس میں تبدیلی کی سفارش کی لیکن اسلامک کونسل کے ارکان نے تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی دل برداشتہ ہوئے اور وہ پیرس واپس چلے گئے اور درس و تدریس اور تحقیق کے کاموں میں پھر سے مشغول ہو گئے۔

جب پیرس یونیورسٹی میں چھٹیاں ہوتیں تو ڈاکٹر صاحب عموماً ترکی جاتے جس کا

Marfat.com

شیڈول پہلے سے تیار کر لیا جاتا۔ کبھی استنبول، کبھی انقرہ، کبھی ارزنجان یونیورسٹیوں میں توسیعی خطبات دیا کرتے۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ انقرہ استنبول دونوں یونیورسٹیوں میں ایک ہی دن تقاریر کا شیڈول بنا لیا جاتا صبح اور شام لانے لے جانے کے لئے ہیلی کاپٹر کا اہتمام کیا جاتا۔ عموماً یونیورسٹی کے بڑے ہال میں تقریر رکھی جاتی جس میں طالب علم اور پروفیسرز بھی شریک ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب ترکی میں تقریر کرتے۔ سوال و جواب کا سلسلہ بھی دیر تک جاری رہتا۔ ترکی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں توسیعی لیکچر کے لئے خاص طور پر بلایا جاتا۔ دمشق، حلب، بیروت، قاہرہ، تیونس، مراکو، الجیریا، یمن ہر جگہ عربی زبان میں تقریر کرتے۔ اسی طرح جب کابل، قندھار کی یونیورسٹیوں میں تقریر کرتے تو فارسی زبان میں خطبہ دیتے۔ ڈاکٹر صاحب کو بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی بلوایا جاتا۔ آکسفورڈ، جوہانسبرگ، ملائشیا، ٹوکیو میں انگریزی میں تقریر کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کو دس زبان پر عبور حاصل تھا۔ اردو آپ کی مادری زبان ہے عربی آپ کی علمی کاوشوں کا مرکز ہے۔ انگریزی، جرمنی، فرانسیسی آپ نے علمی حصول کے لئے سیکھی تھیں۔ ترکی، فارسی، اطالوی اور یونانی زبانوں سے بھی واقف تھے۔ ان ملکوں کی زبانوں کی واقفیت سے یہ فائدہ ہوا کہ اسلام کے بارے میں جو مواد ان میں موجود تھا ان سے ڈاکٹر صاحب کو استفادہ کا موقع ملا اور اسلام کے مخفی خزانوں کو منظر عام پر لانے میں بہت زیادہ مدد ملی۔

ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں مجھے جتنے خطوط لکھے ہیں شاید ہی کسی اور کو لکھے ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے کم از کم ۱۳۰ خطوط رسالہ ارمغان میں شائع ہو چکے ہیں۔ ارمغان کو ڈاکٹر مشرف احمد پروفیسر نیشنل کالج مرتب کرتے ہیں[1]۔ ان خطوط کی اشاعت سے وہ گوشے سامنے آئے ہیں جن سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کو سمجھنے میں آسانی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پیرس سے ۱۵/ اکتوبر کے ایک خط میں لکھا تھا:

''میری تالیفیں سات زبانوں میں ہیں۔ مزید کئی زبانوں کو پڑھ لیتا ہوں، میری مطبوعات میں ۹۵۰ مقالے درج ہیں اور مزید ۱۷۰ کتابیں ہیں جن میں بہت سی ایسی ہیں کہ صرف شریک مؤلف ہوں''۔

Marfat.com

پیرس میں قیام کے دس سال بعد ڈاکٹر صاحب کا نمایاں کارنامہ قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہے جس کو آپ نے سب سے پہلے ۱۹۵۹ء میں La Saint Coran کے نام سے پیرس سے شائع کروایا۔ پھر اس کے کئی ایڈیشن پیرس اور امریکہ سے چھپتے رہے اور ہر ایڈیشن ہزاروں (بلکہ لاکھوں) کی تعداد میں چھپتا رہا۔ اس ترجمہ کو پڑھ کر کئی غیر مسلم اسلام کو قبول کر چکے ہیں۔ حیدر آباد میں بہار کے ایک عالم دین مولانا ابو محمد مصلح سہسرامی نے عالمگیر تحریک قرآنی کا آغاز کیا تھا ڈاکٹر صاحب بھی اس تحریک میں شریک تھے اور مولانا ابو محمد مصلح "ترجمان القرآن" کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس میں بھی مضامین لکھا کرتے اور اس میں چھپنے والے مضامین کی پروف ریڈنگ بھی کرتے تھے۔ اسی تحریک کے دوران ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم کی بلیو گرافی ۱۲۰ مختلف زبانوں میں شائع کروائی تھی۔

"القرآن فی کل لسان" کے نام سے اس میں خاص طور پر سورۂ فاتحہ کے تراجم نمونے کے طور پر دیئے گئے تھے۔ یہ کتاب اتنی مشہور ہے کہ اس کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ گزشتہ سالوں میں ڈاکٹر صاحب پیرس میں اس کے پانچویں ایڈیشن کی تیاری مکمل کر چکے تھے اور سورۂ فاتحہ کے تراجم خاص طور پر افریقی زبانوں میں جمع کر چکے تھے۔ لیکن یہ مسودہ کہیں راستے میں آتے جاتے گم ہو گیا اس مسودہ کے گم ہو جانے کا ڈاکٹر صاحب کو بے حد افسوس تھا کیونکہ مسودہ کی نقل نہیں رکھی گئی تھی۔

جب تاشقند میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت عثمان غنیؓ سے منسوب کیا ہوا مصحف ثانی دیکھا تو اس کی فوٹو کاپیاں نکلوائیں اور پیرس واپس جا کر کوفی خط کے محاذی جدید عربی خط میں نقطوں اور اعرابوں کے ساتھ مرتب کر کے فلاڈلفیا (امریکہ) سے شائع کروایا۔ اس مصحف عثمانی کو ڈاکٹر صاحب کے بھانجے احمد عبد الخالق احمد (عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے کی اور امریکہ سے انجینئرنگ کے ڈگری یافتہ) نے اپنے اشاعتی ادارے حیدر آباد بکڈپو انکارپوریشن "مکہ مسجد" فلاڈلفیا سے شاندار گٹ اپ کے ساتھ شائع کیا۔ اس کا ہدیہ سو ڈالر رکھا تھا۔ دنیا بھر مصحف ثانی کے تین نسخے موجود ہیں ایک تاشقند میں دوسرا استنبول میں اور

Marfat.com

تیسرا نسخہ استنبول کے توپ سرائے میوزیم میں ہے۔ اس میں سورۂ بقرہ کی آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر حضرت عثمان غنیؓ کے خون کے دھبوں کے نشان موجود ہیں۔ جس وقت منافقوں نے آپ کو شہید کیا تھا اس وقت آپ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان نسخوں کے بارے میں لکھا ہے ''ممکن ہے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد کا نسخہ ہو بہر حال یہ بات ہمارے لئے قابل فخر اور باعث اطمینان ہے کہ ان نسخوں میں باہم کوئی بھی فرق نہیں ہے''۔ یہ مصحف کاغذ کی بجائے جھلی پر لکھا ہوا ہے پانچ سال کے عرصے میں تیار ہوا تھا۔ یہ ایک گز لمبا اور آدھا گز چوڑا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اور کارنامہ تفسیر کے سلسلے میں یہ ہے کہ جب یمن کے بادشاہ امام یحییٰ نے ڈاکٹر صاحب کو یمن کے دستور اور خارجہ مسائل پر مشورہ دینے کے لئے بلایا تو اپنی لائبریری میں تفسیر زید بن علی بن حسین کا ایک مخطوطہ (ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا) دکھلایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس وقت اس نادر تفسیر کو دیکھ کر بے حد خوشی کا اظہار کیا تھا لیکن اس مخطوطہ کی فوٹو کاپی نکلوا نہیں سکے تھے۔ کئی سال بعد امام یحییٰ کے انتقال کے بعد شہزادہ امام بدر نے دوبارہ ڈاکٹر صاحب کو یمن آنے کی دعوت دی تھی، ڈاکٹر صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ تفسیر زید کی کتابت کروا کر دیں۔ شہزادہ امام بدر نے اپنے شاہی کاتبوں سے تفسیر زید کی کتابت کروائی اور جب ڈاکٹر صاحب یمن پہنچے تو ان کو تفسیر زید کی نقل دے دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کو باقاعدہ ترتیب دے کر حیدر آباد دکن سے شائع کروایا۔ ایک روایت کے مطابق امام یحییٰ نے ایک سندھی خاتون سے شادی کی تھی شہزادہ امام بدر اسی سندھی خاتون کی اولاد ہیں۔ حضرت زید بن علی بن امام حسینؓ نہ صرف اہل سیف تھے بلکہ اہل قلم بھی تھے۔ اس تفسیر کے علاوہ ایک اور حدیث کی کتاب ''مجموعة الفقه'' بھی لکھی تھی اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے اور دوسرا نسخہ اٹلی کے شہر نیپلز کی لائبریری میں ہے۔

حدیث ہی کی تدوین میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قدیم ترین نسخہ صحیفہ ہمام بن منبہ کو برلن اور دمشق کی لائبریریوں سے ڈھونڈ نکالا۔ اس مجموعہ کو

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ابولقہ بن ہمام بن منبّہ کے لئے ترتیب دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مخطوطے کے بارے میں لکھا ہے:

''۱۹۳۳ء میں برلن سے مجھے عربی کتاب کا ایک ناقص مخطوطہ ملا جس میں دو جگہ سے ایک ایک ورق ضائع ہو گیا تھا۔ پورے بیس سال بعد اللہ نے میری آرزو پوری کر دی دمشق کی عربی اکیڈمی نے اپنے رسالے ''مجلہ الجمع العلمی العربی'' میں ۱۹۵۳ء میں چار اقساط میں شائع کیا اور بعد میں ترمیم کے ساتھ کتابی شکل میں بھی طبع کروایا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن پیرس کے ادارے سینٹر کلچرل اسلامک نے شائع کیا۔ اس کے بعد اس کے تراجم کا سلسلہ چل نکلا۔ سب سے پہلے اردو میں ڈاکٹر صاحب کے منجھلے بھائی محمد حبیب اللہ صاحب نے اسلامک پبلی کیشن حیدر آباد سے شائع کروایا۔ اسی کا دوسرا ایڈیشن بھی اسی ادارے نے شائع کیا لیکن اس کا پانچواں ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ اردو سے ترکی میں کرنل کمال خویشگی نے استنبول سے شائع کرایا۔ اس کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں پروفیسر رحیم الدین (ورنگل کالج) نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ترکی زبان میں ایک اور ترجمہ محمد راغب صاحب نے ۱۹۶۶ء میں چھپوایا۔ ترکی زبان میں تیسرا ترجمہ انگریزی سے پروفیسر طلعت کوچی صاحب نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا اور ۱۹۷۷ء میں فرانسیسی سے ترکی میں ڈاکٹر حسین جارح توچو پورٹ نے شائع کروایا۔ پیرس سینٹر کلچرل اسلامک سے انگریزی میں ایک اور ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ فارسی اور جرمن میں بھی ہوا ہے۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ فیصل آباد کے ملک سنز نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن بغیر اجازت کے بھی شائع ہوئے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ جب اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا تو مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے رسالے صدق جدید لکھنؤ میں لکھا'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تمام تالیفیں ایک طرف (ترازو کے پلڑے میں) رکھی جائیں اور دوسری طرف صحیفہ ہمام بن منبّہ رکھی جائے تو صحیفہ ہمام بن منبّہ کا وزن بڑھ جائے گا۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ترکی کے دوستوں نے آپ کی کتابوں کی بہت زیادہ اشاعت کی ہے۔ ایک دفعہ ایک ترک ناشر دوست سے از راہ مذاق ڈاکٹر

Marfat.com

صاحب نے کہا یہ تمہارے مکان میں تیل کا کنواں کب سے نکل آیا ہے۔ ترک دوست نے کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کی جب بھی کتاب شائع کرتا ہوں بہت جلد فروخت ہو جاتی ہے اس کی آمدنی سے طباعت کا سلسلہ جاری رکھتا ہوں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ایک اور مشہور اور مقبول کتاب جس کو ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں ایک امریکی نیگرو کی خواہش پر لکھا تھا ''اسلام کا تعارف'' ہے۔ اس کو سب سے پہلے پیرس کے ادارے سینٹر کلچرل اسلامک نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء، تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔ پاکستان میں ۱۹۷۴ء میں لاہور کے شیخ محمد اشرف نے شائع کیا اس کے بعد دو ایڈیشن اور شائع ہوئے۔ حیدر آباد دکن سے قاضی پبلی کیشن نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔ ایک اور ایڈیشن شکاگو سے ۱۹۸۱ء میں بھی شائع ہوا۔ گزشتہ سال اگست ۱۹۹۵ء میں کنساس یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد پر اس کتاب کو ایک پاکستانی طالب علم جناب عمر فاروق رحمان نے امریکہ کے صدر کلنٹن کو خاص طور پر پیش کیا تھا۔ اس کے ترجمے کی اشاعت کی تکرار ہوتی رہی۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے چھپتے رہے۔ خاص طور پر فرانسیسی، جرمنی، ترکی، بوسنائی، عربی، انڈونیشیا اور ٹامل کے عوام اور اسکالروں نے اس ترجمے کی مدد سے اسلام کی روح کو سمجھ کر اسلام کے دائرے میں شریک ہو کر اپنی نجات کا راستہ تلاش کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خاموش مشن ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت طیبہ ابن اسحاق کا لکھا ہوا نایاب مخطوطہ مراکش کے شہر فاس جامعہ قرویین کے کتب خانہ سے ڈھونڈ نکالا۔ ڈاکٹر صاحب نے دمشق، تیونس، رباط کے کتب خانوں کے نسخوں کو ملانے کے بعد جدید اسلوب تدوین کے مطابق شائع کروایا جس کی وجہ سے دنیا بھر کے عالموں نے ڈاکٹر صاحب کی بے حد تعریف کی۔ اس نسخے سے پہلے وہ صرف سیرت ابن ہشام کی سیرت طیبہ کے نسخے سے واقف تھے اور کسی مذہبی اسکالر نے ابن اسحاق کی سیرت کے نسخے پر توجہ نہیں دی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور اہم کتاب ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' ہے۔ اس کے دیباچے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا یہ ایک مختصر تذکرہ ہے جو عہدِ نبویؐ کے چند اہم میدان

Marfat.com

ہائے جنگ کے متعلق ہے۔ کچھ دیکھی اور پڑھی ہوئی چیزوں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی کوتاہیوں کے اقرار کے ساتھ یہ اعتراف ہی میرا فریضہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں سفر حجاز کے وقت ان میدانوں کو دیکھنے کا موقع ملا تو ان کے نقشے اتارنے کا مشورہ مجھے اپنے اسکاؤٹ ماسٹر مولوی علی موسیٰ رضا صاحب نے دیا تھا جس سے میں نے کشافانہ زندگی میں اور چیزوں کے علاوہ مساحت اور نقشہ کشی کے مبادی بھی سیکھے تھے بلکہ اس کتاب کے محرک جناب موسیٰ رضا صاحب ہی ہیں جس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ اس سفر حجاز میں صرف اُحد کے نقشے بنانے کا موقع ملا۔ جامعہ پیرس نے مجھے ان جنگوں کے بارے میں ایک لیکچر کی دعوت دی تھی اور اس کی تیاری کے لئے پیرس سے حجاز گیا تھا۔ میرا یہ لیکچر ادارہ علوم اسلامیہ کے رسالے میں چھپ گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی سے ۱۹۳۹ء میں سب سے پہلے اردو میں خود ترجمہ کیا تھا اور ۱۹۴۰ء میں مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد نے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں اسی ادارے نے شائع کیا اور اس کا تیسرا ایڈیشن تحقیقاتِ علمیہ جامعہ عثمانیہ کی زیر نگرانی ۱۳۵۹ ہجری میں شائع ہوا اور چوتھا ایڈیشن شرکت وراقت دکن کے تحت انتظامی پریس سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب کا انگریزی میں خود ترجمہ کیا اور لندن کے رسالے اسلامک ریویو میں ۱۹۵۲ء اور حبیب اینڈ کمپنی نے ۱۹۶۱ء میں کتابی شکل میں حیدرآباد سے شائع کیا۔ اس کتاب کا عربی میں بھی ترجمہ ابوالفتح ابراہیم نے فرانسیسی سے کیا اور اپنی کتاب محمد القائد میں ۱۹۵۴ء میں شامل کیا۔ اسی طرح محمد عبدالوہاب نے بھی انگریزی سے عربی میں ترجمہ کر کے اپنی مؤلفہ کتاب الحج میں شامل کیا۔ اور جناب سید غلام رضا سعیدی نے انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور 'رسول اکرمؐ در میدانِ جنگ' کے عنوان سے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء میں تہران سے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۵ سال بعد ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ ترکی زبان میں اس کا ترجمہ انگریزی سے جناب صالح تق نے کیا اور ۱۹۶۲ء میں استنبول سے طبع کروایا۔ دوسرا ایڈیشن دس سال بعد ۱۹۷۲ء میں استنبول سے شائع کیا۔ ملیالم اور سندھی میں ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی تھی لیکن ان تراجم کی اشاعت ابھی تک نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر صاحب نے جرمنی میں تعلیم کے دوران جرمنی میں ایک کتاب لکھی

Marfat.com

تھی ''مسلمانوں کی طرزِ حکومت'' اور ۱۹۳۵ء میں بان لپزگ برلن سے شائع ہوئی۔ اس کا اردو میں ترجمہ سات سال بعد ۱۹۴۲ء میں اسلامک پبلی کیشن حیدر آباد نے شائع کیا۔ دوسرا ایڈیشن بھی اسی ادارے نے ۱۹۴۵ء میں طبع کروایا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن پاکستان میں شیخ محمد اشرف نے لاہور سے ۱۹۵۳ء میں شائع کیا تھا، اس کے مزید دو ایڈیشن بھی شائع کئے تھے۔ مکتبہ جامعہ دہلی نے ڈاکٹر صاحب کے کئی مضامین کو جمع کر کے عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی کے عنوان سے شائع کیا جس میں یہ مضمون بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور انگریزی کتاب محمد رسول اللہ بھی بیرونی ممالک میں بہت مشہور ہے جس کو ۱۹۷۴ء میں حبیب اینڈ کمپنی حیدر آباد نے شائع کیا۔ کراچی سے بھی حذیفہ پبلی کیشن نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ جناب صالح تق نے ترکی میں اس کا ترجمہ ۱۹۷۵ء میں استنبول سے شائع کیا۔ اسی کتاب کا فرانسیسی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایک اور کتاب عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم ہے۔ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے تعلیمی نظام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور تحقیقی کتاب 'سیاسی وثیقہ جات.....عہدِ نبویؐ تا خلافتِ راشدہ' سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں لکھی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے پیش لفظ میں لکھا ہے'' اردو زبان میں اس فن پر دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں جس کے مؤلفین نے معاہدات نبویؐ کی ترتیب ابجد یا تاریخ کے مطابق جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر چہ ان دو اصحاب کی دسترس ضروری فرامین تک نہ ہو سکی ان کا تقدم قابل تعریف ہے۔ راقم نے فرامین نبویؐ اور زمانہ ہائے خلفاء راشدینؓ کا ترجمہ فرانسیسی میں شائع کیا جس کے ساتھ فرامین کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس عنوان پر راقم نے پیرس یونیورسٹی سے ۱۹۵۳ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کتاب کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے''۔ لاہور کے ادارے مجلس ترقی ادب نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب قانون بین الممالک ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب لفظ انٹرنیشنل کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''انٹرنیشنل کے لئے عام طور پر بین الاقوامی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود میں نے عمداً بین الممالک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اولاً میں اس کی توجیہ

Marfat.com

کردوں کہ یہ قانون اصل میں سلطنتوں کے آپس کے تعلق کے متعلق ہوتا ہے۔ حالتِ جنگ میں بھی اور حالتِ امن میں بھی۔ سلطنت کے باشندوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی دو قوموں کے تعلقات سے اس میں بحث نہیں ہوتی بلکہ دو مملکتوں کے معاملات سے بحث ہوتی ہے''۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب ''عربی حبشی تعلقات اور نو دریافت شدہ مکتوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنام نجاشی'' ۱۳۶۱ ہجری میں ادارہ ترقی تعلیم اسلامی حیدرآباد دکن (شمس الاسلام پریس) سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں حبشہ اور عرب کے تعلقات پر تحقیق کے ساتھ اسلام سے پہلے اور اسلام کے ابتدا کے واقعات پر روشنی ڈالی گئی۔ اس میں خطوط کی نقول بھی ہیں اور ۳۴ بلاک اور کئی نقشے دیئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک منفرد کتاب ''آنحضرتؐ اور جوانی'' ہے جو مولانا حسام الدین غوری کی خواہش پر لکھی گئی تھی۔ اس مختصر سی کتاب کو جناب غوری صاحب نے سب سے پہلے حیدرآباد دکن سے شائع کیا اور پاکستان میں یہی رسالہ اپنے ادارے دارالادب پاکستان پٹیل پاڑہ سے شائع کیا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا ہے کہ عہد نبویؐ میں نوجوانوں پر کیسی کیسی ذمہ داریاں ڈالی جاتی تھیں اور وہ نوجوانوں کو پوری کرنا پڑتی تھیں۔ اسی مضمون کو جامعہ ملیہ دہلی نے اپنی کتاب نظامِ حکمرانی عہدِ نبویؐ میں دوسرے مضامین میں شامل کیا۔

آج کل علم تاریخ کو سوشل سائنسز یا علومِ عمرانی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھنؤ کے ایک مجتہد کے کتب خانے سے دو نایاب مخطوطات ڈھونڈ نکالے۔ ابن قہبہ کے استاد محمد بن حبیب کی تالیف کی ہوئی پہلی کتاب کا نام المحبّر اور دوسری کتاب کا نام المحرر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پروفیسری کے زمانے میں پہلی کتاب المحبّر کو مرتب کر کے دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع کروایا۔ عربی میں اس کا اردو میں ترجمہ خود ڈاکٹر صاحب نے جناب محمد احمد زبیری صاحب کو املا کرایا۔ ڈاکٹر صاحب کئی نشستوں میں ترجمہ کرواتے رہے اور جناب زبیری صاحب لکھتے گئے بالآخر پوری کتاب کا ترجمہ ۱۹۴۵ء میں مکمل ہوا۔ یہ مسودہ اس وقت سے اب تک زبیری فیملی کے پاس ہے۔ جناب محمد احمد زبیری

Marfat.com

صاحب نے حیدر آباد اور کراچی سے اس کے شائع کرانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ جناب زبیری صاحب کے انتقال کے بعد یہ ترجمہ ان کی لڑکی فضہ زبیری صاحبہ کے پاس محفوظ ہے اور حال ہی میں اس ترجمہ کو محترمہ نگار سجاد ظہیر پروفیسر کراچی یونیورسٹی نے خریدا ہے اور وہ جلد اس کو شائع کروائیں گی۔

مورخ بلاذری نے عربی میں کتاب فتوح البلدان لکھی تھی۔ اس کی دو جلدوں کا اردو ترجمہ دائرہ معارف نے شائع کیا تھا اس کتاب کے علاوہ مورخ بلاذری کی انساب الاشراف کی پانچ جلدیں ہندوستان میں مل نہیں رہی تھیں تو مولانا شبلیؒ نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ کے لئے اس کی ضرورت محسوس کی چنانچہ انہوں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور شام، قاہرہ، استنبول کے کتب خانوں میں موجود مخطوطات سے استفادہ کر کے سیرت النبیؐ مکمل کی۔ ڈاکٹر صاحب نے استنبول کے علاوہ تہران اور رباط کے کتاب خانوں میں اس کے مخطوطات تلاش کئے اور ان سب کو تصدیق کرنے کے بعد انساب الاشراف کی تصحیح کرنے کے بعد دائرہ معارف سے طبع کرایا۔ فلاڈلفیا یونیورسٹی کے پروفیسر Guitein صدر شعبۂ عربی نے مرتب کر کے اپنے ذاتی اخراجات پر کتاب عہدِ خلافت عثمان غنیؓ یروشلم سے شائع کروائی۔ ڈاکٹر صاحب کے منجھلے بھائی محمد حبیب اللہ صاحب نے عہدِ خلافت عثمانی کا عربی سے اردو میں ترجمہ کر کے حیدر آباد سے شائع کروایا۔ حضرت امام بخاریؒ نے تاریخ بخاری چار جلدوں میں لکھی ڈاکٹر صاحب نے ان کو مرتب کر کے دائرہ معارف حیدر آباد سے شائع کروایا۔ ڈاکٹر صاحب الجامع الصحیح کا اشاریہ مرتب کر چکے ہیں۔

مشہور جغرافیہ دان ادریسی نے نزھۃ المشتاق کے نام سے علم جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی تھی اس کتاب کے بڑے حصے کی غلطیوں کو صحیح کر کے ڈاکٹر صاحب نے یونیسکو سے شائع کروائی۔ اس کتاب میں قبیلے سیرزان (شمالی افریقہ) کے دو عرب شہزادوں کا ذکر ہے جنہوں نے بحری جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا تھا کہ نئی دنیا کو تلاش کیا جائے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ کولمبس کی ایک عرب باشندے سے ملاقات ہوئی تھی۔ جنوبی امریکہ کی ریاست برازیل میں آج بھی عربوں کے نام لیوا موجود ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کو امام محمد شیبانیؒ کی کتاب الاصل کی تلاش تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کی طرح دمشق، قاہرہ، استنبول، بُرصہ، قونیہ کے کتب خانوں میں تلاش کرتے رہے بالآخر ایک نسخہ مل گیا چنانچہ اس کو مرتب کر کے دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع کیا۔ یہ چار جلدوں میں ہے۔

کتاب الاصل عبادات کے مسائل اور کتابِ طہارت سے شروع ہوتی ہے اور کتاب الفرائض (قانون وراثت) پر ختم ہوتی ہے۔ امام محمد شیبانیؒ امام ابوحنیفہ امام اعظمؒ کے شاگرد تھے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے بھی خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام اعظمؒ نے چالیس علماء کی ایک مجلس وضع قوانین بنائی تھی اس مجلس نے عبادات پر ۲۵ ہزار اور معاملات پر ۶۵ ہزار مسائل فقہ مدون کئے تھے لیکن امام اعظمؒ کے اس عظیم کارنامے کا پتہ نہیں چلا البتہ امام محمد شیبانیؒ نے امام اعظمؒ کی مذکورہ مجلس کے مدون کئے ہوئے مسائل کو چار جلدوں میں ترتیب دیا تھا جواب دستیاب ہے۔ امام محمد شیبانیؒ کی ایک کتاب السیر ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے یونیسکو کی خواہش پر عربی سے فرانسیسی میں ترجمہ کر کے شائع کروایا۔ یہ قانون بین الممالک پر قدیم ترین کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد موسیو نیس کی فرانسیسی کتاب قانون بین الممالک کا اردو میں ترجمہ کر کے دائرۃ المعارف سے ۱۹۴۵ء میں شائع کروایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت امام ابوحنیفہ امام اعظمؒ کی تدوین فقہ پر ایک کتاب لکھی تھی ''امام ابوحنیفہؒ کی تدوین قانون اسلامی'' سب سے پہلے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی اور اب تک اس کے چھ ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی عربی میں تصنیف الوثائق السیاسۃ فی العہد النبوی ؐ کے کئی ایڈیشن قاہرہ اور بیروت سے شائع ہو چکے ہیں۔ چوتھا ایڈیشن بیروت سے چھپا تھا ذرا نام کی تبدیلی کے ساتھ 'الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلافت راشدہ' اس کا اردو ترجمہ سیاسی وثیقہ جات کے عنوان سے لاہور میں شائع ہوا تھا۔ اس کو ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

ماہر نباتات ابوحنیفہ دینوری نے درختوں سے متعلق ایک کتاب النبات لکھی تھی۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب نے اس کی پہلی جلد مرتب کر کے قاہرہ سے شائع کروائی تھی۔ اس کی دوسری جلد ۱۹۹۳ء میں ہمدرد یونیورسٹی کراچی نے شائع کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر گب کو جب یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے پہلی جلد مرتب کر کے شائع کروائی ہے تو اس نے کہا تھا کہ مسلمان بھی اب فخر سے کہہ سکیں گے کہ انہوں نے نباتات پر بھی ایسی انمول نادر کتاب لکھی ہے۔ ابو حنیفہ دینوری نے اس میں دنیا کے عظیم نباتات کا ذکر کیا ہے۔ درختوں کے پتوں، پھول پتوں کے لحاظ سے درجہ بندی کی ہے۔ ان دونوں جلدوں کا اردو میں ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور نظر ثانی شدہ کتاب خطبات گارسان دتاسی ہے۔ اس کا پہلا ترجمہ انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ اس میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب کے کہنے پر اس ترجمے کی نظر ثانی کی اور اصل کتاب کو فرانسیسی سے تصدیق کر کے دوبارہ شائع کرایا۔

ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں بھی مختصر رسالے لکھے تھے تا کہ مغربی عوام واقف ہو سکے۔

۱۔ Islam and Christanity

۲۔ Islam and Communism

۳۔ Islam and General Practice

۴۔ Islamic Solution of the basic Economic Problem

اس کے علاوہ ایک پمفلٹ جرمن زبان میں روزے کی اہمیت پر لکھا تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ Why Fast کے عنوان سے شائع ہوا اور اردو میں اس کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب کے بھائی محمد حبیب اللہ صاحب نے ''روزہ کیوں'' کے نام سے کیا اور اسلامک سینٹر حیدرآباد سے ۱۹۹۲ء سے شائع کروایا۔ اس رسالے میں روزے کا پس منظر دوسرے مذاہب میں روزوں کا ذکر اور نباتات میں روزے کا رجحان۔ اس کا ترجمہ جاپانی زبان میں ہوا ہے اور تامل میں بھی ہوا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں سنگاپور سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک اور کتاب ''خطباتِ بہاولپور'' بھی مشہور ہوئی۔ ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب کو بہاولپور یونیورسٹی

Marfat.com

میں تقریر کی دعوت دی گئی تھی۔ تقاریر کا شیڈول خود ڈاکٹر صاحب نے بنایا تھا۔ ۸ مارچ سے ۲۰ مارچ تک ہر روز نماز عصر کے بعد سے نمازِ مغرب تک ایک تقریر ہوا کرتی تھی۔ سوال و جواب کا سلسلہ مغرب کے بعد سے عشاء کی نماز تک جاری رہتا۔ اب تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس کا انگریزی ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا جس کا انگریزی میں ترجمہ ڈاکٹر افضل اقبال نے کیا تھا Emergence of Islam کے عنوان سے۔ اس کی افتتاحی رسم ۳/اپریل ۱۹۹۳ء کو اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں کی گئی تھی جس کی صدارت حکیم محمد سعید صاحب نے کی تھی۔ مشہور اسکالر جناب الطاف گوہر نے اپنے مخصوص انداز میں پس منظر بیان کیا تھا۔

اہم نوٹ: یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں لکھا گیا تھا لیکن چند ناگزیر وجوہات کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکا تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے اور اسکالروں کے فائدے کے لئے تاکہ وہ اپنے مقالات میں حوالہ دے سکیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

چچا صاحب کے جانے سے دو دن قبل میری بڑی بہن کی شادی ہوئی۔ دوسرے دن چچا صاحب نے میرے منجھلے بھائی کی بسم اللہ پڑھائی اور والد صاحب کو تنہائی میں اپنے سرکاری طور پر جانے کی اطلاع دی کہ ممکن ہے دو ایک دن میں باہر جائوں، اس بارے میں کہ مجھے کب جانا ہے لاعلم ہوں۔ اس بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ میری روانگی کے دن رات کو شاید گیارہ بجے مجھے ہدایت ملی کہ تیار رہوں، آدھے گھنٹے بعد روانہ ہونا ہے۔ میری جیب میں پندرہ روپے تھے وہ ساتھ لے لیے۔ حبیب اللہ صاحب (بھائی) کو اطلاع دی کہ نامعلوم مقام کو جانے کی سرکاری ہدایت ہوئی ہے۔ جیسے ہی چچا صاحب گھر کے پھاٹک سے نکلے حبیب اللہ صاحب بھی ان کے پیچھے گئے۔ گلی کے موڑ پر کار کھڑی تھی۔ اپنے بھائی کو خدا حافظ کہا اور کار میں سوار ہو گئے۔ علی الصباح حبیب اللہ چچا نے آغا پورہ آکر والد صاحب (محمد صبغۃ اللہ) کو حمید اللہ چچا کی روانگی کی اطلاع دی۔ دونوں بھائیوں کو اپنے اس چھوٹے بھائی کو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ حالات بہتر ہونے پر خطوط کے ذریعے نصف ملاقات ہونے لگی۔

(چچا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب از کریمہ صبغۃ اللہ ص ۱۱۷)

Marfat.com

ڈاکٹر حمید اللہ: مشاہدات و تاثرات

از ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

ترجمہ: خورشید احمد ندیم

اس واقعے کو بیتے اٹھارہ برس ہو چکے ہیں۔ ایک سہ پہر میں اپنے ایک عزیز محترم دوست اور معروف سعودی اسکالر جناب اسماعیل ابراہیم نواب کے ساتھ پیرس میں ایک فلیٹ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ یہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی اقامت گاہ تھی۔ گھنٹی بجی اور چند لمحے بعد گھر میں ایک بلب روشن ہو گیا۔ چند لمحے بعد ڈاکٹر حمید اللہ دروازے پر نمودار ہوئے۔ اس موقع پر ان سے جو گفتگو ہوئی، اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا لیکن اس دوران انھوں نے ایک ایسا جملہ کہا، جس کو میں ابتدا میں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ میرے نزدیک اسے ان کے کسی بھی تذکرے کا مقدمہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کو انہی دنوں حکومتِ پاکستان نے دس لاکھ روپے کا ایک ایوارڈ دیا تھا جو سیرتِ پاک پر ان کی علمی خدمات کا اعتراف تھا۔ انھوں نے یہ پوری رقم ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے نذر کر دی۔ میں نے اس خبر کی تصدیق چاہی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''آپ نے صحیح سنا۔'' پھر کچھ توقف کے بعد وہ گویا ہوئے: ''اگر میں یہاں لے لیتا تو پھر وہاں کیا ملتا؟''۔

اٹھارہ برس کے بعد بھی یہ جملہ میری سماعت کے لیے تر و تازہ ہے اور اس کی تازگی میں شاید کبھی فرق نہ آئے۔ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کون تھے، کیسے تھے!۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے ساتھ برسوں پر محیط یادوں کا جب میں احاطہ کرتا ہوں تو

Marfat.com

یہ سلسلہ ۱۹۴۸ء کے موسمِ گرما سے جا ملتا ہے جب میں پہلی بار ان سے براہ راست متعارف ہوا تھا۔ قیامِ پاکستان کو ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا۔ یہ مملکت چونکہ اسلام کے نام پر وجود میں آئی تھی اس لیے بعض اصحاب کی ترجیحات میں ان اصولوں اور خصوصیات کا تعین سرفہرست تھا جو ایک نومود اسلامی ریاست کے لیے نظریاتی بنیادیں فراہم کر سکیں۔ اس ضمن میں تین اصحاب مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء) مولانا احتشام الحق تھانوی (م ۱۹۸۰ء) اور میرے والدِ محترم محمد ظفر احمد انصاری (م ۱۹۹۱ء) نے ابتدائی قدم اٹھایا اور اس مسئلے پر غور وفکر کے لیے بعض اصحابِ علم وفضل کو کراچی میں جمع کیا۔ میری یادداشت کے مطابق جن حضرات نے اس دعوت کو قبول کیا وہ تھے: مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) اور ایک نسبتاً کم معروف شخصیت جناب غلام دستگیر رشید۔ موخر الذکر ''اسلامی تہذیب کیا ہے؟'' کے مرتب تھے جو ان دنوں خاصی مقبول تھی۔ ان تینوں شخصیات کا تعلق حیدرآباد دکن سے تھا۔ میرے ذہن میں ان تین حضرات ہی کے نام محفوظ تھے، برادرم ڈاکٹر محمود احمد غازی اور ڈاکٹر محمد الغزالی نے اس فہرست میں ایک اور صاحبِ علم کا اضافہ کیا ہے۔ یہ بھارت سے تشریف لانے والے مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی تھے۔ یہ حضرات اپریل ۱۹۴۸ء میں کراچی میں جمع ہوئے۔

میری معلومات کی حد تک، اس منصوبے کے اخراجات، جنوبی افریقہ میں آباد میاں خاندان نے اٹھائے جو متمول بھی تھے اور اسلامی کاموں میں بہت پرجوش اور سرگرم بھی۔ سورت (بھارت) سے تعلق رکھنے والے اس تاجر خاندان نے، جو جنوبی افریقہ میں اپنا کاروبار مستحکم کر چکا تھا، ان دنوں کراچی میں کاروباری وسعت کے امکانات تلاش کر رہا تھا۔ کم وبیش چھ سات افراد کے اس گروپ نے تقریباً دو ہفتوں تک اپنی مشاورت جاری رکھی۔ میری ویدر ٹاور کے سامنے ایک بڑا فلیٹ، جسے میاں فیملی نے کچھ ہی پہلے خریدا تھا ان سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہ جگہ اسی خاندان کی قائم کردہ شاندار مجلسِ علمی لائبریری کے لیے برسوں زیرِ استعمال رہی۔

مجھ جیسے کسی نوعمر کے لیے تو اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ وہ ان مجالس میں

Marfat.com

شریک ہوتا یا یہ جان پاتا کہ کیا باتیں زیر بحث ہیں، تاہم کبھی کبھی گفتگو کا کوئی حصہ یا کسی کا تبصرہ سماعت سے ٹکرا جاتا۔ اس اجتماع کے ایک منتظم کے بیٹے کی حیثیت سے چھوٹے موٹے کاموں کے لیے میں اس مجلس میں آتا جاتا رہتا تھا۔ یہ بات بھی میرے لیے کچھ کم باعثِ فخر نہ تھی کہ اس طرح میں ان عظیم المرتبت شخصیات کی چند جھلکیاں اپنے دل ونگاہ میں محفوظ کر سکا۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس موقع پر مولانا مناظر احسن گیلانی سے بہت متاثر ہوا تھا۔ ایک عالم کی حیثیت سے ان کا جو مقام ومرتبہ تھا وہ کسے نہیں معلوم، اس کے علاوہ مجھے ان کی شخصیت میں سادگی، وقار اور حسِ مزاح کا ایک بڑا دل کش امتزاج نظر آیا۔ اسی طرح ڈاکٹر حمید اللہ کے تواضع، انکسار اور عاجزیِ طبع نے بھی مجھ پر گہرا اثر چھوڑا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب ایک ابھرتے ہوئے اسکالر کے طور پر برصغیر میں متعارف ہو رہے تھے۔ میں اپنے والد صاحب کے پاس ان کی تصنیف The Muslim Conduct of State دیکھ چکا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس زمانے میں اس کتاب کو پڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ جان کر کہ فنی اور علمی اعتبار سے یہ میرے معیارِ فہم سے بلند ہے، ایک بھاری پتھر سمجھ کر اسے ایک طرف رکھ دیا تھا۔ تاہم کتاب کے محققانہ انداز نے میرے ذہن پر گہرا نقش چھوڑا۔ چند سال بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب ٹھوس تحقیق پر مبنی ہے اور اس سے ایک اہم علمی میدان۔ اسلامی بین الاقوامی قانون۔ میں نئے افق سامنے آتے ہیں۔

یہ مجالس جن کا میں نے ذکر کیا، دس بارہ دن سے زیادہ جاری نہ رہ سکیں۔ میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیوں ختم ہو گئیں۔ شاید اس کا سبب حیدر آباد پر منڈلانے والے وہ خطرات تھے جن کے باعث سرحد پار سے آئے ہوئے شرکاء واپس جانے پر مجبور ہوئے۔ اب یہ بات تاریخ کا حصہ ہے کہ حیدر آباد دکن کی ریاست چند ماہ بعد ہی ہندوستان کی توسیع پسندی کا شکار ہو گئی۔ ان مجالس کے انعقاد کے سلسلے میں میرے علم کی حد تک اخبارات میں کوئی خبر شائع نہیں ہوئی اور میرا گمان ہے کہ یہ بات دانستہ تھی۔ اس کا غالباً ایک بڑا سبب یہ تھا کہ جن لوگوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا تھا، وہ ٹھوس علمی وفکری نتائج کے متمنی تھے، ان کے پیشِ نظر اس سے کوئی سیاسی فائدہ اٹھانا نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس بات کا

Marfat.com

اخبارات میں چھپنا ان مہمانوں کے لیے پریشانی کا باعث ہوسکتا تھا۔ اس لیے ہندوستان کا پریس اس بات کو اچھال سکتا تھا کہ یہ حضرات پاکستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام میں عملی معاونت کر رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج یہ بات شاید ہی کسی کے علم میں ہو کہ اس نوعیت کی کوئی کاوش کبھی ہوئی بھی تھی۔

ان مجالس کی کوئی رپورٹ یا سفارشات تو سامنے نہ آسکیں لیکن اس کے باوجود یہ کوشش فائدے سے خالی نہ تھی۔ پاکستان کی اسلامی تشکیل کی مہم میں مصروف حضرات کو متعلقہ امور میں غور وفکر اور تبادلۂ خیال، ان کی حقیقت پسندی میں اضافہ کا موجب ثابت ہوئے ہوں گے اور انھیں اس بات کا اندازہ ہوا ہوگا کہ بیسویں صدی میں اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ امویوں، عباسیوں یا عثمانیوں کے قائم کردہ ریاستی اداروں کی کورانہ خوشہ چینی کرتے ہوئے انھیں من وعن نافذ کر دیا جائے بلکہ یہ کام تحقیقی اور اجتہادی بصیرت کا متقاضی ہے۔ اس ابتدائی کاوش کا یہ نتیجہ تو سامنے نہیں آیا کہ یہ حضرات اسلامی ریاست کی تشکیل کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات سامنے لا سکے ہوں لیکن یہ ضرور ہوا کہ وہ سوالات نکھر کر سامنے آ گئے جو اس مقصد کے لیے بہر طور جواب طلب تھے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہ ابتدائی کاوش بعد میں بورڈ تعلیمات اسلامیہ کے کام میں ممد ثابت ہوئی جو ۱۹۴۹ء میں قائم ہوا۔ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ اسلامی ریاست کے ان ۲۲ بنیادی نکات کے تعین میں اس نے کوئی کردار ادا کیا ہو جو ۱۹۵۱ء میں تمام مکاتبِ فکر کے اکتیس علماء نے متفقہ طور پر منظور کیے۔ ان نکات پر اتفاقِ رائے اسلامی ریاست کی تشکیل کی طرف بلاشبہ ایک غیر معمولی پیش رفت تھی۔

ان مجالس کے چند ہی ماہ بعد ڈاکٹر حمید اللہ کا ذکر اس وقت ایک بار پھر سننے میں آیا جب حیدر آباد کے آزادانہ تشخص کو درپیش خطرات مزید ابھر کر سامنے آئے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آباد کے سرکاری وفد کے ایک رکن مقرر ہوئے ہیں جو براستہ کراچی، غیر ملکی دورے پر جا رہا ہے۔ اس وفد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ عالمی رائے عامہ کو بھارت کی امکانی جارحیت کے خلاف بیدار کرے اور آزادی سے محبت رکھنے والی اقوام کو

Marfat.com

اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ حیدر آباد پر قبضے کے سوچے سمجھے بھارتی منصوبے کے خلاف آواز اٹھائیں۔ میرا اندازہ ہے کہ کراچی کے اجلاس میں شرکت کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ واپس حیدر آباد چلے گئے اور چند ماہ کے بعد پھر کراچی واپس آ کر بیرونی ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئے۔

۱۹۴۹ء۔۱۹۵۰ء میں جب ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک سال کراچی میں قیام فرمایا تو مجھے ان سے ملنے جلنے کے متعدد مواقع ملے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۴۹ء میں بورڈ تعلیمات اسلامیہ کے ممبر کی حیثیت سے کراچی تشریف لائے تھے۔ یہ بورڈ حکومتِ پاکستان نے تشکیل دیا تھا اور اس کا کام اسلامی آئین کی تشکیل میں دستور ساز اسمبلی کی معاونت کرنا تھا۔ اس بار وہ پیرس سے تشریف لائے تھے۔ پیرس میں وہ تیس کی دہائی میں بھی اپنے دورِ طالب علمی میں کئی سال تک قیام کر چکے تھے۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں جب بھارت نے حیدر آباد کو اپنا حصہ بنا لیا تو اس وقت ڈاکٹر صاحب پیرس میں ہی تھے اور انھوں نے پیرس میں ہی قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بورڈ تعلیمات اسلامیہ مندرجہ ذیل شخصیات پر مشتمل تھا۔

۱ علامہ سیّد سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) چیئرمین
۲ مولانا مفتی محمد شفیع (م ۱۹۷۶ء)
۳ ڈاکٹر محمد حمید اللہ
۴۔ پروفیسر محمد عبد الخالق
۵۔ مفتی جعفر حسین مجتہد (م ۱۹۸۳ء)
۶۔ میرے والد، محمد ظفر احمد انصاری بورڈ کے سیکرٹری تھے۔

ہم ان دنوں کراچی کے ایک معروف مقام سعید منزل کے سامنے رہتے تھے۔ یہ بندر روڈ پر ایک دو منزلہ عمارت کا ایک فلیٹ تھا جس کا نمبر ۱۲/۱۸ تھا۔ یہ سڑک اب ایم اے جناح روڈ کہلاتی ہے۔ گھر سے دستور ساز اسمبلی کی عمارت تک، جہاں بورڈ کا دفتر واقع تھا

Marfat.com

دس بارہ منٹ کا پیدل کا راستہ تھا۔ میں اپنے والد سے ملنے وقتاً فوقتاً وہاں جایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا انکسار، ان کا فطری تواضع، ان کی ایسی خوبیاں تھیں کہ ان سے ملنے جلنے والوں کے لیے ان سے بے خبر رہنا ممکن نہ تھا بلکہ ان کی یہ خوبیاں ان سے متعارف ہونے والوں کو ان کا گرویدہ بنا لیتی تھیں۔ تاہم میرا ان سے واسطہ بڑی حد تک سلام دعا تک محدود رہا۔ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا اور شاید اتنی خود اعتمادی مجھ میں نہ تھی کہ میں ان سے کسی اہم علمی مسئلے پر گفتگو کی جسارت کرتا۔ جہاں تک ڈاکٹر حمید اللہ کا تعلق ہے تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بھی فطرتاً ایک کم گو انسان ہیں اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کے معاملے میں کسی پیش قدمی کا میلان نہیں رکھتے چنانچہ میں نے انھیں بہت کم گفتگو کرتے دیکھا الّا یہ کہ ان سے کوئی سوال کرے۔ تاہم جب بھی انھوں نے گفتگو کی، میں ان کی نپی تلی، ذمہ دارانہ اور متواضع گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔ ان کی نرمیِ طبع اور شائستگی ان پر مستزاد تھے۔ ان کی یہ سادہ طبعی مجھ پر اس وقت پوری طرح واضح ہوئی جب ایک سوال کے جواب میں انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ خداداد کالونی سے بورڈ تعلیماتِ اسلامیہ کے دفتر تک روزانہ پیدل چل کر آتے ہیں۔ وہ اس کالونی میں اپنے ایک عزیز کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ میرے اندازے کے مطابق اس کالونی سے بورڈ کے دفتر تک کا فاصلہ تین میل ہوگا۔

ان دنوں میں اسلامیہ کالج کراچی کا طالب علم تھا۔ ۱۹۴۹ء کے پہلے ٹرم میں ڈاکٹر صاحب ہمارے کالج تشریف لائے اور انھوں نے ''اسلامی بین الاقوامی قانون'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔ ان کے پاس تحریری نوٹس نہیں تھے، اس کے باوجود ان کا لیکچر بہت منضبط، منظّم، معلومات افزا اور فکر انگیز تھا۔ تاہم ان کا لہجہ مدہم تھا اور لیکچر کے دوران انھوں نے شاید ہی حاضرین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انھیں دیکھا ہو۔ ہر اعتبار سے یہ ایک نہایت عمدہ لیکچر تھا جو ہر طرح کے تصنّع، اداکاری اور سطحی خطابت سے پاک تھا۔ مجھے یاد ہے کہ انھوں نے اس لیکچر میں بھرپور دلائل کے ساتھ یہ بات کہی کہ بین الاقوامی قانون دراصل مسلمان فقہا کی علمی و فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے ڈاکٹر صاحب نے اس لیکچر میں بین الاقوامی قانون کے لیے international law کے بجائے inter-statal

Marfat.com

law کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ بین الاقوامی قانون کے اصولوں کی تشکیل کے سلسلے میں بطور بانی، امام محمد ابن الحسن الشیبانیؒ (م ۸۰۵ء) کا نام ۱۹۴۹ء کی خزاں کے آخری دنوں سے میرے ذہن پر نقش ہے جب میں نے ڈاکٹر صاحب کا یہ لیکچر سنا تھا۔

بطور رکن بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ، کراچی میں ایک سال گزارنے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ واپس پیرس چلے گئے۔ ان کی روانگی پر ان کے احباب رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ اس بات نے ہمیں مزید اداس کر دیا کہ وہ یہاں کچھ خوش نہ تھے اور ان کی واپسی کا ایک سبب ان کی بے اطمینانی تھی۔ شاید وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ بورڈ کا کام کما حقہ نتیجہ خیز نہیں ہے۔ شاید پیرس کی شاندار لائبریریوں اور اپنے اصل کام، درس و تدریس اور تحقیق سے دوری انھیں گراں گزرنے لگی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا مزاج ایک ایسے ماحول میں کام کرنے پر آمادہ نہ ہو جہاں یہ بات پوری طرح واضح نہ ہو کہ ہر متعلقہ شخص کی ذمہ داری کیا ہوگی؟ شاید وہ پاکستان کے ارباب حل وعقد کے بارے میں کوئی ذہنی تحفظ رکھتے ہوں یا شاید وہ یہ بھی خیال کرتے ہوں کہ دستور ساز اسمبلی کے لیے بورڈ کی سفارشات پر عمل درآمد کو لازم قرار دیا جانا چاہیے جبکہ اس کی حیثیت مشاورتی تھی۔ میں اس بارے میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں جانتا، سوائے اس کے کہ وہ غیر مطمئن تھے اور انھوں نے اسی بناء پر پیرس واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اپنے والد صاحب سے اس بارے میں کچھ پوچھا ہو یا انھوں نے خود اپنے طور پر مجھے کوئی خاص بات بتائی ہو۔ اپنے مزاج کے عین مطابق، ڈاکٹر حمید اللہ ان چیزوں کے بارے میں کوئی شور و ہنگامہ کیے بغیر یہاں سے رخصت ہو گئے۔

کراچی کے بعد ان سے میری اگلی ملاقات پیرس میں ہوئی اور ان ملاقاتوں کے درمیان چھ سال کا وقفہ ہے۔ ان کے بہت سے مداحوں کی طرح ان کا پتہ 4 rue de Tournon, Paris VI نہ صرف میری نوٹ بک میں درج تھا بلکہ میرے ذہن پر بھی نقش تھا۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں اپنے ایک دوست محمد حسن صاحب کے ساتھ تعلیم کے سلسلے

Marfat.com

میں مونٹریال جارہا تھا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے پیرس میں رکنے کا فیصلہ کیا۔ میں بلا مبالغہ یہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں رکنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اپنے عہد کی اس عظیم صاحبِ علم شخصیت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔ ان دنوں الجزائر کی تحریکِ آزادی اپنے عروج پر تھی۔ آج میرے لیے سامراجیت کے خلاف ان شدید احساسات کو ان کی پوری شدت کے ساتھ یاد کرنا آسان نہیں جو سینتالیس برس پہلے میرے اور دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں موجزن تھے۔ پاکستان میں فرانس کے بائیکاٹ کی مہم بھی اپنے عروج پر تھی۔ پیرس کے ہوائی مستقر پر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم کسی ایسے ہوٹل میں قیام نہیں کریں گے جو کسی فرانسیسی کی ملکیت ہو گویا ہم نے یہ طے کیا کہ ہم پیرس میں بھی فرانس کا بائیکاٹ کریں گے! جوانی کے جوش میں ہم نے ''میزبان پیرس'' سے کہا کہ ہم کسی الجزائری ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ (میزبان پیرس ایک دفتر ہے جو رہائشی مسائل میں سیاحوں کی معاونت کرتا ہے)۔ جب کاونٹر پر بیٹھی لڑکی نے یہ کہا کہ وہ یہ نہیں جانتی کہ کون سا ہوٹل الجزائری ہے اور کون سا غیر الجزائری تو ہم نے ہوٹلوں کی فہرست پر نظر ڈالی اور ہوٹل دی گرینیڈے (Hotel de Grenade) کا انتخاب کیا۔ کم سے کم اس کے نام میں تو اسلامیت کی جھلک تھی! ہوٹل جاتے ہوئے ہم ڈاکٹر حمید اللہ کے گھر کے قریب رکے۔ خوش قسمتی سے وہ اسی وقت اس قدیم عمارت میں داخل ہو رہے تھے جس کے ایک فلیٹ میں ان کی رہائش تھی۔ وہ اپنے مخصوص سادہ انداز میں فرنچ روٹی کا تھیلا اٹھائے ہوئے تھے۔ تازہ روٹی کی خوش بو ہماری بھوک کو تیز کر رہی تھی۔ اس وقت شام کے پانچ بج رہے ہوں گے اور دن بھر کے کام کے بعد ڈاکٹر صاحب کسی قدر تھکے نظر آرہے تھے۔ انھوں نے کشادہ پیشانی اور بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہا۔ ہم نے انھیں بتایا کہ ہم اس وقت اپنے ہوٹل جارہے ہیں اور کچھ دیر تازہ دم ہونے کے بعد شام کا کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔ ان کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور انھوں نے خوشی سے آمادگی ظاہر کردی۔ جلد ہی ہم ہوٹل جا کر واپس آ گئے اور کئی منزلوں کی سیڑھیاں چڑھ کر ان کے سادہ سے فلیٹ تک پہنچ گئے جسے ہمارے لیے پیرس میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی

Marfat.com

4 rue de Tournon۔

ہم نے کچھ وقت ڈاکٹر حمید اللہ کے فلیٹ میں ادھر ادھر کی گفتگو میں گزارا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ فرانس میں اسلام ایک مناسب رفتار سے پھیل رہا ہے اور لوگوں کی ایک معقول تعداد اپنی روحانی تسکین کے لیے اس کے دامن میں پناہ لے رہی ہے۔ ہماری تجویز پر ڈاکٹر صاحب ہمارے ساتھ ایک ریستوران تک آئے، جس کا نام شاید الحمرا تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ رستوران لیٹن کوارٹر میں تھا۔ رستوران میں چونکہ حلال گوشت میسر نہیں تھا اس لیے ہم نے گوشت کے بغیر ہی گزارا کیا۔ جب ہم نے بل ادا کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب پہلے ہی یہ کام کر چکے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ہماری خواہش کے سراسر خلاف تھا اور ہمارے لیے قدرے باعثِ شرمندگی بھی۔ جن لوگوں کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ کشادہ دلی اور مہمان نوازی ان کے نمایاں ترین اوصاف تھے۔

کھانا ختم ہو گیا لیکن ہم کچھ دیر مزید ان کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ الجزائری تحریک آزادی سے گہری دل چسپی کے باعث ان کے ساتھ الجزائری مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے دفتر گئے۔ وہاں ہماری ملاقات جناب محمد خمسیتی مرحوم سے ہوئی جو اس تنظیم کے سیکرٹری جنرل تھے۔ چند سال بعد جب الجزائر آزاد ہوا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ ہم کتنے اہم لوگ تھے، جس آدمی نے بڑے حلم اور تواضع کے ساتھ ہم سے کم و بیش ایک گھنٹہ گفتگو کی وہ آزاد الجزائر کا پہلا وزیر خارجہ تھا۔

اگلے دن جمعہ تھا اور ہم ناشتے کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحب کے گھر جا پہنچے۔ گزشتہ شب جب ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا تو ڈاکٹر صاحب نے کمالِ عنایت سے یہ پیشکش کی تھی کہ نمازِ جمعہ کے لیے وہ ہمیں پیرس کی جامع مسجد اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ جب ان کے ہاں پہنچے تو وہ ایک فرانسیسی خاتون کو اسلام کی تعلیم دے رہے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے ایک دینی بہن کہہ کر ہمیں ان خاتون سے متعارف کرایا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔ جب خاتون کا سبق ختم ہوا تو ڈاکٹر صاحب ہم سے مخاطب ہوئے

Marfat.com

۔گفتگو کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوا جہاں گزشتہ رات کوٹوٹا تھا۔انھوں نے ہمیں بتایا کہ گزشتہ ایّام میں اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی تعداد میں قابلِ ذکر اضافہ ہوا ہے اور عورتوں میں یہ رجحان قدرے زیادہ ہے۔انھوں نے یہ بھی بتایا کہ فرانس کی بعض خواتین ،جن میں ایک دو وہ بھی تھیں جن کو ملکہء حسن کا اعزاز حاصل ہو چکا تھا، کچھ ہی عرصہ قبل مشرف بہ اسلام ہوئی ہیں۔گفتگو درمیان میں تھی کہ نمازِ جمعہ کا وقت قریب آ گیا اور ہم پیرس جامع مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ڈاکٹر صاحب نے مسجد تک جانے کے لیے زیرِ زمین ٹرین کا انتخاب کیا۔میں اور محمد حسن صاحب پہلی مرتبہ زیرِ زمین ٹرین کا سفر کر رہے تھے جس نے اس سفر کو ہمارے لیے مزید یادگار بنا دیا۔ جب ہم مسجد پہنچے تو وہ ہمیں بہت دل کش محسوس ہوئی۔مسجد کا اندلسی طرزِ تعمیر اس کے شکوہ اور حسن میں اضافہ کر رہا تھا۔اس کے علاوہ یہ تصور کہ ہم یورپ کے ایک نہایت مرکزی اور تاریخی اہمیت کے شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر رہے ہیں ایک عجیب طرح کے روحانی کیف اور دلی مسرت کا باعث تھا۔

میں اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ گزشتہ رات ہم الحمرا ریستوران میں ڈاکٹر صاحب کی میزبانی سے لطف اندوز ہو چکے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم نے ریستوران کے مالک سے ذبیحہ گوشت کے بارے میں پوچھا تھا تو اس کا جواب نفی میں تھا۔اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں ریستوران کے کاروبار کو اس کا سبب قرار دیا تھا۔اس نے ہمیں بتایا تھا کہ گزشتہ پچیس برسوں میں ہم پہلے گاہک ہیں جنھوں نے ذبیحہ کا مطالبہ کیا تھا۔اس نے ہمیں اگلے دن یعنی جمعہ کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ وہ خاص طور پر مویشی فارم جائے گا اور ہمارے لیے ایک بھیڑ ذبح کروا کر لائے گا۔جمعہ کی نماز کے بعد جب ہم ریستوران پہنچے تو ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ اس نے ہمارے لیے شمالی افریقہ کا ایک لذیذ کھانا تیار کر رکھا ہے۔ہم نے کئی دنوں سے گوشت نہیں کھایا تھا،اس لیے اس روز ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کھانے کے ساتھ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی صحبت سے بھی پوری طرح مستفید ہوئے۔

اسی روز شام کے وقت ہم ڈاکٹر حمید اللہ کو خدا حافظ اور پیرس کو الوداع کہہ رہے

Marfat.com

تھے۔اس وقت ہمیں اس بات کا ذرہ برابر افسوس نہ تھا کہ ہم نے اس غیر معمولی حسین شہر کے تاریخی اور دوسرے اہم مقامات کی تقریباً مطلق سیر نہیں کی تھی۔اس ملاقات کی یادوں نے عرصے تک ہمیں مسحور کیے رکھا۔ہم اس بات پر بے حد خوش تھے کہ اگرچہ سیر سپاٹا تو نہ ہوسکا لیکن ایک نادر و یگانہ روزگار شخصیت کے ساتھ ہم نے کافی وقت قرب و بے تکلفی کی فضا میں گزارا۔

ڈاکٹر حمید اللہ سے چند یادگار ملاقاتیں ۱۹۷۴ء میں ظہران اور الخبر میں ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب سعودی حکومت کی دعوت پر سعودی عرب تشریف لائے تھے۔میں ان دنوں ظہران میں ایک یونیورسٹی میں پڑھا رہا تھا، جو آج کل ''کنگ فہد یونیورسٹی آف پیٹرولیم اینڈ منرلز'' کہلاتی ہے۔اس سفر میں ڈاکٹر صاحب نے ہماری یونیورسٹی سمیت کئی تعلیمی اداروں میں لیکچر دیے۔ مجھے یہ جان کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ ۶۶ برس کی عمر میں بھی وہ جزیرۂ عرب کے بارے میں اپنی فیلڈ ریسرچ میں حسب سابق مشغول تھے اور ان میں اب بھی وہی گرم جوشی اور توانائی موجود تھی، جس کا مظاہرہ انھوں نے تیس بتیس سال کی عمر میں کیا تھا۔ان کی نوجوانی کی عمر میں اس محنتِ شاقہ کا ثمرہ ''رسول اکرم ﷺ کے میدانِ جنگ'' نامی کتاب ہے۔

ایک جمعرات کی صبح قطیف کے سفر میں جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان میں ایک میں بھی تھا۔قطیف نامی شہر کا میئر اپنے دفتر میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔روانگی سے قبل ڈاکٹر صاحب نے اپنے سفر کے مقاصد کے بارے میں ہم سے اچھی خاصی گفتگو فرمائی تھی ۔قطیف کے اس سفر کا اصل مقصد ایک چھوٹی بستی زارہ کا دورہ تھا جو قطیف سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے (یہ ایک دوسرے اور نسبتاً زیادہ مشہور گاؤں عوامیہ سے تقریباً ملحق ہے)۔ڈاکٹر حمید اللہ اپنی برسرزمین تحقیق کے لیے علمی طور پر پوری طرح تیار ہو کر آئے تھے ۔انھوں نے بتایا کہ اپنی بعثت سے پہلے جب حضور رسالت مآب ﷺ تجارت میں مصروف تھے تو آپ نے جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ بالخصوص اس کے ساحلی علاقوں کے تجارتی

Marfat.com

سفر کیے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ اور تحقیق کی رو سے چھٹی اور ساتویں صدی میں یہاں تجارتی میلے کثرت سے منعقد ہوتے تھے۔ان میلوں کا زمانہ کچھ اس طرح مقرر کیا گیا تھا کہ بغیر کسی قابلِ ذکر انقطاع کے یہ وقفہ وقفہ سے کم وبیش سال بھر منعقد ہوتے رہتے تھے۔ان امور پر انھوں نے ۱۹۷۴ء میں جو کچھ فرمایا تھا، اس کا بڑا حصہ میری یادداشت میں آج بھی تازہ ہے اور میں اس کا بڑا حصہ بشمول ان حوالہ جات کے، جو انھوں نے اہم کتب سے دیے تھے، سنا سکتا ہوں (اس سے ان کی تدریسی صلاحیتوں کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے)۔اس موقع پر انھوں نے اس روایت کا خاص طور پر ذکر فرمایا تھا جس میں رسالت مآب ﷺ نے زارہ کے چشمہ کے پاس اپنے قیام کا ذکر فرمایا ہے۔(دیکھئے، مسند احمد بن حنبل ،حدیث نمبر ۱۷۱۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربیہ، ۱۹۹۱ء)۔اس خطے کے جغرافیہ اور تاریخ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں بے شمار تفصیلات از بر تھیں۔

میئر کے دفتر میں چند منٹ میں نقشوں کی مدد سے زارہ کو شناخت کر لیا گیا، بلکہ اس موقع پر وہاں کئی ایسے مقامی لوگ موجود تھے جنھیں زارہ تک جانے کے لیے کسی نقشے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ چند لمحوں کے بعد ہم قطیف کے میئر کے ساتھ اس چشمے پر کھڑے تھے جہاں چودہ سو سال پہلے رسول اکرم ﷺ کے قدمِ مبارک پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا جو دل کے نہاں خانے میں ہمیشہ کے لیے بس گیا۔چشمے کے پاس ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی ،جسے عثمانی ترکوں نے تعمیر کیا تھا۔

اس کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ تاریخی اہمیت کے حامل دیگر مقامات پر بھی تشریف لے گئے جن کے بارے میں وہ پہلے ہی سے وسیع معلومات رکھتے تھے۔ یونیورسٹی میں اپنی تدریسی مصروفیات کے باعث میں دوسرے مقامات کے سفر میں ان کے ساتھ نہ جا سکا اگرچہ میرا دل چاہتا تھا کہ میں ایسے ہر سفر میں ان کا ہم سفر ہوتا۔ یہ میرے لیے عزت کی بات ہوتی اور میں اس طرح بہت کچھ سیکھتا۔میں ڈاکٹر حمید اللہ کے تبحرِ علمی، ان کی تاریخی اور جغرافیائی معلومات سے ناواقف نہ تھا تاہم ان کی معلومات کی گہرائی اور وسعت میرے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ڈاکٹر حمید اللہ صاحب میں جو چیز بہت نمایاں تھی وہ رسالت

Marfat.com

مآب ﷺ کی ذاتِ مبارک سے ان کی والہانہ محبت تھی۔ اگرچہ ان کی محبت میں کسی تیز رو دریا کے شور کی جگہ سمندر کا پروقار سکوت تھا۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ان کی وہ عقیدت تھی جو انھیں عمر کے بڑے حصے میں وادی وادی، قریہ قریہ اور کوبہ کو لیے پھرتی رہی۔

اس ملاقات سے گیارہ برس بعد ۱۹۸۵ء میں مجھے اپنے ایک عزیز دوست اسماعیل ابراہیم نواب کے ساتھ یونیسکو کی ایک میٹنگ کے سلسلے میں پیرس جانے کا اتفاق ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل اور تقویٰ کے باعث، ہم دونوں ہی ان کے یکساں عقیدت مند ہیں۔ ہم دونوں کا یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خصوصی سایہ تھا۔ ایک سہ پہر ہم دونوں ان کے دروازے پر کھڑے تھے۔ اس ملاقات کا میں اپنے مضمون کے آغاز میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس موقع پر ہم نے کم و بیش ایک گھنٹہ ان کے ساتھ گزارا اور مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو کی۔ اس یادگار ملاقات میں، میرے دوست اسماعیل نواب نے ڈاکٹر صاحب کے سفرِ حجاز کا ذکر کیا، جب وہ کافی کم عمری میں بیت اللہ کے سائے میں اس جلیل القدر شخصیت سے ملے تھے۔ یہ چالیسویں دھائی کے آخری سالوں کی بات تھی۔ اسماعیل نواب نے یاد دلایا کہ وہ اس وقت بھی مختلف زبانوں پر ان کی دسترس سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس موقع پر حیدرآباد دکن کے ایک قافلہ حج کے ساتھ بطور امیرِ قافلہ حجاز تشریف لے گئے تھے۔ بیت اللہ کی اس ملاقات میں اسماعیل نواب نے ان سے دو موضوعات پر خاص طور گفتگو کی تھی، جو ان دنوں ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی کام کا خصوصی موضوع تھے یعنی قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں ترجمے اور مدینہء منورہ کے تاریخی مقامات، بالخصوص نبی ﷺ کے میدان ہائے جنگ۔ پیرس کی اسی ملاقات میں میں نے ان سے حکومتِ پاکستان کے ایوارڈ کے بارے میں دریافت کیا جو چند ہفتہ قبل ہی ان کو ملا تھا۔ اس پر انھوں نے جو جواب دیا اس کا تذکرہ میں ابتدا میں کر چکا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ جواب واقعہ یہ ہے کہ ہم کو مبہوت کر دینے والا تھا۔ سادہ سے الفاظ میں کہی گئی یہ بات، شدتِ اخلاص کا مظہر تھی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ یہ الفاظ ان کے دل کی گہرائیوں سے

Marfat.com

نکلے تھے۔

اگر ہم ڈاکٹر حمید اللہ کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں اور اس کو سمجھنا چاہیں تو اس کی کنجی ڈاکٹر صاحب کا یہ اہم جملہ ہے: ''اگر میں یہاں لے لیتا تو پھر وہاں کیا ملتا؟''

ڈاکٹر صاحب کے پورے علمی کام کو کھنگال جایئے لیکن شاید اپنی جلالتِ شان کے باوجود اس میں ہمیں ان کی اصل شخصیت کا راز نہ مل سکے۔ نہ ان کے فرانسیسی ترجمہ قرآن میں، جس کے دسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، نہ سیرت رسول ﷺ پر ان کی گراں قدر نگارشات میں، جس کا اعلیٰ ترین نمونہ ان کی فرانسیسی تصنیف La Prophet de I'slam ہے، نہ ان کے غیر معمولی اور تاریخی علمی کام میں (جیسے البلاذری کی انساب الاشراف، جسے انھوں نے مدون کیا یا الوثائق السیّاسیّة، جو عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ کے سیاسی دستاویزات کا ایک عظیم الشان مجموعہ ہے اور جس پر انھوں نے اپنی بے پناہ توانائی صرف کی تھی)۔ اسی طرح یہ راز ہمیں اسلامی بین الاقوامی قانون پر ان کی عہد ساز تصنیف The Muslim Conduct of State میں بھی نہیں ملے گا۔ یہ راز اگر بند ہے تو اس جملے میں جو اس ملاقات میں انھوں نے کہا تھا اور جو ان کی شخصیت ان کے محیر العقول کام اور اس کی برکت کا عنوان ہے۔ اب ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے ترجمہء قرآن کو غیر معمولی پذیرائی کیوں حاصل ہوئی، ان کی کتبِ سیرت کیوں اس درجہ مقبول ہوئیں اور یہ کیسے ہوا کہ ان کا وجود بے شمار انسانوں کے لیے، جن میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی، مینارۂ نور بن گیا۔ اس تاریخی جملے کے بعد ڈاکٹر حمید اللہ ہمارے لیے کوئی معمہ نہ رہے تھے۔

(بشکریہ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قیام ترکی کی یادیں

از ڈاکٹر محمد یعقوب مغل

ڈاکٹر محمد یعقوب مغل صاحب (سابق ڈائریکٹر قائد اعظم اکیڈمی کراچی و موجودہ ڈائریکٹر ڈاکٹر این اے بلوچ انسٹیٹیوٹ آف ہیریٹیج ریسرچ حیدر آباد) پاکستان کے چند ماہرین زبان ترکی میں شامل ہیں. آپ نے ترکی میں طویل عرصے قیام کیا اور انقرہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی. قیام ترکی کے دوران ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم سے قریبی تعلق پیدا ہوا. راقم کی گزارش پر آپ نے اپنی یادداشتیں ریکارڈ کرائیں جنھیں راقم نے قلمبند کیا. ان یادداشتوں پر آپ نے اپنے قلم سے اصلاح و اضافات کیے چنانچہ یہ معلومات افزا مضمون تیار ہوا. اس مضمون کو آپ نے بخوشی پیش نظر کتاب میں شامل کرنے کی اجازت دی جس کے لیے ہم ڈاکٹر مغل صاحب کے مشکور ہیں. (مرتب)

میں ۱۷/اگست ۱۹۶۲ء کو پی ایچ ڈی کرنے ترکی گیا تھا۔ ترکی جانے کا سبب یہ بنا کہ سندھ یونیورسٹی سے بی اے (مسلم ہسٹری) میں فیکلٹی آف آرٹس میں میں نے فرسٹ پوزیشن لی تھی چنانچہ ترکی حکومت کی اسکالرشپ کا حق دار قرار دیا گیا لیکن میں ایم اے (مسلم ہسٹری) کرنے کے بعد اسکالرشپ کے تحت انقرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لیے تاریخ اسلام کے کسی اہم موضوع پر تحقیق کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جب میں انقرہ پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہر سال تین ماہ کے لیے پیرس سے ترکی تشریف لاتے ہیں اور ادبیات فیکلٹی استنبول یونیورسٹی میں لیکچر دیتے ہیں۔ یہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کیونکہ میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نام اور ان کی خدمات سے کسی حد تک واقف تھا۔ ۱۹۶۳ء میں میں اپنے تحقیقی کام کی غرض سے انقرہ سے استنبول پہنچا جہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ پہلے ہی پیرس سے پہنچ چکے تھے اور اور ان کے لیکچرز کی مصروفیات جاری تھیں۔ میں نے وہیں ڈاکٹر صاحب سے اولین ملاقات کی اور ان سے گزارش کی کہ مجھے تحقیقی کام کے لیے

Marfat.com

ان کی رہنمائی درکار ہے اور اس مقصد کی خاطر وہ مجھے وقت عنایت فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے ساتھ بڑی شفقت اور محبت کا برتاؤ کیا اور یہ فرمایا کہ وہ ہفتے میں چار دن شام ۵ بجے تا ۶ بجے کا وقت دے سکتے ہیں۔ یہ ان کی مجھ پر خصوصی عنایت تھی کیونکہ مجھے علم تھا کہ ترکی میں قیام کے دوران بھی ڈاکٹر صاحب اپنا وقت بالکل ضایع نہیں کرتے اور کسی نہ کسی علمی یا دینی کام میں اسے صرف کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں ہفتے میں چار دن ان کے پاس جانے لگا۔ وہ مجھے ان دنوں میں حسب وعدہ شام ۵ تا ۶ بجے کا وقت دیتے اور وہ وقت کے اس قدر پابند تھے کہ کبھی اس معمول میں فرق نہیں آنے دیا۔ وہ نہ تو مجھے ایک منٹ کم دیتے نہ زیادہ۔ اس ایک گھنٹے کی نشست کے دوران صرف تحقیقی امور سے متعلق ہی گفتگو نہیں ہوتی بلکہ دیگر موضوعات پر بھی ہوتی تھی۔ ہماری گفتگو کبھی تاریخ اسلام سے متعلق ہوتی، کبھی ترکوں کی تاریخ سے متعلق اور کبھی ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی اور ان کے کاموں سے متعلق ہوتی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب کا رویہ میرے ساتھ بڑا مشفقانہ اور محبت آمیز ہوتا۔ وہ بڑی محبت سے میرے سوالات کے مفصل جوابات دیتے اور اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفید فرماتے۔ انھی ملاقاتوں کے دوران ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا تھا کہ جب وہ ۱۹۳۷ء میں جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) میں پڑھتے تھے تو ان کے استاد محترم مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے ان سے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں نماز پڑھنے کے جتنے طریقے رائج ہیں وہ سب درست ہیں اور سنت سے ثابت ہیں اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ فلانہ طریقہ درست ہے اور باقی غلط۔ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جس طرح نماز پڑھی یا پڑھائی اور صحابہ کرامؓ میں سے جس جس نے اس طرح دیکھا اس نے وہی طریقہ آگے بیان کیا اور ان کی روایت کی بنا پر مختلف طریقوں سے نماز پڑھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ بھی خیال تھا اور جسے انھوں نے اپنی معروف کتاب 'خطباتِ بہاولپور' میں بھی بیان فرمایا ہے نماز پڑھنے کے مختلف طریقوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سنت کو محفوظ کیا ہے اور یہ تمام طریقے سنت سے ثابت ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس زمانے میں ہر سال تین ماہ کے لیے

Marfat.com

پیرس سے ترکی تشریف لاتے تھے۔ وہ اس زمانے میں ترکی میں معروف شخصیت تھے کیونکہ ان کی بیشتر کتب کے ترکی تراجم ہو چکے تھے اور وہاں کے علمی اور مذہبی حلقوں میں وہ معروف تھے اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ ترکی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ یونیورسٹی میں اسلامیات کے کسی موضوع پر لیکچر دیتے تو اساتذہ وطلبہ کے علاوہ عام لوگ بھی آجاتے۔ علمی حلقوں میں ڈاکٹر صاحب کا بہت احترام پایا جاتا تھا اور ان کی تحریروں کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ڈاکٹر صاحب کی کوئی نئی کتاب فرانسیسی یا انگریزی میں چھپتی تو فوراً اس کا ترکی ترجمہ شایع ہو کر عام ہو جاتا۔

جنوری ۱۹۶۷ء میں انقرہ یونیورسٹی نے مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ اس مقالے کے تحقیقی کام کی خاطر ایک مرتبہ میں لندن بھی گیا۔ وہاں سے میں نے ڈاکٹر صاحب کو مطلع کر دیا تھا کہ واپسی میں پیرس ہوتا ہوا اور ان سے ملتا ہوا ترکی پہنچوں گا۔ یہ ان کی حد درجہ شفقت تھی کہ جب میں بذریعہ ٹرین پیرس پہنچا تو وہ مجھے لینے اسٹیشن تشریف لائے اور انھوں نے پہلے ہی میرے لیے ہوٹل میں کمرہ بک کرا دیا تھا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ازراہِ مہمان نوازی مجھے اپنے گھر کھانے کی دعوت بھی دی۔ پیرس میں قیام کے دوران میں نے وہاں کے کئی کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی زندگی انتہائی سادہ اور تکلفات سے دور تھی۔ میں کھانا کھانے چوتھی منزل پر واقع ڈاکٹر صاحب کے اسی کمرے میں پہنچا جہاں انھوں نے زندگی کا بڑا وقت گزارا۔ وہ کمرہ انتہائی سادہ اور کتابوں سے بھرا ہوا تھا جس میں دو سادہ سی چارپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنا کھانا خود ہی تیار کرتے تھے اور ان کی خوراک انتہائی سادہ ہوتی تھی۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جو کھانا کھایا اس میں بھی دال اور سبزیاں تھیں۔ ڈاکٹر صاحب وہاں گوشت سے پرہیز کرتے تھے لیکن مچھلی کھاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی تصنیفات و تالیفات کی رائلٹی نہیں لیتے تھے بلکہ ناشر کو کہتے کہ رائلٹی کے بدلے کتاب کی قیمت کم رکھو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے خرید سکیں۔ پیرس کا ایک عیسائی ناشر اسلام کے خلاف کتب چھاپتا رہتا تھا لیکن اسی ناشر سے ڈاکٹر صاحب نے ایک اہم

Marfat.com

اسلامی خدمت لی۔ ہوا یوں کہ ناشر نے فیصلہ کیا کہ دنیا کے عظیم مذاہب یا Great Religions of the World پر کتب شایع کرے گا۔ اب ظاہر ہے ان مذاہب میں اسلام کا نام آنا لازمی تھا چنانچہ اس ناشر نے فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ شایع کرے گا۔ اس کام کی خاطر اس کی نظرِ انتخاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ پر پڑی اور اس نے ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اس کام کی خاطر مناسب عملہ و دیگر سہولیات ڈاکٹر صاحب کو فراہم کی جائیں گی۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت سے قرآن کا مکمل فرانسیسی ترجمہ کیا اور مختصر تفسیری حواشی لکھے اور اسی ناشر نے یہ شایع کیا۔ یہ ترجمہ فرانس اور بیرون فرانس میں بے حد مقبول ہوا اور اس کے کئی ایڈیشن شایع ہوئے اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اس ناشر نے اسی ترجمہ قرآن کا ایک بہت قیمتی اور نفیس خصوصی ایڈیشن بھی قلیل تعداد میں شایع کیا اور ایک نسخہ ڈاکٹر صاحب کو بھی پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ نسخہ مجھے قیام پیرس کے دوران دکھایا تھا۔ اس ترجمہء قرآن کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان میں دو جلدوں میں سیرتِ طیبہ ﷺ بھی لکھی تھی جو بے حد پسند کی گئی اور اس کے دنیا کی کئی زبانوں بشمول ترکی میں ترجمے شایع ہوئے۔

ترکی میں قیام کے دوران پہلے میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان 'سلیمان عالی شان کی خارجہ پالیسی میں اسلامی عناصر' تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے تمام بادشاہوں میں سلیمان عالی شان کا دور اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اس دور میں سلطنت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور اس کی سرحدیں ایشیا، یورپ اور افریقہ تک پہنچ چکی تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سلطنتِ عثمانیہ اس وقت دنیا کی سپر پاور تھی۔ اس دور میں مفتی اعظم کے پاس بے پناہ اختیارات ہوتے تھے اور اگر سلطان بھی کوئی غیر شرعی کام کرنا چاہتا تو مفتی اعظم اپنے اختیارات کو استعمال کر کے سلطان کو ایسا کرنے سے روک دیتا تھا۔ مثلاً سلطان سلیم کے دور حکومت میں جب اسپین کے مسلمانوں پر عیسائی حکمران ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے اور ان کا بے دریغ قتل عام جاری تھا تو سلطان سلیم نے فیصلہ کیا کہ بطور جواب میں اپنی سلطنت میں کسی عیسائی کو زندہ رہنے نہیں دوں گا اور سب کا قتلِ عام کروں گا۔ جب مفتی اعظم کو

Marfat.com

سلطان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے سلطان سے کہا کہ آپ یہ غیر شرعی کام نہیں کر سکتے۔ سلطان نے مفتی اعظم سے کہا کہ میں خلیفہ ہوں اور مجھے اختیار ہے ایسا کرنے کا۔ مفتی اعظم نے سلطان سے کہا کہ اسلام اس طرح غیر مسلموں کے قتلِ عام کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ عیسائی شرعی لحاظ سے ذمی ہیں اور مسلمان حکمران شریعت کے مطابق ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اسی بنا پر سلطان سلیم نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی اور عیسائی امن و امان سے اور بلا خوف و خطر وہاں رہے۔

'سلیمان عالی شان کی خارجہ پالیسی میں اسلامی عناصر' کے موضوع پر میں نے آٹھ ماہ تک تحقیقی کام کیا لیکن اس کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر مجھے اپنا موضوعِ تحقیق تبدیل کرنا پڑا۔ دوسرا موضوع جس پر مجھے جنوری ۱۹۶۷ء میں انقرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی وہ 'پندرہویں صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کے ترکوں سے روابط' تھا۔ اس موضوع پر جب مجھے ڈگری مل گئی تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اس بات پر اصرار کیا کہ میں اس مقالے کی کتابی شکل میں اشاعت کا انتظام کروں۔ ان کا کہنا تھا کہ تحقیقی مقالے کی اشاعت کے بعد اس کا افادہ عام ہوگا ورنہ یہ مقالہ آپ کے گھر میں پڑا رہے گا اور اس سے کوئی مستفید نہ ہو سکے گا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے مشورے کے مطابق اسے کتابی شکل دی اور اس مقالے کو ۱۹۷۳ء میں استنبول سے میرے ایک ایسے ترک شاگرد نے شایع کیا جس نے مجھ سے ادبیات فیکلٹی استانبول یونیورسٹی میں اردو پڑھی تھی۔

۱۹۶۲ء میں میں ترکی گیا تھا اور پانچ سال کی محنت کے بعد جنوری ۱۹۶۷ء میں انقرہ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ واپسی پر سندھ یونیورسٹی میں ستمبر ۱۹۶۷ء سے میں نے بحیثیت لیکچرار اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۳ء میں تین سال تک میں ادبیات فیکلٹی استانبول یونیورسٹی بحیثیت Research Fellow ترکی میں رہا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے برابر ان کے قیام ترکی کے دوران ملاقاتیں کرتا رہا۔ فی الحقیقت میری زندگی کا بہترین دور وہی تھا

Marfat.com

جب میں ترکی میں مقیم رہا۔ استانبول یونیورسٹی میں میرے دوست پروفیسر ڈاکٹر تحسین یازیجی تھے جو پاکستان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ میں نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ پاکستا ن سے اتنی محبت کرتے ہیں تو استانبول یونیورسٹی میں پاکستان سے متعلق شعبہ قائم کریں چنانچہ انھوں نے استانبول یونیورسٹی میں ایک نیا شعبہ Urdu and Pakistani Culture کے نام سے قائم کیا جواب تک قائم ہے۔ اس شعبے کے قیام کے بعد ڈاکٹر تحسین یازیجی نے جو اس وقت ادبیات فیکلٹی استانبول یونیورسٹی میں ڈین آف فیکلٹی تھے، میرا تقرر بحیثیت بانی سربراہ ڈپارٹمنٹ آف اردو اینڈ پاکستانی کلچر کیا۔ ترکی میں قیام کے دوران میری ملاقاتیں بین الاقوامی شہرت یافتہ ترک دانشور اور ہفت زبان عالم اور تاریخ دان پروفیسر ذکی ولیدی طوغان سے بھی ہوئیں۔ وہ پاکستان سے بہت محبت کرتے تھے اور انھیں جب بھی علم ہوتا کہ کوئی طالب علم پاکستان سے آیا ہے تو خود جا کر اس سے ملاقات کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وہاں اس دور میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر قراحان بھی تھے جن سے میرا گہرا تعلق قائم ہو گیا۔ وہ بھی پاکستان سے بڑی محبت کرتے تھے اور Turk Pakistan Cultural Association کے صدر بھی رہ چکے تھے چنانچہ میں بھی اس ایسوسی ایشن میں عملی حصہ لینے لگا۔

اس زمانے میں استنبول میں ایک تاریخی شخصیت جناب ظفر حسن ایبک کی تھی جو گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علمی کے زمانے میں ۱۹۱۳ء میں پہلے افغانستان اور پھر ترکی چلے گئے تھے اور انھوں نے ترکی ہی کے ایک اعلیٰ خاندان میں شادی کر لی تھی۔ وہ مجھ سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے اور جب بھی میں انقرہ سے استنبول جاتا وہ اصرار کر کے مجھے شیشلی محلے میں واقع اپنے گھر میں ٹھہراتے اور بڑی شفقت فرماتے۔ ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوئے تو فیلڈ مارشل ایوب خان بھی ان کی عیادت کے لیے گئے تھے۔ وہ افغانستان میں مولانا عبیداللہ سندھی کے سیکریٹری بھی رہ چکے تھے اور بعد میں ترک فوج میں انھوں نے ملازمت بھی کی۔ انھوں نے اپنی دلچسپ یادداشتیں 'خاطرات' کے عنوان سے لکھی تھیں جن میں بہت سی یادگار تصویریں بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب لاہور سے شایع ہوئی۔ ظفر حسن ایبک

Marfat.com

صاحب کی عادت تھی کہ روزانہ صبح وہ مجھ سے قبل ہی نہا دھو کر اور سوٹ ٹائی پہن کر بالکل تیاری کی حالت میں ناشتے کی میز پر آجاتے تھے۔ظفر حسن ایبک کا انتقال استنبول ہی میں ۹۳ برس کی عمر میں ہوا۔

جہاں تک ترک قوم کا تعلق ہے میں نے محسوس کیا کہ وہ احسان فراموش قوم نہیں ہے۔انھیں آج تک یاد ہے کہ تحریکِ خلافت کے دوران برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے ترک بھائیوں کی بے دریغ مدد کی تھی اور خواتین نے اپنے زیورات اور نقد رقومات بڑی تعداد میں ترکوں کو فراہم کی تھیں۔ان زیورات اور رقومات سے ہی ترکی میں ایک بینک قائم کیا گیا تھا جو آج تک قائم ہے اور اش بینک(Ish Bank) کے نام سے مشہور ہے۔یہاں ایک تاریخی حقیقت بیان کرنی ضروری ہے کہ عالمِ اسلام کے دو ممالک ایسے ہیں جو کبھی کسی کے غلام نہیں ہوئے،ان میں ایک افغانستان اور دوسرا ترکی ہے۔اسی وجہ سے ترکی میں غلامانہ ذہنیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔اس کے علاوہ ترکی میں سب لوگ پڑھے لکھے ہوتے ہیں اسی لیے ان کی سوچ آزادانہ ہے۔اس کے علاوہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ترک قطعاً جھوٹ نہیں بولتے اور قومی جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ترکی ایک ایسا ملک ہے جہاں پاکستانیوں کو پاکستان سے بھی زیادہ عزت واحترام سے دیکھا جاتا ہے۔ترکی میں دو ملکوں کے عوام سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے ایک جرمنی دوسرا پاکستان۔جرمنوں کو ترک 'دوست' اور پاکستانیوں کو 'بھائی' کہتے ہیں۔ترک بے حد مہمان نواز ہوتے ہیں اور جن پاکستانیوں کو ترکی جانے کا موقع ملا ہو وہ اس حقیقت کی گواہی دیں گے۔ترکی جانے کے بعد یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسے ملک میں آگئے ہیں جہاں کے لوگ ہمارے لیڈروں خصوصاً قائداعظم محمد علی جناح اور ذوالفقار علی بھٹو کو جانتے ہیں اور ہم سے برادرانہ سلوک کرتے ہیں۔

Marfat.com

مردِ آفاقی

از ڈاکٹر تحسین فراقی

ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب (سابق صدر شعبہء اردو پنجاب یونیورسٹی، موجودہ ڈائریکٹر مجلس ترقی ادب لاہور) اردو زبان و ادب کے نامور محقق اور استاد ہیں۔ ان کا یہ معلومات افزا مضمون اورینٹل کالج میگزین جلد ۷۸ عدد ۳۔ ٤ بابت ۲۰۰۳ء میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ ہم ڈاکٹر فراقی صاحب کے تہِ دل سے مشکور ہیں کہ ہماری گزارش پر انھوں نے بخوشی اس مضمون کی پیشِ نظر کتاب میں شمولیت کی اجازت عطا فرمائی (مرتّب)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م: دسمبر ۲۰۰۲ء) کا میں نے جب بھی تصور کیا میرے ذہن میں ''جاوید نامہ'' میں مرقوم اقبال کے وہ شعر گونجنے لگے جن میں مردِ حق مردِ حُر اور مردِ آفاقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر کی یہ تثلیث اصل میں حقیقتِ واحدہ سے عبارت ہے یعنی:

مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو — مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو
ہر زماں اندر تنش جانے دگر — ہر زماں اورا ز حق شانے دگر (۱)

پھر ''پس چہ باید کرد'' میں مردِ حُر اور مردِ آزاد کا ذکر کرتے ہوئے اقبال نے اس غیر معمولی شخصیت کو نمایاں کیا ہے اور لکھا ہے کہ مردِ حر کا قلب کلمہ لا الٰـــہ سے منور ہوتا ہے۔ وہ میر و سلطاں کی صحبت سے دور بھاگتا ہے۔ وہ تو صابر و شاکر اونٹ کی طرح ہوتا ہے جو کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے۔ وہ اپنے پاؤں یوں جما کر رکھتا ہے کہ اس کے اس عمل سے نبضِ ہستی تیزی سے دھڑکنے لگتی ہے (۲)۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے اپنی طویل زندگی میں بہت جدوجہد کی بڑی کٹھنائیاں برداشت کیں مگر وہ کمال استقلال اور انہماک سے فکر و

Marfat.com

فرھنک اور دید و دانش کے چراغ روشن کرتے رہے۔ ایسے چراغ جن کا نور مشرق و مغرب دونوں کے طاق منور کرتا رہا۔ وہ ایک ایسے آفتابِ دانش و فرھنگ تھے جو بقول اقبال اپنے سوزِ دروں سے تب و تاب حاصل کرتا ہے۔ وہ طلوع ہوتا ہے بے حجاب اور شوخ تجلیات کے جلو میں مگر جلد ہی، شرق و غرب کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور پورے آفاق کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ سچ ہے کہ مرحوم کے دھان پان وجود میں علم و عرفان کا ایک دریا موجزن تھا جس سے تشنگانِ دید و دریافت کم و بیش پون صدی تک فیض یاب ہوتے رہے۔ بارہ برس پہلے اپنے ایک مکتوب میں جناب مظہر ممتاز قریشی کے نام لکھتے ہیں:

> ''آج کل کاموں کی اتنی کثرت ہے کہ جواب دینا بھی آسان نہیں رہا، ہر روز مقامی طلبہ پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ چاد انگ عالم سے ان گنت خط آتے ہیں۔ فتویٰ پوچھنے کے لئے بھی اور دیگر وقت لینے والے کاموں کے لئے بھی۔ پچاسی سال سے عمر تجاوز کر چکی ہے۔ واللہ المستعان'' (۳)

قابلِ رشک ہے وہ لمبی عمر جو بامراد گزرے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ قمری تقویم کے حساب سے انہوں نے کم و بیش ستانوے ۹۷ برس عمر پائی۔ اس طویل عرصے میں مسلم ثقافت کے سمندر سے سیراب اس مردِ آزاد نے اپنے سینے کی آگ کو ہمیشہ روشن رکھا اور تمام عمر مردانِ پاک کی طرح روشنی اور گرمی بانٹنے کا اہتمام کیا۔ ان کی علمی پیاس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ چوبیس برس کی عمر میں ڈی فل کیا اور تین برس بعد دنیا کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی سوربون SORBONNE سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء کے آس پاس ان کے مضامین و مقالات برِ عظیم کے ممتاز مجلوں میں شائع ہونے لگے تھے۔ بی اے کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے عمدہ تحقیقی مضامین ''مجلّہ عثمانیہ'' میں جگہ پانے لگے تھے۔ ''اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں''، ''آٹھویں صدی ہجری میں مصر و شام کی ڈاک کا انتظام'' اور ''نہر سویز کا پراجکٹ حضرت عمرؓ کے زمانے میں'' (۴) اگرچہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہیں مگر ان عمدہ تحقیقی مضامین کی اٹھان پہ بتاتی ہے کہ ان کے لکھنے والے کے مقدر میں آئندہ چل کر کیا کیا عظمتیں

Marfat.com

لکھی ہیں۔ان مضامین سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مرحوم نے اپنے کارِ تخلیق کے آغاز ہی میں عام روش سے ہٹ کر کیسے کیسے منفرد ملی اور عمرانی موضوعات کا انتخاب کیا تھا۔غالب کے اس مصرع کے مصداق:

نمی رویم براہے کہ کارواں رفت است

بے محل نہ ہوگا اگر مذکورہ مضامین میں سے دو پر تھوڑی سے گفتگو ہو جائے۔

''اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں'' آج سے پچھتر برس پہلے لکھا گیا۔اس زمانے میں محمد حمید اللہ بی۔اے کے طالب علم تھے۔اس مضمون میں انہوں نے کتب خانہ دفتر ہند INDIA OFFICE LIBRARY میں کسی زین العابدین کی قلمی کتاب فتح المجاھدین کا ذکر کیا ہے، جس کے اکیس مکمل اور نامکمل نسخے موجود ہیں۔پھر اس کے ایک حیدر آبادی نسخے کا تعارف کرایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کتاب فوجی اصول وقواعد پر مشتمل ہے، فوجی احکام فارسی میں اور جنگی اشعار اردو میں مندرج ہیں۔پھر اس کتاب کے مختلف ابواب کا تعارف لکھتے ہیں۔باب سوم کے ضمن میں فرماتے ہیں:

> ''باب سوم تدابیرِ حرب کے بیان میں ہے اور باب اوّل کے بمقابل بہت مختصر ہے چنانچہ صرف ۱۴ صفحوں میں آیا ہے مگر اس سے زیادہ اہم اور دلچسپ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان کے اصولِ جنگ کیا تھے، فوج کو کس طرح آراستہ کرنا چاہیے، جنگل، میدان یا پہاڑ یا چشمہ مقامِ جنگ ہوں تو آراستگی میں کیا تفاوت ہوتا ہے۔توپ و بندوق سے کس طرح مناسب کام لیا جا سکتا ہے۔''جنگ صعب'' اور جنگ قزاقی'' کب اور کس طرح ہونی چاہیے۔شب خون دشمن کی فوج کے میدان میں خیمہ زن ہونے کے وقت کرنا کیوں مفید ہے۔افسرِ اعلیٰ موقع اور محل کا خود معائنہ کر کے اس علم سے جنگ میں کس طرح فوج کی رہنمائی کرے، ہوا کے رخ کا جنگ کے وقت لحاظ، افسرِ اعلیٰ کے قتل پر اس کی فوری جانشینی قلعہ بند ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔قلعہ شکنی میں اولاً کن حصوں پر گولہ باری ہو وغیرہ۔(۵)

Marfat.com

آگے چل کر فتح المجاھدین سے بعض نا قابل تردید داخلی شہادتیں فراہم کر کے ثابت کیا ہے کہ مخطوطے میں شامل اردو شاعری کا اسلوب ٹیپو کے زمانے ہی کا ہے اور یہ بعد کا اضافہ نہیں۔ اس مضمون سے مصنف کے تعیین شہادت کے طریقِ کار کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ بیس برس کے اس نوجوان کی نظر کیسی عمدہ ہے اور اس کے اندر تحقیق، تجسس اور جرح وتعدیل کی کیسی اچھی صلاحیت موجود ہے۔ اسی زمانے کے مضامین سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرحوم کا لسانی پس منظر کیسا وسیع تھا جو بعد ازاں کئی اور جہتوں میں پھیلا اور بڑھا اور جس کا ثبوت ان کی وہ تحریریں ہیں جو عربی، جرمن اور فرانسیسی میں لکھی گئیں۔ ''آٹھویں صدی ہجری میں مصر وشام کی ڈاک کا انتظام'' بڑا دلچسپ مضمون ہے جو اصلاً ابو العباس احمد بن ابو المعالی یحیٰ بن فضل اللہ القریشی کی تصنیف التعریف با لمصطلح الشریف سے ماخوذ ہے۔ یہ مضمون اس وقت لکھا گیا جب حمید اللہ ایم۔اے کے متعلم تھے۔ اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم عربی اور دیگر زبانوں کی امہاتِ کتب کو اردو زبان میں متعارف کرانے کے لئے کتنے بے چین رہتے تھے۔ یہ روایت دراصل سرسیّد اور ان کے رفقاء بالخصوص شبلی کے تتبع میں ان کے حصے میں آئی۔ شبلی نے اپنے بعض مقالات میں جو 'الندوہ' میں شائع ہوتے رہے اکابر کی تصانیف کے تعارف کا بیڑا اٹھایا تھا مگر ڈاکٹر حمید اللہ کا اسلوب شبلی کے اسلوب کی نسبت زیادہ سائنسی ہے۔ اس مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں ''برید'' کا یہ نظام کیسا موثر اور کتنا وسیع تھا۔ کبوتروں کی ڈاک اس پر مستزاد تھی جس کا آغاز موصل سے ہوا۔

۱۹۳۶ء میں جب ڈاکٹر صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں محض لیکچرر تھے، ان کے مقالات بعض اہم علمی مجلّوں اور قابل قدر فکری وتحقیقی منتخبات میں جگہ پانے لگے تھے۔ دراصل انہوں نے اپنے عہدِ جوانی میں علم سے عمر بھر کا پیمانِ وفا باندھ لیا تھا۔ یہ سچا اور مستقل پیمانِ وفا اپنی ذات کی نفی کیے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ مرحوم کے علمی کارناموں کی کثرت اور تنوع کا تصور کر کے مسلم ثقافت کے عہد زرّیں کے اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ بلاشبہ ہمارے سلف کی زندہ اور روشن یادگار تھے۔ اپنے متعدد مکاتیب میں وقتاً فوقتاً نشاندہی فرما

Marfat.com

تے رہے کہ ان کی کتب کی تعداد ایک سو ستر سے زائد ہے۔ مضامین کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز اور یہ مضامین ایک دو زبانوں میں نہیں سات زبانوں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی وسعتِ نظر، معلومات کی گہرائی و گیرائی اور غیر معمولی علمی انہماک، نامور دانش مند ابوریحان البیرونی کی یاد دلاتا ہے۔ البیرونی کی طرح ہمارے عہد کا یہ ابوریحان بھی تمام عمر مجرد رہا اور یہ اس لئے:

کہ کارِ لوح و قلم میں کہیں خلل نہ پڑے

نفیِ ذات کا یہ عالم تھا کہ گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کے علمی کارناموں پر یا ان کے سوانح پر قلم اٹھائے۔ اپنے عزیز مکتوب نگار مظہر ممتاز قریشی کے نام لکھتے ہیں:

۱۔ ''براہ کرم میری سوانح عمری نہ چھاپیے مجھے ذرا بھی پسند نہیں''۔ (۶)

۲۔ ''میں حکیم محمد سعید کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ مجھ پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھائیں۔ میری مطبوعہ کتابوں اور مقالوں پر ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے وہ کام بھی قبل از وقت ہے''۔ (۷)

۳۔ ''مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑ ہے۔ آپ کے دوست اس سے دلچسپی رکھتے ہیں تو ان سے کہیے کہ میرے مرنے کا انتظار کریں''۔ (۸)

بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب جہاں اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے وہیں اس موقف کے بھی زبردست حامی تھے کہ کسی بھی اہلِ علم پر اس کی زندگی میں ہونے والا کام توازن اور معروضیت سے محروم رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم جس توازن اور معروضیت کے علمبردار تھے وہ ان کے علمی کارناموں میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ قانونِ اسلامی، اجتہاد، حدیث، فقہ اور سیرتِ پاک کے جن جن نادر اور نامعلوم گوشوں تک ان کی نگاہ پہنچی وہ حیران کر دینے والی ہے۔ ان کے غیر معمولی استقلال، انہماک بے غرضی اور انکسار نے ان علمی کارناموں کو غایت درجے کی برکت عطا کی۔ ان کی متعدد کتابیں دنیا کی کئی جامعات کے نصابات میں شامل ہوئیں۔ دنیا کی متعدد زبانوں میں ان کے ترجمے کیے گئے۔ ان کی صرف ایک کتاب "INTRODUCTION TO ISLAM" ہی کو لیجیے۔ سادہ سہل مگر علمی اسلوب میں

Marfat.com

لکھی گئی اس اعلیٰ کتاب کے فرانسیسی، ترکی، جرمن، عربی، یوگوسلاوی اور متعدد دیگر زبانوں میں تراجم شایع ہوئے۔ تازہ ترین صورتِ حال تو معلوم نہیں مگر ۱۹۸۶ء تک ان کے فرانسیسی ترجمہء قرآن کے پندرہ اور فرانسیسی میں لکھی گئی سیرت النبی ﷺ کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے اور یہ ایڈیشن ہزاروں میں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے مگر ڈاکٹر صاحب کی بے نفسی اور دولتِ دنیا سے بے نیازی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اپنی کسی کتاب کی ایک پائی رائلٹی کبھی نہ لی اور مالی اعتبار سے کبھی آسودہ نہ رہے۔

ڈاکٹر صاحب کے علمی کارناموں کا سیر حاصل جائزہ ممکن نہیں۔ یورپ کی متعدد بڑی زبانوں پر انہیں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ عہدِ جدید کے فکری منہاج اور جدید ذہنوں میں ابھرنے والے چکرا دینے والے سوالات سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ ان کی کتابیں دانشِ حاضر کے اٹھائے گئے بعض مذہبی سوالات کے بہت حد تک شافی جواب مہیا کرتی ہیں۔ ان کا مذاہبِ عالم کا مطالعہ غیر معمولی تھا اور اس کی جزئیات کم و بیش ان کے حافظے میں محفوظ تھیں۔ ''خطباتِ بہاول پور'' (مارچ ۱۹۸۰ء) کاملاً حافظے کی مدد سے دیئے گئے اور یہ بڑی حیران کن بات ہے۔ قرآن اور اسلام پر اکمل درجے کے ایقان کے بغیر ایسی تحریریں ممکن نہ تھیں۔ یہ کتاب فکر و دانش کے بہت سے نکات روشن کرتی ہے اور یقین ہے کہ اس سے اسلامیات اور فکرِ دینی کے کئی نئے باب کھلیں گے۔

''خطبات بہاول پور'' یوں تو پوری ڈاکٹر صاحب کی وسعتِ مطالعہ کی مظہر ہے لیکن میں یہاں ان بارہ خطبات میں سے دو کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یعنی 'تاریخِ قرآن مجید' اور 'اسلامی قانون بین الممالک'۔ تاریخِ قرآن مجید میں ڈاکٹر صاحب نے ماسبق کے صحائف کے ضمن میں جو جزئیات فراہم کی ہیں وہ ان کے غیر معمولی مطالعے اور قوی حافظے کی آئینہ دار ہیں۔ ہندوستان کی الہامی کتب میں ڈاکٹر صاحب نے 'پرانوں' کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ ایک قرآنی آیت وَاِنَّهٗ لَفِی زُبُرِ الاوّلِین (۲۶:۱۹۶) درج کرتے ہوئے اپنے ایک قیاس کی جانب اشارہ کر کے آگے ایک بڑی دلپذیر پیش گوئی درج کرتے ہیں:

Marfat.com

''بہر حال دس پُر ان ہیں، ان میں سے ایک میں یہ ذکر آیا ہے کہ آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقے میں پیدا ہوگا۔ اس کی ماں کا نام قابلِ اعتماد اور باپ کا نام اللہ کا غلام ہوگا۔ وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جا کر بسنے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے وطن کو متعدد بار دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے''۔

مندرجہ بالا اقتباس میں اگر چہ واضح اشارے حضور اکرم ﷺ کی جانب ہیں لیکن ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک سچے عالم کی شانِ احتیاط کو قائم رکھتے ہوئے محض یہ لکھا ہے کہ اس کتاب میں جو مذکورہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں ان سے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ مستنبط کیا جا سکے۔

ایک عام غلط فہمی جس کی اشاعت میں مستشرقین کا بھی بڑا ہاتھ رہا ہے یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن بین الدفتین موجود نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں متعدد شواہد سے نہ صرف اس غلط فہمی کا ازالہ کیا بلکہ اس امر کی بھی وضاحت کر دی کہ حضرت عثمانؓ کے جامع القرآن ہونے کی کیا حقیقت ہے، فرماتے ہیں:

''اس کے معنی یہ نہیں کہ انہوں قرآن مجید کو جمع کیا۔ اس کی تاویل ہمارے مورّخوں نے یہ کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک ہی قرآن پر جمع کیا۔ جو اختلاف لوگوں میں پایا جاتا تھا اس سے ان کو بچانے کے لئے مکہء معظّمہ کے تلفظ والے قرآن کو انہوں نے نافذ کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اگر یہ اجازت دی تھی کہ مختلف قبائل کے لوگ مختلف الفاظ کو مختلف انداز میں پڑھ سکتے ہیں تو اب اس کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ مکہء معظّمہ کی عربی اب ساری دنیائے اسلام میں نافذ اور رائج ہو چکی ہے''۔ (۱۰)

ابھی اوپر میں نے ایک سچے عالم کی شانِ حزم و احتیاط کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کی خوب پاسداری کرتے تھے مگر اس پہلے خطبے میں ایک جگہ وہ یہ احتیاط

Marfat.com

قائم نہیں رکھ سکے۔ یہ معلوم ہے قرآنِ حکیم کی تسوید کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد ہوئی تھی اور جب پورا قرآن مجید لکھا جا چکا تو حضرت زیدؓ کو احساس ہوا کہ اس میں ایک آیت کم ہے۔ یہ آیت ان کے حافظے میں تو موجود تھی مگر کسی تحریری نسخے میں نہیں تھی۔ بالآخر اس آیت کی موجودگی کی تصدیق ایک ایسے صحابیؓ کے تحریری نسخے سے ہوگئی جس کی شہادت کو ایک موقع پر خوش ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے مساوی قرار دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں اگر یہ آیت یا اس طرح کی آیتیں قرآن حکیم سے خارج بھی کر دیں تو کوئی اہم چیز خارج نہیں ہوتی کیونکہ اسی مفہوم کی آیتیں قرآن مجید میں اور موقعوں پر موجود ہیں۔ (۱۱)

یہی استدلال آگے چل کر ص ۳۰ پر کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ استدلال مناسب نہیں کیونکہ اگر اس کو اختیار کر لیا جائے تو ایک ہی مفہوم کی متعدد آیات خارج ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔ میری ناقص رائے میں قرآن حکیم میں تکرار آیات کو قرآن کے بے مثل اسلوب اور اصول فصاحت کے نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے جیسا کہ سورۃ الرحمٰن کہ اس میں فبای آلاء ربّکما تکذبٰن والی آیت بتیس ۳۲ مرتبہ استعمال ہوئی ہے (۱۲) اور اس تکرار سے تذکیر اور تاثیر کو حیرت انگیز طریقے سے بڑھایا گیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ''اسلامی قانون بین الممالک'' ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کا مرغوب موضوع تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر ان کی معرکہ آراء کتاب "Muslim Conduct of State" میں ہوا ہے جو جزواً ۱۹۳۵ء میں جرمنی سے شایع ہوئی اور بعد ازاں حیدر آباد دکن سے ۱۹۴۲ء میں۔ اس کے بعد اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ (یہ کتاب اصلاً ڈی فل کے حصول کے لئے تیار کی گئی تھی)۔ یہی موضوع ''خطباتِ بہاول پور'' میں بھی تفصیلی جگہ پاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ یونان میں سٹی اسٹیٹ کے موجودہ ہونے کا مطلب نہیں کہ یہ دنیا میں کہیں اور نہیں پائی جاتی تھیں۔ قبل از اسلام کے عرب میں بھی اس کا وجود نظر آتا ہے (۱۳) پھر انہوں نے قانون بین الممالک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ یونان اور روما جیسے مشہور تاریخی مقامات پر اپنی

Marfat.com

ناقص شکل میں نظر آتا ہے کیونکہ دونوں مملکتوں کی شہری ریاستوں میں جو قواعد معین تھے وہ صرف اپنے ہم نسلوں کے لئے تھے باقی ساری دنیا سے متعلق اپنی اپنی صوابدید کے سوا کوئی معین ضابطہ باقاعدہ نہیں تھا۔اس کے بعد کی صورتِ حال یورپی مورخ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک ہزار سال کی لمبی جست لگا کر قانون بین الممالک کا سہرا چودھویں پندرھویں صدی عیسوی کے سر باندھتے ہیں اور اسلامی دور کے قانون بین الممالک کو سرے سے گول کر جاتے ہیں۔اصل میں جس مغربی تعصب کی جانب ڈاکٹر حمید اللہ ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں وہ یورپی اہلِ علم کا عمومی شیوہ رہا ہے۔ڈاکٹر حمید اللہ سے پہلے اقبال بھی مغرب کے اس غیر علمی رویے کی سخت ثنا کی رہے۔ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک عالم کے سچے اعتماد کو کام میں لاتے ہوئے اور مغرب سے مرعوب ہوئے بغیر اپنی کتاب 'مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ' میں لکھا ہے مغرب کا نام نہاد جدید انٹرنیشنل لاء بھی کامل اتفاق پر مبنی ضابطوں کا مجموعہ نہیں لہذا اسے بھی قانون بین الممالک کا درجہ دینا مشکل ہے۔یہ اسلام ہی ہے جس نے صحیح معنوں میں قانون بین الممالک کی تشکیل کا حق ادا کیا۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ تما م ابتدائی یورپی علماء کے مطابق قانون بین الممالک کا تعلق یا ہسپانیہ سے تھا یا اٹلی سے اور ان دونوں ملکوں پر اسلام کے کلچر کا فیضان ظاہر و باہر ہے۔تاریخِ عالم میں اسلام کا رول ایک درمیانی کڑی کا ہے جسے یورپ اپنے تعصب کی بنیاد پر بالعموم نظر انداز کرتا رہا ہے۔اسلام کے قانون بین الممالک کے امتیاز اور یورپی علماء قانون بین الممالک پر اس کے فیض کو ڈاکٹر صاحب نے خالصتہً علمی انداز میں جس طرح آئینہ کیا وہ انہی کا حصہ ہے۔فرماتے ہیں:

"In Muslim Law we come ,for the first time ,across the full-fledged notion of recognising rights for the enemy in all times,in peace as much as in war , rights endorsed by the Quran and by the practice of the Prophet and his successors. Further, it is also to be noted that books on *jura belli[laws of war]*by Ayala and Vitoria Gentiles and Grotius and other have no counterpart in the Roman and Greek literatures, and they are the product of an age when

Marfat.com

European erudition was not highly devoloped as today .To us therefore they are but echoes of these Arabic works on Jihad [War]and Siyar[Conduct in time of war and peace].There must we seek for the link between the roman and the modern period ,and there must we recognise the origion of the epoch-making change in the concept of international law'.[14]

غور سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''مسلم کنڈکٹ آف اسٹیٹ'' جہاں بین الاقوامی قانون پر ان کی بے مثال نظر کی مظہر ہے وہیں مسلم کلچر کی عظمت اور اسکے پوری دنیا پر فیض ورحمت کی شاہد ناطق ہے اور اس عہدِ زوال میں مسلم ثقافت کی وسعتِ نظر کی ازسرِ نو بحالی کی ایک دلسوز کوشش۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کا اسلوب خالص علمی اور گہرے استدلال پر مبنی ہوتا تھا۔ وہ سیدھے اور سچے سبھاؤ کے ساتھ قاری کے دل میں گھر کر لیتے تھے۔ ان کی شخصیت کی سادگی ان کی تحریروں میں بھی بخوبی جھلکتی ہے۔ ان کا سادہ اور سنبھلا ہوا شستہ اور سہل متنع کا سا اسلوب دلوں اور دماغوں میں بڑی سہولت سے جگہ بنالیتا تھا۔ اس تناظر میں یہاں میں ان کے ایک مقالے کی مثال دیتا ہوں جو حکیم عبدالحمید دہلوی کو انگریزی زبان میں پیش کیے گئے ارمغانِ علمی (مرتبہ مالک رام) میں "Symbolism in the Islamic Religion" کے زیرعنوان شایع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ بھی ان کے علم کے پھیلاؤ اور گہرائیِ ادیان عالم کے لئے ان کے احترام اور علامت کی معنویت کے باب میں ان کے غیر معمولی فہم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے گہری نکتہ آفرینی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح ایک حدیث قدسی میں اللہ نے قلبِ مومن کو اپنا گھر قرار دیا ہے اسی طرح خانہء کعبہ بھی اپنی ظاہری صورت میں قلب انسانی سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"The building of the Kaaba is partly a square and a cube ,and partly semi-circular ,which part project out of the

Marfat.com

square ,like a dome on a square building .the whole giving the impression of a human heart, which issymbolically the best imaginable plan for the house and abode of God."[15]

ڈاکٹر صاحب کے حاوی کے موضوعات قرآن وسنت اوران سے مستنبط بے مثل ضابطے اور قانون تھے۔اس لیے ان کی کتب میں کہیں کہیں مطالبِ تکرار بھی نظر آتی ہے مگر ایسا شاید ناگزیر تھا، کیونکہ مرحوم کی حیثیت ایک مصنف ہی کی نہیں ایک مقرر اور مصلح کی بھی تھی اور انہیں یورپ بھر کی جامعات اور مسلم ممالک کی درس گاہوں میں اسلام اور عصری صورت حال کے حوالے سے گفتگو کرنے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا، ''خطباتِ بہاول پور'' ہی کو لیجیے اس میں تفصیل سے بیان کردہ بعض امور کا اجمالی تذکرہ ان کی کئی کتب مثلاً 'رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی' وغیرہ میں نظر آتا ہے۔اسی طرح ''خطبات'' کے بعض مباحث ان کی انگریزی تصنیف 'مسلم کنڈکٹ آف اسٹیٹ' میں بھی ملتے ہیں اور 'اسلامی ریاست' (خیابان پریس لاہور) میں بھی۔یہ سب اپنی جگہ مگر لفظ لفظ سے نمایاں فاضل مصنف کا اخلاص، حیران کن وسعتِ مطالعہ، اسلام کی حقانیت پر کامل ایمان اور عہدِ حاضر میں مذہب کے حوالے سے دہنوں میں اضطراب اور الجھنوں کے کلبلاتے سوالوں کے جواب نہ پانے والے محروم دانشوروں کے سامنے اسلام کی ابدی اور لافانی تعلیمات کی نہایت مدلل پیشکش یہ ایسے اعزازات ہیں جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو معاصر مسلم علماء میں ایک بڑا امتیاز عطا کرتے ہیں ۔ان کا اسلوبِ بیان سادہ مگر پرتاثیر ہوتا تھا جس میں لفظی محسنات اور ظاہری زیب وزینت کا کوئی شعوری اہتمام نظر نہیں آتا۔ایسا سہل اسلوب ہمارے معاصر دینی ادب میں بہت کمیاب ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی غالب خدمات کا تعلق تو اسلامیات سے ہے مگر وہ کچھ خدمات اردو ادب کی بھی بجا لائے ۔متعدد عالمی زبانوں پر غیر معمولی گرفت کے باعث لسانی تنوعات پر ان کی گہری نظر تھی۔انہوں نے مشہور فرانسیسی مستشرق اور اردو کے محسن گارسیں

Marfat.com

دتاسی کے مقالات اور خطبات پر بھی نظر ثانی فرمائی جو ایک مدت پہلے ڈاکٹر یوسف حسین خان، عزیز احمد، اختر حسین رائے پوری اور سر راس مسعود نے فرانسیسی سے اردو میں منتقل کیے تھے۔ موخر الذکر کے ترجمہ کردہ کامیاب اجزاء چھوڑ کر باقی تراجم میں کئی نقص تھے جنہیں مرحوم نے بڑی تندہی اور جانکاہی کے ساتھ اصل متون سے تقابل کر کے دور کیا۔ ان کی نظر ثانی اور ترجمہ کا طریقِ کار کیا تھا (۱۶) اس کا ذکر اپنے اختتامیے میں بایں الفاظ کرتے ہیں:

> ''دوسرے شرکائے کار کے ترجمے بھی اچھے ہیں، میرا کام صرف یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی لفظ کچھ جملہ کسی انسانی سہو سے ترجمے میں چھوٹ گیا تو اس کی تلافی کروں۔ بعض صورتوں میں پرانا ترجمہ مفہوم کا اجمالی ذکر کرتا تھا، میں نے مکمل ترجمہ دینے کی خواہش میں اس کو بدلنے کی جسارت کی ہے۔ کہیں کہیں میں نے حواشی میں تشریح وتوضیح کی کوشش کی ہے۔ غرض کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی گئی ہے جس میں مترجم یا نظر ثانی کرنے والے کی چیزیں مولف کی طرف منسوب ہو جائیں''۔ (۱۷)

اسی طرح اختتامیے میں آگے چل کر وہ 'مقالاتِ گارسیں دتاسی' کو ترویجِ عیسائیت کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ قرار دیتے ہوئے کس گہری بصیرت اور کس دردمندی سے لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب کا ایک پہلو بڑا سبق آموز ہے اور وہ ہے انگریزوں کی مذہبی سیاست، اس طرح کی کچھ چیزیں میں نے پروفیسر محمد شفیع مرحوم کی خدمت میں پیش کیے ہوئے ''ارمغان'' مطبوعہ لاہور میں اپنے مضمون میں نمایاں کی ہیں (۱۸) یہاں مزید معلومات ملتی ہیں کہ ظاہری جانبداری اور مذہب سے سرکاری بے تعلقی کے باوجود فرنگی حکومت نے ملک کو عیسائی بنانے کی کس کس طرح کوشش کی؟ کیوں انگریزی زبان وادب کے مطالعے میں عام طور پر دینی کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ گولڈن ٹریژری کی نظمیں ہوں یا ملٹن کی، بنیان کے ناول ہوں یا میری کوریلی کے۔ شروع میں توجہ بھی کیا گیا، مسجد اور تعلیمی اوقاف ضبط کیے گئے، سرکاری مدرسے کھولنے کی جگہ مشنریوں کو

Marfat.com

اسکول اور کالج کھولنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ سر ولیم میور نے علی گڑھ کالج کے معائنے کے وقت جو تقریر کی (اور جو اس کتاب میں بھی درج ہے) اس سیاست کا اچھا خاصہ خلاصہ ہے اور قانونی یا ڈپلومیٹک الفاظ میں اپنا مقصد بیان کر دیا ہے۔ اس کام میں سارے یورپ نے ہاتھ بٹایا۔ سوئزر لینڈ، جرمنی وغیرہ کے قابل سے قابل مشنری وہاں سے بلائے گئے۔ فرانسیسی مشنری بھی کم نہ رہے۔ چونکہ گارسیں دتاسی کو اس مقصد سے عشق تھا اس لئے اس نے اتنے کثیر معلومات جمع کر دیئے ہیں کہ کہیں اور یکجا نہیں ملتے۔ غرض ہمالیہ تلے کے براعظم میں ترویجِ عیسائیت کی تاریخ کا یہ قیمتی ماخذ ہے"(۱۹)

ڈاکٹر صاحب کی بعض تحریروں سے ان کی لطیف حس مزاح کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ یہ حس مزاح ان کی ایک انشائی تحریر "ادیبوں سے دہائی" میں نظر آتی ہے جہاں مصنف کے رسے بسے وسیع لسانی شعور کی کوکھ سے ظرافت کی پھلجڑیاں پھوٹی ہیں (۲۰) یقین ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس طرف توجہ فرماتے تو بڑا لطیف انشائی ادب اردو والوں کے لئے چھوڑ جاتے۔ مذکورہ لطیف تحریر کسی ادب ناشناس کے ہاتھوں چند ہندوستانی الفاظ کے تختہ مشق بننے کے ردعمل کے طور پر ظہور میں آئی۔ فرماتے ہیں:

"ہندوستانی زبان کے کسی حقہ نواز (یا محقق سے پوچھو کہ نقرہ کس زبان کا تلفظ ہے تو وہ نقرہ کے قاف کا نہایت متانت سے تلفظ کرتے ہوئے اور الٰہ آباد میں مقیم ایک حیدر آبادی "مورّخ الفاظ" سے استشہاد کرتے ہوئے بزرگانہ انداز میں ارشاد فرمائیں گے "ہائیں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ عربی لفظ ہے اور فارسی سے ہمارے پاس آیا ہے"! بیچارہ عین و قاف کے تلفظ سے مرعوب ہونے والا ہے۔ بے زبان کئی زبان دراز اور چرب زبان مدعیان "اہل زبانیت" سے کہاں بحث کر سکتا لیکن اگر اللہ نے کسی کے سر میں بھیجہ دیا اور وہ ایک نہیں صرف ایک درجن زبانیں سیکھ لے تو پھر وہ بھلا ان یک لسان اہل زبانوں کی کیا پروا کرے؟"

Marfat.com

''یہ کوئی بحران نہیں بلکہ اس لفظ کے حسب ونسب سے ایک واقف کا بیان ہے کہ لفظ نقرہ بدوی سے زرتشتی نہیں بنا بلکہ ایران ہی سے عرب آیا اور واپسی پہ حاجی کی جو وضع بنائی تو سگے رشتہ دار بھی ان حضرت کو نہیں پہچان سکے اور وہ اسی سے خوش رہے۔ سنیے، یہ سفید پوش اور سفید رو نقرہ صاحب کو جو اپنا نام نقرۃ بتا کر نخرے کیا کرتے ہیں ان کا نام ان کے والدین نے پہلوی میں ''نک رتہ'' رکھا تھا جس کو شاہ پہلوی کے ہمعصر ''نکردہ'' (نہیں کیا ہوا) کہتے ہیں۔ اصل میں چاندی دو طرح کی ہوتی ہے ''بنائی ہوئی'' یعنی سکہ اور دوسری ''نہیں بنائی ہوئی'' یعنی خالص چاندی۔ اسی آخر الذکر کو ''نکرتہ'' کہتے تھے جس کو عربوں نے ''نقرہ'' لکھنا اور کہنا شروع کیا مگر اس سے مراد خالص اور نہ بنائی ہوئی چاندی ہی ہوتی رہی چنانچہ فقہ کی مستند کتاب ھِدایہ میں نُقَرْۃُ فِضَّۃٍ کا محاورہ بھی کتاب البیوع میں برتا گیا ہے۔ ''فضہ'' بھی چاندی کو کہتے ہیں اور اس محاورہ کے معنی فقط یہ ہوں گے کہ خالص اور ''نکردہ'' چاندی۔ الفاظ کی ہجرت اور غیر ممالک میں جا کر اپنی اصل کو بھلا دینا جب آدمیوں میں ہوتا ہے تو پھر ان ''لب زادوں'' کو کیوں بُرا کہا جائے؟'' (۲۱)

اس بہت دلچسپ مضمون میں آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے الفاظ کی ہجرت کے ضمن میں خود لفظ ''ہجرت'' کی متغیر لسانی پرتیں بڑے لطیف انداز میں کھولی ہیں اور مزید آگے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے تصورِ زبان کی وسعت کی گواہی دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بیچارے سلیم مرحوم نے برق سے برقا (نا) اور نرم سے نرمانا کا مصدر بنالیا تو گنگا جمنی لوگوں کے نزدیک ہندوستان کی ناک کٹ گئی۔ کیا انہیں معلوم ہے کہ عربوں نے ''گمان'' سے گمن تو نہیں البتہ خُمن یُخَمَّنَ تَخْمِین بنالیا۔ آپ بھی روز کسی نہ کسی چیز کا تخمینہ کرتے ہوں گے۔ اسی طرح ''اندازہ'' سے ھَنْدَسَ یُھَنْدِسْ ھَنْدَسَۃ فَھُوَ مُھَنْدِسْ کرلیا۔ بیچارے ہندی بہت دن سے اکڑ رہے تھے کہ علم ''ہندسہ'' کا نام بتاتا ہے کہ ہندوستان کی ایجاد تھی

Marfat.com

مگر واقعے اور قیاس میں وہی فرق ہوتا ہے جو تاریخ اور کہانی میں یا یورپ اور ایشیا میں یا مغرب اور مشرق میں"۔ (۲۲)

پورا مضمون اتنا دلچسپ اور لطیف ہے کہ اسے مکرر شایع ہونا چاہیے۔

اپنی اس خام تحریر کے آخر میں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے دو خط شایع کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ ایک خط پروفیسر ظفر علی قریشی مرحوم کے نام ہے جو ۲۳ر محرم ۱۳۸۳ھ ۶ر جون ۱۹۶۳ء کو لکھا گیا۔ دوسرا خط راقم الحروف کے نام ہے جس کی تاریخ تحریر ۸ر رجب ۱۴۰۱ھ ۱۲ر مئی ۱۹۸۱ء ہے۔ پروفیسر ظفر علی قریشی کے نام خط میں جس موضوع کا ذکر ہے اس سے مراد سیرت سرور عالم ﷺ پر مستشرقین کے بے بنیاد اعتراضات کا جواب ہے جس کے لئے قریشی صاحب مرحوم اس زمانے میں تیاری کر رہے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے اپنے مکتوب میں اس موضوع کی جن نزاکتوں کا ذکر کیا ہے وہ بہت لائق توجہ ہیں اور اس طرح کے علمی کام کرنے والوں کے لئے ایک چشم کشا قرطاسِ ہدایت ہیں۔ قریشی صاحب مرحوم نے ایک عرصے بعد اس موضوع پر ایک معرکے کی کتاب "Prophet Mohammad and His Western critics" لکھی جو دو جلدوں میں شایع ہوئی۔ خط کا متن پیش ہے:

بسم اللہ

4 r.Tournon

Paris VI

۲۳ر محرم ۱۳۸۳ء

مکرمی دام لطفکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا اور اچھے وقت پر ملا کیونکہ تین ماہ کے سفر کے بعد ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ نے عربی کا ام۔ اے کر لیا ہے اور کچھ فرانسیسی، جرمن بھی سیکھ لی ہے۔ ان شا اللہ یہ آموزش آپ کو ہمیشہ مفید ہوگی۔

Marfat.com

میں نے آپ کے خاکے پر نظر ڈالی اور سوائے ایک اصولی مسئلے کے کوئی خاص چیز قابلِ اصلاح نظر نہ آئی:

سوال یہی ہے کہ آیا اس موضوع پر کچھ لکھا جائے۔ پچیس ایک سال کا عرصہ ہوا ایک مرتبہ خیال پڑتا ہے کہ مولانا سلیمان ندوی مرحوم نے حیدر آباد میں مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں خود اس موضوع پر کچھ لکھوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بعض وقت اعتراض آسان ہوتا ہے اور جواب تشفی بخش نہیں دیا جا سکتا۔ باہا دیکھا گیا ہے کسی سوال یا اعتراض کا کوئی شخص جواب دیتا ہے تو اس جواب سے ایک شخص کو تو اطمینان ہو جاتا ہے لیکن اسی جواب سے ایک دوسرے شخص کو اطمینان نہیں ہوتا۔ یہود و نصاریٰ کے غرض مندانہ اعتراضات سیرتِ پاک پر بہت ہیں اور قسم قسم کے اور ابھی ان کا سلسلہ ختم بھی نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ اعتراضات ہماری پبلک کے علم میں لائے جائیں تو تشویشِ خاطر ناگزیر ہے کیونکہ سارے جوابات یکساں تشفی بخش اور مسکت نہیں ہوں گے۔ اس عریضہ پر مرحوم نہ صرف خاموش ہو گئے بلکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ سیرت النبی ﷺ کی ایک جلد جو خاص اس موضوع پر (ابتدائی خاکے مطابق) لکھی جانے والی تھی اسے مولانا (نے) حذف فرما دیا۔ اس کے باوجود آپ اس پر لکھنا ہی چاہتے ہیں تو سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ قرآن و حدیث اور سیرت پر جتنی بھی چیزیں لکھی گئی ہیں وہ سب پڑھنی پڑیں گی۔ انگریزی میں نسبتۃً کم ہیں جرمن، فرانسیسی اور اطالوی میں زیادہ ہیں۔ ان کی فہرست ایک ضخیم جلد چاہتی ہے۔

اچھا تو یہ ہو کہ ایک جامع کتاب لکھنے کی کوشش کی جگہ آغاز یوں ہو کہ کسی ایک مولف کو لیا جائے اور اس کے اہم اعتراضات کی تنقید کی جائے، جب رفتہ رفتہ بڑے معترضوں کے خیالات اور جوابات جمع ہو جائیں تو پھر آپ کی مجوزہ کتاب گویا اس لٹریچر کا خلاصہ ہوگی۔

میری دانست میں زیادہ مفید یہ ہو کہ میسیحت کا ہم لوگ مطالعہ کر کے عیسائیوں کو مخاطب کریں ان کو یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ وہ جن چیزوں کو بے غور و فکر مانے چلے آتے ہیں، ان پر غور کریں مثال کے طور پر ان کے ''سورۂ فاتحہ'' اور ان کے ''آمنت باللہ.....''

Marfat.com

میں بیان ہوا ہے کہ حضرتِ مسیح ''تین دن جہنم میں رہے'' یا یہ کہ ''اے اللہ ہم کو معاف کر جس طرح ہم دوسروں کو معاف کرتے ہیں'' گویا دعا کیا ہے'' خدا پر احسان جتایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ لٹریچر پاکستان کے مرتد مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے اور یورپ اور امریکہ میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے مگر اولاً صحیح معلومات حاصل کرنا ہوں گے۔ ہمارے اعتراضات تثلیث وغیرہ پر اب تک واقعی بچگانی انداز کے ہوتے رہے ہیں اور ہمارے اعتراضات چونکہ بے بنیاد ہوتے رہے ہیں اس لئے پڑھنے والے عیسائی ان پر صرف ہنس دیتے ہیں۔

والسلام

مخلص

محمد حمید اللہ

کیا آپ کے مرسلہ کاغذات آپ کو واپس کر دوں؟

دوسرا مکتوب جو راقم السطور کے نام ہے اپریل کے اواخر میں لکھے گئے میرے خط کے جواب میں مرحمت ہوا۔ راقم اس زمانے میں مولانا عبدالماجد دریابادی پر پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھ رہا تھا اور مولانا کی تفسیری خدمات کی فصل زیرِ ترتیب تھی۔ مکتوب کا اسلوب بتاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو مولانا دریابادی کی ذات اور ان کے تصوراتِ نقد سے دلچسپی اور اتفاق کم رہا، وہ ان کی تفسیری خدمات کے بھی کچھ ایسے قائل نظر نہیں آتے۔ اس تفسیر کو محض قدماء کے افکار کا خلاصہ کہنا بھی محض جزواً درست ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی عدیم الفرصتی یا کسی اور سبب سے وہ مولانا دریابادی کی تفسیر کا پورا مطالعہ نہ کر سکے۔ مکتوب میں رینے گینوں اور ان کے مکتبہء فکر کی روش کی جو نسبتاً اشارہ بڑا اہم ہے۔ میرے سات سوالوں کو ڈاکٹر صاحب نے ''ہفت خواں'' قرار دیا تھا۔ یہ سات سوال ڈاکٹر صاحب مرحوم جیسے رستمِ علم و تحقیق ہی سے

Marfat.com

4, r. Tournon,
Paris VI

۲۳ محرم ۱۳۸۳

مکرمی دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا اور اچھے وقت پر ملا کیونکہ تین ماہ کے سفر کے بعد ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ آپ نے عربی کا ام اے کر لیا ہے اور کچھ فرانسیسی جرمن بھی سیکھ لی ہے۔ ان شاء اللہ یہ آموزش آپ کو ہمیشہ مفید ہوگی

میں نے آپ کے خاکے پر نظر ڈالی اور سوائے ایک اصولی مسئلے کے کوئی خاص چیز قابل اصلاح نظر نہ آئی۔

سوال یہی ہے کہ آیا اس موضوع پر کچھ لکھا جائے۔ پچیس ایک سال کا عرصہ ہوا ایک مرتبہ خیال پڑتا ہے کہ مولانا سلیمان ندوی مرحوم نے حیدرآباد میں مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں خود اس موضوع پر کچھ لکھوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بعض وقت اعتراض آسان ہوتا ہے اور جواب تشفی بخش نہیں دیا جا سکتا۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ کسی سوال یا اعتراض کا کوئی شخص جواب دیتا ہے تو اس جواب سے ایک شخص کو تو اطمینان ہو جاتا ہے لیکن اسی جواب سے ایک دوسرے شخص کو اطمینان نہیں ہوتا۔ یہود و نصاریٰ کے غرضمندانہ اعتراضات سیرت پاک پر بہت ہیں اور قسم قسم کے اور ابھی ان کا سلسلہ ختم بھی نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ اعتراضات ہماری پبلک کے علم میں لائے جائیں تو تشویش خاطر ناگزیر ہے کیونکہ سارے جوابات یکساں تشفی بخش اور مسکت نہیں ہونگے۔ اس عریضہ پر مرحوم نہ صرف خاموش ہو گئے بلکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ سیرت النبی کی ایک جلد جو خاص اس موضوع پر (ابتدائی خاکے کے مطابق) لکھی جانے والی تھی اسے مولانا حذف فرما دیا۔

اس کے باوجود آپ اس پر لکھنا ہی چاہتے ہیں تو سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ قرآن، حدیث اور سیرت پر جتنی بھی چیزیں لکھی گئی ہیں وہ سب پڑھنی پڑینگی۔ انگریزی میں نسبۃً کم ہیں، جرمن، فرانسیسی اور اطالوی میں زیادہ ہیں ان کی فہرست ایک ضخیم جلد چاہتی ہے۔

Marfat.com

اچھا تو یہ ہو کہ ایک جامع کتاب لکھنے کی کوشش کی جگہ، آغاز یوں ہو کہ کسی ایک مولف کو لیا جائے اور اس کے اہم اعتراضات کی تنقید کی جائے۔ جب رفتہ رفتہ بڑے معترضوں کے خیالات اور جوابات جمع ہو جائیں تو پھر آپ کی مجوزہ کتاب گویا اس لٹریچر کا خلاصہ ہوگی۔

میری اپنی دانست میں زیادہ مفید یہ ہو کہ مسیحیت کا ہم لوگ مطالعہ کر کے عیسائیوں کو مخاطب کریں اور ان کو یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ وہ جن چیزوں کو بے طور و فکر مانے چلے آتے ہیں ان پر غور کریں۔ مثال کے طور پر ان کے "سورۂ فاتحہ" اور ان کے "آمنت باللہ..." میں بیان ہوا ہے کہ: حضرت مسیح "تین دن جہنم میں رہے"؟ یا یہ کہ "اے اللہ ہم کو معاف کر جس طرح ہم دوسروں کو معاف کرتے ہیں" — گویا دعا کیا ہے خدا پر احسان جتایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ لٹریچر پاکستان کے مرتد مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے اور یورپ و امریکا میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ مگر اولاً صحیح معلومات حاصل کرنے ہونگے، ہمارے اعتراضات تثلیث وغیرہ پر اب تک واقعی بچکانی انداز کے ہوتے رہے ہیں۔ اور ہمارے اعتراضات چونکہ بے بنیاد ہوتے رہے ہیں اس لئے پڑھنے والے عیسائی ان پر صرف ہنس دیتے ہیں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

کیا آپ کے مرسلہ کاغذات
آپ کو واپس کر دوں؟

Marfat.com

کیے جا سکتے تھے۔ یہ مکتوب جزواً میری تالیف 'عبدالماجد دریابادی۔ احوال و آثار' میں شایع ہو چکا ہے۔ مکمل متن مع عکس پہلی دفعہ پیش کیا جاتا ہے:

بسم اللہ

4 Rue d,Tournon

F.75006 Paris/France

محترمی

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کرم نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کے سات سوال ہیں کہ 'ہفت خوان'' ہیں۔ اچھا ہوتا کہ آپ میرے خیالات دریافت نہ فرماتے۔

میں 'سفرِ دکن' اور 'سیاحتِ ماجدی' نامی کتابوں سے بے خبر ہوں اور خبردار ہونے کی رغبت بھی نہیں۔

خدا مرحوم عبدالماجد دریابادی صاحب کو جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

ا۔ وہ اردو کے بہت بڑے ادیبِ تھے۔ مجھ جیسے ادبیات سے بے ربطہ و بے تعلق شخص سے اس سے زیادہ پوچھا نہیں جا سکتا۔ تنقید دو طرح کی ہوتی ہے، تعمیری اور انہدامی۔ مرحوم کا میلان قسمِ ثانی کی طرف تھا۔ وہ جو کہتے لکھتے تھے..... مثلاً مغرب کے متعلق..... وہ غلط تو نہیں ہوتا تھا لیکن اس میں ایسی تجویزیں کم ہوتی تھیں کہ اصلاح کس طرح ہو۔

۲۔ ان کی تفسیر میں نے کامل تو نہیں اردو میں جستہ جستہ پڑھی ہے۔ وہ راسخ العقیدہ تفسیر ہے اور قدماء کا گویا خلاصہ لیکن کوئی چیز جو علم کی ترقی سمجھی جا سکے کم ہی ملی۔ میں نے ایک بار ان سے عرض کیا تھا کہ ایسی چیزوں کی نشاندہی کریں (یعنی جدتوں کی) تو ان کا ترجمہ یا خلاصہ فرانسیسی میں شائع کراؤں جواب نہ آیا۔ دو چار عبارتوں پر طالب علمانہ اعتراض بھی کیے تھے ۔اب ایک ذہن میں ہے:

''والا تی تخافون نشوز ھن'' کا انہوں نے ترجمہ فرمایا کہ جن عورتوں سے نافرمانی کا

Marfat.com

خوف ہو تو انہیں..... مارو۔ (۲۳) میں نے عرض کیا کہ ذرا بعد وان امراۃ خافت من بعلھا نشوز ا کا ترجمہ ''اگر شوہر بیوی کی نافرمانی کرے'' (۲۴) کرنا ہوگا۔ نُشُوز کے لغت میں کئی معنے ہیں۔ یہاں ان دونوں آیتوں میں وہ ''نافرمانی'' کے لئے نہیں معلوم ہوتا خاص کر اس لئے کہ خطبہء حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں نُشُوز کو ''فحشاء'' سے واضح فرمایا ہے اور یہ معنے دونوں جگہ پھبتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی نُشُـــوز کے معنی ''نافرمانی'' کو رد کر دیا گیا ہے۔ اس کا جواب بمبئی سے آیا کہ کتابیں ساتھ نہیں ہیں غور کروں گا۔

۳۔ لاہور کے قادیانی جاہل گمراہ چاہے ہوں' کافر میرے رائے میں بھی نہیں ہیں' مگر سچ تو یہ ہے کہ ساری عمر میں کوئی قادیانی کتاب میں نے پڑھی بھی نہیں۔ پڑھے ہوئے لوگ الیاس برنی وغیرہ پر اعتماد کرنا چاہیے۔ مجھ سے پوچھنا نہیں چاہیے کہ لاعلم ہوں۔

۴۔ میں ''سچ'' اور ''صدق'' کبھی کبھی پاتا اور پڑھتا رہا ہوں۔ مرحوم کی کتابوں سے کم ہی واقف ہوں۔

۵۔ ساری عمر میں تین چار بار خط و کتابت ہوئی لیکن۔ بے وطنی میں خطوط محفوظ اور مرتب رکھنا میرے لئے ناممکن ہے۔ اگر پاریس میں آئے ہوئے ایک یا دو خط محفوظ بھی ہوں تو ان کو برآمد کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

۶۔ رینے گینوں وغیرہ کی نیت اور اخلاص پر مجھے شبہ نہیں لیکن ان کا بنیادی اصول کہ غیر اسلامی مذہبوں کی موجودہ حالت کی بھی تاویل کر کے اسلام کے مطابق قرار دیں، اس میں نا قابلِ حق گتھیاں درپیش ہوتی ہیں۔ یوں بھی میں تصوف کا احترام تو کرتا ہوں لیکن ہوں قانون کا طالب علم اس لئے تصوف کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔

۷۔ عسکری صاحب مرحوم (۲۵) کے چند خطوط ان کے بھانجے نے میرے ہاں پائے تھے۔ میں چونکہ 'محراب' کا خریدار نہیں ہوں اس لئے آپ ہی سے معلوم ہوا کہ وہ وہاں چھپائے گئے ہیں۔ میں چونکہ خطوط جمع نہیں کرتا اس لئے مرتب رکھنے کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ مجبور ہوں معذرت خواہ بھی۔

Marfat.com

والسلام
فقیر حقیر
محمد حمید اللہ

لکھنے کو تو یہ مضمون لکھ دیا گیا مگر سچی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے کثیر اللسانی اور متنوع الجہات علمی کمالات کا احاطہ مجھ ایسے کم علموں کے لئے ممکن ہی نہیں۔ شاید یہ کام کسی ایک فرد کے بس کا بھی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوا گر ملک کی سب سے قدیم اور اہم جامعہ ہونے کے ناتے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبہء عربی میں یا پھر جامعہ کے شعبہء اسلامیات میں ڈاکٹر حمید اللہ کے نام کی ایک مسند قائم کی جائے اور کسی ممتاز علمی شخصیت کو جو نہایت وسیع لسانی دینی اور فکری پس منظر کی حامل ہو وہاں متعین کیا جائے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی رحلت سے دنیائے علم و فرہنگ کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ عالم کی موت سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے کہ گردشِ لیل و نہار بھی اسے پُر نہیں کر سکتی۔ میں سوچتا ہوں کہ کھانوں سے لبریز اور علم سے خالی ہمارے عہدِ شکم مست میں جہاں فوڈ بازاروں اور طعام کوچوں کی روز افزوں گرم بازاری ہے وہاں یتیم و یسیر علم کو کون پوچھے گا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایسے مردِ آفاقی کے اٹھ جانے سے عالمِ اسلام بالعموم اور برعظیم پاک و ہند بالخصوص پہلے سے زیادہ مفلس اور کم مایہ ہو گیا ہے۔ سو سوال یہ ہے کہ:

اے چارہ گرو ہے کوئی پیوند کی صورت
ٹوٹا ہے وہ آئینہ کہ جو قبلہ نما ہے

Marfat.com

حوالے اور حواشی:

۱۔ کلیات اقبال (فارسی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ۷۷/۶۶۵

۲۔ ایضاً، ۸۲۲/۲۶

۳ سہ ماہی ''ارمغان'' کراچی، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۶، ص ۱۱۱

۴ یہ تینوں نادر و نایاب مضامین مع ایک دلچسپ انشائی تحریر کے جو ''ادیبوں سے دہائی'' کے نام سے شائع ہوئی، جناب مشفق خواجہ کی عنایت سے فراہم ہوئے۔ میں اس کرم کے لیے خواجہ صاحب کا ممنون ہوں۔ یہ تینوں مضامین بالترتیب مجلّہ عثمانیہ کے ۱۹۲۸ء، مارچ ۱۹۲۹ء اور مارچ ۱۹۳۱ء کے شماروں میں شائع ہوئے تھے۔

۵۔ مجلّہ عثمانیہ، ۱۹۲۸ء، ص ۵۰۔۵۱

۶۔ سہ ماہی ارمغان (بحوالہ سابقہ) ص ۱۱۵

۷ ایضاً، ص ۱۴۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۹۔ خطبات بہاول پور (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد) باردوم، ۱۹۸۸ء ص ۳

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۶۔۲۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۹، نیز ص ۲۹۔۳۰

۱۲۔ ڈاکٹر صاحب نے اس آیہء مبارکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ قرآن میں پندرہ، بیس مرتبہ آئی ہے صحیح تعداد ۳۲ ہے۔

۱۳۔ مجلّہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، جولائی ۱۹۳۸ء

۱۴۔ Muslim Conduct of State (شیخ محمد اشرف، لاہور) ۱۹۴۵ء، ص ۶۵

۱۵۔ "Hakeem Abdul Hameed- Felicitation Volume" (مرتبہ مالک رام) وکاس پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔ ص ۱۳۳

۱۶۔ اپنے تصورِ ترجمہ کی وضاحت انھوں نے مرحوم محمد حسن عسکری پر لکھتے ہوئے بایں الفاظ کی ہے:

''ترجمے کے متعلق میرے اس اصول سے ان کو کامل اتفاق رہا ہے ترجمہ لفظی اور کامل ہو۔ اس میں مترجم کی طرف سے کوئی حذف و اضافہ نہ ہو۔ قابل ذکر اشیاء، مشکلوں وغیرہ کی تشریح حاشیے میں ہوں۔ چنانچہ میر

Marfat.com

ے فرانسیسی ترجمہ قرآن کو سامنے رکھتے تھے۔''

محراب (مرتبہ احمد مشتاق، سہیل احمد) ۱۹۷۹ء، ص ۸

۱۷ مقالات گارساں دتاسی (جلد اول) طبع دوم، ۱۹۶۴ء کراچی، ص ۴۱۲، ۴۱۳

۱۸۔ ملاحظہ کیجیے، ارمغان علمی (مرتبہ سید عبداللہ) میں ڈاکٹر صاحب کا مقالہ بعنوان:

Defence de la Culture Islamique Pendant La Domination Anglaise de L'Inde

۱۹۔ مقالات گارساں دتاسی (بحوالہ سابقہ) ص ۴۱۳، ۴۱۴

۲۰۔ یہ مضمون ماہنامہ شہاب حیدرآباد دکن کے اکتوبر ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

۲۱۔ ماہنامہ شہاب، ص ۱۱

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۲

۲۳۔ میں نے اصل مقام دیکھا تو ترجمہ یوں پایا:

''اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم ان کی سرکشی کا علم رکھتے ہو..... تو انہیں مارو۔''

مترجم قرآن حکیم مع تفسیر از مولانا عبدالماجد دریابادی (تاج کمپنی، لاہور) ص ۱۹۰۔۱۹۱

ہاں تشریح وحاشیے میں ''نشوز'' کے لیے مولانا دریابادی نے نافرمانی کا لفظ لکھا ہے لیکن آگے چل کر اس کی وضاحت میں ابن جریر کے حوالے سے معصیة کا لفظ بھی درج کیا ہے۔

۲۴۔ مولانا دریابادی نے اس اگلی آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو.....'' بحوالہ سابقہ، ص ۲۱۹

۲۵۔ اردو کے ممتاز افسانہ نگار اور نکتہ آفریں نقاد محمد حسن عسکری (۱۹۱۹۔۱۹۷۸) کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: چند یادیں

از ڈاکٹر محمد امین اللہ وثیر

عالمگیر شہرت رکھنے والے محقق، دانش ور عظیم مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب گزشتہ دسمبر میں راہیِ ملکِ بقاء ہوئے مگر علمی محفلوں میں ان کا تذکرہ صدیوں تک ہوتا رہے گا۔ یوں تو عربی ادب اور اسلامیات کے ایک طالب علم کی حیثیت سے راقم الحروف نے اسلام کے اس بطلِ جلیل کا نامِ نامی ایک عرصے سے سن رکھا تھا، ان کے علمی و تحقیقی کارناموں سے کچھ شناسائی بھی تھی اور ان کی تصاویر بھی دیکھ رکھی تھیں لیکن ان کے زیارت کا اولین موقع مجھے اپنے قیام ترکیا کے دوران نصیب ہوا اور میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو بچشمِ خود دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔

اپریل ۱۹۶۹ء میں، میں پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبہء عربی سے وابستہ تھا کہ قیصری (ترکیا) کے ہائر اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں میرا تقرر بطور مہمان (Visiting) پروفیسر ہوا۔ یہی انسٹی ٹیوٹ بعد میں ارجئیس یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہوا۔ اسلامی و دینی علوم میں تخصص کی خاطر اس طرح کے پانچ خودمختار ادارے مرحوم عدنان مینڈریس سابق وزیراعظم ترکیا نے اپنے عہدِ حکومت میں قائم کئے تھے۔ پاکستان سے روانگی سے کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنا مقالہ برائے ڈاکٹریٹ ''علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، زندگی اور علمی خدمات'' پنجاب یونیورسٹی میں پیش کر دیا تھا۔ زبانی امتحان (Viva-Voce) کا مرحلہ بھی باقی تھا چنانچہ ممتحنین کی جانب سے مثبت رپورٹ کی وصولیابی کے بعد یونیورسٹی کے شعبہء امتحانات نے مجھے قیصری میں مطلع کیا کہ اب مجھے زبانی امتحان میں شمولیت کے لئے

Marfat.com

لاہور آنا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس وقت خود یونیورسٹی کی اجازت سے ترکیا میں مقیم ہوں لہذا ترکیا سے پاکستان اور پھر واپسی کا سفر خرچ اگر مجھے یونیورسٹی دے دے تو حاضر ہو جاؤں گا۔ اس پر اورینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد باقر صاحب مرحوم کے مشورے سے یونیورسٹی کے اربابِ اختیار نے فیصلہ کیا کہ میرے زبانی امتحان کا اہتمام ترکیا ہی میں کر دیا جائے۔ چنانچہ استانبول یونیورسٹی کے دو بلند مرتبت معروف اساتذۂ کرام پروفیسر ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان سے استدعاء کی گئی کہ وہ میرے زبانی امتحان کے سلسلے میں اپنی رضامندی دے دیں۔ پروفیسر ذکی ولیدی طوغان کا اصل وطن مشرقی ترکستان تھا وہ علومِ اسلامیہ کے بہت بڑے اسکالر تھے۔ روس میں زاروں کی حکومت کے خاتمے کے بعد ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان مشرقی ترکستان کی جمہوریہ کے صدر منتخب ہوئے مگر بال شویکوں کی فتح اور اس پورے علاقے پر کمیونسٹ انقلاب اور غلبے کے بعد ڈاکٹر صاحب ترکِ وطن کر کے ترکیا چلے آئے اور استانبول یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے۔ پھر وہ ایک لمبے عرصے تک یونیوسٹی کے شعبہء تحقیقاتِ اسلامی کے سربراہ رہے۔ وہ اورینٹل کالج کے سابق پرنسپل ڈین اورینٹل فیکلٹی اور اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے صدر نشین ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم کے گہرے دوست تھے۔ کئی بار لاہور تشریف لائے ،ایک مرتبہ اورینٹل کالج میں ان کی تشریف آوری پر راقم کو بھی ان کی زیارت کا موقع ملا ۔ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کی وفات کے بعد بھی وہ ایک بار لاہور آئے اور اپنے مرحوم دوست کی قبر پر حاضری دی۔ اس طرح ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان کی زیارت کا موقع بھی راقم کو ایک بار اسلام آباد میں مل چکا تھا جہاں وہ ایک بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔

ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان کی طرف سے پنجاب یونیورسٹی کو جواب موصول نہ ہوا جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان نے میرے زبانی امتحان کی ذمہ داری قبول کر لی چنانچہ میرے مقالے کی ایک نقل انہیں استانبول روانہ کر دی گئی اور شعبہء امتحان نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس سلسلے میں پروفیسر صاحب موصوف سے رابطہ کروں۔ ۱۹۷۰ء میں موسمِ گرما کی

Marfat.com

تعطیلات کے دوران میں قیصری سے استانبول پہنچا اور پروفیسر قرہ خان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ وہ اس وقت استانبول یونیورسٹی کی ادبیات فیکلٹی میں قدیم ترکی زبان وادب کے شعبے کے سربراہ تھے۔ وہ نہایت خندہ پیشانی سے مجھے ملے، خیر وعافیت دریافت کی پھر ایک بڑی سی الماری کو کھولا اور اس میں سے میرا مقالہ نکال لائے، پھر فرمایا: ''ذرا ٹھرو، میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو بھی بلا لاؤں۔ وہ آج کل یہیں تشریف فرما ہیں''۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہاں یہ بیان کر دینا قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم ومغفور اگرچہ مستقل طور پر فرانس میں رہتے تھے اور فرانسیسی حکومت ان کی خدماتِ جلیلہ کی قدر دان تھی لیکن ترکی کی حکومت کا حکومت فرانس کے ساتھ معاہدہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب گرما کی تعطیلات ترکیا میں گزارا کریں گے اور بالخصوص استانبول یونیورسٹی کے طلبہ کو اپنے علم وفضل سے مستفید ہونے کا شرف عطا کرتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکیا میں بے شمار فضلاء ڈاکٹر صاحب مرحوم کے علم وفضل کے خوشہ چین ہیں۔

مجھے ڈاکٹر قرہ خان صاحب کی بات سن کر تعجب بھی اور اشتیاق بھی پیدا ہوا لیکن دل پر ایک طرح کا احساسِ خوف بھی طاری ہوا۔ کیا عالمگیر شہرت کے مالک، علم وفضل کے کوہِ گراں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی میرا امتحان لیتے وقت موجود ہوں گے! ایک طالب علم کی حیثیت سے جو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کا امیدوار ہے یہ خوف بے جا بھی نہ تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر عبدالقادر قرہ خان ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو ساتھ لئے واپس اپنے کمرے میں تشریف لے آئے۔

دنیائے اسلام کی ایک عظیم المرتبت شخصیت بنفسِ نفیس میرے سامنے موجود تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا میرا یہ پہلا موقع تھا۔ میں عالمِ اسلام کے ایک نامور مصنف علم ودانش کے پیکر مگر دبلے پتلے خاموش طبع درویش صفت انسان کے سامنے بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر قرہ خان نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے میرا تعارف کرایا اور کہا کہ میں آج ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے اس پاکستانی نوجوان کا انٹرویو لے رہا ہوں، اس کا

Marfat.com

مقالہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی علمی خدمات کے بارے میں ہے اور بالخصوص علم الکلام کے بعض مسائل پر مشتمل ان کی تصنیف الرّسالة الخاقانية کا احاطہ کرتا ہے۔ آپ ازراہِ کرم اس زبانی امتحان کے دوران میرے ساتھ تشریف رکھیں گے۔

میرے ممتحن ڈاکٹر قرہ خان صاحب نے پرسکون ماحول میں میری علمی جانچ پرکھ کی۔ میرے مقالے اور علم الکلام کے بارے میں چند سوالات کئے، مشورے بھی دیے اور پھر کھڑے ہو کر مجھے سینے سے لگا کر فرمایا ''میں نے تمہارا امتحان لے لیا اب تم کامیاب ہو''۔ ڈاکٹر قرہ خان نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے بھی کہا کہ وہ امیدوار سے کوئی سوال پوچھیں مگر ڈاکٹر صاحب اس پر راضی نہیں ہوئے اور فرمایا کہ ''میں محض آپ کی فرمائش پر حاضر ہو گیا ہوں ممتحن آپ ہی ہیں'' چنانچہ ڈاکٹر صاحب خاموش بیٹھے رہے۔

پھر ڈاکٹر قرہ خان صاحب نے کچھ مزید اساتذۂ جامعہ کو بھی اپنے دفتر میں بلوالیا اور ہم سب کو لذّتِ کام و دہن سے نوازا۔ اس کے بعد وہ مجھے ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان صاحب کے شعبہء تحقیقات اسلامی میں بھی لے گئے اور اس عظیم محقق اور گرامی قدر استاد سے بھی میرا تعارف کرایا جن کی زیارت سے میں پہلے ہی لاہور میں مستفیض ہو چکا تھا۔

اس رسمی سی ملاقات کے بعد مجھے دو ایک بار پھر ترکیا ہی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک شام ایک پاکستانی دوست کے ہمراہ میں ڈاکٹر صاحب کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمتہ کی زبانی جو کچھ میں نے سنا اس میں سے درج ذیل دو اہم واقعات مجھے یاد رہ گئے ہیں جو ہدیہء قارئین ہیں:

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ترکیا میں میری آمد کا سلسلہ پچاس کی دہائی سے شروع ہوا، غالباً (۱۹۵۵ء) کی بات ہے کہ انقرہ میں مجھے اپنے اولین خطاب کا موقعہ ملا۔ ایک بہت بڑے ہال میں اہلِ دانش و بینش کا اجتماع تھا ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے چند جملے ترکی زبان میں ادا کئے اور سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج آپ حضرات کے سامنے آپ کی مادری زبان میں تقریر کروں گا اور یہ کہہ کر میں نے عربی میں خطاب کا آغاز کر دیا

Marfat.com

۔حاضرین حیران و ششدر بیٹھ کر میری تقریر سنتے رہے۔مجمع پوری طرح گوش بر آواز رہا ۔میں نے تقریر کے اختتام پر پھر ترکی زبان کا سہارا لیا اور کہا کہ میں نے آپ حضرات سے کہا تھا کہ میں آج آپ کی مادری زبان میں مخاطب ہوں گا مگر آپ حیران ہوئے کہ میں نے ترکی کی بجائے عربی میں تقریر کر ڈالی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں (ازواجِ مطہرات) مسلمانوں کی مائیں ہیں۔اوران ازواجِ مطہرات یعنی ہماری ماؤں کی زبان عربی تھی تو پھر بدیہی طور پر ہم سب مسلمانوں کی مادری زبان عربی ہوئی کیونکہ ہماری یہ معزز محترم مائیں عربی زبان ہی میں گفتگو کرتی تھیں۔میری اس بات پر ترکوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور ہال دیر تک پر مسرت تالیوں سے گونجتا رہا۔تقریر کے بعد جب میں ہال سے باہر نکلا تو ادھیڑ عمر کے ایک طویل قامت ترک نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا: ''میں کچھ دیر کے لئے آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں''۔میں نے کہا کہ آپ شام کو میرے ایک ہوٹل پر تشریف لے آئیں۔وہ شخص حسب پروگرام ہوٹل میں میرے کمرے میں آیا وہ ترک افواج کا ایک ریٹائرڈ کرنل تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ آج ترکیا میں حالات بہت حد تک تبدیل ہو چکے ہیں، ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے اور ہم اپنے آپ کو کسی حد تک آزاد محسوس کرتے ہیں۔اس نے میری آج کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: آپ نے دیکھا کہ کس والہانہ انداز میں ترکوں نے آپ کی عربی تقریر کا خیر مقدم کیا، اجتماع عام میں دین و مذہب کی باتیں ہوئیں اور ازواج مطہرات کے ذکر خیر پر مسرت و شادمانی کا اظہارِ عام ہوا ورنہ ہم نے تو اس ملک میں وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ جب قومی ترانے کے خالق مشہور ترک شاعر محمد عاکف کا انتقال ہوا (یہ عصمت انونو کا عہد تھا) تو استانبول میں ان کے جنازے کا بہت بڑا جلوس نکلا، لاکھوں انسان جنازے کے پیچھے چل رہے تھے اور کلمہء طیبہ کا ورد ہو رہا تھا۔جبر و تشدد اور اسلام دشمنی کا چوتھائی صدی کا عرصہ گزرنے کے باوجود ترک عوام نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مذہبی جوش و خروش کی ایک عجیب دلآویزی فضا لوٹ آئی تھی۔واقعہ حقیقتاً عجیب و غریب رونما ہوا تھا۔اس پر ترکیا کی

Marfat.com

لادین حکومت پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ حکمران طبقہ حیران تھا کہ ان کی طویل عرصہ پر محیط خلاف دین مساعی کس طرح تباہ ہو رہی تھی اور دینی جوش و خروش کا کیا عالم تھا! اس موقع پر سرکاری کارندے بڑے بڑے کیمروں کے ساتھ موجود تھے اور جنازے کے جلوس کی مکمل تصویر بنائی جا رہی تھی۔ قومی شاعر جو اپنی ملی و دینی نظموں کے لئے معروف تھا کی تدفین کے بعد ارباب حکومت سر جوڑ کر بیٹھے اور ترک مسلمانوں کی اس حرکت (کلمہء طیبہ کا عام ورد) کا جائزہ لیا گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کیمرے کی Slow Moving کے ذریعہ پتہ چلایا جائے کہ کلمہء طیبہ کس کس زبان پر جاری تھا۔ ایسا ہی کیا گیا اور نتیجتاً جس جس شخص کے ہونٹ ہلتے ہوئے نظر آئے، اس کا سرکاری جاسوسوں نے کھوج لگایا، بے شمار ترک مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ حکومتی غیظ و غضب کے سزاوار ٹھہرے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ مجھے اپریل ۱۹۹۷ء میں پاکستان میں نصیب ہوا۔ وہ وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کی دعوت پر پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اسلام آباد میں اپنے اعزاز میں منعقدہ کئی تقریبات میں خطاب فرمایا۔ وزارتِ مذہبی امور نے بھی اپنے کشادہ میٹنگ ہال میں ڈاکٹر صاحب کو استقبالیہ دیا۔ انہوں نے اس اجتماع میں مختصر تقریر کی، سوالات کے جواب دیے۔ ان دنوں بلا سود بینکاری کا بڑا چرچہ تھا چنانچہ اس سلسلے میں خصوصی طور پر ان کی رائے دریافت کی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے ایک سچے پختہ کار محقق کے انداز میں کہا تھا کہ "قرآن و سنت کی روشنی میں سود حرام ہے"، البتہ میں اقتصادیات کا ماہر نہیں لہذا بنکنگ سسٹم کے متعلق زیادہ معلومات نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اس دورے میں لاہور بھی تشریف لائے۔ یہاں جناب الطاف حسین قریشی صاحب نے ادارۂ امور پاکستان کے زیر اہتمام ان کے خطاب کی محفل سجائی۔ ڈاکٹر صاحب نے اہلِ علم کے اس اجتماع سے "عہدِ حاضر میں مسلمانوں کے لئے راہِ عمل اور ان کے مسائل کا حل" پر گفتگو فرمائی۔ اپنے معزز خطاب میں انہوں نے مکہ معظّمہ میں نبی کریم ﷺ کی تبلیغ دین مدینہء منورہ میں اسلامی ریاست کے اہم خدوخال اور

Marfat.com

دورِ حاضر میں ایک مرکزی اسلامی حکومت کے قیام وانصرام جیسے اہم مسائل ومباحث پر اپنے افکارِ عالیہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے حاضرین کے سوالات کے تناظر میں بھی کھل کر بحث کی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس موقع پر فرمایا تھا:

> ''اگر ہم مسائل میں گھرے ہوئے ہیں اور ہماری زندگی میں مصیبتیں اور مشکلیں ہیں تو یہ ہمارا ہی قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی قصور نہیں کیوں کہ یہ صورت حال ہمارے اعمال کی سزا کے طور پر رونما ہوئی ہے۔ اگر ہم خود اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو اس بھنور سے نکلنا مشکل ہوگا''۔

اہلِ اسلام کے بارے میں ایک بڑے مسلمان کا یہ تبصرہ آج بھی ہماری رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔

(بشکریہ اورینٹل کالج میگزین جلد ۷۸ عدد ۳۔۴ بابت ۲۰۰۳ء)

❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر صاحب اپنے ایک مضمون ''زبان اور اللہ کا کلام'' میں لکھتے ہیں ''ہر روز فرنگی کثرت سے مسلمان ہورہے ہیں۔ انگلستان، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، بیلجیم، ڈنمارک، شمالی و جنوبی امریکہ کوئی ملک اس سے مستثنیٰ نہیں۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پتہ چلایا کہ ان کا 99 فیصد حصہ تصوف اور صوفیاء کی تعلیم کے باعث اسلام قبول کر رہا ہے عقل پرستوں کی لایعنی تفسیروں اور تحریروں کے باعث نہیں۔ صوفیاء کی چیزیں اب آہستہ آہستہ فرنگی زبانوں میں ترجمہ یا تالیف ہو رہی ہیں۔ میں خود عقلیت کا دل دادہ تھا۔ یہاں آکر ہار ماننی پڑی۔ اسلام دل کے راستے ہی سے پھیل سکتا ہے۔ دل کی زبان میں جو تاثیر ہے جو سحر ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ ہم جس کی (یعنی مغرب کی) نقالی کرنا چاہتے ہیں وہ خود اپنے سے بیزار ہو گیا ہے۔'' (ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص 178)

Marfat.com

حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانی کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط

از مولانا محمد انوار احمد (استاد جامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے نامور محقق اور عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ انہوں نے صوفیاء کی طرح اپنی زندگی کے لیے گوشہ نشینی کو پسند کیا تھا، لیکن اسلامی مصادر کی تلاش و تحقیق ان کے نادرالوجود کتب کے منظر عام پر لانے کے حین حیات ہی ان کی ہمہ جہت شخصیت علمی دنیا کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائی۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے قران، حدیث، سیرت، فقہ، قانون اور مغازی جیسے مختلف موضوعات پر ۱۷۰ کتابیں اور زائد از ۱۰۰۰ معلومات آفرین و تحقیقی مقالات سپرد قلم کیے۔ ان کا علمی و تحقیقی سرمایہ صرف مقالات، کتب اور تراجم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ آپ کے خطوط بھی علم و معرفت کا ایک گنجینہ ہے جو انھوں نے مختلف افراد کو لکھے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے مکاتیب کے ذریعہ علوم و فنون، تحقیق و تفحص اور تصنیف و تالیف کی نئی راہیں کھولی ہیں۔ ان کے مکاتیب کے حوالے سے ہمیں ان کی ذاتی زندگی تک رسائی بھی حاصل ہوتی ہے اور ان کے عادات واطوار، معمولات اور اصولِ زندگانی کا پتہ چلتا ہے۔

یقیناً تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ کا میدان تھا۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے مختلف افراد کو خطوط لکھے یا خطوط کے جوابات دیے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط کی تعداد جو مختلف اصحاب کے نام لکھے گئے ہزاروں سے متجاوز ہے۔

پاکستان میں ڈاکٹر حمید اللہ کی پہلی برسی کے موقع پر محترم راشد شیخ نے ''ڈاکٹر محمد

Marfat.com

حمید اللہ'' کے نام سے ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ایک وقیع کتاب مرتب کی ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اصحاب فکر ودانش نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ کتاب میں ڈاکٹر حمید اللہ کے جملہ ۱۶۰ خطوط کو شامل کیا گیا ہے جو انہوں نے گیارہ اصحاب کو لکھے تھے۔ اس میں زیادہ تر وہ خطوط ہیں جو محترم مظہر ممتاز قریشی کے نام لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح کلیہ عربیہ وعلوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی جانب سے شائع ہونے والے علمی وتحقیقی مجلّہ 'معارف اسلامی' کی خاص اشاعت بیاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ میں بھی ڈاکٹر صاحب کے بعض خطوط کو اہتمام کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ نیز ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں بھی وقفہ وقفہ سے ڈاکٹر حمید اللہ کے مضامین اور مکاتیب شائع ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس بات پر حیرت ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حضرت مولانا ابو الوفاء الافغانی (موسس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ) کے نام جو خطوط لکھے ہیں اس پر پردہ ہی پڑا رہا۔

میں حضرت مولانا ابو بکر محمد الہاشمی صاحب (صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ) کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے ازروئے کرم نوازی مجھے ڈاکٹر صاحب کے ان خطوط کا عکس لینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مجھے اربابِ علم وفضل کے سامنے یہ سطور پیش کرتے ہوئے نہایت مسرت ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے فاضل استاذ مولانا ابو الوفاء الافغانی کے نام جملہ ۱۵۰ خطوط لکھے ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب نے سب سے زیادہ خطوط اپنے اس شفیق استاذ کے نام ہی لکھے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی ۱۳۲۶ھ میں ولادت ہوئی۔ چھ سال ہی کے تھے کہ آپ کے علمی خانوادہ نے آپ کو دارالعلوم میں شریک کروایا۔ دارالعلوم کے چھ سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد آپ کو مرکز علم وآگہی جامعہ نظامیہ میں داخلہ دلوایا گیا، جہاں آپ نے ازروئے رکارڈ دفتر نظامت مدرسہ نظامیہ ۱۳۴۱ھ میں مولوی کا امتحان کامیاب کیا۔ اس کے بعد عالم، فاضل اور کامل میں بھی کامیابی حاصل کی۔ جامعہ نظامیہ کا یہ تعلیمی عرصہ آپ کی شخصیت سازی کا حقیقی دور ہے۔ آپ کے ذہن وفکر نے مدرسہ نظامیہ کے علمی وتحقیقی ماحول کو بڑی

Marfat.com

شدت کے ساتھ قبول کیا۔ آپ کے اساتذہ میں باکمال محققین کے نام شامل ہیں، جنہوں نے آپ کے جوہرِ تحقیق کو خوب اجاگر کیا اور ڈاکٹر حمید اللہ کی فکری و روحانی تعمیر میں اہم حصہ ادا کیا۔ اس وقت مدرسہ نظامیہ کے اساتذہ میں مولانا ابراہیم ادیب، مولانا مفتی سیّد محمود، مولانا غلام محمد، مولانا مفتی رحیم الدین، مولانا مفتی مخدوم بیگ، مولانا مفتی مخدوم حسینیؒ اور مولانا ابوالوفاء الافغانی جیسے ماہرینِ علوم وفنون اور برگزیدہ شخصیات موجود تھیں جس کی وجہ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سامنے سلف صالحین کا مکمل نمونہ آ گیا اور ڈاکٹر صاحب نے تاحیات اپنے اساتذہ کی زندگی پر عمل پیرا رہتے ہوئے نظامی عادات واطوار پر تا زیست گامزن رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانی کا اثر قبول کیا۔ اگر ڈاکٹر حمید اللہ کی زندگی کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے کئی ایک معمولات پر مولانا الافغانی کی گہری چھاپ موجود ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے مولانا موصوف کی طرح ہی تجرد کو اختیار فرمایا اور زندگی کے تمام لمحات علم وتحقیق کی نذر فرمائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانونِ اسلامی'' جیسی شاہکار کتاب کے ذریعہ حضرت امام اعظمؒ پر مستشرقین کے تمام الزامات کا جواب دیا۔ یہ بات بعض اہل علم کے لیے حیرت واستعجاب کی باعث ہے کہ ڈاکٹر صاحب شافعی المسلک ہونے کے باوجود فقہ حنفی کی اس عظیم خدمت کو کیوں کر بجالائے ہیں؟ اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کام اپنے مکرم استاذ مولانا ابوالوفاء الافغانی کی خوشنودی کے لیے ان کے مزاج وخواہش کے عین مطابق انجام دیا۔ اہلِ علم سے یہ بات چنداں پوشیدہ نہیں کہ مولانا افغانی فقہ حنفی کے پرزور موید اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے عاشقِ صادق تھے۔ اہلِ علم کے نزدیک فقہ حنفی کی بقاء وترویج کے لیے احیاء المعارف النعمانیہ کی خدمات روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ غرض ڈاکٹر حمید اللہ کے جو خطوط میرے پاس موجود ہیں، ان کے مطالعہ سے جو باتیں نمایاں ہوتی ہیں اجمالاً وہ یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر حمید اللہ کی مولانا ابوالوفاء الافغانی سے بے انتہا محبت۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کی عالمی کتب خانوں پر گہری نظر۔

Marfat.com

(۳) مخطوطات کی دریافت کے سلسلہ میں آپ کی غیر معمولی دلچسپی۔
(۴) علوم و معارف کی بقا کیلئے حقیقی دردمندی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانی کی مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے رکن تھے اور طریقہء کار یہ ہوتا کہ اولاً مولانا افغانی ڈاکٹر صاحب کو بذریعہ خط کسی مخصوص مخطوطے کی تلاش کا حکم فرماتے، بعدہٗ ڈاکٹر حمید اللہ اس مخطوطہ سے متعلق تمام تفصیلات بذریعہ خط روانہ فرماتے۔ اگر یہ خطوط اصحابِ تحقیق کی نظروں سے گزریں تو یقیناً ان کے لیے تلاش و تحقیق کی نئی گرہیں کھلیں گی اور بجا طور پر ان کے لیے معارف کا انمول خزانہ ثابت ہوں گی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا یہ معمول تھا کہ وہ پیرس سے ہر سال تین مہینے کے لیے استنبول تشریف لاتے اور یہاں کی لائبریریوں کے ذریعہ اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کا سامان کرتے۔ اس دوران مولانا ابوالوفاء الافغانی کی قائم کردہ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے لیے درکار علمی مواد بھی تلاش کرتے اور مختلف نایاب مخطوطات کی فلم لے کر روانہ کرتے۔ فلم لینے کے لیے بسا اوقات حکومتی کارروائی کے صبر آزما مرحلے سے بھی گزرنا پڑتا، لیکن ان بزرگوں کے پائے استقلال میں فرق نہ آتا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ استنبول میں ڈاکٹر صاحب کا قیام بالعموم تین ماہ ہوتا اور آپ کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کی جامعات کے اساتذہ اور ذمہ دار آپ سے استفادہ کے لیے بے چین ہو جاتے اور آپ کی تدریسی خدمات حاصل کیے بغیر نہیں رہتے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانی نے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا کہ استنبول کے قریب بروصہ نام کا ایک مشہور مقام ہے، وہاں کے کتب خانہ میں احکام ناطفی کا نسخہ موجود ہے، آپ اس کو ضرور تلاش فرمائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا: ''آپ کے حکم کی تعمیل میں آج بروصہ آ گیا ہوں، مجھے استنبول میں ہر ایک دن آڑ (یعنی ایک دن کے وقفہ سے) تدریسی فرائض ہیں۔ بروصہ کے لیے سمندر پار ہونے کی وجہ سے جہاز میں سفر کرتا اور پھر بندرگاہ سے موٹر میں جانا ہوتا ہے اتنا ہی آنے کے لیے۔ اگر ایک دن بھی گزارنا چاہوں تو کم از کم تین دن کی فرصت کی ضرورت ہے اور یہ میرے پاس نہیں ہے، مجبوراً ہوائی جہاز کا آمد و رفت کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں۔ آج ہفتہ کے

Marfat.com

دن قبل طلوع آفتاب ۶ بجے گھر سے نکلا، ۹ بجے سے پہلے بروصہ پہنچ گیا، کسی ہوٹل گئے بغیر سیدھا کتب خانہ گیا۔ اب مغرب کی نماز کے وقت کتب خانہ بند ہونے سے ہوٹل آیا اور یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔"

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو ایک طرف فرائضِ منصبی کی فکر دامن گیر تھی تو دوسری طرف استادِ محترم کے حکم کی تعمیل مقصود تھی اور دونوں کی تکمیل کے لیے آپ نے ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر اختیار کیا۔ سچ ہے جہاں چاہ وہاں راہ۔ اب اس دور میں ایسی مثالیں شاید ہی مل سکیں۔ مزید اس خط کے ذریعہ آپ کا ذوقِ تحقیق ومطالعہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ صبح نو بجے سے مغرب تک آپ کتب خانہ ہی میں مصروف رہے اور کتب خانہ کے بند ہونے تک بہ علتِ مجبوری باہر تشریف لائے۔ اس طرح آپ کے خطوط سے جہاں آپ کے معمولات واحوال سے واقفیت ہوتی ہے وہیں آپ کے افکار ونظریات کا علم بھی ہوتا ہے۔ حضرت مولانا ابوالوفاء الافغانی اپنے زمانے میں علوم ومعارف کے فروغ کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہنے والی شخصیت کا نام ہے۔ آپ نے کتنے اصحاب کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی۔ جو آپ کے اس مبارک حلقہ میں شامل ہوا وہ دارین میں کامیابی حاصل کیا، چنانچہ آپ نے اس زمانے میں بانی لطیفیہ کالج جناب عبدالرزاق قادری کی سرپرستی قبول فرمائی تو ڈاکٹر صاحب نے خط میں لکھا: "یہاں شدید مشغولیت رہی، اس لیے مجلس کا کام زیادہ نہ کر سکا شرمندہ ہوں۔ معالم الدّین للسمر قندی کا فلم آنے سے مسرت ہوئی، اگر وہاں فوٹو لینے میں دشواری ہو تو پیرس بھیج دیں۔ باقی یہ ضرور عرض کروں گا کہ بزرگانہ شفقت سے نوجوانوں کو تربیت دینا، کام پر لگانا اور نسلاً بعد نسلٍ کام جو جاری رکھنے کا انتظام کرتے ہوئے السعی منّاو الاتمام من اللہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نئی نسل میں بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں ہیں لیکن کل کو یہی باقی رہیں گے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ جناب نے عبدالرزاق قادری صاحب کی سرپرستی ورہبری قبول فرمائی ہے۔"

اس خط سے نئی پود یعنی نوجوانوں کے تئیں آپ کی فکرمندی کا کھلا اظہار ہوتا ہے۔ غرض تمام خطوط علمی احوال وکوائف اور مخطوطات کی تفاصیل سے بھرے پڑے ہیں۔

Marfat.com

کسی بھی خط میں نہ کوئی لایعنی گفتگو ہے اور نہ ہی بے ضرورت کلام۔ البتہ جن اساتذہ سے آپ نے جامعہ نظامیہ میں اکتسابِ فیض کیا تھا ان کو اپنے خطوط میں ضرور یاد رکھتے ہیں اور جابجا نام بنام ان کے لیے سلام وخیریت کے الفاظ لکھتے ہیں۔ اسی خط کے آخر میں لکھا:

''استاذِ محترم مخدوم بیگ صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔''

ڈاکٹر صاحب کے خطوط بے جا تعلّی سے پاک ہیں اور کہیں پر بھی آپ نے اپنی بڑائی بیان نہیں کی، نہ یہ آپ کی طبیعت تھی۔ بعض جگہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد محترم کی خدمت میں اپنے کارناموں کی مختصر روداد بھی بیان فرمائی ہے۔ ۱۱/محرم ۱۳۸۶ھ کو استنبول سے لکھے گئے ایک خط میں بیان کرتے ہیں: ''میری فرانسیسی سیرت النبی ﷺ کا ترکی ترجمہ چھپا۔ پانچ ہزار نسخے ایک ماہ میں بک گئے۔ نئی طباعت کی نوبت آئی ہے۔ وللہ الحمد''۔ آگے لکھتے ہیں: ''شرح السیئر الکبیر للسرخسی کا قدیم ترین نسخہ بیروت کی جامعہ امیر کا نیا میں ہے، اس کا فلم آ گیا ہے۔ اس کا میں فرانسیسی ترجمہ کر رہا ہوں۔ اب جلد چہارم (طبع دائرۃ المعارف) کے آخری سو صفحے باقی رہ گئے ہیں۔ ان شاء اللہ جلد فراغت ہو جائے گی۔''

ڈاکٹر حمید اللہ کے تمامتر خطوط خالص علمی و تحقیقی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ اسلامی علوم و معارف سے بے پناہ لگاؤ نے ان کی ذات کو قدیم مصادرِ علمی اور مخطوطات سے اس قدر قریب کر دیا تھا کہ انھوں نے عمدہ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے جیسی چیزوں کے بے جا تکلفات سے بے نیاز ہو کر صرف تلاش و تحقیق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔

ان کے تمام خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے استاذ و مربی مولانا ابوالوفاء الافغانی سے تعلقِ خاطر تھا اور وہ اپنے استاذ کی حتی المقدور خدمت کو اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطوط میں استنبول، ترکی اور بیروت وغیرہ کے مختلف کتب خانوں میں موجود مخطوطات کی تمام جزئی تفاصیل، کتب خانہ میں الماری اور کتب کا نمبر نیز نسخہ کا بدائیہ اور اختتامیہ بھی سپردِ قلم کیا ہے تا کہ ضرورت پڑنے پر مجلس احیاء المعارف

Marfat.com

النعمانیہ عکوس یا فلم منگوا سکے۔

ڈاکٹر صاحب کا مولانا افغانی سے گہرا تلمذانہ تعلق تھا۔اس کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے خطوط میں ندامت واعتذار کے کلمات بھی رقم کرتے ہیں۔۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ کو لکھے گئے خط میں لکھتے ہیں: ''کہ صلوٰۃ جلابی کے متعلق اپنی سابقہ کم فہمی پر نادم ہوں۔'' اسی طرح ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ کے مکتوب میں رقم فرماتے ہیں:

''شرح جامع الصغیر کا درخواست میں ذکر نہ ہونا محض سہو نظر کے باعث ہے۔اس پر نادم ہوں۔''

غرض تمام خطوط کے ذریعہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بے کراں علم، بے انتہاء قابلیت اور خالص للّٰہیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کام اپنے اندر اس قدر وسعت رکھتا ہے کہ اس پر ایک مکمل مقالہ سپرد قلم کیا جائے۔انشاء اللہ کسی مناسب موقع پر خطوط کے حقیقی علمی و تحقیقی پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی۔

(بشکریہ روزنامہ منصف حیدرآباد مورخہ ۶/جنوری ۲۰۰۵ء)

❁ ❁ ❁ ❁

ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ظاہری اور اجتماعی اصلاح کے ساتھ ساتھ انفرادی اصلاح اور تزکیہء باطن بھی ضروری ہے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ ملک میں اسلامی ریاست قائم کرنے سے پہلے اسے لوگوں کے دلوں میں قائم کرنا چاہیے۔جامعہء عثمانیہ میں ڈاکٹر صاحب کے استاد مولانا عبدالقدیر صدیقی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ حمید اللّٰہ کے پاس دنیا کی جتنی علمی ڈگریاں ہیں اس سے کہیں زیادہ اس کے پاس روحانی علم ہے۔ڈاکٹر صاحب اپنے چچا محمود صاحب سے سلسلہء نقشبندیہ میں بیعت تھے۔آپ نے بھوپال کے حضرت ابو احمد صاحب کے صاحب زادے کے ہاتھ پر بھی نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں بیعت کی تھی۔(ڈاکٹر محمد حمید اللّٰہ سیرت۔ کمالات اور افادات از پروفیسر عبدالرحمن مومن، ص177)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ایک منفرد قرآنی خدمت

از محمد راشد شیخ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی دیگر دینی و علمی خدمات کے علاوہ ان کی خدماتِ قرآنی بھی بڑی وقیع اور اہمیت کی حامل ہیں۔ اس حوالے سے سب سے بڑا اور سب سے اہم کام تو فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور مختصر تشریح ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں پیرس سے شائع ہوا۔ اس ترجمۂ قرآن کے اب تک بیس سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ڈاکٹر صاحب ہر ایڈیشن کے لیے مناسب ترمیمات اور اضافات کرتے رہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے جرمن زبان میں بھی ترجمۂ قرآن کا کام سورۃ الانعام (پارہ نمبر ۶) تک مکمل کر لیا تھا لیکن بہ وجوہ وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ خدمت قرآنی کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا ایک اہم کام قرآن کریم کے تراجم کی ببلوگرافی القرآن فی کلّ لسان ہے جس کی خاطر آپ نے برس ہا برس محنت کی تھی اور سورۂ فاتحہ کے تقریباً دو سو زبانوں میں تراجم بھی جمع کر چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک خط میں تحریر فرمایا تھا کہ یہ تمام کاغذات کہیں کھو گئے تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی ایک اہم خدمتِ قرآنی مصحف سیّدنا عثمانؓ نسخۂ سمرقند کی اشاعت ہے۔ اسی نسخے کو دوبارہ مرتب کر کے، زیر زبر کے ساتھ جدید املا کے مطابق (کیونکہ نسخے میں اعراب نہیں تھے) فلاڈلفیا امریکا سے شائع کرایا تھا۔ یہ نسخۂ عثمانی ڈاکٹر صاحب کی بھانجی کے صاحب زادے ڈاکٹر احمد عبدالخالق صاحب نے شائع کیا تھا۔ اس اشاعت کی ابتدا میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے انگریزی میں پیش لفظ لکھا تھا جس میں نسخے کی مختصر تاریخ اور اہمیت پر روشنی ڈالی تھی۔ ہمیں اس مطبوعہ نسخے کے چند صفحات کے عکس جناب ریاض الدین صاحب کی عنایت سے حاصل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کا انگریزی میں لکھا پیش لفظ اور نسخے کے چند صفحات اگلے صفحات میں شامل ہیں۔

Marfat.com

THE QURANIC COPIES OF THE CALIPH OSMAN

(By Dr.Muhammad Hamidullah)

Unlike the Torah of the Prophet Musa (Mosess), the Quran was not revealed all at once, but fragmentar
23 years, and continued to be revealed till the last minute of the life of the Prophet. So it was not possible
should 'publish' for the community a definite and complete copy. Further, the revelations were not
mechanically, in chronological order. Imagine the very first revelation, concerning the Praise of the Pe
tained in the 96th (of 114) surats of the Holy Text.

Soon after the death of the Prophet, Abu Bakr, the first caliph, appointed a commission to prepare t
Text in the form of a book, Zaid ibn Thabit, 'Umar ibn al-Khattab ect. were menbers of the commission
the task was completed, the copy remained with the caliph Abu- Bakr, who died very soon. Under the
caliph, 'Umar, there were huge conquests, and also enormous expansion of Islam, and he was thin
multiply official copies and send them to the different centers or provincial capitals; before he made a
resolution, he expired. It was under the third caliph 'Osman, who ruled over three continents, from
Andalusia (Spain), a little incident promped the decision. When the Muslim army was in Erzurum (the
Erzenrum), some ignorant soldiers quarelled over the exact pronunciation of some words. Receiving th
the pious and ever-ready caliph ordered the old commission to makeseveral copies of the copy of the cali
Bakr, and made each of them read publicly in the grand mosque from beginning to the end, so that nc
subsist in public opinion. Then he sent these copies to the provincial centres, and ordered that private co
fering from the official text should be destroyed.

Of the official copies thus prepared, one was kept in the mosque of the Prophet in Madinah, another
to Mecca, yet others to the chief towns of Syria, Egypt, Iran, etc. There are references to these copie
history, in different places. Some were destroyed in fire, inundation, etc. Actully there are three known
one in Tashkent, another in Istanbul, and the third in the India Office Library of London.

The Tashkent copy was originally in Damuscus, and Timur Lenk (Tamer lane) brought it from Dam
Samarquand as a war trophy.It remained there till the last century, when the Czarist Russia occupied
quand, and transferred the precious copy to Saint Petersburg (now called Leningrad). After the downfa
Czarist regime, a Muslim general, Ali Akbar Topchibashi, sent a commando to the imperial palace, fet
copy and sent it urgently to Tashkent. Later when the communists discovered the fact, and also
Turkistan, on the one hand the general took refuge in Paris, and on the other hand the communists
copy in 'their' Tashkent not to infuriate Muslim populaion against the not-yet-solid communist regim

It is to recall that one of the Czars published a fac-simile reproduction of the precious copy, in ve
number, perhaps fifty or so. These are exant. One is in Kabul museum, one is in Cairo, one is known in E
one or two in U.S.A.

There is a smaller edition also, of the extracts only, and smaller size. It is said that the Soviet governn
recently re-published the ancient edition, and presents to Muslim heads of State when they visit Russi

It is inspirfing to know and to note that in this copy of the beginning of Islam and other copies now in u
world, there is absolutely no difference, not a word is either more or less. The only difference is that in
of the time of the caliph Osman, there are neither diacritical points not the vowel signs. The old writin
not very easy to read for the modern uninitiated readers.

Praise be to the Almighty for this grace on the community that is charged to take care of His last mes
to preach it.

Marfat.com

Postscript:

Our only regret is that the Tashkent copy has suffered at the hand of time, from its constant use. Numerous are pages that are torn and partly illegible. In the Russian facsimile edition, the ignorant editor has printed pp. 301 and 302 twice; we have suppressed that. Many pages are completely missing; hereunder is their list:

First two pages.

between pp. 70 and	71,	about 10 pages are lacking
72	73	16
84	85	4
90	91	14
114	115	2
116	117	2
134	135	4
178	179	2
184	185	12
188	189	2
194	195	2
224	225	62
378	379	168
408	409	6
410	411	68
412	413	4
426	427	4
458	459	6
460	461	4
472	473	4
414	415	2
420	421	2
430	431	2
472	573	138
580	581	2
582	583	2
590	591	4
598	599	2
600	601	2
612	613	162
642	643	2
664	665	12
666	667	24
668	669	14
670	671	4
676	677	2
690	691	14
706 to the end		648

Have these pages been stolen from the venerated copy of caliph Osman, by unscrupulous souvenir-mongers? It is not impossible.

M.H.

Marfat.com

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ
لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ
أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ

مفقود فى المخطوطة
LACKING IN MS.

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧ وَمِنَ النَّاسِ
مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝٨
يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُونَ ۝٩ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝١٠ وَ

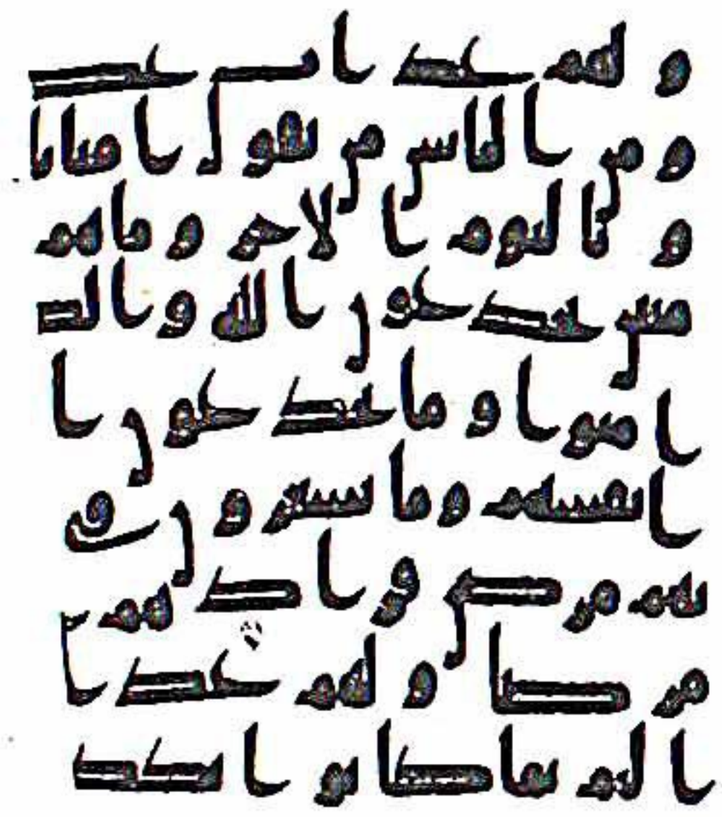

Marfat.com

إِذَا قِيلَ لَهُمْ

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا
قِيلَ لَهُمْ ءَامِنُوا كَمَا ءَامَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا ءَامَنَ
السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

وَإِذَا

لَقُوا الَّذِينَ ءَامَنُوا قَالُوا ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَٰطِينِهِمْ
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ
بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا
مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا
أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ

لَا

Marfat.com

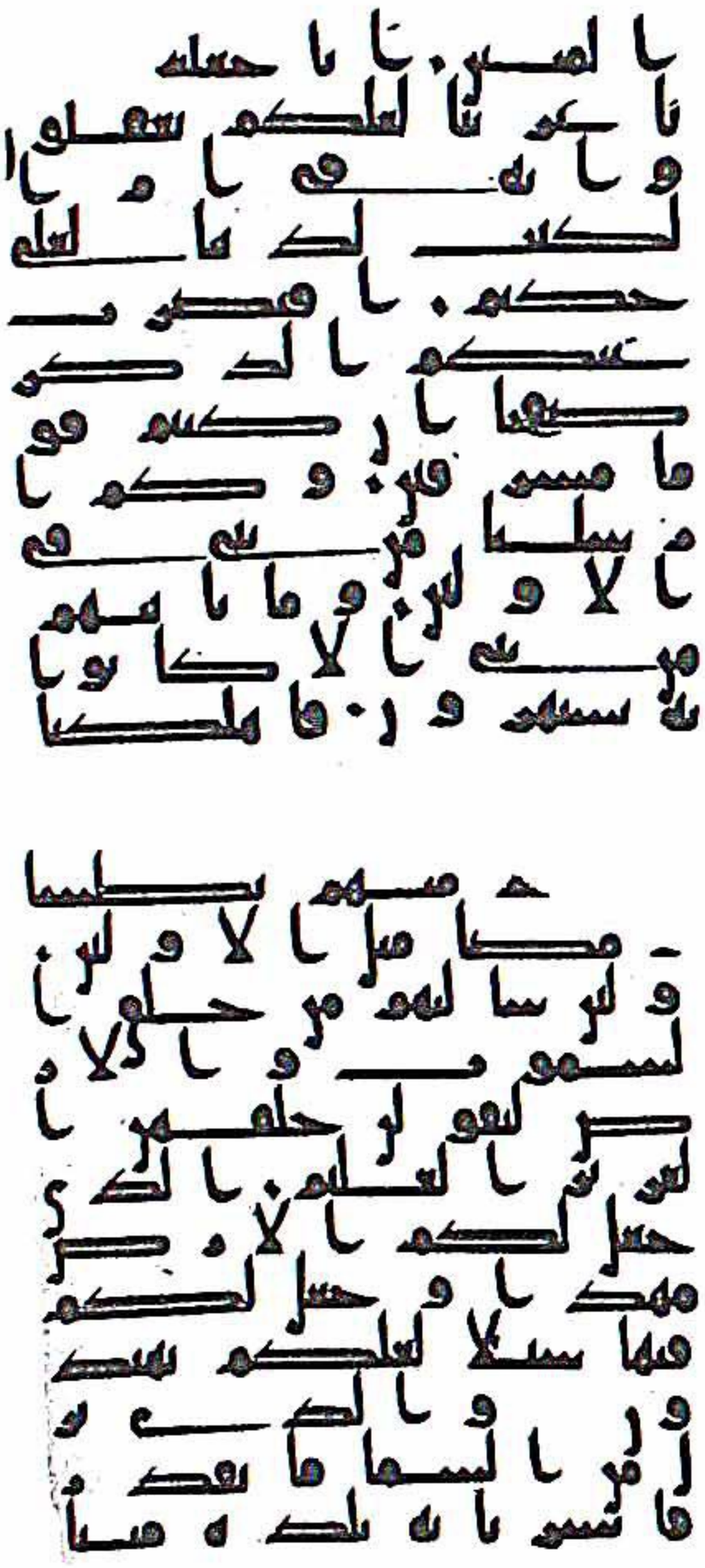

الْمُبِينِ ۝١ إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا
عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝٢ وَإِنَّهُۥ فِىٓ أُمِّ الْكِتَٰبِ لَدَيْنَا
لَعَلِىٌّ حَكِيمٌ ۝٣ أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ 705
قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ۝٥ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِىٍّ فِى الْأَوَّلِينَ ۝٦
وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِىٍّ إِلَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٧ فَأَهْلَكْنَآ

أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۝٨ وَلَئِن سَأَلْتَهُم
مَّنْ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ
الْعَلِيمُ ۝٩ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَجَعَلَ 706
لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝١٠ وَالَّذِى نَزَّلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِۦ بَلْدَةً مَّيْتًا

End of the MS. The rest could been found in any modern printed copy.

Marfat.com

شکوہ

Marfat.com

Marfat.com

کچھ خطوط کی نئی اشاعت کے بارے میں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے خطوط جو پیرس سے (۸۴ء سے ۹۴ء) کے دوران مجھے لکھے گئے تھے رسالہ ارمغان کراچی کے شمارے (جولائی ۹۶ء تا دسمبر ۹۶ء) میں شائع ہو چکے تھے۔ رسالہ کے پس پردہ (Original) ایڈیٹر ڈاکٹر مشرف احمد صاحب (صدر شعبہ اردو نیشنل کالج جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، ان کا انتقال گزشتہ دنوں کراچی میں ہوا) مجھ سے ملنے میرے گھر آئے۔ میرا پتہ مشہور ادیب و محقق محترمی مشفق خواجہ صاحب نے دیا تھا۔ دراصل ڈاکٹر مشرف احمد صاحب اردو کے دو مشہور شاعروں جناب ثناء اللہ ڈار میرا جی اور جناب اختر الایمان کے بارے میں ذاتی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے تا کہ ارمغان میں ان پر سیر حاصل تبصرہ شخصیت اور فن کے حوالے سے کریں اور ان کو فوٹوؤں کے ساتھ شائع کریں (فوٹوز میں نے دیئے تھے) میں نے ڈاکٹر مشرف صاحب کو دونوں سے میری جتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں ان کی تفصیل بتلا دی۔ خاص طور پر اختر الایمان سے پونا ۱۹۴۵ء میں پہلی ملاقات جب وہ ان دنوں فلم ایکٹر بھارت بھوشن کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے برابر کے بنگلے میں میرے رشتے دار جناب محمد باسط صاحب سٹی مجسٹریٹ رہتے تھے۔ اسی وجہ سے دوستی کا رشتہ مضبوط ہوا اور اُن ملاقاتوں کا ذکر جب یہ دونوں ۱۹۴۶ء دسمبر میں حیدر آباد آئے تھے اور ہمارے مشترکہ دوست جناب نور الحق کے بنگلے میں ٹھہرے تھے۔ ان کے والد بھی سٹی مجسٹریٹ تھے۔ اور پھر ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء میں جب زوال حیدر آباد ہوا تو میں اپنے دوست خورشید کے ساتھ ۱۵ دسمبر کو پاکستان جانے کے لئے بمبئی گیا تھا، اور ان دونوں سے میری ملاقات رسالہ خیال کے دفتر میں ہوئی تھی جہاں میرا جی نگار خانہ کا اردو ترجمہ انگریزی سے کر رہے تھے۔ غرض ایسی ملاقاتیں ایسی باتیں جن کا تعلق ان کی علمی ادبی شخصی زندگی سے

Marfat.com

تھا ڈاکٹر مشرف احمد صاحب نوٹ کرتے رہے۔ میری الماری سے لگی ہوئی چھوٹی سی میز پر کئی خاکی اور سفید لفافے رکھے ہوئے تھے جن میں دوستوں کے خطوط تھے۔ ڈاکٹر مشرف احمد صاحب ان کو اِدھر اُدھر سے الٹ پلٹ کر پڑھتے رہے اور ایک بھاری بھرکم لفافے کے بارے میں پوچھا یہ کس کا ہے؟ میں نے بتلایا کہ یہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ذاتی خطوط ہیں تو فوراً انھوں نے کہا ''پھر تو یہ قیمتی ہوں گے۔ مظہر صاحب یہ خطوط مجھے دے دیں ، ارمغان میں شائع کر کے واپس کر دوں گا''۔ میں کچھ فکر مند ہو گیا، کچھ پس و پیش کر کے بالآخر وہ خطوط جو کل 130 تھے میں نے ان کو دے دیئے۔ انھوں نے ارمغان کے شمارے (جولائی تا دسمبر 96ء) میں شائع بھی کر دیئے مگر اصل (Original) خطوط واپس نہیں کیے۔

ان خطوط کی پذیرائی ملک میں اور ملک کے باہر بھی ہوئی۔ سب سے پہلے ان خطوط پر جناب ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب نے دکن کے مشہور اخبار ''سیاست'' میں اپنا تبصرہ شائع کیا اور وہی تبصرہ کراچی کے ہفتہ وار رسالے ''ملت'' (فرائیڈے ٹائمز) میں دوبارہ شائع ہوا اور اکثر ادبی محفلوں میں ان کا ذکر ہوتا رہا۔ عام طور پر ان کے متن کو پسند کیا گیا کیونکہ اس میں علم و عرفان کی باتیں بڑی خوش اسلوبی، خوش اخلاقی، خوش ذوقی اور نرم دھیمے لہجے میں کہی گئی تھیں۔ یہ بڑی جرأت اور حوصلے کی بات ہے کہ جناب محمد راشد شیخ صاحب اپنی گہری عقیدت کے پھول ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو شائع کر کے نچھاور کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مضامین کو بھی ترتیب دے رہے ہیں جو ان پر لکھے گئے تھے اور کچھ نئے مضامین بھی لکھوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اکیلے اس مشن کو پورا کریں گے خدا ان کو کامیاب کرے۔ ہمت راشد ان مددِ خدا است۔

میں نے ان خطوط کی مزید تشریح کے لئے حاشیے (فٹ نوٹ) بھی لکھے ہیں تا کہ خطوط کے بعض جملوں کی وضاحت ہو سکے اور اس کو اسی کے تناظر میں سمجھا جائے۔

مظہر ممتاز قریشی

Marfat.com

بنام مظہر ممتاز قریشی

(۱)

4,Rue de Tournons-6 /

France

۱۸ر صفر ۱۴۰۵ھ

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۸ر نومبر کا عنایت نامہ کل رات پہنچا۔ دلی شکریہ۔

اس سے قبل کا کوئی خط نہ ڈاک سے، نہ احباب کے ذریعے سے پہنچا۔ سوائے اس کے کیا عرض کروں کہ خدا آپ کے کام میں برکت دے۔

امریکا میں نیشنل یونین (۱) کیٹلاگ چھپتا ہے۔ کئی سو جلدیں ہیں۔ ان میں مجھے بہت سے فرنگی اور مسلمان مترجمین قرآن کی تاریخ ولادت و وفات ملی۔ آپ سے بھی درخواست ہے اس میں دیکھیں اور آپ پہلے خود اپنے ملک کے مترجموں کے حالات جمع کر کے شائع کریں۔ دوسرے غیرت میں آ کر سبق لیں گے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

۲۹ر صفر ۱۴۰۵ھ

مکرمی

سلام مسنون۔ ملاقات پر ڈاکٹر معین الحق صاحب (۲) و اہلیہ کو بھی سلام و آداب۔ نیشنل یونین کیٹلاگ کا Congress Library (۳) واشنگٹن سے تعلق ہے۔ اس کی پانچ چھ سو جلدیں ہیں۔ اب تو ہر ماہ پانچ سو صفحے کی ایک جلد نکلنے لگی ہے۔

Marfat.com

مجھے فرانس یا کسی اور ملک میں کسی ایسے رسالہ کا علم نہیں جو اہل علم کی سوانح عمریاں دیتا ہو۔ آپ کی یاد غلط ہے۔ البتہ ہر فرنگی ملک میں نیشنل بیاگرفیس نامی کتابیں ہیں مگر ان میں شاذ ہی مترجمین قرآن کو اس قابل سمجھا گیا ہے کہ ان کا ذکر ان کتابوں میں ہو۔

میرا جرمن (۴) ترجمہ چھٹے پارے پر رک گیا ہے۔ دیگر مصروفیتیں ادھر توجہ کا موقع نہیں دیتیں۔

احمد علی صاحب (۵) کے ترجمے کی تفصیل کا شکریہ۔ لندن میں بھی ڈاکٹر فاطمی وغیرہ کئی لوگ نئے ترجمے کر رہے ہیں مگر میرے پاس ان کی سوانح عمریاں نہیں ہیں اور نہ معلوم کرنے کا امکان ہے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۳)

پاریس۔ ۸۴۔۱۲۔۸

۱۵ ربیع الانوار ۱۴۰۵ھ

مکرمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ کے اعلانات یا درخواستوں کے نسخے مکرر سکرر آئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ڈاک کا خرچ آپ کو بڑھے اس کی مجھے ارسال میں کوئی فائدہ نہیں۔

راجستھانی (۶) ترجمے کی اطلاع کا شکریہ۔ مسلم ورلڈ میرے پاس آتا ہے اس کے فوٹوؤں کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

میں نے کبھی نہیں لکھا کہ پاریس کے امام صاحب ایک رسالہ نکالتے ہیں۔ جو رسالہ ''فرانس اسلام'' نکلتا تھا وہ اب کوئی دس سال سے مالی دشواریوں کے باعث بند ہے۔ اس میں سوانح عمریاں نہیں، بلکہ سورۂ فاتحہ کا نمونہ ہر زبان میں ہوتا تھا، اور ہر زبان کے جملہ

Marfat.com

مترجمین کا نام اور مقام اشاعت بہ حروف تہجی پر چھپتے رہے، ہر نمبر میں ایک زبان اور Gujarati تک پہنچا تھا۔

مجھے اپنی سوانح عمری (۷) سے چڑھ ہے۔ حیدرآباد دکن میں ۱۶ر محرم ۱۳۲۶ھ کو پیدا ہوا، وہیں تعلیم پائی۔ اب فرانس میں پناہ گزین ہوں۔

مجھے ابوالفضل صاحب (۸) سے کوئی واقفیت نہیں رہی صرف نام سے واقفیت ہے۔ ابو محمد مصلح صاحب کے متعلق صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ بہار کے تھے اور حیدرآباد میں رہ کر وہیں وفات پائی۔ میں ان سے ممکنہ تعاون کرتا رہا۔ پروف ریڈنگ میں مدد دیتا رہا۔ مترجموں کے حالات سے نہ مجھے واقفیت ہے اور نہ واقف لوگوں سے واقف ہوں۔

احمد علی صاحب (۹) کے ترجمے کی ارسال کی زحمت نہ فرمائیں۔ میں کیا جو اس کی تدقیق کر سکوں۔

میدان حشر (۱۰) جیسے مسئلے سے نہ مجھے دلچسپی ہے اور نہ واقفیت، شاید کوئی لکھے تو پڑھوں گا بھی نہیں۔ یہ خدا کے اسرار ہیں عالم غیب کے۔

مکان میں آداب و تسلیمات۔

سلام نیاز

محمد حمید اللہ

(۴)

۲۹ر جمادی الاول ۱۴۰۶ھ

مخدوم محترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲۷ر جنوری کا کرم نامہ کل ۸ر فروری کو پہنچا۔ شکر گزار ہوں۔

(۱) خطبات (۱۱) بہاولپور کا نیا نظر ثانی ایڈیشن جس میں انڈکس بھی بڑھایا گیا ہے، ابھی ابھی گزشتہ ماہ اسلام آباد سے اسلامک یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

(۲) میرا جرمن (۱۲) ترجمہ قرآن سورۂ انعام تک آ کر جو رکا تو پھر آگے نہیں بڑھا۔

Marfat.com

دوسرے کاموں میں اس قدر پھنسا ہوا ہوں کہ ادھر توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

(۳) آپ کی فہرست تراجم (۱۳) قرآن کی ''نظر ثانی'' کے لئے چار پانچ سو صفحوں کی ایک کتاب لکھنی ہو گی۔ ابھی استنبول میں World bibliography of Translations of the Quran, Research Centre for Islamic History, Art and Culture P.B.24, Besiktas, Istanbul. کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ ہزار بھر صفحے ہوں گے۔ میں نے مسودہ دیکھا تھا۔ ابھی مطبوعہ نسخہ یہاں آیا نہیں۔ تراجم کی فہرست کے لئے دنیا کے ہر بڑے کتب خانے میں جا کر کام کرنا ہو گا کہ مطبوعہ کیٹلاگ میں تازہ چیزیں نہیں ملتیں خاص کر ''کانگریس لائبریری واشنگٹن'' جس میں ۹۵ ملین کتابیں ہیں۔

میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ پہلے اردو مترجموں کی سوانح عمریاں جمع کر لیجئے پھر فارسی، ترکی وغیرہ۔ فرنگی مترجموں کی تاریخ وفات بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ مجھے واقعی نہیں معلوم کہ یہ معلومات کہاں ملیں گی۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

لکزمبورگ وسطی یورپ میں ایک ننھی منی ریاست ہے وہاں اب تک فرانسیسی چلتی تھی۔ ابھی ابھی انھوں نے اپنی مقامی زبان کو ''دوسری سرکاری زبان'' قرار دیا ہے اس کا نام ہے لیتس بورگیش Letzburgesch۔ الحمد للہ اس زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ ہو کر پہنچ گیا ہے۔ میں وہاں گیا تھا۔ دس بارہ فرنگی نو مسلم بھی ہیں۔

(۵)

۱۲/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ

استاد محترم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا، ممنون بھی ہوا، شرمندہ بھی کہ آپ نے بے وجہ کثیر رقم صرف فرمائی۔

Marfat.com

جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔

جہاں تک اپنی تالیفوں (۱۴) پر میرا اپنا تبصرہ کرنا ہے میں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ میرا ہاتھ ماؤف اور مفلوج ہے کہ لکھ نہیں سکتا، بلکہ یہ کہ کثرت فرائض سے وقت نہیں بچتا۔ اور یہ کرامت بھی حاصل نہیں ہوئی ہے کہ وقت واحد میں دو دو کام کر سکوں خود اپنا زیر تالیف مضمون مثلاً لکھتا رہوں اور ساتھ ساتھ Simultanuously آپ کے فرستادہ کاتب کو کوئی اور مضمون بھی املا (Dictate) کراتا رہوں۔ آج کل اپنے فرانسیسی (۱۵) ترجمہ قرآن کا پندرھواں ایڈیشن اور فرانسیسی سیرۃ النبیؐ کا پانچواں ایڈیشن نظر ثانی کے بعد تیار کر رہا ہوں۔ اور ناشر کا تقاضا ہے۔

مکان میں آداب تسلیمات

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۶)

۲۶ر جمادی الاوّل ۱۴۰۸ھ

مخدوم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسے آپ کے خط مورخہ ۱۹ر جمادی الثانی میں جو ابھی شروع نہیں ہوا ہے، آپ نے السلام علیکم لکھا ہے۔ آپ کی خیر و عافیت سے خوشی ہوئی۔ میری فرانسیسی کتاب سیرت اور ترجمہ قرآن کے نئے ایڈیشن (۱۶) ابھی پروف ہی کے نوبت تک پہنچے ہیں۔ مجھے ان سے تعلق بھی نہیں ہے۔ یعنی میں نہ ناشر ہوں اور نہ فروشندہ۔ مجھے غالباً ایک ایک نسخہ ہی تحفتہً ملے گا کیونکہ وہ میں نے اسلامی انجمن طلبہ کو تحفہ میں دے دی ہیں۔

میرے ذہن میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس کی اشاعت کی آپ سے استدعا کر سکوں۔ خود آپ کچھ تالیف فرمائیے زیادہ بہتر ہوگا۔

مکان میں آداب

Marfat.com

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۷)

۱۶ر رجب ۱۴۰۸ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماوردی (۱۷) کی کتاب کو ضرور چھاپئے لیکن اس میں میرے تبصرے کی کوئی حاجت نہیں ہے اور نہ اس کے لئے میرے پاس فرصت۔ ادب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ تراسی سال گزر چکے ہیں۔

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

(۸)

۲۵ر ربیع الغوث ۱۴۰۹ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ۔ جزاکم اللہ خیرا۔ قطر میں ایک مجلس تراجم قرآن (۱۸) بنی ہے۔ مترجمین کے حالات وہ بھی شائع کر رہی ہے۔ پتہ احتیاطاً درج کرتا ہوں۔

Prof Dr. Hassan AL Ma'ayergi

Post. Box No. 188

Doha, Qatar

میری اپنی فہرست میں کچھ اور نام بھی ہیں۔

W. Baaten Qutrcchl جزئی ترجمہ۔

Soedewo ۲۔

Marfat.com

۳۔ F.A. Graeff

۴۔ B.F. Mattes امستر ۱۸۴۶

۵۔ قادیان والے مرزا بشیر الدین محمود احمد۔

والسلام خادم

محمد حمید اللہ

مکرر

آپ لائدن والوں کو بشیر الدین محمود احمد صاحب کے حالات روانہ کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اپنے ماخذ کے طور پر میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن (۱۹) مطبوعہ Brent wood ۱۹۸۵ء (طبع جدید زیر طبع ۱۹۸۹ء) کا حوالہ دے سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ غالباً Spark Hurgroy کے ہاں بھی اقتباسات قرآن ملتے ہیں۔

(۹)

۲۲ر جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ

مخدوم و محترم دامت برکاتکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا۔ سرفراز کیا۔ کاش کوئی صورت ہو کہ اس چوراسی سالہ بوڑھے کو اب احباب بھول جائیں اور آرام لینے دیں۔ میرے خیالات کو ذرا بھی اہمیت نہیں۔ خط نویسی بھی میرے لئے اب بار ہو گئی ہے۔

میرا بھی ناچیز خیال ہے اور اس میں کوئی سیاسی یا مادی غرض بالکل نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی (۲۰) مباح اور جائز ہے (واجب اور مستحب نہیں، صرف جائز ہے)۔ اگر ہر سائل کے جواب میں ایک مضمون لکھنے لگوں تو عملاً کسی نوجوان کے لئے بھی اس کا امکان نہیں۔ آپ واحد سائل نہیں ہیں۔ ذمہ داری انتخاب کے وقت ووٹ دینے والوں کی ہے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۰)

۱۵ر رجب ۱۴۰۹ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ سے میں بڑا شرمندہ ہوں۔ آپ بار بار زحمت فرماتے ہیں اس دفعہ اخباری کترنوں پر پندرہ روپے خرچ فرما ڈالے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

اختلاف رائے پر کیا کہا جائے؟ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ میں عالم مثال میں بحث ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بعض وقت متفق نہ ہو سکے اور رسول اللہؐ کے پاس فیصلے کے لئے آتے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد میں سینکڑوں مسائل میں اختلاف رہا۔

مجھے قطعاً اصرار نہیں کہ میری رائے (۲۱) ہی صحیح ہے۔ دیگر علماء دوسری رائے رکھتے ہیں جیسا کہ مرسلہ اخباروں سے پتہ چلتا ہے۔ فیصلہ کوئی ثالث ہی کرے گا۔ اختلاف ائمہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ میں اپنی رائے رکھتا اور اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ اور لوگ مجھ سے متفق ہوں۔

مکان میں آداب و کورنشات عرض ہیں۔

آپ کا دلی شکریہ۔

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱)

۱۹ر رجب ۱۴۰۹ھ

محترمی سلام مسنون۔ کرم نامہ مورخہ ۱۶ر فروری ملا۔ ممنون ہوا۔

میں نے جرمن مترجمین (۲۲) قرآن مجید پر کوئی کتاب نہیں لکھی ہے اور نہ کوئی خاص تحقیق۔ میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے میں ''یورپی زبانوں میں تراجم قرآن'' کا ذکر ہے۔ اس کے زیر طبع پندرھویں ایڈیشن میں جرمن میں پورے ساٹھ ترجموں کا ذکر ہے۔

Marfat.com

میں جب ۱۹۳۲ء میں جرمنی میں طالب علم تھا تو اس وقت ماکس ھینگ وہاں زیادہ مستعمل تھا۔ جب ۱۹۶۰ء میں آنماری شمل بیگم (۲۳) نے اس کا نیا ایڈیشن چھاپنا چاہا تو میں نے انھیں کتاب کی کچھ غلطیاں بتائیں اور وہ انھوں نے درست بھی کر دیں۔ اور اشتہاری ضرورتوں سے انھوں نے اپنے دیباچے میں لکھ دیا کہ حمید اللہ کی رائے میں یہ سب سے بہتر جرمن ترجمہ ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔

اسی کو لائپتسگ Lip zig (کمیونسٹ جرمنی) میں ۱۹۶۸ء میں Ernest Werner اور Kurt Rudolph نے اپنی خصوصی تصحیحوں کے ساتھ چھاپا۔ اصل مترجم ھینگ کے زیادہ حالات معلوم نہیں سوائے اس کے کہ اس کا ۱۸۶۱ء میں پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ شمل بیگم نے لکھا کہ جرمنی کے پروفیسر اوتو اسپیس Otto spics کے گمان میں ھینگ ایک فرضی نام ہے، اصل مترجم آوگوست مولر Auguest Muller ۱۸۴۲ء تا ۱۸۹۲ء ہے۔

میری مذکورہ فہرست میں صرف مترجم کے زمانے کا ذکر، اگر ملا تو کرنے پر اکتفا ہے اور جن متعدد طباعتوں کا پتہ چلا، ان کی تفصیل ہے۔ اور بس اور سچ تو یہ ہے بہتوں کے حالات جرمن کتب سوانح عمری میں بھی نہیں ملتے، اسلام دشمنی اور قرآن دشمنی کے باعث۔

عمر کے باعث اس کا کوئی امکان نہیں کہ میں مترجمین قرآن کی سوانح عمریوں پر کوئی کتاب لکھ سکوں۔

میرا ترجمہ قرآن نیویارک Brentwood (۲۴) میں ابھی مطبع ہی میں ہے۔

مکان میں آداب

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۲)

۲۶ رجب ۱۴۰۹ھ

محترمی زاد مجدکم

Marfat.com

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ایک کرم نامے کے جواب میں جرمن تراجم قرآن پاک پر ایک نوٹ ارسال خدمت کیا تھا انشاء اللہ مل گیا ہوگا۔(Henning کے متعلق)

اب ایک نیا کرم نامہ آیا ہے۔آپ کی کرم فرمائیوں سے غریق سے غریق تر ہوتا جارہا ہوں۔ براہ کرم مزید زحمتیں نہ فرمائیں۔

عورت کی سربراہی کے متعلق مضامین (۲۵) اور کتابچے کا شکریہ۔ میں چوراسی سال کا بوڑھا ہوگیا ہوں۔آج کل فریش بھی ہوں ساری دنیا کی چیزوں سے عملی ہی نہیں علمی دلچسپی کا بھی اب زمانہ نہیں رہا۔

خدا آپ کو خیر وعافیت سے رکھے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۱۳)

۷ رشعبان ۱۴۰۹ھ

محترمی

سلام مسنون۔تین چار دن ہوئے ایک کرم نامہ ملا۔کل دو نئے خط ملے۔شکریہ

میں نے بارہا پورے ادب سے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں ۸۴ سال کا ہو چکا ہوں اور اب علمی کام ہو نہیں سکتے۔اس کا کوئی امکان نہیں کہ آپ کے دوست میرے ہاں آکر کچھ علمی کام کرسکیں۔ میں یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ میری رائے میں کسی زندہ شخص کے حالات (۲۶) پر کام نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں آزادی فکر نہیں رہتی۔

دو ہفتوں سے فریش بھی ہوں۔خط کا جواب دینا بھی تھکا دینے لگا ہے۔غیر ضروری اور غیر ممکن امور کے لئے زحمت نہ گوارا فرمایئے۔ مکان میں سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۴)

۱۹ محرم ۱۴۱۰ھ

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج شام آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۱۰ راگست پہنچا۔ شکر گزار ہوں۔

میں اپنی صحت (۲۷) کے حالات خود قریبی رشتہ داروں اور عزیز ترین دوستوں کو بھی نہیں لکھتا کہ وہ پریشان ہوں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ صرف خط لکھ کر مجھ پر جواب ہی کا مزید بار ڈالیں گے اور تھکائیں گے۔ آپ بھی مجھ سے صحت دریافت کرنے کا خط کبھی نہ لکھیں۔

کتاب القرآن فی کل لسان (۲۸) کا کوئی ایڈیشن میرے علم میں امریکہ میں نہیں چھپا۔ وہاں حضرت عثمانؓ کا قرآن جو روس میں طبع ہوا تھا، مکرر چھپا ہے آپ کو غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔

اگر ممکن ہو تو مجھے سورہ فاتحہ (۲۹) کے نئے ترجمے سے نوازیں یعنی ترجمے کی کامل عبارت، مولف کا نام (ممکن ہو تو تاریخ ولادت) اور مطبوعہ ہے تو مقام و تاریخ اشاعت۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی ہے کہ فرانس کا کوئی ادارہ میری زندگی اور کام پر کام کرا رہا ہے۔ میرے مطبوعہ مضامین و کتب (۳۰) کا عام طور پر میرے پاس ایک واحد نسخہ گھر میں ہے۔ اسی کی فوٹو کاپیاں یہاں کی انجمن طلبہ اسلامی نکلوا رہی ہے۔ ہزاروں صفحے ہیں اور ابھی کام ختم نہیں ہوا۔ تھکا ہوا ہوں معاف فرمائیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۵)

۵ صفر ۱۴۱۰ھ

محترمی زاد مجدکم

Marfat.com

سلام مسنون۔

مجھے معلوم نہ تھا اور نہ تجربہ ہے کہ بیماروں، تھکے ہوئے بوڑھوں کو خط لکھنے میں کوئی بار زحمت نہیں ہوتی وہ محض بیکار اور چاق چوبند رہتے ہیں۔

القرآن فی کل لسان ابھی امریکہ میں نہیں چھپی۔ کب، اللہ کو معلوم۔ میری حیدرآبادی زندگی میں چھپے ہوئے مضمون (۳۱) وہیں رہ گئے۔ یہاں کی اکتالیس سالہ زندگی کے مطبوعات صرف یہیں ہیں۔ عطاء اللہ میرا بھتیجا ہے اس سے طے ہوا ہے کہ وہاں کے مضمونوں کے فوٹو وہ بھیجے، یہاں کے مضمونوں کے فوٹو اس کو بھیجے جائیں گے تاکہ دونوں جگہ ذخیرہ ممکنہ حد تک مکمل رہے۔ پاریس میں عام طور پر زیراکس کاپی فی صفحہ ایک فرانک ہوتی ہے۔ یہاں مجموعہ مقالات کی طباعت کا کوئی سوال نہیں کہ ہاتھ خالی ہیں۔ یہاں تاحال کئی ہزار صفحے فوٹو لئے جا چکے ہیں، ابھی کافی کام باقی ہے (مضمونوں کی تعداد اب ایک ہزار سے زائد ہو چکی ہے کتابیں الگ ہیں الحمدللہ)۔

مولانا اسرار احمد (لاہوری) گزشتہ ہفتے پاریس میں تھے۔ وہ ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ مجھے سورہ فاتحہ پر کتابیں نہیں، بلکہ ہر زبان میں ترجمہ (۳۲) درکار ہے۔ اب تک ڈیڑھ دو سو زبانوں کے ترجمے الحمدللہ جمع ہو چکے ہیں (القرآن فی کل لسان کی طباعت جدید کے لئے) آپ نے دو نئی زبانوں کا ذکر فرمایا ہے تو بے خیالی میں زحمت دے دی معاف فرمائیں۔

میرے ذہن میں آپ کی مجوزہ اشاعت گاہ کے لئے کوئی قابل ذکر چیز نہیں ہے نہ قوت کہ تلاش شروع کروں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Bismillah

29 Safar 1410

Marfat.com

1989

Ðear brother

As-Salam alaikum wa rahmatulla wa burakatuh.

Thanks for the letter and contents. Others also had sent to me photostates of the same article. Thanks any how.

Mr. Tariq Muneer(rr) showed his work on prayer hours. I did not agree fully and give him my work on the subject of hours and said continue your research God bless you.

I do not think I will be able to find his address which I think he did not leave. Sorry.

Better diminish unecessary correspondence.

Istanbul people are not my subordinate but independent persons.

I can not ask them what you require contact them directly.

Excuse me the English letter. I am typing something else also at the moment.

God bless you

محمد حمید اللہ

خط (۳۴) بند کرنے سے قبل آپ کی کرامت سے پتہ مل گیا۔

Dr. Tariq Muneer

113 South Anderson Drive

Aberdeen AB1 6JT Scotland

Marfat.com

(۱۷)

۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

محترم و مکرم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کرم نامہ ملا۔ شکرگزار ہوں۔

بوڑھا ہوگیا ہوں، بالکل یاد نہیں کہ آپ کی کسی بات پر میں نے برہمی کا اظہار کیا۔ معافی کا طالب ہوں۔

کتاب القرآن فی کل لسان کے متعلق بھی حافظہ مدد نہیں کر رہا ہے۔ میں نے آپ کو اس کے چھاپنے کی اجازت دی ہے تو ضرور چھاپیں۔ اگر سابق میں اور کو بھی اجازت دی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہوگی۔ حال میں (آپ کے بعد) میں نے کسی کو اجازت نہیں دی ہے۔ میں اکبر احمد (۳۵) نامی کسی شخص سے واقف نہیں۔ اگر یہ فلاڈلفیا (امریکہ) والے میرے راشتہ دار (بھانجی کے بیٹے) ہیں تو ان کا نام احمد عبدالخالق ہے۔

نئی دہلی کے ناشر Vikas کا جو ذکر آپ نے فرمایا ہے میں اسے سمجھ نہ سکا کہ اس ناچیز سے آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نہ اس ناشر سے واقف ہوں اور نہ اس کی کتابوں سے۔ بوڑھا ہوگیا ہوں۔ پیری وصد عیب۔ تھکا ہوا بھی ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۸)

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے دو خط ایک ساتھ پہنچے۔ شکرگزار بھی ہوں اور انتہائی متاسف بھی کہ ڈاکٹر

Marfat.com

معین الحق صاحب (۳۶) دنیا سے کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ خدا انھیں جنت میں اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔

میں نے ان کی بیوی (۳۷) کو جو میری ایک قریبی رشتہ دار ہیں تعزیتی خط لکھ دیا ہے۔ مرحوم کے لئے قرآن مجید کا انشاء اللہ ایک ختم پڑھوں گا۔ یہاں القرآن فی کل لسان (۳۸) کا تکملہ جو قلمی مسودے کی شکل میں تھا، میرے ہاں سے غائب ہو گیا ہے۔ شاید چوری ہو گیا ہے۔ اللہ کی مرضی، فی الوقت اس کی تلافی میرے لئے ممکن نہیں۔

بے حد تھکا ہوا ہوں اس لئے اخباروں کی ستم ظریفی وغیرہ کے متعلق آپ جو مناسب سمجھیں فرمائیں۔ پیشگی شکریہ۔

مکان میں سلام۔

مکرر = میں قاضی بدر الدولہ مرحوم کا پوتا اور خلیل اللہ مرحوم کا بیٹا (۳۹) ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۹)

یکم جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ:

(۱) یہ اطلاع آپ نے دی کہ بیگم معین الحق صاحب کو میرا تعزیتی (۴۰) خط تا حال نہ ملا۔

(۲) مزید برآں اپنا مقالہ تلنگی تراجم قرآن پر روانہ فرمایا۔ ''القرآن فی کلّ لسان'' (۴۱) میں ۱۳۶۶ تک۔

Dr. Narayan Rao

Abdul Ghafur

Qasim Khan

Marfat.com

۔کے تلنگی تراجم کا ذکر تھا۔اس کے بعد بھی شاید دو اور ترجموں کی اطلاع ملی تھی مگر میری کتاب کے غائب (چوری) ہو جانے سے اب کچھ کہہ نہیں سکتا۔خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

قاسم خاں صاحب (۴۲) سے میری ملاقات تھی معلوم نہیں ابھی بخیریت و بقید حیات ہیں یا نہیں؟

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۰)

یکم جمادی الآخر ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا کرم نامہ ملا۔اطلاعات کا دلی شکریہ۔

سوالات، سارے ہی سوالات کا جواب نفی میں ہے۔آپ زحمت نہ کریں اگر القرآن فی کل لسان کسی کی کرامت سے مل جائے تو آپ کو انشاء اللہ اطلاع دوں گا۔

اگر کوئی میرے مضامین کا جو ایک ہزار (۴۳) سے زائد تعداد میں ہیں اور سات زبانوں میں ہیں، مجموعہ شائع کرانا چاہتا ہے تو وہ مجھ سے تماس پیدا کرے اور خاص کر اپنی شرطیں بتائیں کچھ نہیں تو دس جلدیں ہوں گی۔

مکان میں آداب و تسلیمات۔ نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۱)

۵ شعبان ۱۴۱۰ھ

محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

Marfat.com

کرم نامہ ملا۔ گزشتہ خط کا جواب اس لئے نہ دیا کہ اس میں کوئی جواب طلب امر نہ تھا بلکہ صرف یہ کہ ناشر کو تلاش کر کے آپ ہی مجھے لکھیں گے۔

محترم احمد خان صاحب کا کوئی خط تا حال نہیں آیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ مجھے مرحوم معین الحق (۴۴) کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ ایک رسالہ چھاپتے تھے جس میں میں نے بھی چند بار حصہ لیا ہے۔

مکان میں آداب وتسلیمات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۲)

۶ رمضان ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ رمضان مبارک۔ چند دن ہوئے آپ کا نوازش نامہ ملا تھا سرفراز کیا۔

میرے مضامین یکجا کرنے کے لئے آپ لکھتے ہیں کہ ہمدرد (۴۵) والوں کو میری اجازت کی ضرورت ہے۔ اجازت کا سوال نہیں۔ یہ میری عزت افزائی ہے البتہ یہ عرض کروں کہ یہاں (کم از کم اب) کوئی صاحب نہیں جو میرے لئے یہ کام انجام دیں میری صحت بھی کمزور ہے۔

مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۳)

۱۷ ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم

Marfat.com

سلام مسنون خیر و عافیت کا طالب ۔ یہاں اخباروں میں وہاں کی تشویشناک خبریں آتی رہی ہیں۔ خدا کرے آپ سب وہاں خیر و عافیت سے ہوں۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی ذریعہ معلومات نہیں کہ آپ ہی کو زحمت دوں اور آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کروں۔ خدا ہم مجنون مسلمانوں کو نیک ہدایت دے۔

جناب احمد خان صاحب (۴۶) نے اس کی بھی اطلاع نہیں دی کہ ان کو میرا مرسلہ بستہ ملا یا نہیں۔ اللہ کی مرضی۔ مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۲۴)

جمعہ، ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ۔ کل اور آج ایک دن کے وقفے سے آپ کے دو کرم نامے ملے۔ ممنون و مسرور ہوں۔ وہاں کے ہنگاموں کے باعث سخت تشویش ہے۔ اس اثناء میں شاید میرا خط بھی مل گیا ہو آپ کا ایک خط یکم فروری کا ہے اور دوسرا ۱۱ر فروری کا۔ پہلی ذی قعدہ کا خط آج ملا ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب (۴۶) سے میں نہیں، آپ خواہش فرما رہے ہیں کہ میرے مضامین کا مجموعہ شائع کریں۔ ان کا کوئی خط نہیں آیا ہے۔ وہ آج ۲۴ جون تک تو یہاں تشریف نہیں لائے ہیں۔

کتاب الرّدہ للواقدی (۴۷) کی تنقید جو محترم ڈاکٹر غازی صاحب نے فرمائی ہے، وہ سمندری ڈاک سے ممکن ہے دو ماہ بعد ملے۔ ان کی تردید مجھ سے نہ کروائیے۔ میرے پاس اس کا وقت نہیں ہے۔ میں نے کتاب کے مقدمے میں ساری دلیلیں لکھ دی ہیں اور خلاصہ یہ کہ واقدی اتنا بد نہیں جتنا بدنام ہے۔ ان کی کتابوں میں مجھے کبھی کوئی چیز نہ ملی جو اسلام یا رسولؐ اللہ کی توہین پر مشتمل ہو۔

Marfat.com

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۲۵)

۱۲ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ عید مبارک۔ آپ کا کرم نامہ ملا ممنون ہوا۔ فقیہ علی بہائی (۴۸) کی تفسیر کا نام سنا ہے تاحال دیکھ نہ سکا۔ ہمارے خاندان کے کتب خانوں میں ممکن ہے موجود ہو لیکن آج کل ہندوستان کے حالات ایسے ہیں کہ اتصال پیدا نہیں کرسکتا۔

براہ کرم ہمدرد یونیورسٹی یا زبیری صاحب (۴۹) یا دیگر موزوں فرد سے فرمائیے کہ میری جملہ تالیفوں کو وہ جمع کر کے میری عزت افزائی فرمارہے ہیں لیکن کام آسان نہیں مثلاً یہاں ابراہام نامی ایک کتاب چھپی ہے پہلا باب یہودی، دوسرا نصرانی اور تیسرا (میرا) اسلامی ہے۔ کیا ساری کتاب کے فوٹولوں۔ ایسی دیگر کتابوں میں بھی میرا ذاتی حصہ مختصر ہے۔ وہ مجھے یہ بھی اطلاع دیں کہ کون سی کتابیں یا مقالے ان کے پاس ہیں تا کہ انھیں کے فوٹو مکرر نہ کراؤں۔ اخباروں رسالوں میں بھی میرے مضامین ہیں اور مستقل کتابیں الگ ہیں۔

آپ کو بڑی زحمت ہے۔ قصور معاف۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۲۶)

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کے لئے دعا گو۔ آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا، سخت شرمندہ بھی کہ آپ اتنی کثیر زحمت فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمود غازی صاحب (۵۰) نے میری شائع کردہ واقدی کی کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے اس میں ایک ''اعتراض'' درست ہے کہ میں نے اصل مخطوطے کا مفصل ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر چھپنے سے پہلے یہ بات بتائی جاتی یا ذہن میں آجاتی تو تلافی کرسکتا تھا۔ اب نئے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا شاید وہ میرے مرنے کے بعد نکلے۔

اس کے سوا اور کیا لکھوں؟

عزیزہ بیگم معین الحق کی علالت سن کر افسوس ہوا۔ خدا انھیں جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔ موقع ہو تو ان کی خدمت میں میرا سلام عرض ہے۔

آپ کے ہاں بھی سب کو سلام کورنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲۷)

۱۴۱۰ھ

مکرمی سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کرم نامہ ملا۔ عورت کی نماز میں امامت کے متعلق براہ کرم رسالہ فکر ونظر، اسلام آباد جلد ۲۶/ ستمبر ۸۸ء کو دیکھنے کے بعد بھی تشویش رہے تو لکھئے کہ کیوں اعتراض ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(اس خط پر تاریخ ومہینہ درج نہیں ہے۔ مکتوب الیہ)

(۲۸)

۹ محرم ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون نیاز مندانہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کرم نامہ ملا۔ عزیزہ بیگم معین صاحبہ کی صحت سدھرنے کی اطلاع کا شکریہ۔ خدا آپ سب کو تادیر صحت وعافیت سے رکھے۔

Marfat.com

آپ کے اصرار پر آپ کی کتاب (۵۱) کا تعارف لکھ دیا ہے معلوم نہیں کیسا ہے۔ پسند آئے تو استفادہ فرمائیں ورنہ چاک کر دیں۔ مگر معنون نہ کیجئے، مجھے ان چیزوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

لفافہ بند کر رہا تھا کہ آپ کا تازہ خط پہنچا۔ اس میں کوئی نئی قابل جواب چیز نہیں۔ براہ کرم معنون کرنے کا قصہ ختم فرما دیجئے۔ اس خط کی وصولی کی اطلاع دیں تو ممنون ہوں گا۔

(۲۹)

یکم صفر ۱۴۱۰ھ

مکرم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا جس سے یہ معلوم کر کے اطمینان قلب ہو گیا کہ میرا حقیر دیباچہ (۵۲) آپ تک پہنچ گیا۔ غالباً آپ کو بھی انتظار ہو گا کہ معلوم کریں کہ آپ کی رسید مجھ تک پہنچی یا نہیں۔

ویسے اور کوئی خاص جواب طلب امر نہیں ہے۔ عزیزہ بیگم معین الحق صاحبہ کی خدا کرے صحت روز افزوں بہتر ہو رہی ہے۔ سوائے دعا کے یہاں سے اور کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۳۰)

۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

۳ رمئی ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آج آپ کا ۱۵ راپریل کا خط ملا۔ شکر گزار بھی ہوں اور ڈاک کی سست

Marfat.com

خرامی پر حیرت زدہ بھی۔ الحمد للہ معین الحق صاحب (۵۳) مرحوم کے متعلق بھیجا ہوا مضمون پہنچ گیا۔

فرمائشیں آسان ہوتی ہیں، تعمیل ہر وقت آسان نہیں۔ آج کل یہاں اتنی مصروفیت ہے کہ مزید مضامین کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔

احمد خان صاحب (۵۴) اور حکیم محمد سعید صاحب نے بھی آسان فرمائش کی کہ میرے ہر زبان میں کتنے مضمون ہیں اور ان کے کتنے صفحے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ کیا بتاؤں۔

تراجم قرآن (۵۵) کا کھویا ہوا بستہ نہیں ملا۔ جرمن ترجمہ قرآن آگے بڑھنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔

مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۱)

۲۷ رمئی ۱۹۹۰

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

معلوم نہیں احمد خان صاحب کو میرا مرسلہ بستہ (۵۶) (یعنی میرے جملہ مطبوعات کی فہرست) ملا یا نہیں۔

ڈاکٹر معین الحق صاحب مرحوم کو تاریخ سے اختصاص تھا۔ انھیں کے رسالے میں Birthpangs of Islamic History کے عنوان سے میں ایک مضمون (۵۷) شائع کر چکا ہوں۔ سیرت نگار ابن اسحاق پر بھی ایک نیا مضمون لکھنا یا کسی پرانے مضمون کا ترجمہ کرنا، دونوں کے لئے وقت لگتا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ وقت کی کمی ہی کا شاکی ہوں۔ بہر حال کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی چیز اکتوبر تک تیار ہو گئی تو انشاء اللہ بھیج دوں گا۔

ملیالم تراجم (۵۸) قرآن کی فہرست کا دلی شکریہ۔

Marfat.com

ملیالم دو خطوں میں لکھی جاتی ہے۔ عربی خط میں بھی اور دراوڑی خط میں بھی۔ میرے پاس دونوں خطوں میں سورہ فاتحہ تھا۔

مکان میں سلام و آداب۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۲)

۲۸ جون ۱۹۹۰ء

مخدوم و محترم

سلام مسنون۔ عید مبارک۔

ابھی ابھی کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ملیالم تراجم (۵۹) قرآن مجید کے مضمون کا دلی شکریہ۔ احمد خان صاحب (۶۰) اور حکیم صاحب کے ہاں سے کوئی خط آئے تو ان کو انشاء اللہ راست جواب دے دوں گا۔

مکان میں کورنشات عرض ہے۔

میرے گزشتہ عریضے مل گئے ہوں گے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۳۳)

۴/دسمبر ۱۹۹۰ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون نیامندانہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا اور بے حد شرمندہ بھی۔ آپ کی زحمت فرمائیاں اور عنایتیں بے پایاں ہیں۔

Marfat.com

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسالہ الشریعہ (۶۱) کے کس نمبر میں یہ مضمون چھپا ہے میں نے انھیں پہلے بھی لکھا تھا مگر صدائے برنخاست۔ اب مکرر لکھتا ہوں۔ ان مضامین میں ناموں کے املا میں بہت سی غلطیاں کی ہیں۔

میرے مضمونوں (۶۲) کی فوٹو کاپیاں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ یہ کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مکان میں کورنشات اور سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۴)

۱۴ر صفر ۱۴۱۱ھ

۵۔۹۔۱۹۹۰ء

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میرے پاس شکاگو کے قاضی پبلی کیشن کا تازہ پتہ نہیں ہے۔ میں نے کبھی نہیں لکھا تھا کہ میرے مضامین کی دس جلدیں (۶۳) مرتب ہو چکی ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ان سب کو کوئی چھاپنا چاہے تو شاید دس جلدیں ہو جائیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ کس زبان میں کتنے صفحے ہیں۔ میری یہ تمنا نہیں ہے کہ میری تالیفوں کی اشاعت مکرر میں ایک جلد ''تیر میں، دوسری میر میں'' ایک قطب شمالی میں دوسری قطب جنوبی میں چھپے۔ ویسے ہر شخص آزاد ہے۔ میں کسی کو اس کے کام سے نہیں روکتا۔

یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ پاکستان کی صورت حال سدھری نہیں۔ اللہ رحم فرمائے اور

(۶۴) راہ ہدایت دے۔

وہاں سب کو سلام

فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳۵)

یکم ربیع الانوار ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومکرم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا کرم نامہ باعث ممنونیت ہوا۔ آپ ہمیشہ زحمت فرماتے رہتے ہیں جس پر میں بے حد شرمندہ ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر اور حسنات دارین عطا فرمائے۔

ہمشیر، صاحبان اور بچوں کو سلام۔ منسلکہ خط پر جو مناسب معلوم ہو عمل فرمائیں۔ (۶۵)

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۶)

۵/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ اخبار جنگ میں میرے جواب (۶۶) کو چھپوانے کے لئے آپ نے بڑی زحمت فرمائی۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔

آپ کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے مضامین کی فوٹو کاپیاں کتابوں (۶۷) یا مجلدوں کی صورت میں بالکل نہیں ہیں۔ فوٹو کاپی فل اسکیپ سائز کے دبیز کاغذ پر نکلتی ہے۔ اصل مضمون کے ہر صفحے کا ایک صفحہ ہوتا ہے۔ ان کی جلدیں نہیں بناتا۔ الحمدللہ کام کا بڑا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ ان کو نمبروار جوڑنے کا کام ہو رہا ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ میرے مضامین کی جو فہرست ہے اس میں سے کتنے نہیں ہیں تاکہ ان کو میرے ہاں کے انبار میں تلاش کروں۔ یہ ساری زبانوں کے مطبوعات ہیں۔ میرے مضامین جو حیدرآباد دکن میں رہے، ان میں سے فہرست مطبوعات کی فوٹو کاپیاں احمد عطاء اللہ صاحب نے بھجوادی ہیں۔ ان میں بھی کچھ کم ہیں۔ اکثر پرانے اخبار یا رسالے اب زندہ بھی نہیں ہیں۔ ان کے امریکا

Marfat.com

(امریکہ) میں چھپنے کا کوئی سوال نہیں۔ وہاں مقیم ایک رشتہ دار نے ان کی فوٹو کاپیاں مانگی ہیں تا کہ ان کی مسجد کے کتب خانے میں رہیں۔

عمر خالدی صاحب کے پتے اور کتاب کے نام کا بھی دلی شکریہ۔

محترم حکیم محمد سعید صاحب آپ کو لکھ چکے ہیں کہ ان کی مالی حالت (ضروریات کے مقابلے میں) اچھی نہیں ہے۔ وہ آج کل میری ایک عربی کتاب النبات (۶۸) چھاپ رہے ہیں۔ پانچ سات سو صفحے پروف میں ہوئے ہیں۔ انھیں اور کیا زحمت دی جاسکتی ہے۔

مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۷)

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔

ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ ماہنامہ میثاق (۶۹) لاہور، ج ۳۸ شمارہ ۹ ماہ صفر ۱۴۱۰ھ میں میری ایک زبانی تقریر کو جو کسی زمانے میں سندھ یونیورسٹی جامشورو میں ہوئی تھی نقل اور طبع کیا گیا ہے۔ کیا اس شمارے کا حصول ممکن ہے؟ کم از کم میری طرف منسوب مضمون کی فوٹو کاپی حاصل ہو سکے گی؟ جملہ مصارف بشمول مصارف ارسال گزران دوں گا۔

خدا کرے آپ اور اہل خاندان سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۸)

۷ جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

Marfat.com

آپ کے کرم نامے کے پہنچنے کی رسید گزران چکا ہوں۔ خدا کرے پہنچ گئی ہو۔ آج تعمیل احکام کے لئے مضمون لکھنے بیٹھا تو بے بسی محسوس کی۔ آپ نے پشاور اور لاہور کے رسالوں کی نقلیں تو بھیجی ہیں لیکن ان اخباروں کے دفتر کے پتے (۷۰) نہیں دیئے ہیں۔ پاکستانی ڈاک کا یہ حال ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے کامل پتے کے ساتھ رجسٹر خط بھیجا جو دو مہینے کے بعد مجھی کو واپس آ گیا۔ صدائے اسلام (۷۱) پشاور اور ترجمان القرآن لاہور کو عریضہ تو لکھ رہا ہوں معلوم نہیں پہنچے گا یا نہیں کہ شہر کے نام کے سوا میرے پاس کوئی اور مفصل پتہ نہیں ہے۔

مکان میں کور نشانات عرض ہوں۔ آپ کی کرم فرمائیوں پر محجوب رہتا ہوں۔ خدا حسنات دارین عطا فرمائے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۳۹)

۸ر جمادی الآخرا ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو تین دن ہوئے کرم نامہ ملا جس میں جنوبی ہند (۷۲) کی زبانوں میں تراجم قرآن مجید کے متعلق آپ کی مفید کتاب کا ابتدائی حصہ بھی شامل تھا۔ دلی شکریہ عرض ہے اس میں طباعت کی متعدد غلطیاں تو ہیں لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز میرے پیش لفظ میں میرا پتہ بڑھا دینا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بے وطن اور پناہ گزین ہوں۔ یہ پتہ دشمن کے ہاتھ میں پڑے تو میری جان اور مال دونوں کو خطرہ ہے۔ اللہ کی مرضی، اللہ ہی مالک ہے۔

میری سوانح عمری (۷۳) سے مجھے دلچسپی نہیں، بلکہ چڑھ ہے۔ اس کی تالیف میں میری مدد کا کوئی سوال نہیں۔

فی الحال میرے سفر پاکستان کا کوئی سوال نہیں۔ پچاسی سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی ہے۔ سفر اب شاق ہونے لگے ہیں۔ اہم کام گھر میں بیٹھ کر بھی مشکل سے کر سکتا ہوں۔ ترجمان القرآن (۷۰ کے اوراق آپ نے وفور کرم سے بھیجے تھے۔ ان کا جواب شروع کیا

Marfat.com

اور آج تک پورا نہ ہو سکا۔ اللہ کی مرضی۔

خود الدراسات الاسلامیہ (۷۵) میں اب میری ایک تردید چھپی ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد۔

میرے مطبوعہ مضامین کی تصویریں (۷۶) بھی تا حال مکمل نہ ہو سکیں۔ الحمد للہ علی کل حال۔ نواسا (۷۷) مبارک۔ سب کی خدمت میں سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۰)

۷ر شعبان ۱۴۱۱ھ

۲۲ر فروری ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ کل آپ کا ۱۸۔۲۔۹۱ء کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

ہر شخص اپنے فائدے کو سب سے مقدم رکھتا ہے۔ ایک غیر مسلم سے آپ خیرات کی توقع کیوں کرتے ہیں؟ یہ جنگ مسلمانوں (۷۸) کی خانہ جنگی ہے یعنی قصور اس مسلمان نما شخص کا ہے جس نے اس کا آغاز کیا۔ مظلوم مسلمان اپنی مدد کے لئے غیر مسلمانوں کو بھی بلاتا ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں۔ اگر امریکا (امریکہ) کی مدد نہ لیں تو کویت کے لئے عراق سے کون جنگ کرے گا؟

میں نے آپ کو یہ نہیں لکھا تھا کہ میں نے کوئی مضمون بھیجا تھا تو اسلام آباد والوں نے اسے رد کر دیا ہے۔ بلکہ یہ کہ میرا جو عربی مضمون (۷۹) انھوں نے چھاپا تھا اب اس کو رد کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میرا بیان غلط ہے۔

میں نے یہ بھی نہیں لکھا کہ لیبیا والے لڑکے میری مدد کر رہے ہیں بلکہ یہ کہ جو صاحب مجھے مدد دے رہے تھے ان کی صلاحیتوں کے باعث لیبیا والے بھی بار بار ان کو مدعو کر رہے

Marfat.com

ہیں۔

عطاء اللہ (۸۰) میرا بھتیجا ہے۔ اس نے حیدرآباد میں میرے جتنے مطبوعہ مضمون ملے ان کی فوٹو کاپیاں مجھے پاریس بھیج دیئے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میرے بہت سے غیر مطبوعہ قلمی مضمون بھی ملے ہیں۔ ان کی مجھے تو ضرورت نہیں ہے۔

حیدرآباد کے حبیب کمپنی والے امریکا (امریکہ) نہیں گئے ہیں، حیدرآباد ہی میں ہیں لیکن ان کے پاس اتنا مال، سرمایہ نہیں ہے کہ میرے مضمونوں کا مجموعہ چھاپیں۔

ہمدرد فاؤنڈیشن والے یہ نہیں کہ ان کو میرے مضمونوں سے دلچسپی نہیں بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آج کل ان کے پاس رقمی گنجائش نہیں ہے دیگر خرچ ہیں۔

آپ کا ملفوفہ اخباری تراشہ بھی شکریے کے ساتھ دیکھا۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کی ختم نہ ہونے والی عنایتوں پر آپ کا خرچ ہی خرچ ہے۔ میں آپ کی کوئی خدمت کس طرح کروں؟

مکان میں سب اہل وعیال کو سلام۔ نیازمند۔ الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۴۱)

۱۵ر شعبان ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

۱۔ جوابی عریضہ مل گیا ہوگیا۔

۲۔ ترجمان القرآن (۸۱) نے مجھے جواب دیا ہے اور فرمائش کی ہے میں اپنا مضمون انھیں ضرور بھیجوں۔

۳۔ ایک التماس ہے علی گڑھ کے رسالہ علوم القرآن (۸۲) نے مکہ معظّمہ کے ایک اخبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ لاہور میں افغان مجاہدوں نے ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تفسیر قرآن کا روسی ترجمہ کئی جلدوں میں شائع کیا ہے۔ کیا آپ اس کی تصدیق کرسکیں گے؟

Marfat.com

مترجم کا کیا نام ہے۔ تاریخ اشاعت کیا ہے؟
مکان میں کورنشات۔

خادم نیازمند
محمد حمید اللہ

(۴۲)

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
مخدوم و محترم زادمجدکم
سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رمضان مبارک۔ کرم نامہ ملا۔ سرفراز ہوا۔
اسلام آباد کے جس رسالے میں میرا عربی مضمون (۸۳) چھپا تھا انھوں نے ایک اور صاحب کا مضمون میری تردید میں شائع کیا۔ میں نے چند سطری جواب بھیجا معلوم نہیں چھپے گا یا نہیں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ ترجمان القرآن (۸۴) والوں نے بالآخر جواب دیا اور میرا مضمون مانگا۔ بہت مصروف اور تھکا ہوا ہوں، انشاء اللہ جلد ان کو مضمون بھیجوں گا۔
مجھے اس کے انگریزی ترجمے کی خواہش نہیں ہے۔ خاص کر غیر مسلموں کی رائے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

حسن الدین احمد صاحب (۸۵) کے خط کی نقل کا شکریہ۔ مجھے علم نہیں کہ حبیب کمپنی والے امریکا (امریکہ) چلے گئے ہوں۔ رہا حمید اللہ ٹرسٹ ان بچوں نے مجھے کبھی نہیں لکھا کہ وہ میرے سارے اردو مضامین کو یکجا چھاپنا چاہتے ہیں۔
بہرحال آپ کی نوازشوں اور تکلیف فرمائیوں کا دلی شکریہ۔ خدا آپ اور اہل وعیال سب کو خیر وعافیت سے رکھے۔

نیازمند
محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴۳)

۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دو دن ہوئے کرم نامہ ملا تھا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ فوراً عربی مضمون (۸۶) کا نسخہ ہوائی ڈاک سے آپ کو بھیج دیا۔ آج کل کاموں کی اتنی کثرت ہے کہ جواب دینا بھی آسان نہیں رہا ہے۔ یہاں ہر روز مقامی (۸۷) طلبہ پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ چار دانگ عالم سے ان گنت خط آتے ہیں، فتویٰ پوچھنے کے لئے بھی اور دیگر وقت لینے والے کاموں کے لئے بھی۔ پچاسی سال سے عمر تجاوز کر چکی ہے واللہ المستعان۔

ترجمان القرآن کا مضمون لکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ جیسے ہی مکمل ہوگا بھیج دوں گا۔

میں وقت واحد (۸۸) میں متعدد کاموں میں مشغول رہتا ہوں، صرف کسی ایک سے نہیں۔ جرمن (۸۹) ترجمہ بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ وقت کا سوال ہے۔

سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۴)

۱۵ر رمضان ۱۴۱۱ھ

مخدوم و مکرم

سلام مسنون۔ آپ کے مزید کرم نامے ملے ہیں۔ ترجمان القرآن کے مضمون کی رسید شکر گزاری کے ساتھ گزران چکا ہوں۔ کل آپ کی کتاب (۹۰) PIA کے دفتر سے ڈاک کے ذریعے سے آئی ہے۔ اس پر کسی ارسال کنندہ کا نام نہیں ہے۔ عارف ربانی صاحب کا PIA کے توسط سے شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ خدا کرے انھیں مل جائے۔ اور آپ کو بھی یہ رسید بھیجنے کا فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ خدا آپ کو حسنات دارین عطا فرمائے۔ آپ نے ٹھیک لکھا

Marfat.com

ہے اس میں بہ کثرت طباعتی غلطیاں ہیں۔ ابن حجر عسقلانی کو اسقلانی لکھا ہے۔ لسّان کو کئی بار لسان لکھا ہے۔ فرنگی نام بھی مسخ ہو گئے ہیں۔ ان کا تلفظ انگریزی اصول پر نہیں ہوتا۔ آپ ان کو یکجا جمع کر کے بھیجیں تو میں بھی آپ کی مدد (۹۱) کر سکتا ہوں۔ میرے پاس فی الحال وقت نہیں کتاب لفظ بہ لفظ پڑھ کر طباعتی غلطیاں جمع کروں۔ معاف فرمائیں۔ واللہ المستعان۔

مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۴۵)

۲ رشوال ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ عید مبارک۔ کرم نامہ ملا، سرفراز کیا۔ ترجمان القرآن (۹۲) لاہور کو جوابی مضمون رجسٹر ہوائی ڈاک سے الحمدللہ بھیج چکا ہوں۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ غلام علی صاحب کے مضمون کا فلاں صفحہ ہے یا نہیں، معاف فرمایئے آپ کے پرانے خط کی تلاش فی الوقت نہیں کر سکوں گا۔ شدید مصروفیت ہے۔

مکان میں سب کو سلام اور عید مبارک۔

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

(۴۶)

۱۸ رشوال ۱۴۱۱ھ

۳ رمئی ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

منسلکہ فوٹوؤں میں سے روسی (۹۳) ترجمہ کراچ کوفس کی کا ہے اور یہ میرے ذخیرے

Marfat.com

میں ہے۔ چند سال قبل خریدا تھا۔ برا نہیں۔

ترجمان القرآن کے صفحے کا بھی دلی شکریہ۔ معلوم نہیں میرا ترجمان القرآن کو بھیجا ہوا مضمون (۹۴) آپ کو پسند آئے گا یا نہیں۔ وہ کسی کا جواب نہیں ہے بلکہ موضوع بحث پر ایک عام بحث ہے۔

جرمن ترجمہ قرآن مجید کی جگہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغہ کے فرانسیسی (۹۵) ترجمے کو مقدم رکھنا چاہتا ہوں جو ۱۰/۴ مکمل ہو چکا ہے، پہلی جلد ختم ہونے کے قریب ہے۔ واللہ المستعان۔

مکان میں خدا سب کو برکت دے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۴۷)

۲۲ رشوال ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کی نوازشیں اتنی ہیں کہ میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ تازہ خط میں روزنامہ پاکستان کا تراشہ بھی ملا۔ ممنون ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اچھا ہوا گر اسے لکھا جائے کہ اس کے صفحہ ۱ کالم ۱، سطر ۳۲ اور صفحہ ۲، کالم ۲، بہ خط جلی سرخی میں سعدیات لکھا ہے۔ یہ صابیہ (۹۶) ہے۔

سورہ فاتحہ (۹۷) کے تراجم کا، جو مختلف زبانوں میں تھے، مجموعہ تا حال برآمد نہ ہوا۔ اللہ کی مرضی۔ کیا یہ معلوم کرنا ممکن ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن (۹۸) کے کتب خانے میں قرآن مجید کے کون کون سے ترجمے ہیں؟ اکثر یہاں کے بڑے عام کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ میرے پاس بہت سے غیر مطبوعہ (۹۹) (خاص کر افریقی زبانوں کے) ترجموں کی نقلیں

Marfat.com

تھیں۔

مجھے کچھ عذر یا رنج نہ ہوگا اگر کوئی اور صاحب یہ کام اپنے نام سے کریں، میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔

علی گڑھ کا علوم القرآن میرے پاس آتا ہے مگر آپ کا مذکورہ نمبر ڈاک کی نذر ہوگیا ہے، تا حال نہ ملا۔

مکان میں کو رنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۴۸)

۴/ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا تازہ کرم نامہ اور ایک گمنام اخبار کے صفحے ملے۔ دلی شرمندگی و شکریہ۔ آپ کا خط پنسل یا کاربن پر ہونے سے پڑھا نہیں جاتا۔ آپ اخبار کے تراشے بھیج کر کثیر رقم صرف فرماتے ہیں۔ ان کی ضرورت نہیں۔

اسماعیل مینائی صاحب (۱۰۰) مرحوم کی وفات پر دلی افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فاتحہ پڑھی۔ اللہ انھیں جنت نصیب فرمائے۔

میں آپ کے سابقہ کرم ناموں کا بروقت جواب دے چکا ہوں۔ انشاء اللہ دیر سویر مل جائیں گے۔ ہمدرد والوں کے پاس سے ''کتاب النبات'' (۱۰۱) کے متعلق سکوت ہی ہے۔ واللہ المستعان۔

مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴۹)

۵/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

۱۸/جون ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ۔خیر و عافیت کا طالب۔ چند دن قبل ایک کرم نامہ ملا تھا۔ بینائی صاحب (۱۰۲) مرحوم کے متعلق اخباری کترن ملی۔آج ایک دوسرا کرم نامہ آیا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کتنا شرمندہ اور ممنون ہوں۔التماس ہے کہ آئندہ ایسا نہ فرمائیں۔طویل مضمونوں کے فوٹو کاپی کی ضرورت نہیں۔

آپ کے خط سے بعض ''نئی'' چیزیں معلوم ہوئیں جن سے میں بالکل واقف نہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ آئندہ چند ماہ میں مکمل ہو کر سال آئندہ چھپ بھی جائے گا۔

اور کیا عرض کروں۔بوڑھا ہو گیا ہوں۔اس کا کوئی علاج نہیں۔

مکان میں کورنشات عرض ہیں۔عید مبارک۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۵۰)

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کل ہی آپ کو ایک خط لکھا تھا کہ آج کی ڈاک میں آپ کا تازہ عنایت نامہ پہنچا۔ شکرگزار ہوں۔

مرسلہ ترجمہ سچ تو یہ ہے مجھے پسند نہ آیا۔ مجھے بتائے بغیر آپ چھاپ دیتے تو کوئی بات نہ تھی۔اب مجھے کب وقت ملے گا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

Marfat.com

احمد خان صاحب (۱۰۳) کی وفات کی خبر سے سخت تاسف ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا جنت نصیب کرے۔

براہ کرم میری سوانح عمری (۱۰۴) نہ چھاپیئے۔ مجھے ذرا بھی پسند نہیں۔

عبداللہ یوسف علی صاحب (۱۰۵) مرحوم کی ولادت میری اپنی فہرست میں ۱۸۷۲ ہے واللہ اعلم۔ والسلام

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۵۱)

۱۱ر محرم ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مرسلہ اردو ترجمہ (۱۰۶) بھی آپ کو واپس کر رہا ہوں۔ اور میرا اپنا ترجمہ بھی منسلک کر رہا ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں اگر اردو ترجمہ میری طرف منسوب نہ کیا جائے۔ میں ان دنوں تھکا ہوا ہوں اور ترجمہ خود مجھے زیادہ پسند نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ گوجرانوالہ کے الشریعہ نے، لاہور کے المذاہب نے اور خود اسلام آباد کے الدراسات الاسلامیہ نے میری تردیدیں چھاپی ہیں۔ ترجمان القرآن سے آپ واقف ہیں۔ غالباً وہ میرا جواب نہیں چھاپنا چاہتے۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۵۲)

جمعرات ۱۱ر صفر ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

Marfat.com

سلام مسنون۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ رسالہ الشریعہ اور رسالہ المذاہب کے فوٹو کاپی بھیجے ہیں۔ میری کوتاہیوں کو معاف فرمائیں۔ مجلّہ الدراسات الاسلامیہ میں (جلد ۲۵، شمارہ ۲، ۱۹۹۰ء میں) میرے مضمون (۱۰۷) پر مولانا صغیر حسن معصومی نے ایک تردیدی مضمون شائع کیا ہے (میں نے ایک مختصر جواب بھیجا مگر ارباب مجلّہ نے اس کی اشاعت مناسب نہیں خیال کی۔ انھیں آزادی ہے) اس کی بھی آپ کو ضرورت ہے تو یہ رسالہ وہاں آپ کو آسانی سے مل جائے گا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر کہ میں کسی سات آٹھ (۱۰۸) زبانیں جاننے والے کو ملازم رکھوں۔ یہ مسبّب الاسباب کے ہاتھ کی چیز ہے۔ آپ یہاں رہتے تو اپنی پیاری بھتیجی سے (۱۰۹) (آپ کی اجازت سے) کام لیتا۔ ہر چیز کا وقت خدا مقدر و مقرر فرماتا ہے۔ چاہے وہ کتاب النبات (۱۱۰) ہو یا کوئی اور چیز، صبر کے سوا چارہ نہیں۔

مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۵۳)

۳ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

چند دن ہوئے کرم نامہ ملا، ممنون و سرفراز کیا۔ عربی الدراسات الاسلامیہ کے مطبوعہ مضمون (۱۱۱) کی فوٹو کاپیاں بھی خدمت میں گزارنی ہیں۔ انشاء اللہ وہ آپ کو مل گئی ہوں گی۔

میں نے اپنے کسی استاد یا کسی دوست پروفیسر کی کبھی کوئی خدمت نہیں کی۔ اب میں کس برتے پر توقع کروں کہ دوسرے میری خدمت میں اپنا وقت ضائع کریں؟ خدا ہی مسبّب الاسباب ہے۔ والخیر فیما اختارہ اللہ۔

میرے مطبوعہ مضمونوں (۱۱۲) کی فوٹو کاپیاں جن لوگوں نے مانگی ہیں، ان کو حق بہ حقدار کرنے کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی سوال نہیں کہ میں کسی سے بھیک

Marfat.com

مانگوں۔ میں تاحیات انشاءاللہ اپنے علمی کاموں میں مشغول رہوں گا۔
خدا کرے وہاں آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۵۴)

۱۴ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا کرم نامہ ملا، کوائف سے اطلاع ملی۔ دلی شکریہ۔ یہاں آج کل میرے ایک رشتہ دار (۱۱۳) (میرے بڑے بھائی کے پوتے) آئے ہوئے تھے اور آج واپس جارہے ہیں اور انشاءاللہ آپ کو یہ خط بھجوادیں گے۔ اور مضمون کی نقل لاہور بھی بھجوادیں گے۔ انشاء اللہ۔ ڈاک کی حالت پر افسوس کے سوا کیا چارہ ہے۔

سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۵۵)

۱۵ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہمیشہ کی طرح آج آیا ہوا کرم نامہ بھی ممنون بھی کرتا ہے اور شرمندہ بھی۔ اخبار جنگ کا تراشہ (۱۱۴) سرسری طور پر تیزی سے پڑھا۔ الحمدللہ آپ کی تالیف مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کام ابھی باقی ہیں اور قیامت تک ختم نہ ہوں گے۔ جہاں تک میرے مطبوعہ مقالوں (۱۰۵) کا تعلق ہے، آپ کی شکایت اور اعتراض بجا ہیں، لیکن بے بس ہوں

Marfat.com

میرے پاس کوئی حل، کوئی وسائل نہیں ہیں۔ دعا ہے کہ خدا آپ کو کروڑ پتی، ارب پتی بنائے۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔ خادم

محمد حمید اللہ

(۵۶)

۲۶ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ آج آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون اور شکر گزار کیا۔ میرے پاس چار دانگ عالم سے اتنی کثرت سے خط آرہے ہیں کہ جواب دہی آسان نہیں رہی۔ حتی الامکان اختصار سے کام لیتا ہوں، اور غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرتا ہوں۔ آپ ترجمان القرآن (۱۱۶) وغیرہ کے لئے زحمت فرمارہے ہیں۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو اللہ اجر جزیل دے۔ خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

مکان میں کو رنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۵۷)

۲۹ رجب ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا۔ اخبار جنگ کے ایڈیٹر (۱۱۷) کا معلوم ہوا کہ انتقال ہو گیا اور اس کی تعزیت کے لئے وہاں کے اخباروں نے ایک دن جبراً تعطیل منائی جیسا کہ یہاں کے اخباروں میں آیا ہے۔ میں نے مرحوم کے لئے ایک ختم قرآن مجید کیا۔ اللہ جنت نصیب کرے۔

آج کل حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔ یاد نہیں جنگ کی تنقید پر اسے خط لکھا یا بھول گیا۔ اللہ

Marfat.com

کی مرضی۔ یوں بھی جنگ کا ڈاک کا پتہ میرے پاس نہیں ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی توفیق بھی دے اور اسلام کی مدد بھی فرمائے۔ اہل خانہ کو سلام

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۵۸)

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا تازہ کرم نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اس میں تکبیر اخبار کے ایک صفحے کی فوٹو کاپی بھی ہے۔ زحمت فرمائی۔ جزاکم اللہ۔

دہلی کے رسالے (۱۱۸) کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ وہ لوگ ایک مسلمان صدر جمہوریہ ہند کے اعزاز کے لئے ایک خصوصی کتاب چھاپنا چاہتے تھے۔ اس سے زیادہ اب کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔ حافظہ روز بروز کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ (۱۱۹) پر جو کتاب زیر تدوین ہے وہ انشاء اللہ مدراس میں چھپے گی۔

ہمدرد والوں نے کتاب النبات (۱۲۰) کا پروف دوم بھیجا مگر میری اصلی تالیف کے فوٹو نہ بھیجے۔ اس سے زحمت ہے۔ اللہ کی مرضی۔

میری کتاب ''روزہ کیوں؟'' ہے ''روزہ کیا ہے'' سے میں واقف نہیں۔

میری کتاب النبات کی ایک جلد مصر میں چھپی ہے۔ دوسری جلد سالہا سال سے ہمدرد والوں کے ہاں ہے۔

مجھے ۲۵ راپریل کو اسلام آباد جانے کا ہوائی ٹکٹ (۱۲۱) ملا ہے۔ پروگرام کا تا حال انتظار ہی ہے۔

سب کو سلام، یاد آتے ہیں۔

Marfat.com

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۵۹)

جمعہ، ۸ر شوال ۱۴۱۲ھ

مکرم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آپ کے دو خط ایک ہی دن ملے۔ ممنون ہوا۔ اخبار کی کترن کا بھی شکریہ۔

میں تا حال قصہ سمجھ نہ سکا۔ ایک عربی کتاب ہے شرح السیر الکبیر امام محمد شیبانی (شاگرد امام اعظم) کی تالیف اور سرخسی کی شرح۔ یہ قانون بین الممالک (جنگ و سفارت وغیرہ) پر ہے۔ شائع بھی ہو چکی ہے۔ میں نے اس کا فرانسیسی ترجمہ (۱۲۲) کیا جسے ترکی میں چار جلدوں میں (فرانسیسی زبان ہی میں) چھاپا گیا ہے۔

میرے پاکستانی سفر کے نظام العمل کی تفصیل تا حال وہاں سے نہیں آئی ہے۔ عراق میں بعض صحابہ کرام کی قبروں (۱۲۳) کو کھولنا میں نے عرصہ ہوا پڑھا تھا۔ خود مدینہ منورہ میں ایسے مشاہدے ہوئے ہیں۔ غالباً حضرت حمزہؓ کے مزار کے متعلق۔ اللہ قادر اور مقتدر ہے۔ اس کے سوا اور کیا عرض کروں؟

چاند (۱۲۴) کا دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف دنوں میں نظر آنا یہ قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اس لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حل بتا دیا ہے۔ ہر مقام اپنی رویت پر عمل کرے۔ صحرا کا جاہل بھی، بڑے شہروں کا با وسائل عالم بھی۔ اور اس کی رسول اکرمؐ نے ممانعت فرمائی ہے کہ دوسرے ملکوں کی رویت پر عمل کریں۔ میرے بس کی چیز ہو تو اس پر عمل کراؤں۔

مکان میں سب کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۶۰)

منگل، ۱۲ر شوال ۱۴۱۲ھ

مخدومی واہل وعیال

سلام مسنون۔ آج آپ کا نیا خط آیا ہے۔ آپ کے ہاں آنے کی دعوت (۱۲۵) سر آنکھوں پر لیکن میں اپنے وقت کا مالک نہیں ہوں۔ ابھی تک میرے وقت گزرانے کا سرکاری نظام العمل نہیں آیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کب، کہاں، کیا بولنا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ کراچی میں بھی سرکاری مہمان خانے میں رہنا ہوگا۔ اب شاید وقت بھی نہیں رہے گا کہ میں سفر سے قبل مکرر آپ کو لکھوں کیونکہ ڈاک بڑا وقت لیتی ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

مکرر = عالم اسلام بلکہ عالم انسانی میں جو بھی گزر رہا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہے۔ اس کا علاج مجھ ناچیز کے پاس کیا ہو سکتا ہے۔

(۶۱)

۹ر ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج آپ کا کرم نامہ مورخہ ۷ر مئی پہنچا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اخبار جنگ نے مجھ پر اتہام لگایا ہے۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کی امامت (۱۲۷) میں نماز پڑھی ہو۔ آپ نے اس اخبار کا پتہ دیا۔ اس پر آج ہی ایک تردیدی خط لکھ رہا ہوں۔ انگریزی اخبار کا آپ نے پتہ نہیں دیا۔ بے بس ہوں۔

میرا وقت حکومت کے ہاتھ میں رہا۔ اس لئے آپ کے ہاں حاضر (۱۲۸) نہ ہو سکا۔ قصور معاف فرمائیں۔ بیگم معین صاحبہ کی خدمت میں بھی معذرت پہنچا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

آپ کے قیمتی (۱۲۹) تحفے کا شکریہ۔

Marfat.com

خدا کرے مکان میں سب خیر و عافیت ہو۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۶۲)

۱۶ رذی القعدہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ میرا عریضہ مل گیا ہوگا۔ ایک بات لکھنا بھول گیا۔ میرے پاس اخبار ''تکبیر'' آتا ہے۔ آپ اس کی نقلیں بھجوانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ افسوس ہے کہ اس کا طرز عمل اچھا نہیں ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۶۳)

۲۹ رذی القعدہ ۱۴۱۲ھ

محترم و مکرم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ دو تین دن ہوئے، ڈاک کی سست خرامی کے باوجود کرم نامہ ملا ممنون ہوا۔ ایک مضمون (۱۳۰) منسلک ہے اگر پسند آئے تو کہیں چھپوا دیجئے۔ یا مجھے بتائیے کہ اس میں کیا ترمیم کروں۔ مقصد اللہ کا کام ہے اور بس۔ کوئی شہرت طلبی اور خود نمائی نہیں۔ تکبیر (۱۳۱) کو تین چار بار تصحیحی خط لکھ چکا ہوں۔ غالباً انھیں پسند نہیں کہ کوئی ان کی غلطیاں بتائے۔ اللہ کی مرضی۔

سب اہل خاندان کو پر خلوص سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

Marfat.com

ضمیمہ

۲/ذی الحجہ۔ یہ خط ڈاک خانہ لے جا رہا تھا کہ آپ کا ۳۱/مئی کا تازہ خط ملا۔ انشاء اللہ ممکنہ کام کروں گا۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ یہاں اسلام دشمنی ہے کہ روز افزوں ہو رہی ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

(۶۴)

۷/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ عید مبارک۔

آپ کی کرم فرمائیاں لامتناہی ہیں۔ اخبار جنگ کی کترن ملی اور آپ کی نوازش سے میرا تردیدی و تصحیحی (۱۳۲) بیان اخبار میں چھپ گیا۔ خدا آپ کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

رجسٹری سے بھیجا ہوا مضمون اس اثناء میں مل گیا ہوگا۔ کیا آپ کی رائے میں اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت ہے؟ آپ کے احکام کی تعمیل میرے لئے باعث شرف ہے۔

مکان میں سب کو سلام۔ حقیر و ناچیز

محمد حمید اللہ

(۶۵)

۱۴۱۲ھ

۱۱/فروری ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ہفتہ بھر ہوا کرنامہ مورخہ ۹۱-۱-۲۶ ملا۔ ممنون ہوا۔ جواب میں دیری پر شرمندہ ہوں۔

ترجمان القرآن کو میں نے عرصہ ہوا خط لکھا تھا کہ میرے عربی مضمون کو اسلام آباد نے رد کر دیا ہے۔ کیا میرا جواب آپ شائع کرنا پسند کریں گے؟ (اس کا تا حال جواب نہیں

Marfat.com

آیا ہے) مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ میں عراق (۱۳۳) کو ظلم کا آغاز کرنے والا اور ساری امت کی التجا کو کہ ''کویت کا تخلیہ کر دو'' نہ ماننے والا سمجھتا ہوں۔ سعودی عرب کا میری دانست میں کوئی قصور نہیں ہے۔ غیر مسلموں سے فوجی حلیفیاں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں۔

خدا مسلمانوں اور انسانوں پر رحم فرمائے اور انھیں راہ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

مکان میں اور سب بچوں کو سلام۔ الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۶۶)

۱۴۱۲ھ

۲۸ رمئی ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آپ کا ۸ رمئی کا خط ابھی ابھی آیا ہے شکریہ۔

حجۃ اللہ البالغہ (۱۳۴) عربی میں ہے۔ ۴۰۰ (چار سو) صفحوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ابھی دو تہائی کام باقی ہے۔

چار دانگ عالم سے اتنے خط آتے ہیں کہ اپنے علمی کام کے لئے بھی وقت نہیں پاتا۔ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وقت کا سوال ہے۔ آپ غیر ضروری زحمت فرما رہے ہیں۔ شرمندہ ہوں۔

مکان میں سب کو سلام۔ خادم

محمد حمید اللہ

میرے سارے (۱۳۵) مطبوعہ مضامین کے فوٹو لئے جا چکے ہیں اس معنی میں کہ جو مضامین الماریوں میں یکجا ملے۔ جو مضمون فہرست میں ہیں لیکن ملے نہیں ان کی تلاش جاری ہے۔ تنہا ہوں، بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اللہ مدد فرمائے۔ جو بھائی مدد دیتے ہیں وہ بھی مصروف ہیں۔

Marfat.com

محمد حمید اللہ

(۶۷)

۱۴۱۲ھ

۱۱/جولائی ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

خدا کرے آپ اور اہل و عیال سب خیر و عافیت سے ہوں۔

حال میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۳۶) جرنل کا تازہ نمبر آیا ہے۔ اس میں محترمہ بیگم معین کا بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ مبارکباد۔

اس ناچیز پر ایک نیا فریضہ لگایا گیا ہے۔ یہاں ایک ناشر حضرت ابراہیم علیہ السلام (۱۳۷) پر ایک کتاب تین بابوں میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ ایک یہودی معلومات، دوسرا عیسائی معلومات اور تیسرا اسلامی معلومات۔ ہر باب پچاس صفحوں میں۔ اللہ مدد فرمائے۔ اتنے طویل معلومات کا ملنا آسان نہیں۔

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ مکان میں کورنشات۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۶۸)

۷۔۱۱۔۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

قصور معاف فرمائیں، بڑی دیر (۱۳۸) سے لکھ رہا ہوں۔ کرم نامہ ملا تھا۔ یہاں کاموں میں غرق تھا اور آپ کے کرم نامے میں کرم فرمائیوں کا تو ذکر تھا جن پر ممنون ہوں لیکن کوئی جواب طلب امر نہ تھا۔

Marfat.com

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں ۔ اور کوئی امر قابل ذکر نہیں۔ مکان میں کورنشات عرض ہیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۶۹)

۱۴۱۲ھ

۲_۱۲_۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ۔ خیر و عافیت کا طالب ۔ کچھ عرصہ ہوا بڑی تاخیر سے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ جواب کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن خدا کرے وہ خط آپ کو مل گیا ہو۔ ڈاک پر روز افزوں بے اعتمادی بڑھ رہی ہے۔

ایک نیا کام سر لیا ہے جب کہ پرانے کام ابھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱۳۹) کی ایک مختصر سوانح عمری جس میں عیسائی فرقوں کے بے شمار اختلافی بیانات اور قرآن مجید کے بیانات کا مقابلہ ہو۔ یہاں آج کل عیسائیوں میں اسلام سے عداوت روز افزوں ہے۔

مکان میں کورنشات ۔ بیگم معین الحق کو بھی موقع ملے تو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷۰)

۱۴۱۲ھ

۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

Marfat.com

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آپ کا کرم نامہ آیا جس سے اطمینان ہوا کہ آپ کا طویل سکوت (۱۴۰) کسی خفگی کی وجہ سے نہ تھا۔ ورنہ میں ادب سے معافی مانگتا ہوں۔ آج کل حضرت ابراہیمؑ (۱۴۱) کے بارے میں کام میں مصروف ہوں۔ میرا باب بھیج چکا ہوں دیگر رفقاء نے ابھی کام پورا نہیں کیا۔ اسے شاید ابھی کئی مہینے لگیں۔

شاہ ولی اللہ کی کتاب کے لئے ابھی وقت نکال نہ سکا۔ مکان میں آداب۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف دینوری کی کتاب النبات (۱۴۲) کے متعلق سکوت ہی سکوت ہے۔

(۷۱)

۷/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کے دونوں خط ملے ہیں۔ ممنون ہوں۔

جس طرح آپ کو رشتہ دار اور احباب بعض وقت مجبور کر دیتے ہیں، میرا بھی وہی حال ہے۔ موجودہ کاموں کو ملتوی کر کے بادل ناخواستہ نیا کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے نیک مشوروں کا مشورہ۔ اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہوں۔ خط لکھنے کی خاطر، ضرورت نہ بھی ہو تو لکھنے کا قطعاً کوئی سوال نہیں۔ آپ کے تازہ خط میں کوئی جواب طلب امر نہیں نہ میرے موجودہ خط میں۔

میری گستاخی کو معاف فرما دیں۔ دعا ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن (۱۴۳) میں کچھ حرکت پیدا ہو۔ مکان میں اور رشتہ داروں سب کو سلام۔

خادم نیاز مند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۷۲)

۹ر محرم ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کل کرم نامہ ملا۔ شرمندہ کیا۔ آپ کی عنایتیں اتنی ہیں کہ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ اردو ڈائجسٹ کے مقالہ نگار ادریس صدیقی صاحب (۱۴۴) کا، جن سے میں واقف نہیں ہوں، شکر گزار ہوں۔ کیا آپ کو ان کا پتہ معلوم ہے؟ یا اردو ڈائجسٹ کا پتہ؟

پاکستان کے موجودہ حالات سے افسوس ہے۔ اللہ نیک ہدایت دے۔ آج ہی کتاب النبات الدینوری (۱۴۵) کے پروف ہمدرد فاؤنڈیشن کو واپس بھیج دیئے ہیں۔ علم نباتات پر ہے۔ ظاہر ہے کہ عام دلچسپی کی نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ (۱۴۶) پر جو کام کر رہا تھا وہ ابھی جاری ہے۔ اللہ مدد فرمائے۔ سورہ فاتحہ کے تراجم (۱۴۷) کا بستہ کھو گیا اور تا حال نہ ملا۔ اس میں ہمدرد فاؤنڈیشن مدد نہیں دے سکتا۔ ان کے ہاں جو ترجمے ہوں گے وہ مطبوعات ہوں گے۔ وہ سب یہاں مل جاتے ہیں (کتب خانہ عام) کتب خانہ السنہ شرقیہ میں خاص کر) میرے پاس بہت سے قلمی ترجمے تھے صرف سورہ فاتحہ کے۔ دوستوں کی مدد سے میں نے کروائے تھے۔ کچھ چھپ چکے ہیں۔ باقی کا اللہ مالک ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ پاریس کے دو تین اسلامی ماہوار رسالوں میں وہ بالاقسط چھپتے رہے۔ کتابی صورت میں (اپنی پرانی کتاب القرآن فی کل لسان کے نئے ایڈیشن کی صورت میں) چھپوانے کے مصارف پاس نہ ہونے سے ان رسالوں میں چھپواتا رہا۔ کچھ چھپے باقی کے لئے اللہ کی مشیت کچھ اور ہوئی۔

آپ کے ہاں بچے کی شادی (۱۴۸) خدا خیر و خوبی سے کرائے اور بچوں کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۷۳)

۲۰ محرم ۱۴۱۳ھ
۳۱ جولائی ۱۹۹۲ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آپ کا ۱۲ محرم کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ حیرت ہوئی کہ آپ کو میرے خط نہیں ملے۔ مضمون جنگ کے بعد غالباً دو بار عریضہ بھیج چکا ہوں مگر مندرجات یاد نہیں۔

آپ نے مضمون کے فوٹو لے لئے ہیں تو للہ الحمد۔ میرے پاس اس کی نقل بھی نہیں۔ آپ وہ دوسرے اخباروں کو ضرور بھیج سکتے ہیں۔ آج ہی تکبیر کے صلاح الدین صاحب نے مضمون مانگا ہے۔

بچے کی منگنی مبارک (۱۴۹)۔ متوقع شادی بھی مبارک۔ ہمدرد والوں کو کتاب النبات (۱۵۰) بھیج چکا ہوں انشاء اللہ چھاپ دیں گے۔

مکان میں سب کو سلام۔ رشتہ داروں کو بھی سلام نیاز۔

خدا آپ کو خیر و عافیت سے رکھے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۷۴)

بدھ۔ ۲۸ محرم ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ چند دن ہوئے آپ کا ۱۷ محرم ۱۹ جولائی کا کرم نامہ ملا تھا۔ ممنون ہوا۔

آپ شاید ہفت روزہ ختم نبوت سے واقف ہوں گے اس کا نسخہ مانسہرہ (سرحد) کے

Marfat.com

ایک فاضل دوست نے بھیجا ہے۔ یہ ۱۲ر محرم کا مورخہ ہے۔ اس میں کسی محمد شریف ہزاروی نے میری تردید پر ایک مضمون (۱۵۱) چھپوایا ہے۔ میں نے دو دن ہوئے اسی اخبار کو جواب بھیجا ہے۔ واللہ اعلم چھپے گا یا نہیں۔

اور کوئی خاص جواب طلب امر ذہن میں نہیں آ رہا ہے۔ خدا آپ اور بچوں کو حسنات دارین عطا فرمائے۔ تراجم سورہ فاتحہ میرا کام ہے۔ کسی یاددہی کی حاجت نہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷۵)

۶ر صفر ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج آپ کا ۲۶ر محرم کا کرم نامہ اور ڈان اخبار کے تراشے ملے۔ ممنون ہوا۔ کاش آپ ہاتھ سے ڈان کا پتہ کہیں درج کر دیتے۔ میں نے میری طرف منسوب جھوٹے بیان (۱۵۲) کی تردید اللہ کا نام لے کر صرف ''کراچی'' کے پتے پر بھیجا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

پھر ایک مرتبہ وضاحت کی کوشش کرتا ہوں جن زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے، مشرق کی ہوں یا مغرب کی، ان کا حصول آسان ہے لیکن غیر مطبوعہ ترجمہ میرے پاس رہا ہو تو پھر کیا کریں؟ دنیا میں ایسی زبانیں بھی ہیں جو بولی تو جاتی ہیں لیکن ان میں قرآن مجید کا ترجمہ کبھی ہوا ہی نہیں مثلاً افریقہ میں۔ اور اگر کبھی اتفاق سے وہاں والے، اس زبان کو بولنے والے کسی مسلمان سے ملاقات ہو اور وہ مثلاً فرانسیسی جرمن وغیرہ کوئی ایسی زبان کو بھی سمجھتا ہو جو میں جانتا ہوں اور وہ مجھے میرے پیش کردہ فرانسیسی، جرمن یا کوئی اور زبان کا ترجمہ فاتحہ کو دیکھ کر اپنی زبان میں مجھے فاتحہ کا ترجمہ مہیا کرے اور اب وہ میرے پاس سے کھو جائے اور وہ مترجم فرانس میں، یا دنیا میں موجود نہ ہو تو ایسے ترجمہ سورہ فاتحہ (۱۵۳) کو مکرر کہاں سے حاصل کیا جائے؟

Marfat.com

مکان میں آداب وکورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷۶)

جمعرات۔۲۰ر صفر ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم واہل وعیال کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ دو دن ہوئے آپ کا ۳ر صفر کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ڈاک ابھی ٹھیک نہیں ہوئی ہے۔ آپ کے اس کرم نامے میں کوئی جواب طلب امر بھی نہیں ہے۔

گزشتہ جمعہ کو یہاں مسجد میں ایک کالے بھائی ملے۔ وعدہ کیا ہے کہ اپنی مادری زبان میں سورہ فاتحہ کا (فرانسیسی کی مدد سے) ترجمہ (۱۵۴) مہیا کریں گے۔ الحمد للہ ان کا نام اور مسکن اور تاریخ ولادت بھی دریافت کر رہا ہوں۔ آپ کے خیال میں مزید کیا کرنا چاہئے؟

مکان میں سب کو سلام۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

ترکی میں غیر مطبوعہ (۱۵۵) تراجم قرآن نامی ایک کتاب تیار ہو رہی ہے۔ آج ہی اطلاع آئی ہے۔ کیا آپ کبھی تاج محل (۱۵۶) (آگرہ) گئے ہیں۔ لکھا ہے کہ اس کے اندر بہت سی آیتیں بھی کندہ ہیں۔ جن کا انگریزی میں یا فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہوا ہے کئی سو سال پہلے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۷۷)

۳ر ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

Marfat.com

سب کو سلام مسنون۔ آپ کا کرم نامہ مورخہ ۲۵/ اگست ملا۔ ممنون ہوا۔ افسوس ہوا کہ آپ کو سکونت گاہ کی دشواریاں پیش آئی ہیں۔ اللہ مدد فرمائے۔

شاید آپ سے کچھ سہو ہوئی ہے۔ ڈان کی کترن (ص ۹۔۱۰) میں مجھے کوئی متعلقہ چیز نظر نہ آئی۔ آئندہ ایسی چیزوں پر آپ قلم سے علامت لگا دیا کریں تو بہتر ہو۔

الحمد للہ دو نئے تراجم سورہ فاتحہ (۱۵۷) فراہم ہو گئے ہیں ایک Monding زبان میں، دوسر Ouluf زبان میں۔ دونوں افریقی کالے بھائیوں نے کئے ہیں۔

خدا کرے ہمدرد فاؤنڈیشن خیریت سے ہو۔ کتاب النبات (۱۵۸) ہنوز۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۷۸)

سنیچر۔ ۷/ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آج آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ خدا جزائے خیر دے۔ رسالہ المعارف (۱۵۹) کے مضمون میں کم ہی طباعتی غلطیاں ہیں۔

ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے اجازت دیں کہ فوٹو کاپی اور مصارف ڈاک آپ کی خدمت میں گزاروں۔ ورنہ مجھے بڑی روحانی کوفت رہے گی۔

آپ کو دو ایک دن ہوئے ایک خط لکھ چکا ہوں جو محترمہ بیگم معین الحق کے ہاں بھیجا گیا ہے۔

میرے مضامین و کتب (۱۶۰) کا کام جاری ہے۔ ابتدائی ساری چیزیں حیدرآباد دکن میں ہیں۔ وطن چھوٹنے کے بعد کی ساری چیزیں فرانس میں ہیں۔ فوٹو کاپیوں کا تبادلہ ہو رہا ہے۔ چھپائی کا سوال ابھی نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ ساری مطبوعہ چیزوں کی ایک نقل حیدر آباد میں، ایک امریکا (امریکہ) میں اور ایک پاریس میں رہے۔ باقی اللہ کے ہاتھ۔

عید میلاد مبارک (۱۶۱)۔ سب اہل و عیال کو سلام۔

Marfat.com

گزشتہ مرتبہ ڈان کا جو صفحہ بھیجا گیا تھا، اس میں شاید سہو ہوئی۔ اس میں میرا کوئی خط نہ تھا۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۷۹)

۸ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آج عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب کا خط لندن سے آ گیا ہے اب آپ زحمت نہ فرمائیں۔ مکان میں کورنشات۔

کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۰)

جمعرات ۱۴ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم و اہل عیال، خوش رہو۔

سلام مسنون۔ عید میلاد مبارک (۱۶۲)۔

آج گوجرانوالہ کا ماہنامہ الشریعہ بابت اگست و ستمبر یہاں آیا ہے جس میں میرا ایک خط (۱۶۳) بھی چھپا ہے اور اس کی تنقید و تردید بھی۔ اطلاعاً عرض ہے تاکہ آپ مکرر وہ رسالہ نہ بھیجیں۔ میں آج الشریعہ کو ایک نیا خط بھیج رہا ہوں۔ مکان میں سب کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(۸۱)

۲۲ ربیع الانور ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

Marfat.com

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں سفر پر جنوبی افریقہ (۱۶۴) گیا ہوا تھا۔ واپسی پر گرامی نامے کی رسید اور اس کا جواب گزران رہا ہوں۔ قصور معاف فرمائیں۔

اخبار ڈان کی کترن کا دلی شکریہ۔ مجھے جو پرانا ڈان آپ نے بھیجا تھا وہ ۲۶ر جولائی کا تھا اور میں غلط اس میں ۲۳ر اگست کی باتیں تلاش کر رہا تھا۔ میری عقل بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔ ادب سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ کا ۲۳ر اگست کی کترن والا خط بہ ظاہر ڈاک میں کھو گیا ہے، نہیں پہنچا ہے۔ خدا آپ کو ہزاروں ہزار جزائے خیر دے۔ اخبار ختم نبوت کو بھیجا ہوا پرانا مضمون (نقل نہ کرنے کے باعث) میرے پاس نہیں ہے۔ مکرر مضمون جلدی جلدی (۱۶۵) میں لکھ کر منسلک کر رہا ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ اتنی زحمت فرما رہے ہیں۔

مکان میں سب کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

میری مطبوعہ تالیفوں کی مکرر (۱۶۶) یکجا طباعت اتنی آسان چیز نہیں ہے۔ اب تک تحقیق تو نہ کی لیکن ۹۳۲ یعنی ہزار بھر مضمون ہیں اور ۱۶۴ کتابیں ہیں۔ گویا تقریباً دس ہزار صفحے کے مضمون اور بیس ہزار صفحوں کی کتابیں ہیں۔ لاکھوں روپے طباعت پر لگیں گے۔

واللّٰہ المستعان۔

(۸۲)

۱۴ر نومبر ۱۹۹۲ء

۱۸ر جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم

سلام مسنون۔ خیر وعافیت کا طالب۔ کل آپ کا کوئی دو ہفتے قبل کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ ڈاک والوں کو نیک ہدایت دے۔

میں صرف جزیرہ ریونیوں (۱۶۷) گیا۔ جنوبی افریقہ کے دیگر مقاموں کو اس دفعہ نہ جا سکا۔

Marfat.com

کوئی دیگر جواب طلب امر نظر نہ آیا۔ دیگر مشغولیتوں کے باعث اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ خدا آپ اور سب رشتہ داروں کو خیر و عافیت سے رکھے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۳)

۱۴/ جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم زادمجدکم

آج آپ کا ۲۵ جمادی الاولیٰ کا خط بھی آیا شکریہ۔ سابقہ خطوط کے جواب دے چکا ہوں۔ اللہ ڈاک والوں کو نیک ہدایت دے۔

اخبار جنگ کے تراشے والا خط تا حال نہیں آیا ہے۔ رسالہ ختم نبوت (۱۶۸) والوں کو بھی اللہ نیک ہدایت دے۔ آج کے تازہ خط میں اندر آپ کا پتہ ۳۵۰ شرف آباد ہے اور باہر لفافے پر ۱۸۳۔ میں فرق سمجھ نہ سکا۔

مکان میں سب کو سلام۔ سب یاد آتے ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۴)

۲۲/ دسمبر ۱۹۹۲ء

۲۶/ جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ

مخدوم و محترم واہالی حفظکم اللہ

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آج صبح آپ کا ۱۴/ دسمبر کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ اللہ رسالہ ختم نبوت والوں کو جزائے خیر (۱۶۹) دے۔ معلوم نہیں وہ شمارہ کب تک پہنچے گا۔

ارتقاء (Evolution) (۱۷۰) کی کتاب انگلستان کے ساکن ایک دوست سے منگائی

Marfat.com

ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ بھیجیں گے یا چپ ہو جائیں گے۔ یہ کسی فرنگی کی نہیں، بلکہ ایک مسلمان غالباً پاکستانی کی کتاب ہے۔

اخبار جنگ کا تراشہ تا حال نہیں ملا۔ اللہ کی مرضی۔ میں نے ریونیوں میں حضرت عیسیٰؑ پر لیکچر (۱۷۱) اس لئے دیئے کہ وہاں مشنری سرگرمی بہت شدید ہو گئی ہے۔ میں نے حضرت ابراہیمؑ پر مقالہ لکھا ہے مگر ناشرست ہے۔

یہاں مالکہ مکان کو اسلامی اخلاق کا نمونہ بتانے کے لئے میں نے اپنا کمرہ (۱۷۲) خالی کرنا قبول کیا تھا۔ دوسرا کمرہ دو ہفتے میں دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جسے ڈیڑھ سال لگا۔ ہر چیز میں اللہ کی مرضی چلتی ہے۔

مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۸۵)

۳ر شعبان ۱۴۱۳ھ

۲۶ر جنوری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج ۱۸ر جنوری کا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ میرا ایک خط راستے میں ہوگا۔ جنگ کے تراشے نہیں ملے۔ ختم نبوت کے ہاں سے متعلقہ نمبر نہ آیا۔ آپ کا بھیجا ہوا نسخہ (۱۷۳) ملا تھا جو کافی ہے۔ احسان اوغلو صاحب (۱۷۴) کی کتاب (۱۷۵) کے متعلق معذرت چاہتا ہوں کہ میرا خط واضح نہ تھا۔ احسان اوغلو صاحب کی کتاب عرصے سے موجود ہے اور مفید چیز ہے۔ وہ اب اس کا نیا ایڈیشن نکالنا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ بھی اچھی چیز ہو گی۔ اسلام آباد میں مسجد فیصل میں ایک ادارہ تحقیقات اسلامیہ ہے وہ قرآن کے ترجمے مختلف زبانوں (۱۷۶) میں چھاپنے لگے ہیں۔ ایک دو میرے پاس بھی آئے ہیں۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کا قصہ یہ ہے کہ حیدر آباد سے میرے بھتیجے نے

Marfat.com

ایک مضمون کی فوٹو کاپیاں بھیجی ہیں جو شمالی ہندوستان کے کسی رسالے (۱۷۷) میں چھپا ہے۔ اس میں بعض غلط سلط باتیں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے متعلق لکھی ہیں کہ وہ حیدرآباد میں فیکلٹی آف حدیث کے صدر تھے وغیرہ۔ جامعہ عثمانیہ میں ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہاں شعبہ فنون اور شعبہ سائنس کے سارے طلبہ کے لئے بھی دینی تعلیم لازم کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لئے اسلامیات اور غیر مسلموں کے لئے اخلاقیات، شروع میں مناظر احسن صاحب وہاں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر ان کا شعبہ دینیات میں تبادلہ ہوا جہاں مولانا عبدالقدیر صدیقی صدر شعبہ تھے اور مولانا مناظر احسن شاید فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر عبدالقدیر صاحب کو پنشن ہوئی تو مناظر احسن صاحب پورے شعبہ دینیات کے صدر بنے اور آخر تک وہیں رہے۔ اگر رضی الدین صاحب کچھ اس طرح کی یادداشت لکھ دیں تو غلط بیانیوں کی تصحیح ہو جائے گی۔ رضی الدین صاحب کو اوپر کی سطروں کی نقل بھیج سکتے ہیں۔ وہ میرے بامحبت دوست ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا کامل سورہ فاتحہ کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔

کتاب ''نہایۃ حاشیۃ الہدایۃ'' (۱۷۸) طبع ہند ۱۹۱۵، صفحہ ۸۶ نوٹ نمبر ۱ میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہؐ کی اجازت سے کیا گیا اور نمونہ کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ دیا ہے۔ ''بنام یزدان بخشایندہ بخشائشگر'' کامل سورے کا ترجمہ نہیں دیا ہے۔ میں نے خاص اس پر کوئی مضمون نہیں لکھا ہے بلکہ قرآن مجید کے تراجم پر گفتگو کرتے ہوئے فارسی کے ذکر میں مذکورہ بالا باتیں دہرائی ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ خود مجھے اس کی تلاش ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ پر میں نے کوئی مضمون (۱۷۹) نہیں پڑھا بلکہ زبانی لیکچر دیا۔ ریونیوں سے واپسی پر پاریس میں بھی وہی ہوا۔ مجھے لکھ کر پڑھنے کی عادت نہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

۳ر فروری ۱۹۹۳ء

Marfat.com

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔عید مبارک۔

آج صبح آپ کا خط اور عید کارڈ (۱۸۰) دونوں پہنچے۔ممنون ہوا۔التجا ہے کہ آئندہ عید کارڈوں کو ختم فرمادیں۔یہ مجھے محض اسراف اور فرنگیوں کی تقلید کے معنی رکھتے ہیں۔ایک خط اس سے پہلے بھیج چکا ہوں۔انشاءاللہ ملا ہوگا۔

اسلام آباد، لاہور اور کراچی کا سرسری (۱۸۱) پروگرام تو آیا ہے۔ ہر چیز حکومت کے ہاتھ میں ہے۔اور غالباً قیام کے سارے انتظام وہی کرے گی (کراچی میں، سابق میں محی الدین عبدالقادر صاحب (۱۸۲) کے ہاں رہا کرتا تھا۔وہ آج کل حج وعمرہ کے لئے گئے ہوئے ہیں)۔

کراچی میں وقت ملا تو رشتہ داروں سے مل سکوں گا۔باقی ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔مجھے تاحال کوئی تفصیل نہیں معلوم۔

مکان میں کورنشات۔

نیازمند خادم

محمد حمید اللہ

(۸۷)

۲۱رفروری ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔آج ۹رفروری کا کرم نامہ ملا۔ممنون ہوں۔ مجھے پاکستان بلایا گیا ہے۔میں نے پروگرام کی گزارش کی، تاحال جواب نہیں ملا۔سوائے اس کے کہ ۲۵راپریل (۱۸۳) کو پرواز کرنا طے کیا گیا ہے۔ میں ان دنوں بے حد مشغول ہوں اور جلد سے جلد پاکستان سے واپسی کا خواہشمند ہوں۔

کتاب النبات (۱۸۴) تو ہمدرد سے نہیں آئی۔اس کے پروف آئے ہیں۔

میں آپ کا سوال نہ سمجھ سکا۔میری کون سی کتاب کے ترکی میں چھپنے کا آپ ذکر کر

Marfat.com

رہے ہیں۔ میں نے ایک پرانی عربی کتاب حدیث 'السرد والفرد' (۱۸۵) کو ایڈٹ کیا ہے۔ وہ تاحال مطبع سے نہیں نکلی ہے۔ عید مبارک۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۸۸)

۲۶۔۲۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ آپ کی کرم فرمائیاں اتنی کثیر اور شرمندہ کرنے والی ہیں کہ نہیں جانتا کس طرح شکریہ ادا کروں۔

تکبیر میں بہت سی غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں۔ میں نے مدیر کو لکھا۔ جواب نہ آیا۔

میں اگر پاکستان آؤں تو اپنی مرضی پر نہیں بلکہ سرکاری دعوت پر ہوگا۔ سفر کا نظام العمل وہی بنائیں گے اور میں بالکل نہیں جانتا کہ اس میں کراچی (۱۸۶) کا ذکر ہوگا یا نہیں۔

مکان میں آداب و تسلیمات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۸۹)

۱۲۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم و اہل عیال کان اللہ معکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

کرم نامہ، چاہے تاخیر سے ہو، مل گیا۔ دلی شکریہ۔ ان دنوں سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ مجھ سے مالکہ مکان نے جبراً کمرہ (۱۸۷) بدلوایا ہے۔ سامان کو دوبارہ جمانا ہے اور روزمرہ کا کام بھی کرتے رہنا ہے۔ قصور معاف فرمادیں۔

Marfat.com

مجھے آپ کا مرسلہ اخبار جنگ کا تراشہ تا حال نہیں ملا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کیا مندرجات تھے۔

Evolution(۱۸۸) پر کتاب ایک دوسرے دوست نے لندن سے بھجوا دی ہے۔ الحمد للہ آپ زحمت نہ فرمائیں۔ یہ Evolution of Humanity نہیں ہے بلکہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی تردید ہے۔

میں نے سفرنامہ جزیرہ ریونیوں نہیں لکھا۔ قصور معاف۔ وقت کا سوال ہے۔ بعض وقت ایک ہی دن میں تیس، تیس خطوں کے جواب دینے پڑتے ہیں۔ ریونیوں میں جامع مسجد(۱۸۹) میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات پر ایک لیکچر کرایا ہے۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۹۰)

۲۹ر دسمبر ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم کثر اللہ فینا امثالکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

دو تین دن ہوئے، کرم نامہ مورخہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۴۱۳ م ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۲ء سے مشرف ہوا۔ اس میں رسالہ ختم نبوت میں چھپے ہوئے میرے ناچیز مضمون (۱۹۰) کی فوٹو کاپی بھی تھی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ دفتر والوں نے تا حال کوئی نوازش نہیں کی ہے۔

آپ کے مسکن کی کیفیت معلوم ہوئی۔ اللہ آپ کو نوازے۔ لڑکے کی شادی (۱۹۱) کی خبر ملی۔ اللہ نوازے اور میاں بیوی کو تا حیات رضائے الٰہی مرحمت فرمائے۔

پاریس شہر میں ساٹھ ستر سال قبل ایک مسجد سلطان مراکش (۱۹۲) نے بنائی تھی (اب شہر میں سو سے زیادہ مسجدیں بن گئی ہیں اور روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہیں کیونکہ شہر کے نصف ملین مسلمانوں میں بھی نومسلموں کی ہر روز تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے)۔ اور یہ پہلی مسجد اب

Marfat.com

کچھ مرمت طلب ہوگئی تھی تو شہر کی فرنگی بلدیہ نے کئی لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے کہ مرمت کراؤ۔ اور یہ تعمیرات کا کام شروع بھی ہوگیا ہے۔ والحمدللہ۔

مکان میں سلام ویادآوری۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

مکرر۔ یہ خط بھیج ہی رہا تھا کہ ختم نبوت والوں کے ہاں سے ایک لفافہ آیا ہے۔ اس میں گزشتہ ماہ کے دو پرانے نمبروں (۱۹۳) کے دو دو نسخے آئے ہیں۔ متعلقہ نمبر ابھی نہیں آیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

(۹۱)

۱۱ر محرم ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج صبح آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ آپ کے مرسلہ تراشے میرے لئے باعث سرفرازی ہیں۔ ان کو دیکھ کر اپنے ہاں کے کاغذات میں رکھ دوں گا کہ داشتہ آید بکار۔

مجھے اپنی سوانح عمری (۱۹۴) سے نہ صرف یہ کہ کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ میں اس کا سرے سے مخالف ہوں اور احباب کو منع کرتا ہوں۔ دو دن ہوئے رجسٹری سے خط بھیجا تھا انشاء اللہ مل جائے گا۔ کاش یہی معلوم ہو سکے کہ ترجمان القرآن (۱۹۵) والوں کو میرا رجسٹری سے بھیجا ہوا مضمون ملا یا نہیں۔ چھاپیں یا نہ چھاپیں اس کو اہمیت نہیں۔ ڈاک پر بے اعتمادی بڑھ گئی ہے۔ کثرت کار سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

مکان میں آداب وکورنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۹۲)

۸۔۱۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔آپ کے دو خط پہنچے ہیں۔اور آپ کی کرم فرمائیوں پر میں بے حد شرمندہ ہوں۔اس اثناء میں میرے خط بھی آپ کو ملے ہوں گے۔متعلقہ رسالہ ختم نبوت رسالے کے دفتر سے تا حال نہیں آیا۔پرانے نمبروں کے آنے کا ذکر کر چکا ہوں۔

اخبار جنگ کے دو اردو صفحے اور اخبار ڈان کے چند سطری کترن آئے ان کا دلی ممنون ہوں۔آپ کا خیال ٹھیک ہے اس کی کوئی تردید (۱۹۶) غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اللہ آپ کو ہزاروں ہزار جزائے خیر دے۔مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

اس کے لکھنے کے بعد آپ کے دو خط آئے ہیں۔اللہ آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔آپ کو غلط فہمی ہے۔احسان اوغلو صاحب کا ادارہ جو استنبول میں ہے، الگ چیز ہے اور اسلام آباد کے متعلق میں نے جو اطلاع دی تھی، الگ چیز ہے۔دونوں اچھا کام کر رہے ہیں۔کیا آپ کی ڈاکٹر رضی الدین صاحب سے ملاقات ہے؟ کیا آپ ان سے ایک دو صفحوں کا مختصر مضمون مولانا مناظر احسن گیلانی کے (جامعہ عثمانیہ کے متعلق) لکھوا سکتے ہیں۔

(۹۳)

۱۸۔۱۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ڈاک کی جب جب مہربانی ہوتی ہے آپ کا کوئی خط مل جاتا ہے۔اب ایک خط آیا ہے جو ڈاکٹر مفخر حسین خان کا آپ کے نام ہے۔میں اسے ٹھیک نہ سمجھ سکا کہ آپ مجھ سے کیا خدمات چاہتے ہیں؟ اگر وضاحت فرمائیں تو مسرت سے وہ خدمت انجام دوں گا۔

Marfat.com

اس خط کے دو چار دن بعد ایک نیا خط آیا ۱۵ رجب کا جس میں ٹکٹوں پر ڈاک خانے نے مہریں نہیں لگائی ہیں۔ یعنی آدمی ان کو دوبارا استعمال کر سکتا ہے۔ میرے لئے یہ پہلی دفعہ نہیں ہے۔ میرا اسلامی طرز عمل ہمیشہ سے اور بار بار یہ رہا ہے کہ ان ٹکٹوں سے استفادہ نہ کروں اور کروں تو اس طرح کہ ان کی مالیت کی رقم کسی فقیر محتاج کو دے دوں۔ یہ ہی اس دفعہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ نہ معلوم آپ کی کیا رائے ہے؟

ہمدرد والوں کی کتاب النبات کے سلسلے میں آپ سب کا دلی شکریہ۔ انتظار کروں گا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

آپ کو ایک غلط فہمی ہوئی ہے۔ پاریس میں سلطان مراکش کی ستر اسّی برس پہلے کی مسجد مرمت طلب ہوگئی تھی۔ آج کل مرمت ہو رہی ہے۔ کوئی دوسری مسجد سلطان مراکش بنا رہے ہوں، ایسا نہیں ہے۔ شہر پاریس میں دیگر مسجدیں ہیں اور بڑھ رہی ہیں جن میں سے ایک ہماری انجمن (۱۹۷) نے ''شوازی لروا'' نامی محلے میں بنائی ہے۔ الحمد للہ اخبار جنگ کے تراشوں میں جو اعتراض ہیں ان کو کسی قریبی فرصت میں انشاء اللہ غور سے پڑھوں گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نشاندہی کر سکیں۔

حضرت عیسیٰؑ پر میرے لیکچرز زبانی ہوئے۔ لکھی ہوئی چیز نہیں پڑھی کہ اس کا ترجمہ آپ کو بھجوا سکوں۔ کام کی کثرت سے فرصت نہیں ہے۔ آج کل یہ نیا کام سر لوں۔ معاف فرمائیں۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۹۴)

۲۳۔۱۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کو ایک خط لکھا تھا ملا ہوگا اس میں عجلت میں یہ لکھا تھا کہ اخبار جنگ کے

Marfat.com

اعتراضات کو غور سے پڑھ کر جواب دوں گا۔ کافی تلاش کے باوجود اخبار جنگ کا صرف وہ نمبر (دو صفحے) ملا جن میں "قرآن مجید کا عربی متن شائع ہونا چاہئے یا نہیں" کی بحث ہے۔ کوئی اور نمبر نہیں ملا جس میں خطبات بہاولپور کے سلسلے میں اعتراض ہوں۔ بے بس ہوں۔ اگر آپ کی رائے میں وہ اہم ہے تو مکرر اس پرچے کے ارسال کی زحمت دینی ہوگی۔ مجھے شرم آتی ہے کہ ایسا کروں۔ گمان غالب یہ ہے کہ اخبار جنگ کا وہ تراشہ نہیں آیا۔ اللہ کی مرضی۔

خدا کرے مکان میں سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۹۵)

۳۰ جنوری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دعوت نامہ ملا۔ مشرف ہوا۔ خدا بچے (۱۹۸) کی شادی مبارک کرے۔ بچہ اور بچی بھی زندگی بھر ہمیشہ خوش رہیں اور اللہ انھیں حسنات دارین عطا فرمائے۔ اولاد ہو تو وہ بھی دین دار اور خوش اخلاق رہے۔ دولہا اور دلہن کے والدین بھی حسنات سے بہ افضال الٰہی سرفراز رہیں۔

فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۹۶)

۱۷ فروری ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم و اہل خاندان کان اللہ معکم

Marfat.com

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ کے دو کرم نامے ایک ساتھ، دو تین دن ہوئے ملے۔دلی شکریہ۔

ممکن ہے آئندہ خط میں تاخیر ہو۔میں ایک آپریشن کے لئے ہسپتال میں جانے پر مجبور ہوا ہوں۔غالباً ۲۸ رفروری (۱۹۹) کو جانا ہوگا اور معلوم نہیں کتنے دن وہاں رہنا ہوگا۔ محتاج دعا ہوں۔

اخبار جنگ کے تراشے جس خط میں بھیجے گئے تھے اس سے اب مایوس ہو جانا چاہئے۔اسے کوئی اہمیت بھی نہیں۔

تسبیح ٹھیک ہے (۲۰۰) مثلاً سبحان اللہ وبحمدہٖ وصل اللہ علی رسولہ۔

آپ نے ولیمے (۲۰۱) کی دعوت کا کارڈ بھیجا ہے۔انشاء اللہ تقریب بخیر وعافیت انجام کو پہنچی ہوگی۔خدا آپ سب کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

میں ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو مرحوم مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے متعلق خط (۲۰۲) نہیں لکھ سکا۔زندگی ہے تو انشاء اللہ کچھ کر سکوں گا۔

آج اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔معذرت قبول فرمائیں۔آپ سب کے لئے دلی دعا ہے۔رمضان المبارک (۲۰۳) بھی آرہا ہے وہ آپ کے لئے بھی مبارک ہو۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۹۷)

۱۳۔۴۔۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آج آپ کا کرم نامہ ملا۔محترم ڈاکٹر رضی الدین صاحب نے مولانا منظر احسن گیلانی کے متعلق جو معلومات (۲۰۴) ازراہ کرم مجھے بھیجے افسوس ہے کہ وہ خط مجھے نہیں ملا۔

مثانے (۲۰۵) کی بیماری سے ڈھائی مہینے شفاخانے میں رہا۔اب دو تین دن سے ڈاکٹر

Marfat.com

نے مجھے گھر واپس روانہ کر دیا ہے۔ لیکن بیماری سے ابھی نجات نہیں ملی۔ تھکا ہوا ہوں۔ خطوط کا جواب دینا بھی ابھی آسان نہیں۔ علاج ابھی گھر ہی میں جاری ہے۔ کب تک جاری رہے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ہمدرد والے نہ معلوم دینوری کی کتاب النبات والی میری تالیف (۲۰۶) سے کب فارغ ہوں گے۔ اللہ ان کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

مکرر

آپ کا دوسرا خط بھی آیا ہے، منسلکات کا شکریہ۔ غلام محمد صاحب کو جواب دے چکا ہوں۔ خدا کرے حفاظت سے مل جائے۔

(۹۸)

یکم مئی ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی دام لطفکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آپ کا ۲۵/اپریل کا خط ملا ممنون ہوا۔ رضی الدین صاحب کا خط تا حال نہیں آیا ہے۔

میں اب الحمد للہ شفا خانے سے گھر آ چکا ہوں۔ باقی جب تک زندگی ہے روزمرہ کے کام کرنے ہیں۔ کتاب النبات کے لئے آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ۔

مکان میں آداب و کورنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۹۹)

۱۵/جون ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ عید مبارک (۲۰۷)۔ آپ کا ۳۱/مئی کا خط دو دن ہوئے ملا دلی ممنونیت

Marfat.com

عرض ہے۔

ڈاکٹر رضی الدین صاحب اپنی بیوی (۲۰۸) کے علاج کے لئے امریکا (امریکہ) گئے ہیں۔ مجھے بھی انھوں نے وہاں سے خط لکھا ہے۔ اللہ شافی کافی۔

ہمدردوالوں کا خط مجھے بھی ملا لیکن مجھے برسوں سے جو وعدہ ہو رہا ہے اس کے انجام کا انتظار ہے۔ واللہ المستعان۔ آپ جو کتاب بہادر یار جنگ اکادمی کے توسط سے بھجوا رہے ہیں مجھے اس کے مصارف ضرور لکھیں۔ میں آپ کو انشاء اللہ بھجوا دوں گا۔

میں ابھی زیر علاج ہوں۔ اللہ شافی کافی۔

مکان میں سب کو کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۰)

۱۹ جون ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی خوش رہو

سلام مسنون۔ میرا خط مل گیا ہوگا۔ کل رضی الدین صدیقی صاحب کا جو بیوی کے ساتھ امریکا (امریکہ) میں ہیں خط آیا ہے اور انھوں نے مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے حالات مکرر (۲۰۹) بھیجے ہیں۔

یہ صرف آپ کی اطلاع کے لئے ہے۔ یہ بالکل ضروری نہیں کہ اس کی رسید کے لئے آپ مجھے خصوصی خط لکھیں۔ مکان میں سب کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۰۱)

8-7-1993

Dear and very respcted brother

516

Marfat.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Today I received with great pleasure the book "MURDER OF A STATE."(۲۱۰) I shall read it with great pleasure and thankfullness.

Please inform me the price and postal expense to me.

God bless you.

H.

(۱۰۲)

۱۴ر جولائی ۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کچھ دن ہوئے حیدرآباد سے متعلقہ کتاب کے پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہوں۔ انتظار ہے کہ قیمت اور مصارف ڈاک کی اطلاع آئے تا کہ ادا کرسکوں۔

ابھی ابھی بہادر یار جنگ اکادمی (۲۱۱) سے ایک پارسل آیا ہے جس میں حیدرآباد سے متعلقہ کتاب مکرر آئی ہے۔ مزید برآں ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کی سوانح عمری کا بھی ایک نسخہ ہے۔

آپ سے التماس ہے کہ ان سے بھی قیمت اور مصارف ڈاک لکھوا کر بھجوائیں تا کہ ان کو بھی رقم ادا کرسکوں۔

ساتھ ہی حکیم زبیری صاحب کے پاس سے ایک تار آیا ہے (اس میں میرا نام Hameedullah (۲۱۲) لکھا ہے) اور اطلاع دی ہے کہ کتاب النبات چھپ گئی ہے اور اس کا ایک نسخہ بھیجا گیا ہے۔ الحمدللہ۔ شکرگزار ہوں ان کا بھی اور آپ کا بھی اگر نامناسب نہ ہوتو ٹیلیفون پر میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کردیں۔

مکان میں سب کو سلام عرض ہے۔

Marfat.com

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۳)

۲۲۔۷۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی زادمجدکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ آج آپ کا کرم نامہ ملا ممنون بھی ہوا اور متاسف بھی کہ آپ مصارف (۲۱۳) کے لینے سے بھی انکار فرماتے ہیں۔ اللہ آپ کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

حکیم زبیری صاحب نے مجھے تار پر اطلاع دی ہے کہ کتاب النبات (۲۱۴) چھپ گئی ہے۔ میں آپ کو اس کی اطلاع گزشتہ خط میں دے چکا ہوں۔ آج ایک تازہ مصیبت پیش آئی ہے۔ مجھے کراچی سے

Muhammad Habibullah Ghias

63 II Phase Kheyaban-e-Darbar

Defence Housing Authority 75500. Karachi.

نے ایک خط لکھا تھا۔ میں نے گزشتہ مارچ میں ان کو جواب بھیجا۔ آج ڈاک میں میرا خط مجھے واپس (۲۱۵) آ گیا ہے۔ کیا آپ ان سے واقف ہیں؟ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۴)

صفر ۱۴۱۴ھ

۱۹۔۸۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی حفظکم اللہ

سلام مسنون۔ آج آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۰ر جولائی کا ملا۔ ممنون ہوا۔ زحمت فرمائی کا دلی شکریہ۔ غالباً سہو کتابت سے آپ نے یہ تاریخ لکھی ہے۔ ۱۰ر اگست ہوگا۔

Marfat.com

قطب الدین عزیز صاحب نے لندن سے مجھے تا حال کچھ نہیں لکھا(۲۱۶)۔ان کا پتہ ہوتا تو میں خود ہی ان کو لکھ دیتا۔کتاب النبات کا ایک نسخہ پروف (۲۱۷) کی شکل میں آ گیا ہے۔کتاب شائع ہو جائے تو ممکن ہے چند نسخے مجھے بھی ملیں گے تا کہ احباب اور کتب خانوں میں تقسیم کر سکوں۔میں ابھی تھکا ہوا ہوں اور علاج (۲۱۸) جاری ہے۔اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ساری دنیا میں جھگڑے (۲۱۹) اور جنون ہے۔مکان میں کورنشات عرض ہیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۵)

۲۳_۸_۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔آپ کے کرم نامے کا آج جواب دے رہا ہوں۔تعویق پر معذرت قبول فرمائیں۔قطب الدین عزیز صاحب کا آپ نے انگلستان کا پتہ (۲۲۰) نہیں دیا ورنہ میں خود ان کو جو لکھنا ہے لکھتا خود انھوں نے وہاں سے مجھے کچھ تا حال نہیں لکھا ہے۔

کتاب النبات کے پروف (۲۲۱) ہمدرد فاؤنڈیشن سے آنے کا ذکر کر چکا ہوں۔میں نے محترم ناشر صاحب کو دو خط لکھے اور بعض اہم طباعتی غلطیوں پر متنبہ کیا۔معلوم نہیں قبول ہو گیا یا نہیں۔

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو۔مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۶)

۲۰_۹_۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔۵ر ستمبر کا خط آج صبح ملا۔ممنون ہوا۔جامعہ عثمانیہ کے جشن (۲۲۲) کی اطلاع سے بھی مسرت ہوئی۔جی تو چاہتا ہے کہ تین چار دن ہی کے لئے سہی اس میں شرکت

Marfat.com

کروں۔ فرانسیسی حکومت نے سارے ملازمین اور وظیفہ خواروں کی تنخواہوں میں تخفیف کر دی ہے جس کا اس ماہ سے نفاذ ہو گیا ہے۔ مجھ کم معاش کے لئے یہ ایک شدید دکھ ہے اللہ مالک ہے۔ اس جوبلی کے لئے عطیہ پیش کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔

آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ یہ جوبلی جنوری میں ہوگی۔ انجمن کے خط سے گمان ہوا کہ وہ اپریل میں ہوگی۔ وقت کم ہے اس لئے آپ کے کہنے پر ان کے مجھے لکھنے کا انتظار کرنے کی جگہ میں آج ہی ان کو بعون اللہ خود ہی لکھ رہا ہوں۔

حیرت سے پڑھا کہ حکیم محمد سعید صاحب سندھ کے گورنر (۲۲۳) بنے ہیں۔ اللہ مبارک فرمائے۔

آپ کے پیارے بچوں کو پیار اسلام۔ مکان میں بیگم صاحبہ کو کورنشات۔ کثرت کار سے اسی پر اکتفا کرتا اور شکر گزاری پیش کرتا ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۷)

۲۳۔۹۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ غالباً آپ کے آخری کرم نامے کی رسید گزران چکا ہوں۔ حافظہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔

یہ خط ایک اطلاع کے لئے ہے۔ آج مجھے کراچی سے محترم قطب الدین عزیز صاحب مولف کتاب Murder of a State (۲۲۴) کا خط یہ لکھے ہوئے آیا ہے کہ آپ نے ان کو لکھا ہے کہ مجھ سے تماس پیدا کریں۔ محسوس ہوا کہ ان کے تحفے کی میں نے جو رسید آپ کے توسط سے بھجوائی تھی وہ ان کو نہیں ملی۔

میں نے ان کو خط لکھ دیا ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹیلی فون پر ان سے دریافت فرمالیں کہ میرا خط ان کو مل گیا یا نہیں؟ بے حد ممنون ہوں گا۔ ڈاک پر اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کسی چیز کا جواب دینا بھول تو نہیں گیا ہوں؟

Marfat.com

مکان میں کورنشات۔ بچوں کو پیام محبت۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۰۸)

۱۱۔۱۰۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اتنا یاد ہے کہ آپ کا آخری خط (۲۲۵) آیا ہوا ہے اور جواب دینا ہے۔ آج بھی جواب نگاری کا کام کر رہا ہوں تو اسے تلاش کیا نہیں ملا۔ وہاں کے حالات اخباروں میں آ رہے ہیں۔ کراچی میں بھی ہنگامے لکھے جا رہے ہیں۔ اللہ رحم فرمائے اور ہمیں عقل دے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن سے کتاب النبات (۲۲۶) کی آمد کا انتظار ہے۔

کوئی کار لائقہ ہو تو ضرور یاد فرمائیں۔

کیا وہاں کوئی قرآنی انسائیکلوپیڈیا (۲۲۷) چھپ رہی ہے؟

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

مکرر:- جی ہاں عطاء اللہ صاحب کی بچی (۲۲۸) ہی ساتھ تھی جب ایئرپورٹ پر آپ کے دوست سے ملاقائی ہوئی اور مدد ملی تھی۔

(۱۰۹)

۱۴۱۴ھ

۱۹۔۱۰۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوا اور متاسف بھی کہ قطب الدین عزیز صاحب کو غلط فہمی (۲۲۹) ہو گئی۔ میں نے ان کو شروع میں بھی لکھا تھا اب انشاء اللہ مکرر بتاؤں گا کہ مجھے ان کی کتاب کی دو جلدیں ملی تھیں وغیرہ۔

دوحہ کے دوست کا نام "المعاریجی" (۲۳۰) ہے۔ میرا اپنا اصول یہ ہے کہ اتنی شدت نہیں

Marfat.com

ہونی چاہئے۔ احمق یا شریر مترجموں کے چاہے غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں حالات بھی جمع کریں اور ہو سکے تو وہ معلومات واضح کریں جو ان مترجموں کی شیطنت کا باعث ہوئے ہوں گے۔
بہر حال آپ کا نقل کی ارسال پر دلی شکریہ۔ شاید میں ان کو مکرر خط لکھوں گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن کے سلسلے میں میرے ساتھ آپ کی (۲۳۱) ہمدردی بڑی متاثر کن ہے۔ ہر کام کا اللہ نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔ میں نے کتاب کے مجلد پروفوں کو تو دیکھا ہے، مطبوعہ شاید مجھے بھیجی گئی ہے لیکن تا ایں دم نہیں آئی۔ واللہ المستعان۔

آپ کی لڑکی (۲۳۲) کے یوسف الدین صاحب سے ملنے کی اطلاع پڑھی، شکریہ۔ یوسف الدین صاحب کا ایک خط بھی آپ کے خط کے ہمراہ آج ہی ملا۔ مکان میں بیوی بچوں، سب کو ادب سے سلام عرض کرتا ہوں۔

اور کاموں کے ساتھ آج کل ملتان کی بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے ایک پی ایچ ڈی (۲۳۳) کے مقالے کو دیکھ رہا ہوں۔ والسلام

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر:- آج ہی پروفیسر فرانک رک (۲۳۴) کا خط آیا ہے۔ میں نے ان کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی غلطی بتائی تو قبول کر کے شکریے کا خط بھیجا ہے۔ اس سے شاید آپ کو بھی دلچسپی ہو۔ سورہ آل عمران آیت ۷۵ میں قنطار اور دینار کا ذکر ہے۔ میں نے لکھا کہ یہاں دینار سے مراد وہ سکہ نہیں ہے جو سونے کا ہوتا ہے یعنی اشرفی، بلکہ وہ جسے Denier کہتے ہیں جو ہماری دمڑی کا مترادف ہے یعنی بہت کم قیمت چھوٹا سکہ۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۰)

۱۲۶ اکتوبر ۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی۔ خوش رہو

سلام مسنون۔ آپ کا ۲۵ ستمبر کا خط اب پہنچا ہے، شکریہ۔ میرے گزشتہ خط شاید آپ کو ملے ہوں۔ کتاب النبات (۲۳۵) کا انتظار ہے۔ اللہ مالک ہے۔

Marfat.com

ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔ میں نے محترم جسٹس تقی عثمانی صاحب کو ایک فرانسیسی کتاب اظہار الحق (۲۳۶) مولفہ رحمت اللہ دہلوی ہوائی ڈاک سے بھیجی تھی۔ کیا وہ ان کو پہنچی یا نہیں؟ سنا ہے کہ اس فرانسیسی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا تھا (گزشتہ صدی میں) تلاش کر رہا ہوں۔

جامعہ عثمانیہ کی جوبلی کے سلسلے میں خط آیا ہے کہ حکومت سے اجازت مانگی ہے۔ اجازت ملنے کے بعد مجھے دعوت نامہ (۲۳۷) بھیجا جائے گا۔ اس کا انتظار ہے۔ گراں خرچ ہے مگر انشاء اللہ دو چار دن کے لئے آجاؤں گا۔

مجھے اپنی مطبوعات میں سے کسی پر بھی رائلٹی (۲۳۸) ایک پائی کی بھی نہیں ملتی۔

مکان میں سب کو میرا سلام

ناچیز خادم

محمد حمید اللہ

مکرر

آج آپ کا نیا خط ملا جو ۲۱/ اکتوبر کا ہے۔ دلی شکریہ۔ قطب الدین عزیز صاحب نے (۱) اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حیدر آبادی (۲۳۹) وفد کا ایک جز و عراق اور ایران بھیجا گیا جو اس سے فارغ ہو کر پاریس پہنچے اور معین نواز جنگ صاحب کے ساتھ رہے۔

(۲) مجھے اس کی کوئی سہولت نہیں ہے کہ عزیز صاحب کی کتاب کا فرانسیسی ترجمہ کروں یا کراؤں اور چھپواؤں۔

(۳) حیدر آباد کے قصے پر خود کچھ لکھوں اور چھپواؤں۔ اس سے معذرت چاہتا ہوں۔ میں ۸۷ سال سے متجاوز ہو چکا ہوں۔

کیا آپ کے پاس قطب الدین عزیز صاحب، جو کتاب The Murder of a State کے مولف ہیں، پتہ ہے میں ممنون ہوں گا اگر ان کا پتہ معلوم ہو سکے۔

مکان میں سب کو سلام و کورنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۱۱)

۱۲۔۱۱۔۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دو چار دن ہوئے کرم نامہ ملا۔ الفاظ نہیں پاتا کہ آپ کا شکریہ ادا کرسکوں۔ مراسلہ ڈرافٹ (۲۴۰) کا دلی شکریہ۔ ایک دو لفظ بڑھا دیئے ہیں مناسب ہو تو حسبہ بھیجیں۔

میری صحت گزر رہی ہے۔ زیر علاج ہوں ممکن ہے کہ جنوری میں کراچی (۲۴۱) نہ آ سکوں۔ جامعہ عثمانیہ سے مجھے محبت تو ہے لیکن ۸۷ سال کا ہو چکا ہوں۔

محرم ۱۳۲۶ھ کی ولادت ہے۔ مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۲)

۴۔۱۲۔۱۹۹۳ء

مخدوم ومحترم مظہر ممتاز صاحب واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ چند دن ہوئے ملا۔ دلی شکریہ۔ تعویق کی معذرت۔ ایک صاحب نے آپ کے پتے (۲۴۲) پر خط لکھا ہے۔ ان کا جواب دیتے ہوئے آپ کو بھی جواب دے رہا ہوں۔

قرآن مجید میں قنطار، دینار کی جو آیت ہے اس کے متعلق یہ اضافہ کروں کہ دینار انگریزی Denier (۲۴۳) کا معرب ہے۔ میں اس کو اردو میں دمڑی کہہ سکتا ہوں۔ ڈاکٹر اکمل الدین صاحب قرآن کے مطبوعہ تراجم (۲۴۴) کو جو دنیا کی ساری زبانوں میں ہیں، ایک ضخیم کتاب کی صورت میں عرصہ ہوا شائع کر چکے ہیں۔ اس کی طبع ثانی بھی کر رہے ہیں۔ غیر مطبوعہ تراجم بھی دنیا کی ساری زبانوں کے متعلق چھاپنا چاہتے ہیں جیسا کہ آپ کے موسومہ خط میں لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمے ایک نہیں، اتنے ہی متعدد ہیں جتنے نمبروں پر وہ ان کا اپنی کتاب میں ذکر کر رہے ہیں۔ یہ ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔

Marfat.com

اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں آج کل کوئی معینہ کتاب نہیں لکھ رہا ہوں۔ حسب معمول متعدد کام بیک وقت جاری ہیں جیسا کہ پرانا دستور۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۳)

۵۔۱۔۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ آپ کے دو خط ابھی ابھی ملے ہیں۔ ایک راست آپ کا، دوسرا عبدالجبار صاحب کے خط میں ان کا تعارف نامہ۔ شکریہ۔

غلام محمد صاحب (۲۴۶) کی وفات کی خبر سے دلی صدمہ ہوا۔ اللہ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور اہل وعیال کو صبر کی توفیق۔

میں حکیم محمد سعید صاحب کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ مجھ پر پی ایچ ڈی (۲۴۷) کا مقالہ لکھائیں۔ میری مطبوعہ کتابوں اور مقالوں پر ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے۔ وہ کام بھی قبل از وقت ہے۔

میں ابھی زیر علاج ہوں، بہت تھکا ہوا ہوں۔ انجمن طلبہ قدیم جامعہ عثمانیہ کا بھی کام نہ کر سکا۔ ممکن ہے تو ان لوگوں سے کہئے کہ جامعہ عثمانیہ کی واحد خصوصیت اردو کا ذریعہ تعلیم ہونا ہی نہیں ہے بلکہ دینیات/ اخلاقیات (۲۴۸) کی تعلیم کا بھی لازم ہونا ہے۔ ہندوؤں اور شیعوں کے لئے۔ باقی انشاءاللہ پھر۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

(۱۱۴)

۲۔۴۔۱۹۹۴ء

مخدوم ومحترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ آپ کا تازہ کرم نامہ ملا جس میں پرانے خطوط کے فوٹو بھی ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ پر فرانسیسی کتاب (۲۴۹) چھپ گئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے میرے باب میں ناشر نے بلا اطلاع و بلا اجازت بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ اس سے خط بازی جاری ہے اللہ کی مرضی۔ یہ چونکہ فرانسیسی میں ہے اس لئے آپ کے لئے بیکار ہوگی۔ حضرت عیسیٰؑ پر (۲۵۰) مقالہ تا حال شروع نہیں ہوا۔ وقت کا سوال ہے۔

کیا آپ کے پاس میرے مطبوعات (۲۵۱) کی فہرست کے فوٹو ہیں؟ اس میں دو تین جگہ کچھ خفیف تبدیلی اور اضافہ ہوا ہے۔

یہاں الحمد للہ لوگ مسلمان (۲۵۲) ہو رہے ہیں مرد بھی، عورتیں بھی۔ ہم موروثی مسلمانوں کا عمل تو نہیں، صرف اللہ کی ہدایت سے وہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ والحمد للہ۔

مکان میں سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۵)

دوشنبہ

۱۱۔۴۔۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ پرسوں آپ کا بستہ ملا۔ اندر کتاب النبات (۲۵۳) کے ساتھ آپ کا کرم نامہ بھی ملا۔ جزاکم اللہ۔ کتاب کا مقدمہ پڑھا۔ اس میں ایک بڑی فاش طباعتی غلطی ملی۔ صفحہ ۱۶ کی پہلی سطر میں ''النظر بن.....'' چھپا ہے۔ یہ النضر ہے۔ اس کتاب کی مکرر طباعت کی کم ہی توقع ہے۔ علم نباتات کے اقتباسات سے کم ہی لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔ گویا یہ غلطی میری طرف منسوب ہو کر ہمیشہ کے لئے حکیم محمد سعید صاحب اور ان کے رفیق زبیری صاحب کی دوامی بدنامی کا باعث ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے مسودہ کتاب میں النضر ہے، پروف میں دارالحکمت والوں نے ''تصحیح'' کرنی چاہی ہے اور ''النظر'' لکھوا ڈالا ہے۔ آپ کے لئے فوٹو کاپی ملفوف کر رہا ہوں۔

میری استدعا ہے کہ حکیم محمد سعید صاحب کو بدنامی سے بچانے کے لئے (۱) سٹاک

Marfat.com

کے سارے نسخوں میں قلم سے تصحیح کروائیں۔ (۲) ایک سطری صحت نامہ چھپوا کر جتنے نسخوں میں ممکن ہو رکھوائیں بلکہ اس کو اخبار، رسائل میں شائع بھی کرائیں۔

کتاب کی اشاعت کے وقت کا پروف کی شکل کا نسخہ مجھے ملا تھا، اور اب آپ کا مرسلہ واحد نسخہ ان کے علاوہ مجھے کتاب کے کوئی نسخے ہمدرد والوں کی طرف سے اب تک نہیں آئے۔ دو چار ہی سہی، نسخے آئیں تو استفادہ کروں۔

آپ کو زحمت رہی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۶)

۳ رذی الحج ۱۴۱۴ھ

۶ رمئی ۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ آج آپ کا کرم نامہ ملا اور انگریزی کتاب کے چند اوراق کے فوٹو بھی۔ دلی شکریہ۔ آج ہی کی ڈاک سے ہمدرد والوں نے کتاب النبات (۲۵۴) کے پانچ نسخے ہوائی ڈاک سے بھیجے ہیں۔ جزاھم اللہ خیرا۔

مجھے یاد نہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر میں نے مضمون کب لکھے تھے۔ واقعی بالکل یاد نہیں۔

ابھی زیر علاج ہوں۔ تھکا ہوا ہوں۔ میری گستاخیوں کو معاف فرمائیں۔

مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۷)

۱۱۔۵۔۱۹۹۳ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

Marfat.com

سلام مسنون۔ مجھے اپنے کمرے بدلنے (۲۵۵) پڑے ہیں اور ساری چیزیں تتر بتر ہو گئی ہیں۔ بے بس ہوں۔

ابھی ابھی آپ کا ایک خط ہاتھ میں آیا ہے۔ آپ نے اس میں اخبار جنگ اور ڈان کے تراشے پڑھنے کو کہا ہے۔ انھیں کہاں ڈھونڈوں؟ آپ نے اصرار کیا ہے کہ خطبات (۲۵۶) بہاولپور کے حوالے سے کوئی اعتراض کیا گیا ہے۔ آپ ہی اگر اس کا خلاصہ چند لفظوں میں دیں تو جواب گزران سکتا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ اگر آپ کا کوئی خط ملا اور اس میں کوئی جواب طلب امر ہو تو انشاء اللہ عرض کروں گا۔

مکان میں کورنشات۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۱۸)

۱۸ر مئی ۱۹۹۴ء

۱۵ر ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

مخدوم و محترم واہالی خوش رہو

سلام مسنون۔ عید مبارک (۲۵۷)۔ خطوط کھو جانے کی شکایتیں آ رہی ہیں۔ اس لئے گستاخی کر کے آپ کو زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔ منسلکہ خط ممکن ہو تو مرسل الیہم کو پہنچا دیں۔

مکان میں کورنشات۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱۱۹)

۱۹ر مئی ۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم واہالی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ۱۷ر ذی قعد کا مکرم نامہ ملا، ممنون ہوا۔ آپ کی بے

Marfat.com

پایاں نوازشوں کا ممنون ہوں۔ رضی الدین صدیقی صاحب اور ہمدرد فاؤنڈیشن والے وہی کریں گے جو اللہ کو منظور ہوگا۔ کیا عجب جو ہمدرد والوں کی نشریہ کتاب میری زندگی ہی میں چھپ جائے اور دیکھ سکوں۔

عالم اسلامی کے فتنوں پر اللہ سے دعا ہے کہ وہ رحم فرمائے اور ہمیں نیک توفیق دے۔

آپ نے ایک نئی شائع شدہ کتاب کا اشتہار بھیجا ہے۔ اگر اس کی قیمت اور مجھے ارسال کرنے کے ڈاک کے مصارف سے اطلاع دیں تو ممکن ہے وہ رقم آپ کو بھیج سکوں۔

خدا آپ کو آپ کے کاموں میں برکت دے۔

میری صحت گزر رہی ہے۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۰)

۸۔۶۔۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم واہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ ملا، ممنون ہوا۔ رفیع اللہ شہاب صاحب کے مضمون کا تراشہ بھی ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

اسباب صحت سے ان کے مضمون کا جواب لکھنا دوبھر ہے۔ مناسب ہو تو آپ خود لکھ دیں (۲۵۸) یا فیصل مسجد والوں سے درخواست فرمادیں۔ آپ نے ظفر اسحاق صاحب کو لکھ دیا ہے تو کافی ہے۔

آپ کو مزید زحمت دے رہا ہوں۔ ایک صلاح الدین صاحب کے نام خط (۲۵۹) ہے دوسرا انجمن طلبہ قدیم جامعہ عثمانیہ کے نام ہے۔ بہت ممنون ہوں گا اگر یہ روانہ فرمادیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

محمود علی انصاری صاحب نے لکھا ہے کہ ڈان کا ضمیمہ بھیجا ہے۔ وہ تا حال نہ ملا۔

Marfat.com

(۱۲۱)

۱۶۔۸۔۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم

سلام مسنون۔ آج ہی بہت دن کے بعد آپ کا یکم ربیع الانوار کا مورخہ خط ملا۔ ممنون ہوا۔ جواب رجسٹری سے دیتا ہوں تا کہ وصولی کا زیادہ اطمینان رہے۔

محترم تقی صاحب کے پاس سے کتاب اظہار الحق (۲۶۰) (اردو) کا تین جلدوں والا نسخہ بھی آیا ہے۔ میں نے انھیں رسید بھیجی ہے۔ آپ بھی احتیاطاً ان سے دریافت فرمالیں۔ البتہ ان کی کتاب تکلمہ احادیث سے واقف نہیں ہوں۔ خدا مبارک کرے۔

صلاح الدین صاحب سارے یورپ (۲۶۱) کے دورے پر نکلے ہیں۔ (جیسا کہ ان کے اخبار تکبیر میں چھپا ہے) اس سے فرانس کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ والخیر فیما اختارہ اللہ۔

الجزائر والے ''احمقوں'' نے فرانسیسی سفارت خانے کے سات آدمیوں کو قتل کر دیا۔ یہاں ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ مکان میں کورنشات سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر

کیا مدینہ منورہ میں آپ کے کوئی دوست ہیں؟ وہاں سنا گیا کہ ایک کتاب چھپی ہے شیخ عائض بن عبدالعزیز القرنی مولف کتاب احفظ اللہ یحفظک۔ اس کے مولف (۲۶۲) کو خط لکھنا چاہتا ہوں۔ ان کا پتہ درکار ہے۔ شکریہ

(۱۲۲)

۶/دسمبر ۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ کل آپ کا کرم نامہ (بہت دن کے بعد) ملا۔ اگر سابق میں آپ خط لکھ چکے ہیں تو وہ ڈاک میں ضائع ہو چکے ہیں۔

جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی بہت دن سے سکوت ہے۔ مدینہ منورہ کے کسی شیخ

Marfat.com

سے بھی کوئی خط نہیں ملا۔ میرے ۱۹۴۸ء کے بعد کے مقالے اور کتابیں تو یہاں ہیں لیکن ان کی یکجا مکرر طباعت کے وسائل (۲۶۳) میرے پاس نہیں ہیں۔

مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔ آپ کے دوست اس سے دلچسپی رکھتے ہیں تو ان سے کہئے کہ میرے مرنے (۲۶۴) کا انتظار کریں میں اس سے روکتا ہی ہوں۔

مکان میں سب کو سلام و دعا۔

خادم
الفقیر الی اللہ
محمد حمید اللہ

(۱۲۳)

۱۴۔۱۲۔۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم واہالی زادمجدکم

سلام مسنون۔ ابھی دو دن ہوئے آپ کا کرم نامہ ملا۔ آپ کے خط پر ۱۳ر جنوری لکھا ہے۔ عرصے سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ یہ پہلا خط ہے۔ ڈاک کی حالت کے باعث رجسٹری (۲۶۵) سے بھیج رہا ہوں۔

مندرجہ حالات کی اطلاع سے دلی مسرت ہوئی۔ آپ مجھ سے پچاس سال (۲۶۶) پہلے کے قصے پوچھ رہے ہیں۔ اگر لکھ سکا تو ضرور آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا حافظہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ صحت ابھی کمزور ہے۔

رضی الدین صاحب (۲۶۷) کی علالت سے افسوس ہوا۔ اللہ انھیں جلد صحت کامل عطا فرمائے۔

مکان میں سب کو مجھ ناچیز کا سلام پہنچائیں۔

خادم ناچیز
الفقیر الی اللہ
محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۲۴)

۲۰/جنوری ۱۹۹۵ء

مخدومی سلام مسنون۔

کرم نامہ ملا۔ مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔ آپ کے دوست حکیم محمد سعید صاحب کے منظور نظر سے فرمایئے کہ حمید اللہ نامی ''فاضل'' (۲۶۸) ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی سوانح عمری کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کریں۔ سوانح عمری نہیں، خالص اور عام علمی سوال ہوں تو خدمت کے لئے حتی الامکان حاضر ہوں۔

رمضان مبارک۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۵)

۲۲/مئی ۱۹۹۵ء

مخدوم و محترم۔ عید مبارک۔ اہل و عیال کو سلام۔ آپ کو ہمیشہ زحمتیں دیتا رہتا ہوں۔

کیا آپ محمود عالم صاحب (۲۶۹) سے واقف ہیں؟ یہ حیدر آباد میں ریلوے وغیرہ میں کام کرتے تھے۔ معمر آدمی ہیں۔ مجھے ان کا کراچی سے ایک تار آیا ہے مگر ان کا پتہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر ممکن ہو تو منسلکہ پرچہ انھیں بھجوا دیجئے۔ پیشگی شکریہ۔

ہمدرد والوں سے ممکن ہو تو فرما دیجئے کہ ان کے لئے میرے مضامین وغیرہ کے فوٹو اسٹیٹ (۲۷۰) لئے جا رہے ہیں کافی وقت لگے گا۔ دریافت طلب امور بھی ہیں۔ انشاء اللہ قریب میں مکرر لکھوں گا۔

خادم

محمد حمید اللہ

مکرر:- آپ کا موسومہ ایک پرانا خط بھی منسلک ہے وہ بھیجنا بھول گیا۔ معاف فرمائیں۔

Marfat.com

(۱۲۶)

۷۔۶۔۱۹۹۵ء

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون۔آپ کے لئے بھی اور اہل وعیال کے لئے بھی۔کچھ عرصہ قبل جب آپ نے اطلاع دی تھی کہ میرے تالیفوں کے فوٹو پاریس کی پاکستانی سفارت (۲۷۱) کے توسط سے ہمدرد کے دفتر کو بھیجے جائیں۔میں نے یہاں محترم سفیر صاحب کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ آیا انھیں ایسے کوئی احکام موصول ہوئے ہیں؟ سفارت سے تاحال کوئی جواب نہیں آیا۔

میں نے فوٹو کا کام شروع کر دیا ہے۔کام آسان نہیں بارہا سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ایسے بعض سوال میں نے محترم سفیر صاحب سے بھی کئے مگر جواب نہیں ملا۔

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۷)

۴/جولائی ۱۹۹۵ء

مخدوم و محترم زادمجدکم وعم نفعکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔کوئی دو ہفتے ہوئے کرم نامہ ملا تھا اس کی رسید مل گئی ہوگی۔مجھے شرمندگی ہے کہ جب کوئی کام ہوتا ہے تو زحمت آپ کو دینی پڑتی ہے۔

میرے مقالوں کی فوٹو کاپیاں نکلوائی جارہی ہیں لیکن یہاں کا سفارت خانہ مسلسل خاموش ہے۔میرا خرچ تو ہورہا ہے لیکن اس کی ادائی (۲۷۲) کب شروع ہوگی معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ جو فوٹو کاپیاں نکل چکی ہیں وہ کب تک میرے تنگ کمرے میں روز افزوں تنگی پیدا کرتی رہیں گی۔

آپ نے محمود عالم صاحب کا پتہ (۲۷۳) چلنے کا ذکر تو فرمایا تھا لیکن مجھے وہ پتہ نہیں دیا۔اور موصوف نے تاحال کچھ خود لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔

Marfat.com

مکان میں سب کو سلام فرمائیں۔ کار لائقہ سے یاد فرمائیں۔ خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت سے ہوں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۸)

۲۴۔۷۔۱۹۹۵ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ آج ایک کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ایک بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔ میرے مطبوعہ کتب و مقالات کی جلد غائب (۲۷۴) ہو گئی ہے۔ نہ معلوم کس نے لیا ہے کیا آپ کے پاس اس کی نقل ہے؟ اگر ہے تو براہ کرم مجھے اس کی ایک فوٹو کاپی فوراً میرے مصارف پر بھجوائیں۔

میرے مصارف فوٹو کاپی اب تک کتنے ہوئے ہیں۔ وہ نوٹ کر رہا ہوں۔ فکر نہ کیجئے۔ مصارف ترسیل شاید کچھ بھی نہ ہوں گے۔ میں فوٹو کے بنڈل (۲۷۵) سفارت خانے کو دے دوں گا اور وہ آپ کو بھجوا دیں گے۔

مقالوں کی تعداد ہزار بھر ہو گی۔ کتابوں کی تعداد کئی سو ہے۔ اس وقت پریشان ہوں۔ یہ سرسری جواب ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۲۹)

۱۴۱۶ھ

مخدوم و محترم واہالی زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا ایک تازہ خط ملا ہے اسی کے پہلے صفحے کی فوٹو کاپی پر جواب لکھ رہا ہوں۔ میں نے عطاء اللہ کو لکھا ہے کہ میرے مقالات کی فہرست کی نقل (۲۷۶) بھیجیں۔ کتنے صفحے ان کے پاس ہیں معلوم نہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کے ہاں

Marfat.com

میرے مقالات اور کتابوں کی فہرست نہیں ہے غلط فہمی میں رہا۔ معلوم نہیں میری ذاتی فہرست کس کے ہاں ہے۔ میں نے خود وہ کسی کو نہیں دی۔

یہ موجودہ صورت حال ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں علالت کے باعث شفا خانے میں بھی رہا۔ ایک مرتبہ مسلسل چار مہینے (۲۷۷)۔ ۱۳۲۶ھ، ۱۹۰۸ء کی ولادت۔ اور یہاں مکان میں (بلکہ ملک میں) تنہا ہوں۔ اللہ کی مرضی ہے کہ اسلام کی خدمت یہاں کریں۔ بات یہ ہے کہ یہاں کتب خانے اچھے ہیں جو پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں میں نہیں۔

اور کیا عرض کروں خدا اور اہالی سب کو خیر و عافیت سے رکھے۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۱۳۰)

۱۱/اکتوبر ۱۹۹۵ء

محترم مظہر ممتاز صاحب و اہالی کان اللہ معکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا ۲۵/ستمبر کا کرم نامہ ابھی ابھی آیا ہے۔ دلی شکریہ۔

میرا پاکستان میں آبسنا بے معنی چیز ہے۔ میری اپنی تالیفیں سات زبانوں میں ہیں اور یوں مزید کئی زبانیں پڑھ لیتا ہوں۔ پاکستان میں ان زبانوں کی مطلوبہ تالیفیں مل نہیں سکتیں۔

ہمدرد یونیورسٹی کے لئے کئی سو مقالوں کے فوٹو (۲۷۹) لے چکا ہوں۔ میری اپنی پرائیویٹ فہرست مطبوعات میں ۹۵۰ مقالے مندرج ہیں اور ۱۷ کتابیں ہیں جن میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ میں صرف شریک مولف ہوں۔ آپ فرما رہے ہیں کہ مزید فوٹو کاپیاں (۲۸۰) نہ نکالوں۔ اگر حکیم صاحب کا یہ حکم ہے تو بسر و چشم۔ لیکن انجام دادہ کام پر کچھ رقم مجھے بھجوا (۲۸۱) سکیں تو ممنون ہوں گا۔ میری مالی حالت ان دنوں بہت کمزور ہے۔ کچھ دیگر مصیبتیں بھی ہیں۔

Marfat.com

مکان میں سب کو میرا ناچیز سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

چار مزید خطوط (جو ارمغان میں شائع نہیں ہوئے تھے)

(۱)

۱۸/ جمادی الآخرا ۱۴۰۱ھ

4, Rue de Tournon

7500 6-Paris/France

محترمی

سلام مسنون۔ آپ کا ۱۲/ ماہ رواں کا خط کل پہنچا۔ شکریہ۔ اس سے پہلے مجھے کبھی آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔

فرانس میں بے روزگاری کی کثرت کے باعث قانون بنا ہے کہ ہر سال غیر ملکی مزدوروں میں سے بیس ہزار کو جبراً وطن واپس جانے پر مجبور کیا جائے۔

میں ایسے کسی قاعدے سے واقف نہیں کہ طلبہ کو محدود مدت کی ملازمتیں دی جا سکتی ہیں۔

میرا کسی عرب سفارت سے دور کا بھی تعلق نہیں (۱)۔ واحد طریقہ یہ ہے کہ ہمارے دوست ایک درخواست اپنی صلاحیتوں کے ساتھ لکھ کر مختلف سفارتوں کو بھیجیں اور جواب کا انتظار کریں۔

مثل ہے: نیکی اور پوچھ پوچھ؟ کتاب حضرت عائشہؓ (۲) کے ضرور ترجمے کرائیں اور چھپائیں۔ خدا برکت دے۔

سب رشتہ داروں کو سلام۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۲)

4, Rue de Tournon

Paris-6/France

۲۶ رجب ۱۴۰۷ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزشتہ جمعہ کو خورشید صاحب نے آپ کا خط (۱) تو نہیں، ایک پیام اپنے ایک دوست کے ذریعے سے بھجوایا کہ آپ میری کسی کتاب سے اپنا سلسلہ نشریات شروع کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ کچھ سمجھ میں آیا نہ پیام رساں سمجھا سکے۔ آج آپ کا کرم نامہ راست آیا ہے۔ شکر گزار ہوں۔

میرے پاس نہ کوئی کتاب تیار اور ناشر کے انتظار میں ہے اور نہ دنوں، ہفتوں میں تیار ہوسکتی ہے۔ میری فرانسیسی سیرت النبیؐ اور ترجمہ قرآن گویا ابھی مطبع ہی میں ہیں اور سیرت کا نیا انڈیکس بھی مکمل نہیں ہوسکا ہے۔ غرض میری مشغولیت کم نہیں ہوئی ہے کہ کوئی نیا کام سر لے سکوں۔

کتاب سیرت کو اسلام آباد کا ادارہ تحقیقات اسلام چھاپنے کی اجازت لے چکا اور ترجمہ کرا رہا ہے۔ میرے پاس ترجمے کے انتظامات وامکانات بالکل نہیں ہیں۔

آپ ان کتابوں کو تو چھاپ نہیں سکتے جو دوسرے لوگ چھاپ رہے ہیں بجز ان کی اجازت کے۔ مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ایک نئی کتاب بن جائے اس میں کوئی امر مانع نہیں لیکن انتخاب میں نہیں کرسکتا۔ دم آخر ایک نظر ثانی بھی کرنی چاہئے۔ بعض وقت طباعت کی غلطیاں بھی ہوا کرتی ہیں۔

بہر حال آپ نے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۳)

۷/ جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ

محترمی زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کرم نامہ ملا۔ شکرگزار ہوں۔

مجھے بالکل یاد نہیں کہ عبدالرشید صاحب (۱) کا مقالہ کیا چیز ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ جنت نصیب لوگوں کی کتابوں میں حذف واضافہ کرے۔ مجھے معاف فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

(۴)

۱۱/ ربیع الانور ۱۴۱۰ھ

4, Rue de Tournon

Paris-6/France

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ خیر وعافیت کا طالب۔ کل شام کی ڈاک سے تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

آپ کے سوال پر عرض ہے کہ میری تاریخ ولادت (۱) چہارشنبہ ۱۶/ محرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹/ جنوری ۱۹۰۸ء ہے۔ خطبات بہاولپور کے طبع قدیم میں طباعتی غلطی تھی۔ تازہ اسلام آباد والے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔

آپ کے گزشتہ خط کا اس کے وصول ہوتے ہی جواب گزران چکا ہوں۔ ڈاک کی سست خرامی میرے بس کی چیز نہیں۔

اگر مناسب ہو تو ذیل کا خط اپنی طرف سے کہانی ڈائجسٹ (۲) کو بھجوادیں کہ میرے پاس اس کا پتہ نہیں ہے:

میں نے آپ کے اگست وستمبر ۱۹۸۹ء کے کچھ اوراق پیرس حمید اللہ صاحب کو بھیجے تھے وہاں سے شکریے کی رسید کے ساتھ یہ اطلاع بھی آئی ہے کہ ''ایک کثیر جہتی شخصیت''

Marfat.com

عنوان کا مضمون میرے ''دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت (بہادر خاں)'' مطبوعہ امرداد ۱۳۵۷ھ مطابق جون ۱۹۴۸ء سے جو رسالہ روح ترقی میں چھپا تھا، ماخوذ ہے مگر مندرجات میرے نہیں ہیں۔ ایڈیٹر نے شاید خود اس کا خلاصہ کرلیا ہے۔ اوپر جو نوٹ ہے کہ میں نے وہ مضمون رسالہ کہانی ڈائجسٹ کو بھیجا ہے، وہ بھی صحیح نہیں۔ عنوان پر ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)'' الفاظ کو گویا فوٹو لے کر چھاپا گیا ہے، وہ بھی فرضی ہے۔ میں ''پیرس'' کبھی نہیں لکھتا بلکہ ''پاریس''۔ اور خود کو کبھی ''ڈاکٹر'' نہیں لکھتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز فوٹو (۳) ہے۔ وہ ایک جرم بھی ہے اور ایک گناہ بھی۔ جرم اس معنی میں کہ وہ میری اجازت بلکہ اطلاع کے بغیر چھپ کرلیا گیا ہے۔ گناہ اس معنی میں کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث کئی بار دہرائی گئی ہے: ''اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون''۔ انھیں چاہئے کہ توبہ کریں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسے کام نہ کریں۔

شہاب الدین یداللّٰہی صاحب کے مضمون میں بھی تاریخی غلطیاں ہیں۔ کالم سوم میں لکھا کہ حکومت نے جاگیر اور دیگر اعزازات واپس لے لئے، یہ غلط ہے۔ خود بہادر یار جنگ (۴) سے سنا ہوا بیان یہ ہے کہ انھوں نے خود ہی یہ حضور نظام کو واپس کئے۔

خدا آپ کو اور اہل خاندان کو خیر و عافیت سے رکھے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

Marfat.com

حواشی

(۱) ڈاکٹر صاحب نے قرآن کے مترجمین کے کیٹلاگ کی اطلاع دی کہ نیشنل یونین کیٹلاگ کی کئی سو جلدیں ہیں لیکن نہ تو کراچی کی امریکن لائبریری میں مجھے ملے نہ ہی لیاقت لائبریری میں۔

(۲) میرے ہم زلف ڈاکٹر سیّد معین الحق صاحب، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری تھے ان کی دوسری بیوی ممتاز معین صاحبہ میری سالی ہیں، ان کو سلام و آداب پہنچانے کے لئے مجھے لکھا تھا جو کہ میں نے پہنچادی کیونکہ ان کا گھر میڈی کیئر ہاسپٹل کے سامنے والی گلی میں ہے جو کہ میرے گھر کے قریب ہے۔

(۳) ڈاکٹر صاحب نے کیٹلاگ کے سلسلے میں مزید یہ اطلاع دی کہ کانگرس لائبریری امریکا سے اس کا تعلق ہے اور اس کی چھ سو جلدیں ہیں اور ہر مہینے اس کی پانچ سو صفحات کی ایک جلد شائع ہوتی ہے۔ اس طرح کیٹلاگ ہزاروں صفحات میں چھپ چکا ہے۔

(۴) ڈاکٹر صاحب اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے بعد جرمن زبان میں قرآن کا ترجمہ کررہے تھے۔ مصروفیت کی وجہ سے صرف چھٹے پارے سورۂ انعام تک ہی کر سکے۔

(۵) پروفیسر احمد علی صاحب نے قرآن کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا تھا۔ اس کی افتتاحی تقریب شیرٹن ہوٹل میں ہوئی تھی۔ جناب اے کے بروہی ایڈوکیٹ نے صدارت کی تھی۔ اس موقع پر بروشر بھی نکالا گیا تھا اور دوسرے دن اخبارات میں رپورٹنگ بھی کی گئی تھی۔ میں نے سب کچھ بھجوادیا تھا جس کا شکریہ ادا کیا ہے۔

(۶) اخبار جنگ لاہور میں یہ خبر چھپی تھی کہ انڈیا کے صوبے راجستھان کے محمد اکرم صاحب نے راجستھانی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ میں نے اس کے تراشے بھجوائے تھے کیونکہ ڈاکٹر صاحب قرآن کے ترجموں کو جمع کررہے تھے۔ اس کے لئے بھی شکریہ ادا کیا ہے۔

(۷) مجھے افسوس تھا کہ اتنے بڑے عالم دین اور اسکالر کی سوانح عمری اب تک (اس وقت تک) لکھی نہیں گئی تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ سوانح عمری لکھوانی چاہئے جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے اس کام سے اپنی نفرت کا اظہار کیا ہے اور خاص طور پر لفظ چڑھ استعمال کیا ہے۔ لیکن مختصراً اطلاع دی کہ وہ کب پیدا ہوئے اور حیدرآباد دکن میں ہی تعلیم حاصل کی (مدرسہ دارالعلوم سے لے کر عثمانیہ یونیورسٹی تک) اور اب فرانس میں مقیم ہیں۔ مقیم ہونے کی وجہ نہیں لکھی۔ وہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں اس ڈیلی گیشن میں شامل تھے جو ریاست حیدرآباد کی شکایت UN میں داخل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان دنوں پیرس میں UN کا اجلاس ہورہا تھا ابھی پہلی شکایت Agenda پر آئی ہی تھی کہ حیدرآباد کا سقوط ہوگیا اور حکومت نے ڈیلی گیشن کو واپس بلالیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے غلام حیدرآباد کو واپس جانا پسند نہیں کیا اور پیرس کے اسی فلیٹ میں مقیم ہوگئے جہاں طالب علمی کے زمانے میں رہا کرتے تھے۔

(۸) میں نے ڈاکٹر ابوالفضل صاحب کے قرآن کے ترجمے کا ذکر کیا تھا جو پہلی دفعہ ترتیب نزولی کے مطابق کیا گیا تھا۔ پھر بعد میں لوگوں کے اعتراض پر موجودہ ترتیب سے ترجمہ شائع کیا۔ یہ الٰہ آباد کے رہنے والے

Marfat.com

تھے۔ کچھ دنوں بمبئی کے انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا میں بھی ملازمت کی تھی اور بعد میں حیدر آباد آ کر مقیم ہو گئے اور ہومیو پیتھک کا دواخانہ کھول لیا جو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے گھر کے قریب واقع تھا۔ ترپ بازاران کے محلے کا نام ہے ڈاکٹر صاحب بھی اسی محلے کے دوسری طرف رہا کرتے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے واقفیت سے انکار کیا ہے حالانکہ وہ مترجمین سے مل کر خوش ہوا کرتے تھے اور کوائف جمع کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ اعتراف ضرور کیا ہے کہ وہ پروف ریڈنگ کرتے تھے۔ مولانا ابو محمد مصلح صاحب نے ایک مذہبی رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے نام سے نکالا تھا۔ اس رسالے کے معاون مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی تھے۔ بعد میں یہ رسالہ مودودی صاحب نے خرید لیا اور وہ اب تک لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

(۹) میں نے لکھا تھا کہ پروفیسر احمد علی (افسانہ نگار، ''دلّی کی شام'' کے مصنف) نے انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ ترجمہ بھجوانا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے ارسال کرنے سے منع کیا تھا۔ وجہ نہیں لکھی کہ ترجمہ کیوں نہ بھجواؤں۔

(۱۰) میں نے میدان حشر کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ کس طرح لوگ جمع ہوں گے اور اللہ کے حضور کس طرح جوابات دیں گے اور یہ کتنے عرصے تک سلسلہ جاری رہے گا۔ کیا وہ بغیر غذا کے زندہ رکھے جائیں گے یا جنت کے میوے کھانے کو دیئے جائیں گے۔ غرض اس قسم کے سوالات کئے تھے جس پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ ان کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خدا کے اسرار ہیں اور عالم غیب کے معاملات ہیں۔ حالانکہ بعض علماء دین نے اس کے بارے میں خیال آرائی کی ہے۔

(۱۱) ڈاکٹر صاحب نے ۱۲ تقاریر بہاولپور یونیورسٹی میں کی تھیں جس کے ابتدائی دو ایڈیشن خود بہاولپور یونیورسٹی نے شائع کئے تھے لیکن ان میں اغلاط زیادہ رہ گئی تھیں اس لئے اس کا نیا ایڈیشن اسلام آباد کے ادارۂ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی نے شائع کیا تھا جس کی نظر ثانی ڈاکٹر صاحب نے کی تھی ترمیم و اضافہ کے ساتھ۔

(۱۲) ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنے کے بعد جرمن زبان میں بھی ترجمہ کرنا شروع کیا تھا لیکن وہ اپنی علمی مصروفیتوں کی وجہ سے صرف چھٹے پارے سورۂ انعام تک ترجمہ کرنے کے بعد آگے نہ کر سکے تھے۔

(۱۳) میں نے معلوم کیا تھا کہ قرآن کا دنیا کی کتنی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ جواب میں لکھا ہے کہ چار پانچ سو صفحوں کی کتاب لکھنی ہوگی۔ عجیب اتفاق ہے کہ انہی دنوں قرآن کے تراجم کے بارے میں ایک کتاب بہ نام World Bibliography of Translation of the Holy Qur'an استنبول کے ادارے IRCICA نے شائع کی تھی۔ اس ادارے کے ڈائریکٹر جنرل جناب اکمل الدین احسان اوغلو صاحب نے اس کو ترتیب دیا تھا۔ میری خوش نصیبی کہ میں نے جناب اوغلو صاحب کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے حوالے سے خط لکھا تو انھوں نے مجھے وہ ہزار صفحات کی کتاب بھجوادی۔

(۱۴) میں نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اپنی تمام کتابوں پر تعارفی نوٹ یا تبصرے، میرے دوست محی الدین

Marfat.com

خورشید صاحب کو لکھوا دیا کریں وہ ان کی سہولت کے وقت آجایا کریں گے۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے منع کر دیا۔ محی الدین خورشید صاحب کا قیام ان دنوں پیرس میں تھا۔

(۱۵) ڈاکٹر صاحب نے قرآن کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں شائع کیا تھا تو اس کی مانگ اتنی بڑھی تھی کہ کئی ایڈیشن نکلے۔ ڈاکٹر صاحب نے پندرھویں ایڈیشن کا ذکر کیا ہے۔ ایڈیشن کی تعداد نہیں لکھی مگر ڈاکٹر صاحب کے رشتہ دار ڈاکٹر یوسف الدین نے حیدرآباد سے خط لکھ کر مجھے بتایا تھا کہ ہزاروں کی تعداد میں چھپتا تھا اور فرانسیسی زبان کے بولنے والے ممالک میں اس کی ترسیل زیادہ تھی خاص کر نائیجیریا میں۔ ڈاکٹر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر بھی فرانسیسی زبان میں کتاب لکھی تھی اس کی تشہیر بھی زیادہ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ اس کا پانچواں ایڈیشن تیار کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی عادت تھی کہ وہ ہر ایڈیشن کے وقت نظر ثانی ضرور کرتے تھے۔

(۱۶) ڈاکٹر صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن اور سیرت طیبہ کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ وہ ابھی تک پروف ریڈنگ کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب پروف ریڈنگ پر ہمیشہ زیادہ زور دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ پڑھنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے یہ استدعا کی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی کتاب اشاعت کے لئے تیار ہو تو میں اس کی اشاعت کا انتظام کر سکتا ہوں مگر ڈاکٹر صاحب نے منع کر دیا بلکہ مشورہ دیا کہ خود تالیف کر لوں۔

(۱۷) میں نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا تھا کہ امام الماوردی کی کتاب الامثال کو دوبارہ شائع کرنا چاہتا ہوں، پیش لفظ لکھ دیں۔ دراصل میرے دوست ڈاکٹر عبدالرشید حیدرآبادی صاحب نے امثالِ قرآنی پر مقالہ لکھ کر سندھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اور اس کتاب کا ترجمہ بھی انھوں نے انگریزی میں کیا تھا عربی سے، اور عربی چونکہ قدیم تھی اس لئے کراچی لاہور کے عالم دین اور اسکالروں نے اس کی تشریح اور ترجمہ اردو میں کرنے سے انکار کر دیا تھا صرف مولانا ابوالجلال ندوی صاحب جو ملیر کالونی میں رہتے تھے وہ راضی ہو گئے اور جناب رشید صاحب ان کے گھر جا جا کر کئی مہینوں تک اس کا ترجمہ اور تشریح نوٹ کرتے رہے اور پھر سندھ یونیورسٹی کو انگریزی میں ترجمہ کر کے مقالہ پیش کیا اور کوئی چار سال کی جدوجہد اور محنت کے بعد ان کو ڈگری ملی۔ یہ بات بڑی دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ اردو کے شاعر جناب ثناء اللہ میراجی بھی اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کرا کر شائع کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے پہلی دفعہ قرآن کی امثال پر لکھنے پر زور دیا تھا۔ اس بات کا ذکر میں نے اپنے ایک مضمون ''میراجی کے مشن'' رسالہ ہم قلم کراچی جنوری ۱۹۶۱ء میں کیا تھا۔

(۱۸) میں انگریزی میں ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا قرآن کے مترجمین کے بارے میں جو مختلف زبانوں میں کر چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے قطر (دوحہ) کی ایک انجمن کا پتہ لکھا تھا جس کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر حسن المعاریجی صاحب ہیں۔ میں نے ان کو خط لکھا تو انھوں نے برائے مہربانی قرآن کے مترجمین کی کتاب مجھے بھجوادی۔ انگریزی اور عربی زبانوں میں شائع ہوئی تھیں۔ اس کتاب میں مترجمین کے کوائف مختصر طور پر دیئے گئے تھے جو میرے لئے بہت کام آئے۔ میں نے اس کتاب کی مدد سے اور انسائیکلوپیڈیا و دیگر کتابوں کی مدد

Marfat.com

سے ایک مضمون کراچی کے انگریزی رسالے مسلم ورلڈ میں ۱۹۸۵ء میں لکھا تھا جو کئی اشاعتوں میں چھپتا رہا۔

(۱۹) ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب: فرانسیسی ترجمۂ قرآن کا حوالہ دیا ہے جو ۱۹۸۹ء میں چھپ رہی تھی کہ اس میں مترجمین کے نام اور کوائف دیئے گئے ہیں ان کو چاہوں تو اپنے مضمون میں حوالہ کے طور پر استعمال کر سکتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک اور اسکالر Spark Hurgroy کا نام بھی دیا ہے کہ اس نے بھی قرآن کے مترجمین کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کے دیئے گئے اقتباسات بھی اپنے مضمون میں دے سکتا ہوں۔

(۲۰) میں نے ڈاکٹر صاحب سے محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ حکومت کر سکتی ہیں کہ نہیں۔ جواب میں لکھا کہ عورت کی حکمرانی صرف جائز ہے واجب اور مستحب نہیں ہے۔ اگر ووٹ دینے والے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں تو وہ ضرور انتخاب کر سکتے ہیں۔

(۲۱) ڈاکٹر صاحب نے عورت کی حکمرانی کے سلسلے میں اختلاف رائے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو اپنی رائے رکھنے کا حق ہے اور وہ دوسرے علماء دین کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ اور ضروری نہیں یہ علماء بھی ڈاکٹر صاحب کی رائے کے ساتھ اتفاق کریں۔ بعض علماء نے عورت کی حکمرانی کے خلاف لکھا تھا اور بعض نے موافقت میں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنی رائے پر قائم ہیں اور علماء کو بھی حق ہے کہ وہ اپنے رائے رکھیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ دونوں خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

(۲۲) ڈاکٹر صاحب سے میں نے پوچھا تھا کہ جرمن زبان میں کتنے مترجمین کے کوائف مل سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا تھا کہ اس سلسلے میں ان کی کوئی باقاعدہ تحقیق نہیں ہے البتہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے میں ساٹھ (۶۰) جرمن مترجمین کا ذکر کیا ہے۔ مجھے فرنچ ترجمہ قرآن نہ مل سکا ورنہ اپنے مضمون میں ان تمام مترجمین کو شامل کر لیتا۔ میں نے جو فہرست دی ہے وہ میری اپنی تحقیق پر مبنی ہے (میرا مضمون مسلم ورلڈ کراچی میں ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا تھا)۔

(۲۳) ڈاکٹر صاحب نے جرمن مترجمین کے سلسلے میں مزید یہ لکھا کہ ۱۹۶۰ء میں جرمن مستشرق محترمہ آنماری شمل صاحبہ نے جرمن ترجمہ، ماکس ہینگ کا نیا ایڈیشن چھاپنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے ان کو مشورہ دیا کہ اس میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ محترمہ شمل صاحبہ نے ان کی بتلائی ہوئی غلطیوں کو درست کر کے نیا ایڈیشن چھاپا اور دیباچے میں اس بات کی صراحت کر دی کہ ڈاکٹر صاحب اس ترجمے کو جرمن زبان میں کئے ہوئے دوسرے تراجم سے بہتر سمجھتے ہیں۔

(۲۴) ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نیو یارک (امریکا) میں چھپ رہا ہے۔ یہ ۱۵واں ایڈیشن ہوگا۔

(۲۵) میں نے عورت کی حکمرانی کے بارے میں اخبارات میں چھپے ہوئے مضامین کا بنڈل بھجوایا جس میں موافقت اور اختلاف رائے کا ذکر تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا شکریہ ادا کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ۸۴ سال کے ہو گئے ہیں اور دنیا کی عملی اور علمی دلچسپی سے دور ہو گئے ہیں۔

(۲۶) ڈاکٹر صاحب کے یہ لکھنے پر کہ وہ ۸۴ سال کے ہو چکے ہیں اور علمی کام نہیں کر سکتے، میں نے یہ تجویز لکھی

Marfat.com

تھی کہ ڈاکٹر صاحب اپنی سوانح حیات میرے دوست کو Dictate کراتے رہیں لیکن اس پر وہ راضی نہیں ہوئے بلکہ یہ جملہ لکھ کر خاموش کر دیا کہ کسی زندہ شخص کے حالات کے بارے میں کام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آزادیٔ فکر نہیں رہتی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ فکر ان کی طبیعت اور مزاج کو ظاہر کرتی ہے۔

(۲۷) میں نے کوئی چار مہینے بارہ دن کے بعد خط لکھا تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب مارچ میں بیمار تھے، دو ہفتوں کے لئے خط لکھنے سے منع کرنے کی وجہ یوں لکھی ہے کہ مجھ پر جواب ہی کا مزید بار ڈالیں گے اور تھکائیں گے۔ یہ منطق ان کی رہتی تھی حالانکہ خط لکھ کر مزاج پرسی کرنا ہر ایک کا فرض ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خط کا جواب فوری طور پر نہ دیا جائے۔

(۲۸) ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب القران فی کل لسان، حیدر آباد میں چھپی تھی میرا خیال تھا کہ امریکہ سے بھی چھپی ہوگی۔ اس کے بجائے ڈاکٹر صاحب نے حضرت عثمان غنیؓ کے اس نسخے کا ذکر کیا ہے جو آپ کی شہادت کے وقت زیر نگین تھا۔ یہ نسخہ روس میں (تاشقند) سے چھپا تھا۔ اسی نسخے کو دوبارہ مرتب کر کے، زیر زبر کے ساتھ، تمام اعراب کو دوبارہ لکھ کر (کیونکہ نسخے میں اعراب نہیں تھے) فلاڈلفیا امریکا سے شائع کرایا تھا۔ یہ نسخہ عثمانی ان کے رشتہ دار ڈاکٹر عبدالخالق احمد صاحب نے شائع کیا تھا اور اس کا ہدیہ سوڈالر رکھا تھا۔

(۲۹) ڈاکٹر صاحب ایک عرصے سے سورۂ فاتحہ کے مختلف زبانوں میں ترجمے جمع کر رہے تھے چنانچہ اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ترجمہ بھجوائیں۔ مترجم کا نام اس کی تاریخ پیدائش اور جس مطبع سے شائع کیا گیا، مطبع کی جگہ اور شائع ہونے کی تاریخ کے ساتھ۔

(۳۰) ڈاکٹر صاحب نے میری غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ کوئی فرانسیسی اسکالر ڈاکٹر صاحب کی سوانح عمری پر کام نہیں کر رہا ہے۔ ان کی توضیح یوں کر دی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس وقت تک جتنے مضامین اور کتابیں لکھی تھیں۔ اس کا ایک ایک نسخہ ان کے پاس موجود ہے اور ان کی فوٹو کاپیاں وہاں (پیرس) کی انجمن طلباء اسلامی نکلوا رہی ہے۔ ہزاروں صفحات کی کاپیاں نکل چکی ہیں اور ابھی فوٹو کاپی کا کام جاری ہے۔

(۳۱) ڈاکٹر صاحب نے اپنے چھپے ہوئے مضامین کی مزید وضاحت کی ہے کہ حیدر آباد میں لکھے ہوئے مضامین حیدر آباد میں ہی رہ گئے البتہ فرانس کے قیام (۴۱ سال) کے زمانے میں لکھے گئے مضامین موجود ہیں ان کی فوٹو کاپی نکلوا رہے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ کتابیں الگ ہیں جن کی فوٹو کاپی نکلوانا باقی ہے۔

(۳۲) ڈاکٹر صاحب سورۂ فاتحہ کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ جمع کر رہے تھے تا کہ القرآن فی کل لسان کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو سکے۔ وہ کوئی ڈیڑھ سو زبانوں میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ جمع کر چکے تھے اور مزید جمع کرنا چاہتے تھے۔

(۳۳) یہ پہلا خط ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ اس وقت کوئی اور کام ٹائپ رائٹر پر کر رہے تھے اس لئے انھوں نے مجھے بھی انگریزی میں خط لکھ دیا ورنہ وہ عموماً اردو میں ہی خط لکھا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جناب طارق منیر صاحب کا ذکر کیا ہے۔ یہ اڈنبرا (اسکاٹ لینڈ) میں

Marfat.com

لیکچرار تھے اور ڈاکٹر صاحب سے نماز کے اوقات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو ان کے اوقات نماز کے بارے میں اختلاف تھا ان سے بہت گہرے سوالات کئے جن کا تعلق ریاضیات اور علم ہیئت سے تھا۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اپنا بنایا ہوا اوقات نماز کا چارٹ ان کو دکھلا کر قائل کر دیا اور وہ مطمئن ہو کر اڈنبرا واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر طارق منیر صاحب کا تعلق دکن حیدر آباد سے ہے۔ وہ کئی سالوں سے اڈنبرا یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں۔

(۳۴) میں نے ڈاکٹر طارق منیر صاحب کا پتہ معلوم کیا تھا۔ خط کے ابتداء میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ ان کا پتہ نہیں مل رہا ہے۔ خط کے آخر میں لکھا کہ خط بند کرنے سے قبل آپ کی کرامت سے پتہ مل گیا۔ ڈاکٹر صاحب زیر لب کبھی کبھار مزاح کے جملے بھی لکھ دیتے تھے۔ کرامت کا لفظ لکھ کر انھوں نے اس کا ثبوت دیا ہے۔ میں نے ڈاکٹر طارق منیر صاحب سے خط و کتاب شروع کر دی۔ انھوں نے وہ مضمون بھی بھجوایا جو حیدر آباد دکن کے اخبار سیاست میں ۱۰ ستمبر ۱۹۸۹ء میں چھپا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا ذکر ہے۔

(۳۵) میں نے ڈاکٹر احمد عبدالخالق صاحب کا پتہ معلوم کیا تھا اور نام اکبر احمد لکھ دیا تھا جو غلط تھا ڈاکٹر صاحب نے اپنے مخصوص مزاح کے انداز میں لکھا کہ وہ اکبر احمد نامی کسی شخص سے واقف نہیں پھر خود ہی تشریح کر دی کہ یہ احمد عبدالخالق ہیں اور ان کی بھانجی کے لڑکے ہیں اور فلاڈلفیا میں مقیم ہیں۔ مزید یہ کہ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے نام پر حمید اللہ لائبریری قائم کی اور ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کو جمع کیا ہے۔ کتابوں کی فہرست بھی شائع کی ہے۔

(۳۶) میں نے ڈاکٹر سید معین الحق صاحب کے انتقال کی خبر پہلے خط میں لکھی تھی۔ دوسرے خط میں اخبارات کی رپورٹنگ بھجوائی تھی جس کا ڈاکٹر صاحب نے شکریہ ادا کیا ہے۔ اور ڈاکٹر معین الحق صاحب کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کے لئے خدا سے دعا کی ہے کہ ان کو جنت میں اعلیٰ درجات نصیب کرے۔

(۳۷) ڈاکٹر صاحب نے میری سالی صاحبہ محترمہ ممتاز معین کو تعزیتی خط لکھ کر اپنی رشتہ داری کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ یہ رشتے داری دور کی ہے۔ میری سالی صاحبہ کے پھوپھیرے بھائی جناب اعظم صاحب کی بیوی سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے رشتے دار جناب غلام محمد صاحب کا رشتہ تھا اور مدراس میں ان کا بڑا اسٹور تھا جس کے جلنے کے بعد وہ (غلام محمد صاحب) حیدر آباد آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ اور پھر کراچی آ کر ملیر کالونی میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جب کراچی آتے تھے ان سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔

(۳۸) ڈاکٹر صاحب سورۂ فاتحہ کے ترجمے کو جو مختلف زبانوں میں کئے گئے تھے، جمع کر رہے تھے۔ اس خط سے یہ اطلاع دی ہے کہ وہ مسودہ مکمل ہو گیا تھا اور وہ غائب ہو گیا یا گم ہو گیا جس کا ڈاکٹر صاحب کو بے حد افسوس ہے اور لکھا ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی کیونکہ بڑی محنت، لگن اور شوق سے ڈاکٹر صاحب نے سورۂ فاتحہ کے ترجمے جمع کئے تھے۔

(۳۹) ڈاکٹر صاحب سے میں نے سوانح عمری لکھنے کا ذکر کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے صرف مختصر طور پر اتنا لکھا ہے کہ وہ قاضی بدرالدولہ کے پوتے ہیں اور جناب خلیل اللہ مرحوم کے بیٹے ہیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب کا خاندان۔ خاندان نوائط کہلاتا ہے۔ مدراس میں قاضیوں کے خاندان سے مشہور ہے۔

(۴۰) ڈاکٹر صاحب نے میرے ہم زلف ڈاکٹر سید معین الحق صاحب کے انتقال پر تعزیتی خط میری سالی محترمہ ممتاز معین صاحبہ کو لکھا تھا مگر میں نے لکھا تھا کہ اس وقت تک کوئی تعزیتی خط میری سالی صاحبہ کے گھر نہیں ملا ہے حالانکہ پتہ آسان ہے اور خطوط تو ڈاکیہ صرف نام لکھنے پر بھی دے جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو خطوط کی زیادہ فکر رہتی تھی نہ ملنے پر وہ پریشان ہو جاتے تھے۔

(۴۱) ڈاکٹر صاحب سورۂ فاتحہ کا مختلف زبانوں میں ترجمہ جمع کر رہے تھے۔ القرآن فی کل لسان کے عنوان سے، اس سلسلے میں لکھا ہے کہ ۱۳۶۶ ہجری تک تلنگی زبان میں جنھوں نے ترجمہ کیا تھا ڈاکٹر صاحب کو صرف تین نام یاد رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے دو اور ناموں کی اطلاع ملنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ دو نام (۱) T.H.Piran Nizam (۲) شیخ حمید اللہ شریف ہیں۔ لیکن ان دونوں نے مکمل ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ دونوں نے اردو سے تلنگی میں ترجمہ کیا ہے چند آیتوں کا۔

(۴۲) تلنگی کے ایک مترجم قرآن جناب قاسم خان صاحب کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ ان سے ملاقات تھی۔ وہ ۱۹۵۲ء میں انتقال کر گئے تھے۔ انھوں نے صرف 9 پاروں کا ترجمہ کیا تھا۔ آج کل کراچی میں ان کے چھوٹے بھائی جناب عبدالغفور خان صاحب اسی تلنگی تفسیر کا انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں اور اس کی چھپائی کے لئے کوشاں ہیں۔ انگریزی میں یہ تفسیر کوئی تین سو صفحات کی ہوگی۔

(۴۳) میں نے معلوم کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے اب تک کل کتنے مضامین لکھے ہیں؟ اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ کل مضامین ایک ہزار ہوں گے اور یہ بھی سات مختلف زبانوں میں ہیں اور ترتیب دی جائے تو کل دس جلدوں میں یہ مضامین آئیں گے۔

(۴۴) میں نے لکھا تھا کہ میرے ہم زلف ڈاکٹر سید معین الحق صاحب مرحوم پر ایک مضمون لکھیں۔ اس کے جواب میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ زیادہ واقف نہیں ہیں۔ ان کی دوستی رسالے کی وجہ سے تھی کیونکہ ڈاکٹر معین الحق صاحب ہسٹاریکل سوسائٹی کی طرف سے ایک رسالہ Pakistan Historical Society Journal کے نام سے شائع کرتے تھے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب بھی کبھی کبھار لکھا کرتے تھے (انھوں نے تعداد نہیں لکھی۔ مجھے معلوم ہوا ہے انھوں نے کل چھ مضامین مختلف عنوانات کے تحت لکھے تھے)۔

(۴۵) میں نے حکیم محمد سعید صاحب کو لکھا تھا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مضامین کی اشاعت کے لئے راضی ہو گئے ہیں بلکہ وہ ان کی اشاعت کو عزت افزائی سمجھ رہے ہیں۔

(۴۶) ڈاکٹر صاحب نے جناب احمد خان صاحب کو مراسلہ (خط) بھجوایا تھا۔ ان کو تشویش تھی کہ ان کو خط ملا کہ نہیں۔ میں نے احمد خاں صاحب سے معلوم کیا تو انھوں نے بتلایا کہ خط بھی ملا اور بستہ بھی جس میں مضامین کی فوٹو کاپی تھی۔

(۴۶) میرے کہنے پر حکیم محمد سعید صاحب نے حامی بھر لی تھی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے کل مضامین کا مجموعہ شائع کریں گے اور ان کی تمام کتابوں کی فوٹو کاپی ہمدرد لائبریری میں رکھوائیں گے۔ اس کے لئے حکیم سعید

Marfat.com

صاحب نے اخراجات کے لئے چیک بھجوانے کا ذکر مجھ سے کیا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ حکیم سعید صاحب یورپ کے دورے پر جارہے ہیں ان کا پروگرام پیرس میں جا کر آپ سے ملنا بھی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ حکیم صاحب پیرس نہیں گئے۔ غالباً پروگرام کی مصروفیتوں کی وجہ ہوگی۔

(۲۷) میں نے جناب محترمی ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے مضمون کا ذکر کیا تھا جس میں ڈاکٹر غازی صاحب نے علامہ محمد بن عمر واقدی کی کتاب الرّدہ ونبذة من فتوح العراق پر تنقید کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب میں لکھا ہے کہ ان سے ان کی تردید نہ کراؤں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب کے مقدمے میں ساری دلیلیں لکھ دی ہیں اور خلاصہ یہ کہ واقدی اتنا بدنہیں جتنا بدنام ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ واقدی کی کتابوں میں ایسی کوئی تحریر نہیں ملی جو اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو یا توہین پر مشتمل ہو۔ اب واقدی کی کتابوں پر علمائے کرام ہی تبصرہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا خیال لکھ دیا ہے۔

(۲۸) جناب عبدالصمد صاحب نے اپنی لائبریری سے چند نایاب کتابچے اور کتابیں مجھے بھجوائی تھیں انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے نور خان بازار (حیدر آباد دکن) میں ایک بڑے مکان میں کتابیں جمع کی تھیں۔ میں ۱۹۸۹ء میں ان کی لائبریری دیکھنے گیا تھا۔ کتابیں ابھی باقاعدہ الماریوں میں رکھی نہیں گئی تھیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں کیونکہ اکیلے وہ یہ کام کر رہے تھے۔ البتہ وعدہ کیا تھا کہ چند نایاب کتابیں اور کتابچے ضرور بھجواؤں گا۔ میں نے ایک کتابچے جس کو سیّد سعد اللہ قادری نے لکھا تھا اس کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے کیا تھا کیونکہ یہ نایاب نسخہ ہے اور ڈاکٹر صاحب کے خاندان نوائط کی ایک شاخ سے متعلق ہے جو کہ ماہم (بمبئی) میں آباد ہو گیا تھا۔ کتابچے میں علامہ المخدوم الفقیہ علاء الدین ابو الحسن علی بن احمد المہائمی ۸۲۵-۷۷۶ ہجری (۱۳۲۱-۱۲۷۲ء) کی تفسیر کا ذکر ہے۔ یہ تفسیر نایاب ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا البتہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خاندانی کتب خانے میں اس کا نسخہ مل جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب کا خاندانی کتب خانہ بھی نادر کتب خانہ ہے جس میں عربی، فارسی، اردو کے نایاب نسخے مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں جو کسی اور کتب خانے میں نہ مل سکیں۔ علامہ فقیہ علی المہائمی صاحب قبلہ کا ذکر رسالہ نقوش میں بھی کیا گیا ہے۔ اس کو مولانا ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی (علی گڑھ والے) نے لکھا ہے (شمارہ ۱۱۴ صفحہ ۲۷۴) برصغیر ہندو پاک میں سب سے پہلے اور عالم اسلام میں پہلی مرتبہ مکمل قرآن کی تفسیر، نظم و ترتیب کے اعتبار سے کی ہے جزیرہ ماہم (Mahim) بمبئی شہر سے تین 3 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہیں علامہ فقیہ علی بن احمد المہائمی کا مقبرہ بھی ہے جہاں عرس کے موقع پر لاکھوں لوگ زیارت کرنے آتے ہیں۔ ہر فرقے کے لوگ خاص کر دوسرے فرقوں کے حضرات وخواتین بلکہ بیرونی ممالک کے عقیدت مند زائرین بھی۔

(۲۹) میرے لکھنے پر حکیم محمد سعید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کو ہمدرد لائبریری میں جمع کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور ادھر ڈاکٹر صاحب خود پیرس میں اپنی کتابوں کی فوٹو کاپیاں نکلوا رہے تھے۔ یہ کام ان کے شاگرد کر رہے تھے۔ ابتدائی اخراجات خود ڈاکٹر صاحب اٹھا رہے تھے بعد میں ہمدرد کی طرف سے اخراجات کا

Marfat.com

چیک بھجوایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کو اپنی عزت افزائی لکھ رہے ہیں حالانکہ یہ ہمدرد لائبریری کی خوش نصیبی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تمام کتابیں لائبریری میں جمع ہو سکیں گی۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ فوٹو کاپی نکلوانے کا کام ادھورا رہ گیا۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۹۶ء میں بیمار ہو گئے اور محترمہ سدیدہ صاحبہ نے ہمدرد کا چیک واپس کر دیا۔ ایک بات ڈاکٹر صاحب نے یہ معلوم کی تھی کہ ان کی کون کون سی کتابوں کی فوٹو کاپیاں کرانے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمدرد میں بھی چند کتابیں موجود ہیں۔ یہ مسئلہ اس طرح حل کیا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس جتنا مواد موجود ہے ان کی فوٹو کاپیاں کروائیں۔

(۵۰) ڈاکٹر صاحب نے اس تبصرے کو پسند کیا تھا جو کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی کتاب جو کہ واقدی پر تھی کیا تھا کہ اصل مخطوطے کا تفصیل سے ذکر نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خاص بات ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں اور درست کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ لیکن اس دفعہ وعدہ کر لیا تھا مگر لکھا کہ نیا ایڈیشن چھپنے میں دیر ہو جائے گی۔ اب ناشر کا کام ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے وعدے کو پورا کرے جب وہ نیا ایڈیشن شائع کریں۔

(۵۱) میں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب ''قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں'' پر پیش لفظ لکھنے کی استدعا کی تھی اور میری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے دو صفحات کا تعارف لکھا تھا۔ ویسے عموماً ڈاکٹر صاحب کسی کی کتاب پر پیش لفظ نہیں لکھتے۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے پیش لفظ لکھا اور اچھا لکھا۔ پھر بھی پوچھتے ہیں کہ ''معلوم نہیں کیسا ہے''۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی انکساری ہے۔ ان کا ایک ایک لفظ ہمارے لئے باعث برکت ہے ان کا عام رویہ سے ہٹ کر پیش لفظ لکھنا ہی میرے لئے بڑا اعزاز تھا۔ البتہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب کو ان کے نام ''معنون'' کرنے سے منع کیا تھا۔ پھر میں نے اپنے تایا مرحوم جناب ڈاکٹر محمد شمس الدین قریشی صاحب کے نام معنون کیا۔

(۵۲) ڈاکٹر صاحب نے جو دیباچہ (پیش لفظ) میری کتاب پر لکھا تھا اس کی اطلاع ملنے پر اطمینان قلب کا اظہار کیا ہے کیونکہ ڈاک میں گم ہو جانے کی امید ہی کی جا سکتی ہے اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ محکمہ ڈاک کی ''مہربانی'' سے ڈاکٹر صاحب کے ضروری خطوط مجھے نہ مل سکے۔

(۵۳) ڈاکٹر صاحب نے میرے ہم زلف کے انتقال پر ایک مختصر سا مضمون لکھ کر بھجوایا تھا اس کی اطلاع میں نے دے دی تھی لیکن یہ مضمون ڈاک میں ذرا دیر سے آیا تھا مگر مل گیا تھا۔

(۵۴) جناب احمد خان صاحب (صدر مجلس بہادر یار جنگ اکیڈیمی) اور جناب ڈاکٹر سید معین الحق صاحب نے مجھ سے کہلوایا تھا کہ یہ معلوم کروں کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مختلف زبانوں میں مضامین کی تعداد کتنی ہے اور ہر مضمون کتنے صفحات پر لکھا ہوا ہے جس پر یہ جملہ خوش خلقی کا عمدہ نمونہ ہے ''آپ ہی بتلایئے کہ کیا کروں''۔

(۵۵) ڈاکٹر صاحب سورۂ فاتحہ کے مختلف زبانوں میں تراجم جمع کر رہے تھے اور ان سب کو بستے (Bag) میں رکھے ہوئے تھے۔ اور وہ بستہ کہیں غائب ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب کو یاد نہیں رہا کہ کس جگہ کھو گیا۔ اس کی اطلاع

Marfat.com

دی ہے کہ کھویا ہوا بستہ نہیں ملا۔

میں نے پوچھا تھا کہ جرمن زبان میں قرآن کا ترجمہ آگے بھی بڑھا ہے کہ وہیں ساتویں پارے تک ترجمہ ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ آگے سورتوں کا ترجمہ کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا ہے۔

(۵۶) ڈاکٹر صاحب نے جناب احمد خان صاحب کی خواہش پر اپنی مطبوعات کی فہرست بھجوائی تھی۔ میں نے احمد خاں صاحب سے معلوم کر کے اطلاع دے دی تھی کہ وہ فہرست مل گئی ہے۔ یہ صرف کتابوں کی فہرست تھی (مطبوعہ، غالباً امریکہ میں چھپی تھی جو محترمی عبدالخالق احمد صاحب نے چھپوائی تھی)۔

(۵۷) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل (Journal) میں ایک شائع شدہ مضمون کا ذکر کیا ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ ابن اسحاق پر ایک مضمون ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل کے لئے لکھئے گا۔ اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ نیا مضمون یا ترجمہ دونوں کے لئے وقت لگتا ہے اور مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں ملتا۔ لیکن وعدہ کیا ہے کہ اکتوبر تک لکھا گیا تو بھجوادوں گا۔

(۵۸) میں نے ملیالم زبان میں قرآن کے ترجمے کی فہرست بھجوائی تھی جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے دلی شکریہ ادا کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے جو سورۂ فاتحہ کے تراجم جمع کئے تھے اس میں دو زبانوں (تحریری) میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ موجود تھا (جو گم ہو گیا تھا)۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ملیالم زبان ایک عربی خط میں دوسری دراوڑی خط (Script) میں بھی لکھی جاتی ہے۔ یہ میرے لئے یقیناً نئی معلومات تھی۔

(۵۹) ڈاکٹر صاحب نے ملیالم تراجم قرآن کے مضمون کے ملنے کا دوبارہ شکریہ ادا کیا ہے۔

(۶۰) جناب احمد خاں صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ اسی سلسلے میں لکھ رہے ہیں کہ ان دونوں کے جوابات نہیں آئے (ایک طرح سے شکایت بھی ہے) حالانکہ ڈاکٹر صاحب کے خط کا فوری جواب دینا چاہئے تھا۔

(۶۱) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ الشریعہ، گوجرانوالہ میں اپنے مضمون کی اشاعت کا نمبر (مہینہ) پوچھا ہے (میں نے ان کو مضمون دوبارہ دسمبر ۱۹۹۰ء میں لکھ کر بھجوادیا تھا) ڈاکٹر صاحب املا غلط چھپا ہو تو اس کی تصحیح کے لئے بے چین ہو جاتے تھے۔ کوشش یہی ہوتی کہ کسی طرح املا صحیح ہو جائے۔ اس مضمون میں عربی ناموں کو غلط لکھ دیا گیا تھا جس کے لئے ڈاکٹر صاحب خود بھی رسالے کے ایڈیٹر صاحب کو خطوط لکھ رہے تھے۔ میں نے بھی یاددہانی کرائی تھی کہ املا کی غلطیوں کی درستگی کے لئے رسالہ بھجوادیں مگر ایڈیٹر صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔

(۶۲) میرے کہنے پر ڈاکٹر صاحب اپنے مضامین کی فوٹو کاپیاں کروا رہے تھے اور یہ کام وہ اپنے شاگرد کے ذریعے کرواتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی مہینے تک چلتا رہا (ڈاکٹر صاحب بیک وقت صرف چند مضامین کی فوٹو کاپی کرواتے تھے اخراجات کی وجہ سے) پیرس میں ایک صفحہ ایک فرانک میں فوٹو کاپی ہوتا ہے۔

(۶۳) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضامین کی دس جلدوں کے بارے میں توضیح کی ہے کہ دس جلدوں میں تمام مضامین آئیں گے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی ناشران کو شائع کرنا چاہے تو شائع کر سکتا ہے۔

Marfat.com

(۶۴) ڈاکٹر صاحب کو پاکستان میں فرقہ وارانہ جھگڑوں کی وجہ سے پریشانی رہتی تھی۔ پہلے بھی وہ خط میں تشویش کا اظہار کر چکے تھے۔ اللہ رحم فرمائے اور راہ ہدایت دے۔

(۶۵) میں نے ڈاکٹر صاحب کو اخبار جنگ میں ایک مضمون کی اشاعت میں چند غلط باتوں کے جواب کے لئے لکھا تھا۔ جواب لکھ کر مجھے بھجواتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ جو مناسب معلوم ہو عمل کروں۔ میں نے اسی کے مطابق عمل کر کے جنگ کو بھجوایا تھا۔

(۶۶) ڈاکٹر صاحب کا یہ خط اخبار جنگ میں جناب حبیب احمد صاحب کی خاص توجہ سے شائع ہو گیا۔ جناب حبیب احمد MD کے پرسنل سیکرٹری تھے۔ ان کے بڑے بھائی بشیر احمد میرے لڑکے معین قریشی کے ساتھ NED انجینئرنگ یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے اور ان کا تعلق بھی حیدر آباد دکن سے تھا اس لئے انھوں نے خاص اہتمام کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا خط چھپوایا تھا ورنہ عموماً ایسے خطوط شائع نہیں ہوا کرتے جن میں اختلافی باتیں ہوں۔

(۶۷) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضامین کی فوٹو کاپی کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ فل اسکیپ سائز پر ایک صفحہ نکلتا ہے چونکہ ہر ایک مضمون الگ الگ ہوتا ہے اس لئے ان کو جلدوں میں بند نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے مجھے اطمینان دلایا کہ نمبر وار جوڑنے کا کام ان کے شاگرد کر رہے ہیں اور جب یہ فوٹو کاپی کا کام ختم ہو جائے گا تب یہ معلوم ہو سکے گا کہ کتنے مضامین فوٹو کاپی ہونے سے رہ گئے ہیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے مضامین ان کے کاغذات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کو Tally کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مضامین مختلف زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات خاص طور پر لکھی ہے کہ ان کے مضامین کی فوٹو کاپیاں مکہ مسجد (فلاڈلفیا، امریکا) کے کتب خانے میں بھی رکھی جائیں گی۔ یہ کتب خانہ ڈاکٹر صاحب کے نام پر عبدالخالق صاحب نے قائم کیا ہے فلاڈلفیا میں۔ ڈاکٹر احمد عبدالخالق (سول انجینئر) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی بھانجی کے لڑکے ہیں۔

(۶۸) ڈاکٹر صاحب کی عربی میں مرتب کی ہوئی کتاب ''النبات'' ہمدرد والے شائع کر رہے تھے جس کے کافی صفحات کمپوز ہو چکے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے پاس دوبارہ تصحیح کے لئے بھیجے گئے تھے (پروف ریڈنگ کے لئے)۔

(۶۹) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ میثاق لاہور میں چھپی ہوئی تحریر کو ارسال کرنے کے لئے لکھا ہے۔ ان کی یہ تحریر (بلکہ تقریر جو سندھ یونیورسٹی جامشورو میں زبانی کی گئی تھی شائع کیا ہے) کی فوٹو کاپی میں نے بھجوادی تھی۔ مصارف کے سلسلے میں میں نے یہ لکھا تھا کہ آپ کی خدمت کر کے ہم کو خوشی ہوتی ہے۔

(۷۰) میں نے رسالہ صدائے اسلام پشاور اور رسالہ میثاق لاہور کے تراشے (مضامین کی نقلیں) بھجوائی تھیں جو ان کو مل گئی تھیں مگر ڈاکٹر صاحب نے یہ شکایت لکھی ہے کہ یہ ان رسالوں کے لئے نہیں لکھے تھے۔ پھر بھی ڈاکٹر صاحب نے ان کے جوابات ان رسالوں کے نامکمل پتے پر ہی بھجوا دیئے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاک خانے کی ایک اور شکایت بھی لکھی ہے جس کی ڈاک خانے کے پوسٹ ماسٹر کو تحقیق کرنی چاہئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ

Marfat.com

صاحب نے حکیم محمد سعید صاحب کو رجسٹرڈ خط بھجوایا تھا مکمل پتے کے ساتھ مگر تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا خط بغیر Deliver ہوئے پیرس واپس چلا گیا۔ ہمدرد کا نام اتنا مشہور ہے کہ نامکمل پتے پر بھی خط مل جانا چاہیے تھا جبکہ خط رجسٹری کے ذریعہ بھجوایا گیا تھا۔ میں نے اس زمانے میں پوسٹ ماسٹر ناظم آباد کو خط بھی لکھا تھا مگر ڈاک خانے والوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب سے معافی چاہی۔

(۷۱) ڈاکٹر صاحب ہمدرد کراچی سے خط واپس پیرس جانے کے بعد محتاط ہو گئے تھے۔ ان دو رسالوں کے ایڈیٹروں کے نام جواب بھجوانے کے بعد اپنے خوف کا ذکر کیا ہے کہ یہ خطوط ان کو ملیں گے کہ نہیں کیونکہ ان کا مکمل پتہ نہیں لکھا تھا صرف شہر لاہور اور پشاور لکھے تھے (لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ خطوط مل گئے تھے)۔

(۷۲) میں نے اپنی دسمبر ۱۹۹۰ء میں چھپی ہوئی کتاب ''قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں'' کے چند اوراق بھجوائے تھے جس کا ڈاکٹر صاحب نے دلی شکریہ ادا کیا ہے۔ البتہ پیش لفظ میں ڈاکٹر صاحب کا پیرس کا پتہ بھی نیچے لکھ دیا تھا جس کے بارے میں خدشہ ظاہر کیا کہ اس پتے سے ان کی جان و مال کو خطرہ ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اتنی مشہور ہے کہ صرف نام کے ساتھ پیرس لکھ دیں تو خط مل جاتا تھا۔ اور پھر دنیا بھر کے لوگ بلکہ فرانس کے لوگ ڈاکٹر صاحب کے پتے سے واقف ہیں۔ کئی غیر مسلم ڈاکٹر صاحب کے گھر پر آ کر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے اور کئی مسلمان بھی ہو جاتے تھے۔

(۷۳) میں نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا تھا کہ ان کی سوانح عمری چھاپنا چاہتا ہوں اس کے لئے میرے دوست خورشید جو پیرس میں رہتے ہیں وہ آ جایا کریں گے اور ڈاکٹر صاحب ان کو لکھواتے رہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے ان کو اس سے چڑھ ہے۔ چڑھ کا لفظ ہم حیدر آبادی لوگ زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ سوانح کا ذکر ہی نہیں کیا۔

(۷۴) میں نے رسالہ ترجمان القرآن میں چھپے ہوئے مضمون کی فوٹو کاپیاں بھجوائی تھیں جو میں نے ڈاکٹر صاحب پر لکھا تھا جس کا ڈاکٹر صاحب نے شکریہ کے بجائے وفور کرم کا لفظ استعمال کیا ہے جو میرے لئے خوشی کا باعث ہوا جس سے ڈاکٹر صاحب کے خلوص اور مہربانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ساتھ یہ بھی لکھا کہ ایڈیٹر صاحب کو جواب دینے کی کوشش کی لیکن لکھ نہ سکے۔

(۷۵) ڈاکٹر صاحب کی رسالہ الدراسات الاسلامیہ میں تردید شائع ہوئی تھی، میں نے اس کے اوراق بھجوائے تھے کیونکہ اسلام آباد کے عربی رسالے میں پہلی دفعہ وہ مضمون چھپا تھا جس سے اختلاف رائے کا سلسلہ شروع ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج مطہرات میں سے صرف چند ازواج کے ساتھ آپ کے تعلقات رہے تھے۔

(۷۶) میرے کہنے پر اور حکیم محمد سعید صاحب کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر صاحب اپنے مضامین کی فوٹو کاپیاں برابر زیراکس کرا رہے تھے اپنے شاگردوں کے ذریعہ ان کے نکلوائے جانے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کام جاری ہے۔ کیونکہ مضامین کے ہزاروں صفحات تھے۔

(۷۷) میں نے میری لڑکی افروز الیاس کے لڑکا پیدا ہونے کی اطلاع دی تھی کہ شرف آباد کلینک میں ۲۰ نومبر

Marfat.com

۹۰ء کو ان کے ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ اسی کی پیدائش پر مبارک لکھا ہے۔

(۷۸) میں نے عراق کی جنگ کے بارے میں لکھا تھا کہ امریکا کے کہنے پر صدام حسین نے ایک مسلمان ملک کویت پر حملہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے امریکا کے بارے میں لکھا ہے کہ امریکا سے خیرات کی توقع کیوں کی جائے۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ امریکا کی مدد نہ لیں تو کویت کے لئے عراق سے کون لڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خانہ جنگی کے زمانے میں غیر مسلم سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

(۷۹) ڈاکٹر صاحب نے اسلام آباد کے رسالے الدراسات الاسلامیہ میں ان کے خلاف عربی میں مضمون شائع کرنے کے بعد جواب بھجوایا تھا۔ ایڈیٹر صاحب نے جواب تو شائع کر دیا اور یہ لکھ دیا کہ ڈاکٹر صاحب کا بیان غلط تھا۔ اب یہ فیصلہ کون کرے گا کہ کون غلط تھا کون صحیح تھا۔ یہ تو اختلاف رائے کا مسئلہ ہے اور اہم موضوع سے متعلق ہے۔ رد کرنے کے بجائے اس کا علمی انداز میں جواب دینا چاہئے تھا۔

(۸۰) ڈاکٹر صاحب اپنے ان مضامین کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ حیدر آباد دکن میں ان کے بھتیجے جناب احمد عطاء اللہ صاحب کے پاس موجود تھے اور وہ ان مضامین کی زیراکس (فوٹو کاپیاں) پیرس بھجوا چکے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر صاحب نے ان مضامین کو بھجوانے سے منع کیا ہے جو کہ چھپے نہیں تھے۔

(۸۱) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن لاہور کے ایڈیٹر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایڈیٹر کو جواب مل گیا تھا اور جواب لکھ کر بھجوانے کی فرمائش بھی کی تھی کیونکہ بات کو واضح کرنے کی ضرورت تھی۔

(۸۲) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ علوم القرآن علی گڑھ کے حوالے سے دریافت کیا ہے کہ کیا افغان مجاہدین نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفسیر قرآن، روسی زبان میں شائع کی ہے۔ معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے۔ ترجمہ مکمل یا نامکمل پشاور سے چھپا تھا۔

(۸۳) ڈاکٹر صاحب کا تردیدی مضمون رسالہ الدراسات الاسلامیہ اسلام آباد میں چھپنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی تائید میں کسی صاحب نے اپنا مضمون شائع کروایا تھا جس کا جواب بھی ڈاکٹر صاحب نے عربی رسالے کو دے دیا تھا۔ (اس کے چھپنے کی تصدیق نہ ہو سکی)۔

(۸۴) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے مضمون لکھنے کے لئے کہا ہے تاکہ اختلافی مسائل کی تردید ہو جائے۔

(۸۵) حیدر آباد میں حبیب کمپنی نے ڈاکٹر صاحب کے نام سے ٹرسٹ قائم کیا تھا اور ڈاکٹر صاحب کے مضامین کو شائع کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ خود حبیب کمپنی کے مالک نے ان کو یہ نہیں لکھا کہ وہ مکمل مجموعہ مضامین کو شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جناب حسن الدین احمد صاحب کا خط بھجوایا تھا جس میں حبیب کمپنی والوں کا امریکا منتقل ہونے کا ذکر تھا۔ خود کمپنی والوں نے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع نہیں دی تھی حالانکہ اصولاً اطلاع دینا ضروری تھا کیونکہ وہ حمید اللہ ٹرسٹ کے بانی تھے۔

(۸۶) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ الدراسات اسلامیہ اسلام آباد میں ڈاکٹر صاحب کا تردیدی مضمون چھپنے کے بعد اس کی نقل مجھے بھجوادی تھی (جو مجھے بعد میں مل گیا تھا)۔

Marfat.com

(۸۷) ڈاکٹر صاحب نے پہلی دفعہ طالب علموں کو پڑھانے کا ذکر کیا ہے۔ غالباً پیرس میں مقیم وہ طالبعلم ہوں گے جو دوسرے اسلامی ممالک سے آکر پیرس میں پڑھ رہے تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب سے مزید علم حاصل کرنے کے لئے آجاتے ہوں گے۔ (ڈاکٹر صاحب نے ان طالب علموں کی وضاحت نہیں کی ہے)۔

(۸۸) آج کے خط میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے روزانہ کے پروگرام کا ذکر کیا ہے اور شیڈول کے بارے میں لکھا ہے۔ کئی کام یکے بعد دیگرے کرتا رہتا ہوں۔ غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ فرائض مذہبی میں گزرتا ہے اس لئے ان کے پاس نہ ریڈیو تھا نہ ٹیلی وژن نہ ٹیلی فون۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے پاس سننے اور دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔

(۸۹) ڈاکٹر صاحب نے میرے معلوم کرنے پر دوبارہ لکھا ہے کہ ان کا جرمن زبان میں قرآن کا ترجمہ آگے نہ بڑھ سکا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو اتنے زیادہ کام کرنے پڑتے تھے کہ ہر کام ضروری ہوتا تھا وہ کسی کو مایوس کرنا نہیں چاہتے۔ انہی کاموں کی تکمیل میں لگے رہتے تھے اس لئے ترجمہ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ (اگر وقت مل جاتا تو دو زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کرنے والے پہلے مسلمان مترجم کہلاتے)۔

(۹۰) میں نے اپنے دوست جناب عارف ربانی صاحب کے ذریعے اپنی کتاب بھجوائی تھی۔ جناب ربانی صاحب نے پیرس جا کر Post کر دیا۔ اس سلسلے میں عارف ربانی کا بھی شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ (ربانی صاحب اب PIA سے ریٹائر ہو گئے ہیں)۔

(۹۱) میری کتاب)) قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں'' میں ڈاکٹر صاحب نے طباعت کی غلطیاں نکالیں اور لکھا کہ اگر میں ان ساری غلطیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ڈاکٹر صاحب کو بھجواؤں تو وہ ان کی تصحیح کر دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا ہی میرے لئے باعث افتخار ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ وہ میری کتاب کی غلطیاں صحیح کرتے۔ پھر بھی وہ میری مدد کرنے کو تیار تھے۔ میں نے ان کو تکلیف نہیں دی اور کتاب میں بدستور اغلاط موجود ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں تصحیح کر کے شائع کرنا ہوگا۔

(۹۲) ڈاکٹر صاحب بالآخر جواب لکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اپنی مصروفیتوں کے باوجود انھوں نے لکھا ہے کہ رسالہ ترجمان القرآن لاہور کے ایڈیٹر صاحب کے نام رجسٹری خط بھجوا چکے ہیں۔ (بعد میں پتہ چلا وہ خط مل گیا تھا)۔

(۹۳) میں نے قرآن مجید کا روسی ترجمہ جو اخبار میں شائع ہوا تھا ڈاکٹر صاحب کو بھجوایا تھا۔ جواب میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ کراچکوفسکی کا ہے اور ان کے ذخیرے میں موجود ہے۔

(۹۴) میں نے ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا تراشا جو ترجمان القرآن میں چھپا تھا اس کے بارے میں لکھا ہے مجھے پسند آئے گا کہ نہیں۔ یہ انکساری ڈاکٹر صاحب کی فطرت میں تھی۔ کچھ مضمون کی تشریح کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ یہ جواب میں نہیں ہے بلکہ عام بحث کا موضوع ہو سکتا ہے۔

(۹۵) ڈاکٹر صاحب کے شیڈول میں حجة اللّٰه البالغة کے فرانسیسی زبان میں ترجمہ آگیا تھا حالانکہ وہ اپنے جرمن زبان میں قرآن کے ترجمے کو بھی پورا کرنا چاہتے تھے مگر اس دفعہ مولانا تقی عثمانی صاحب کی خواہش

Marfat.com

پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب حجۃ اللّٰہ البالغۃ کا فرانسیسی میں ترجمہ کرنا مناسب سمجھا کیونکہ فرانسیسی زبان میں شاہ صاحب کا تعارف نہیں ہوا تھا۔ یہ ترجمہ کئی جلدوں میں ہے۔ اس کی پہلی جلد ختم ہونے کو تھی۔

(۹۶) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں جو اخبار پاکستان لاہور میں چھپا تھا، ایک غلطی کی نشاندہی کی ہے کہ اخبار نے جلی سرخی میں سعدیات لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ یہ صابیہ میں نے اخبار کو لکھا تھا۔ معلوم نہیں تصحیح کر لی تھی کہ نہیں۔

(۹۷) ڈاکٹر صاحب نے اس بستہ (Bag) کا ذکر کیا ہے جس میں وہ سورۂ فاتحہ کے مختلف زبانوں میں تراجم جمع کر چکے تھے اور وہ تمام مواد کہیں گم ہو گیا تھا جو کہ ڈاکٹر صاحب کے بستہ میں تھا۔ اس کے نہ ملنے کا ڈاکٹر صاحب کو بے حد افسوس تھا کیونکہ وہ شائع ہو جاتا تو قرآنی لٹریچر میں اضافہ ہوتا۔

(۹۸) میں نے ڈاکٹر صاحب کے معلوم کرنے پر محترمی حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کو خط لکھا کہ ہمدرد لائبریری میں قرآن مجید کے کون کون سے ترجمے موجود ہیں۔ حکیم صاحب نے تراجم کی تعداد لکھ کر بھجوائی تھی وہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بھجوا دی تھی۔

(۹۹) ڈاکٹر صاحب نے غیر مطبوعہ افریقی زبانوں کے تراجم جمع کئے تھے خاص کر سورۂ فاتحہ کے، اور وہی فہرست غائب ہو گئی تھی۔

(۱۰۰) ڈاکٹر صاحب نے محترمی اسمٰعیل مینائی صاحب کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ محترمی اسمٰعیل مینائی صاحب ہمارے محلے شرف آباد کے مقابل محلہ بہادر آباد میں رہتے تھے۔ میری گلی کے سامنے ہی ان کا بنگلہ تھا۔ مینائی صاحب کا تعلق لکھنؤ کے مشہور شاعر امیر مینائی سے تھا اور جناب امیر مینائی صاحب حیدر آباد دکن میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان کے خاندان سے میری دوستی حیدر آباد سے تھی کیونکہ ان کے خاندان کے ایک فرد میرے ساتھ عثمانیہ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کسی کے انتقال پر فاتحہ ضرور پڑھتے ہیں اور لکھتے بھی تھے تا کہ پڑھنے والا بھی فاتحہ ضرور پڑھے۔

(۱۰۱) ڈاکٹر صاحب نے نباتات پر عربی میں لکھی ہوئی کتاب النبات کو مرتب کیا تھا اور وہ کتاب ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف سے چھپ رہی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ہمدرد والوں کی طرف سے چھپائی کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خط آنے کے بعد میں نے محترمی حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کو خط بھی لکھا اور ٹیلی فون بھی کیا تھا کہ کتاب النبات کے بارے میں موجودہ پوزیشن بتلائیے کہ کمپوزنگ کتنے صفحات کی ہو گئی ہے۔

(۱۰۲) میں نے محترمی اسمٰعیل مینائی صاحب کے بارے میں اخبارات میں جو مضامین/تعزیت نامے چھپے تھے ان کے تراشے بھجوائے تھے۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے شرمندگی اور ممنونیت کے الفاظ لکھ کر مجھ کو شرمندہ کر دیا۔ لیکن میں شرمندہ نہیں ہوتا بلکہ مجھے خوشی ہوتی تھی کہ ضروری مواد ان تک پہنچ گیا۔

(۱۰۳) ڈاکٹر صاحب نے جناب احمد خان صاحب کی وفات پر سخت افسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ

Marfat.com

خدا ان کو جنت نصیب کرے۔ جناب احمد خان صاحب، بہادر یار جنگ اکیڈیمی کے صدر مجلس تھے۔ انہی کی خواہش پر ڈاکٹر صاحب کو میں نے میری کتاب پر دیباچہ لکھنے کے لئے آمادہ کیا تھا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کسی کی کتاب پر دیباچہ نہیں لکھتے تھے۔ یہ ان کی خاص توجہ کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔

(۱۰۴) میں نے دوبارہ ڈاکٹر صاحب کی سوانح عمری لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے پہلے کی طرح ذرا نرم لہجے میں یہ لکھا کہ ان کو سوانح عمری لکھوانا پسند نہیں ہے۔ حالانکہ سوانح حیات سے کسی اسکالر کی ذاتی [علمی وثقافتی زندگی کا احاطہ ہوتا ہے اور ہر چیز ریکارڈ پر آجانے سے دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰۵) میں نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب کی تاریخ پیدائش کے بارے میں مبذول کرائی۔ ایک اخبار میں غلط تاریخ لکھی تھی۔ اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی فہرست سے اس کی تصدیق کی کہ ان کی پیدائش ۱۸۷۲ء کی ہے۔ علامہ کے بارے میں جناب ڈاکٹر مفخر حسین خان صاحب نے اپنی کتاب: قرآنی تراجم انگریزی زبان میں، میں بھی یہی تاریخ لکھی ہے اور تاریخ پیدائش ۴/ اپریل ۱۸۷۲ء لکھی ہے اور تاریخ وفات ۱۰/ دسمبر ۱۹۵۳ء ہے۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی میں مکمل ترجمہ ۱۹۳۸ء میں لاہور کے ناشر شیخ محمد اشرف نے شائع کیا اور پھر اس کے کئی ایڈیشن چھاپے۔ دنیا بھر میں اس کے کل ۱۹۳ ایڈیشن چھاپے گئے تھے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱۰۶) ڈاکٹر صاحب کے عربی مضمون کا ترجمہ ادارۂ ہمدرد کے ایک اسکالر نے کیا تھا۔ میں نے خاص طور پر ترجمہ کروایا تھا تاکہ اردو پڑھنے والے بھی ان علمی اختلافات سے واقف ہوں لیکن ڈاکٹر صاحب کو یہ ترجمہ پسند نہیں آیا اور خود ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کر کے بھجوایا اور میں نے ڈاکٹر صاحب کے اردو ترجمے کو رسائل میں شائع کروادیا جس سے اختلافات کم ہوسکے اور صحیح معنوں میں مضمون کی غرض وغایت سمجھ میں آسکی۔

(۱۰۷) ڈاکٹر صاحب نے مولانا صغیر حسین معصومی صاحب کے تردیدی مضمون کا ذکر کیا ہے جو اسلام آباد کے عربی رسالے الدراسات الاسلامیہ میں چھپا تھا جس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے مجلّہ کے ایڈیٹر صاحب کو پیرس سے بھجوایا تھا۔ مگر ایڈیٹر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا جواب شائع نہیں کیا۔

(۱۰۸) میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ انھوں نے مختلف زبانوں میں جو کتابیں لکھی ہیں ان کا ترجمہ کرایا جائے مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے حالانکہ وہ چاہتے تو ان کے شاگرد یہ کام انجام دے سکتے تھے یا ان کے مداح اور خیر خواہ دوست بھی ترجمے کا کام بہ خوشی کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوگئی تھی کہ وہ خود اکیلے اپنے اخراجات پر یہ ترجمے کا کام کروائیں۔ حالانکہ ایسی تجویز کس طرح دی جا سکتی تھی جب کہ میں ڈاکٹر صاحب کے مالی حالات (Financial Position) سے واقف تھا۔

(۱۰۹) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ ترجمے کا کام وہ اپنی پوتی آنسہ سدیدہ عطاء اللہ صاحبہ سے کرواتے میری اجازت کے بعد، حالانکہ اس میں میری اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی انکساری کا طریقہ تھا اور وہ پھر یہ کام کے انجام دینے کے لئے خدا پر بھروسہ کر رہے ہیں وہی سب کچھ کرواسکتا ہے۔

(۱۱۰) خدا پر بھروسہ کی ایک مثال یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی مرتب کی ہوئی عربی کتاب النبات کا ذکر کیا

Marfat.com

ہے، دراصل اس کی اشاعت میں طویل عرصہ گزر گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب انتظار کرتے رہے اور خدا پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے وہ کتاب بالآخر ہمدرد سے شائع ہوئی۔

(۱۱۱) ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنے مضمون کے سلسلے میں جو اسلام آباد کے عربی رسالے الدراسات الاسلامیہ میں ازواج مطہرات سے متعلق تھا، اس سلسلے میں بحث ومباحثہ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور یہ معاملہ اردو اخبارات میں بھی پھیل گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ مجھے اپنے ریکارڈ کے لئے وہ تمام مضامین جو الدراسات الاسلامیہ میں شائع ہو چکے تھے، بھجوانا چاہتے ہیں جس کے لئے انھوں نے فوٹو کاپیاں بھی نکلوالی ہیں۔

(۱۱۲) ڈاکٹر صاحب کبھی خفا نہیں ہوئے لیکن اپنی خفگی کا اظہار دبے الفاظ میں ضرور کرتے تھے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے مطبوعہ مضامین کی فوٹو کاپیاں حق بہ حقدار کرنے کے بعد ان کو اطمینان ہو جائے گا۔ ان کا اشارہ ہمدرد لائبریری کی طرف تھا۔ اور پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ علمی کاموں میں ہمیشہ کی طرح مشغول رہیں گے کیونکہ یہ ان کا مقصد حیات ہے۔ اور انھوں نے ثابت کر دیا کہ انھوں نے اکیلے تنہا علمی کاموں کو دل وجان سے پورا کیا۔

(۱۱۳) ڈاکٹر صاحب خطوط کے جوابات میں دیر نہیں کرتے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جواب پہنچ جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک خط اپنے بڑے بھائی کے پوتے کے ذریعے Post کروایا جو کراچی سے ہوتے ہوئے حیدرآباد جا رہے تھے۔ وہ خط مجھے مل گیا تھا۔ میں نے ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا تھا۔

(۱۱۴) میں نے ڈاکٹر صاحب کو اخبار جنگ کراچی میں میری تالیف ''قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں'' پر تبصرہ شائع ہوا تھا، اس کا تراشا میں نے بھجوایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو یاد رہے کہ انھوں نے میری کتاب پر پیش لفظ لکھا تھا جس کا تبصرہ نگار نے خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے تالیف کی تعریف تو نہیں کی لیکن توقع کا اظہار کیا ہے کہ تالیف مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہے۔ میری تالیف پر خاص طور پر استنبول کے رسالے IRCICA NEWSLETTER میں بھی تبصرہ شائع ہوا تھا۔ ویسے عموماً اردو کتابوں پر تبصرہ بہت کم ہوا کرتا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے پیش لفظ لکھا تھا اس لئے جناب اکمل الدین احسان اوغلو صاحب نے خاص طور پر تبصرہ شائع کیا جس کی وجہ سے تالیف عرب ممالک میں بھی معروف اور مشہور ہوئی۔

(۱۱۵) میں نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے مطبوعہ مقالوں اور مضامین کو کتابی شکل میں شائع کریں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ان کے پاس وسائل نہیں ہیں اور اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے میرے لئے دعا کی کہ خدا مجھے کروڑ پتی ارب پتی بنائے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ دعا قبول تو نہیں ہوئی اگر قبول ہوتی تو میرا پروگرام تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تمام کتابوں کو شائع کروں اور ممکن ہو سکے تو کم سے کم قیمت پر اس کی فروخت ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب کا پیغام نئی پرانی نسل تک پہنچ جائے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ عام اور خواص لوگ ڈاکٹر صاحب کی کتابوں سے واقف نہیں ہیں بلکہ بعضوں نے تو نام بھی نہیں سنے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی کاوشوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ سرمایہ کوئی

Marfat.com

فراہم کرے یا خود ہی اشاعت کا اہتمام کرے، مثلاً UNESCO (یونیسکو) وغیرہ وغیرہ۔

(۱۱۶) ڈاکٹر صاحب کا تردیدی مضمون لاہور کے رسالے ترجمان القرآن نے شائع نہیں کیا تھا۔ لیکن میں ایڈیٹر صاحب کو مسلسل خطوط لکھ رہا تھا جس پر ڈاکٹر صاحب نے صبر کرتے ہوئے لکھا کہ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۱۷) ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ کراچی کے اخبار جنگ کے مالک اور ایڈیٹر جناب میر خلیل الرحمٰن صاحب کے انتقال کی خبر پیرس کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے مرحوم کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم کا ختم کیا اور دعا کی کہ اللہ مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

(۱۱۸) ڈاکٹر صاحب جمہوریہ ہند کے مسلمان صدر کے لئے ایک خصوصی کتاب شائع کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹر صاحب کو دہلی کے رسالے کا نام یاد نہیں رہا جس میں یہ خبر چھپی تھی جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے حافظے کی کمزوری کا ذکر کیا ہے، حالانکہ ڈاکٹر صاحب کا حافظہ بہت اچھا ہے۔

(۱۱۹) ڈاکٹر صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک کتاب تالیف کی تھی اور ان کا خیال تھا کہ یہ کتاب مدراس سے شائع ہوگی۔ غالباً ڈاکٹر صاحب کے رشتے دار اپنے ٹرسٹ کے تحت یہ کتاب شائع کریں گے۔

(۱۲۰) ڈاکٹر صاحب نے اپنی تالیف شدہ کتاب النبات کے بارے میں لکھا ہے اور دوسری پروف کاپی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ان کو شکایت کی ہے کتاب کی اصل کاپی نہیں بھجوائی نہ اس کی فوٹو کاپیاں جس کی وجہ سے پروف پڑھنے میں مشکل ہو سکتی ہے۔

(۱۲۱) ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ اسلام آباد والوں کی طرف سے ان کو وہاں جانے کا ہوائی ٹکٹ بھجوایا گیا ہے لیکن پروگرام باقی ہے۔

(۱۲۲) ڈاکٹر صاحب نے شرح السیر الکبیر کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کو Edit کر کے چار جلدوں میں ۱۹۳۵ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کروایا تھا۔ یہ قانون بین الممالک سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عربی کتاب کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا جو چار جلدوں میں ترکی (استنبول) سے فرانسیسی زبان میں بھی چھپی تھی۔

(۱۲۳) میں نے اخبار جنگ میں صحابہ کرامؓ کی قبروں کو کھولنے کے بارے میں تراشا بھجوایا تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ عراق میں قبروں کے کھولنے کے بارے میں وہ پڑھ چکے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ خود مدینہ منورہ میں بھی ایسے مشاہدے ہوئے ہیں کہ ان کی لاشیں بالکل ویسی ہی ہیں جیسے دفن کے وقت تھیں۔ مطلب یہ کہ سڑی گلی نہیں تھیں۔ یہ معجزہ ہے قدرت کا، کیونکہ اللہ ہی قادر و مقتدر ہے وہ جس کو جس حالت میں رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے۔

(۱۲۴) کراچی کے اخبارات میں عید کے چاند سے متعلق اختلافات چھپتے رہے ہیں۔ میں نے ان کے تراشے بھجوائے تھے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حل بتا دیا ہے کہ ہر مقام اپنی رویت پر عمل کرے۔

Marfat.com

(۱۲۵) میں نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا پاکستان آنے کے بعد، خاص طور پر کراچی آنے کے بعد وہ میرے گھر میں آئیں۔ اس کے بارے میں اپنی بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ حکومت کے شیڈول کے پابند ہوں گے اس لئے وہ میرے گھر آنے کا وعدہ نہیں کر سکتے۔

(۱۲۶) ڈاکٹر صاحب پہلے اسلام آباد گئے پھر لاہور اور آخر میں کراچی آئے۔ ایک مزے کی بات بتلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کراچی ہوائی اڈے پر سرکاری مہمان نواز جناب اعوان صاحب سے پوچھا کہ شرف آباد کہاں ہے۔ مجھے سب سے پہلے مظہر صاحب کے گھر جا کر ''بادام کی جالی'' کا تحفہ دینا ہے۔ جناب اعوان صاحب نے بات ٹال دی اور کہا کہ مظہر صاحب کو مہمان خانے بلا لیتے ہیں ان کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرے دن یہ تحفہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے رشتے دار کی دعوت پر ان کے قریبی رشتے دار کی صاحبزادی دردانہ فخری صاحبہ کو دیا کہ وہ مجھے پہنچا دیں چنانچہ وہ میاں بیوی دعوت سے فارغ ہو کر میرے گھر رات میں آئے اور خاص طور پر تحفہ پہنچایا۔ بادام کی جالی ایک مٹھائی ہے جو حیدر آباد دکن میں بنائی جاتی ہے معلوم نہیں پیرس میں کون بنا رہا ہے۔

(۱۲۷) میں نے اخبار جنگ میں ایک خبر کے شائع ہونے کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی امامت میں نماز پڑھی تھی، اس کا تراشا بھجوا دیا تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے تردید کی ہے کہ وہ اس طرح کا بیان دے چکے ہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب نے اخبار جنگ کو تردیدی بیان بھجوا دیا تھا۔

(۱۲۸) ڈاکٹر صاحب نے میرے گھر نہ آنے کا دوبارہ اظہار کرتے ہوئے معاف کرنے کے لئے لکھا ہے حالانکہ ہم نے (میں نے اور میری سالی ممتاز معین الحق صاحبہ نے دعوت کا اہتمام کیا تھا) ملاقات کا اہتمام محترمہ سالی صاحبہ کے گھر کر لیا تھا۔ انھوں نے خاص طور پر میری سالی بیگم ممتاز معین الحق صاحبہ کے لئے لکھا ہے کہ ان سے بھی معذرت کر لوں۔ ڈاکٹر صاحب بھی مجبور تھے وہ کس طرح شیڈول میں تبدیلی کرا سکتے تھے۔

(۱۲۹) ڈاکٹر صاحب کے تحفے کے بعد مجھے بھی خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو تحفہ دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ایک پارکر فونٹین پین کا Set خریدا اور اپنے لڑکے معین قریشی کی کار میں جا کر ڈاکٹر صاحب کو تحفہ دے آیا۔ ڈاکٹر صاحب سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرے تھے جو کبھی وزیر اعظم پاکستان کی قیام گاہ تھی وکٹوریہ روڈ پر۔

(۱۳۰) ڈاکٹر صاحب نے ایک مضمون بھجوایا تھا کہ اس کو کسی اخبار میں شائع کروا دوں اور یہ بھی لکھا تھا کہ مضمون میں ترمیم کرنا چاہوں تو کر لوں۔ مضمون چونکہ اختلافی تھا اس لئے میں نے ترمیم کرنے کے بجائے اس کو شائع کروانا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا کام اتنا اہم ہے اختلافی مسائل میں وقت ضائع کرانا نہیں چاہتا تھا۔ بلاوجہ لوگ جواب دیتے پھر ڈاکٹر صاحب کو تردیدی مضمون لکھنا پڑتا اس لئے میں نے مضمون کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔

(۱۳۱) ڈاکٹر صاحب رسالہ تکبیر میں کچھ غلطیوں کی تصحیح کرنے کے بارے میں خطوط لکھے تھے مگر رسالہ تکبیر کے ایڈیٹر صاحب نے ان کو شائع نہیں کیا۔ اسی لئے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے ایڈیٹر صاحب کو پسند نہیں ہے کہ ان کی غلطیاں بتلائی جائیں۔

Marfat.com

(۱۳۲) اخبار جنگ میں میرے دوست حبیب احمد صاحب (P.A. to Editor) کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کا تردیدی بیان شائع کروایا تھا جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے دعا کی ہے کہ خدا مجھے حسنات دارین عطا فرمائے۔ ڈاکٹر صاحب کی انکساری تھی کہ معمولی کام پر بھی دعا کرتے تھے۔

(۱۳۳) عراق کو کویت پر حملہ آور تصور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ صدام حسین کو حملہ آور تصور کرتے ہیں اور وہی قصوروار ہے۔ سعودی عرب نے امریکہ سے مل کر جو اتحاد کیا تھا اس کو فوجی حکمت عملی خیال کرتے ہیں۔

(۱۳۴) ڈاکٹر صاحب نے پہلے بھی لکھا تھا کہ وہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کی عربی کتاب حجة اللّٰه البالغة کا ترجمہ کر رہے ہیں اور اب تک وہ چار سو صفحات کا ترجمہ کر چکے ہیں پھر بھی دو تہائی صفحات کا ترجمہ ہونا ہے۔

(۱۳۵) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے تمام مضامین جو اس وقت موجود تھے اور الماریوں میں محفوظ تھے ان کی فوٹو کاپیاں لی جا چکی ہیں البتہ ان مضامین کی فوٹو کاپیاں نہیں لی جا سکیں جو فہرست میں موجود ہیں مگر الماریوں میں نہ مل سکے البتہ ان کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ جو صاحب (شاگرد) اس کام میں مدد کر رہے تھے وہ مصروفیت کی وجہ سے آ نہیں رہے تھے۔

(۱۳۶) میری سالی بیگم ممتاز معین الحق صاحبہ کا ایک مضمون ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوا تھا۔ مضمون کی تعریف میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ دلچسپ ہے۔ ان کو مبارکباد دے دوں۔

(۱۳۷) ڈاکٹر صاحب نے پیرس کے ایک ناشر کا ذکر کیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہے جس میں تین مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے طور پر اظہار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی معلومات، عیسائی معلومات اور اسلامی معلومات پر مبنی ہو اور ہر ایک باب پچاس پچاس صفحات پر پھیلا ہوا ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ طویل معلومات کا ملنا آسان نہیں ہے۔

(۱۳۸) ڈاکٹر صاحب خط کے جواب میں دیری پر بھی معذرت کرتے تھے حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے علمی کاموں میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔

(۱۳۹) ڈاکٹر صاحب اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کام کر رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری لکھنے کا کام کرنا پڑ گیا۔ ناشر کا کہنا تھا کہ اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عیسائی فرقوں کے بے شمار اختلافی بیانات کا مقابلہ قرآن مجید کے بیانات سے ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح بیانات سامنے آ سکیں۔ اس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے یہ لکھا ہے کہ وہاں کے عیسائی علماء کی مسلمانوں سے دشمنی بڑھتی جا رہی ہے۔

(۱۴۰) میں نے کوئی نے دو ہفتے تک اپنی مصروفیت کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو خط نہیں لکھا تھا۔ اس طویل خاموشی پر ڈاکٹر صاحب کچھ پریشان ہو گئے اور لکھا کہ طویل سکوت کسی خفگی کی وجہ سے تو نہ تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب سے خفا ہونا یا خفا رہنا ممکن ہی نہیں ہے اور پھر ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا کہ اگر میں خفا رہتا تو وہ ادب سے معافی مانگتے۔ یہ بھی ڈاکٹر صاحب کی انتہائی خوش اخلاقی کا ثبوت ہے کہ وہ معمولی شاگرد سے معافی مانگتے۔

Marfat.com

میرا خیال ہے کہ ایسے استاد آج کل ملنا مشکل ہیں جو شاگرد سے معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں حالانکہ قصور بھی ہو تو معافی مانگنا ضروری نہیں سمجھتے جبکہ میری طویل خاموشی پر ڈاکٹر صاحب اس طرح کا اظہار کر رہے تھے۔ مجھے تو ڈاکٹر صاحب کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے۔

(۱۴۱) ڈاکٹر صاحب اُن دنوں تین کتابوں کی تالیف میں مصروف تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شاہ ولی اللہ کی کتاب حجة اللّٰه البالغة۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام پر مواد جمع کرنا آسان نہیں ہے اور پھر تین فرقوں کی معلومات پر وہ مقالہ لکھا جانا ہے۔ اس سلسلے میں لکھا ہے وہ اپنا باب مکمل کر کے بھجوا چکے ہیں البتہ حجة اللّٰه البالغة کا کام ابھی ادھورا ہے۔ اس کے لئے وقت نہیں مل رہا ہے۔

(۱۴۲) ڈاکٹر صاحب نے کتاب 'النبات' کا ذکر کیا ہے۔ اس کی دوسری جلد کو ڈاکٹر صاحب نے Edit کر کے ہمدرد کو بھجوایا تھا اور ہمدرد نے شائع کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا کہ جلد سے جلد شائع کر دیں گے۔ غالباً ہمدرد والوں نے دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس کتاب پر توجہ نہیں دی۔ اب ڈاکٹر صاحب بار بار ہمدرد کو خط لکھ کر توجہ دلا رہے ہیں اور یہی لکھتے ہیں کہ سکوت ہی سکوت ہے۔ میں بھی مولانا حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی تشویش سے مطلع کرتا رہتا تھا۔

(۱۴۳) ڈاکٹر صاحب نے کتاب النبات کے سلسلے میں دعا کی ہے کہ ہمدرد والوں میں کچھ حرکت پیدا ہو اور کتاب کی اشاعت جلد سے جلد کر سکیں۔

(۱۴۴) لاہور کے رسالہ اردو ڈائجسٹ میں ڈاکٹر صاحب پر ایک مقالہ جناب ادریس صدیقی صاحب نے لکھا تھا۔ میں نے وہ رسالہ بھجوا دیا تھا جس کو پڑھ کر جناب ادریس صدیقی صاحب کا پتہ معلوم کیا کہ ان کو شکریہ کا خط لکھ سکیں۔

(۱۴۵) ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ کتاب النبات کے پروف پڑھ کر ہمدرد کو واپس بھجوا دیئے تا کہ اشاعت کے لئے پریس میں دے سکیں۔ کتاب چونکہ نباتات سے متعلق ہے عام لوگوں کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث نہ ہو سکے گی۔ ویسے اس کتاب میں نباتات کی تفصیل کے علاوہ عربی کے اشعار بھی وضاحت کے لئے دیئے گئے ہیں جو بذات خود عربی ادب کا شاہکار ہیں۔

(۱۴۶) ڈاکٹر صاحب جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کام کر رہے تھے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ابھی کام جاری ہے۔ دراصل معلومات کے حاصل کرنے میں مشکلات ضرور تھیں لیکن ڈاکٹر صاحب ایسا مواد جمع کرنا چاہتے ہیں جو حقائق پر مبنی ہو وہ اللہ پر بھروسہ کر کے تحقیق کے کام کو جاری رکھے ہوئے تھے۔

(۱۴۷) ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی رنج اور افسوس تھا سورۂ فاتحہ کے تراجم خاص کر افریقی زبان میں تراجم کے گم ہو جانے کا۔ انھوں نے بہت ہی محنت سے جمع کیا تھا اور وہ بستہ (Bag) جس میں یہ تراجم تھے، کئی دنوں بعد بھی مل نہ سکا۔ ان تراجم کا رسالہ ''اسلام فرانس'' پیرس میں ہر مہینہ ایک ترجمہ شائع ہوتا رہا تھا اور کچھ ابھی شائع ہونے تھے۔

(۱۴۸) میں نے میرے لڑکے معین قریشی کی منگنی کا ذکر کیا تھا جو ڈاکٹر امیر احمد صاحب کی صاحب زادی ڈاکٹر

Marfat.com

عائشہ تسنیم سے طے پائی تھی۔ منگنی کی رسم بڑے پیمانے پر شادی لان پر ہوئی اسی سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے منگنی کی مبارکباد دیتے ہوئے دعا کی یہ رسم خدا خیر وخوبی سے کرائے اور بچوں (معین اور تسنیم) کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

(۱۴۹) ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ میرے لڑکے کی منگنی پر مبارکباد دی ہے اور اس جملے کا اضافہ کیا ہے کہ شادی بھی مبارک۔

(۱۵۰) بالآخر ڈاکٹر صاحب کی تالیف شدہ کتاب النبات، ہمدرد والوں تک پہنچ گئی تمام مراحل طے کرنے کے بعد۔

(۱۵۱) ڈاکٹر صاحب نے کراچی کے ہفت روزہ ختم نبوت کے اس مضمون کا ذکر کیا ہے جو مانسہرہ کے جناب محمد شریف ہزاروی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے تردیدی بیان کے بعد لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کا جواب رسالہ کو بھجوا دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایڈیٹر صاحب سے جا کر ملاقات کی تو پتہ چلا کہ مضمون ملا ہی نہیں۔ چنانچہ دوسری کاپی منگوا کر میں دوبارہ ایڈیٹر صاحب سے ملا اور وعدہ لیا کہ تردیدی مضمون پر ڈاکٹر صاحب کا مزید تردیدی مضمون ضرور شائع کیا جائے (بعد میں وہ مضمون رسالے میں چھپ گیا تھا)۔

(۱۵۲) ڈاکٹر صاحب نے اخبار ڈان کراچی میں چھپے ہوئے بیان کی تردید میں کراچی کے پتے پر مضمون بھجوایا تھا۔ (مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ ڈان میں چھپا تھا کہ نہیں)۔

(۱۵۳) ڈاکٹر صاحب نے پھر ایک بار سورہ فاتحہ کے تراجم کا ذکر کیا ہے کچھ تفصیل کے ساتھ اور لکھا ہے کہ تراجم کا جمع شدہ مواد گم ہو جائے اور ترجمہ کی کاپی بھی نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟؟ میرے خیال میں صرف صبر ہی کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو سورۂ فاتحہ کے جمع شدہ تراجم کے غائب یا گم ہو جانے کا بے حد افسوس تھا۔ انھوں نے بہت محنت اور کوششوں سے ان کو جمع کیا تھا۔

(۱۵۴) ڈاکٹر صاحب نے ایک کالے صاحب کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کر کے ڈاکٹر صاحب کو دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اس سلسلے میں مزید کیا کرنا چاہیے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو تجویز پیش کی تھی کہ ان کالے صاحب سے یہ بھی معلوم کریں کہ ان کے ملک کی کتنی آبادی مسلمان ہے، عربی کی تعلیم کا رواج ہے یا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم گھر میں پڑھا جاتا ہے یا مساجد میں، اگر عربی سے وہ بالکل نابلد ہیں تو پھر ترجمے سے پڑھانے کا بندوبست کیا جائے اور یہ کسی اسلامی ادارے کے تحت ہونا چاہیے تا کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب میری اس تجویز سے بے حد خوش ہوئے تھے۔

(۱۵۵) ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ ترکی (استنبول) کے ادارہ IRCICA نے مطبوعہ قرآنی تراجم کے بعد مخطوطات قرآنی تراجم کا کام شروع کیا ہے۔ ادارے کے سربراہ ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو صاحب نے مجھے بھی لکھا تھا کہ وہ قرآنی تراجم کے غیر مطبوعہ (مخطوطات) کو جمع کر رہے ہیں۔ دنیا بھر کے اداروں سے رابطے بھی کر رہے ہیں (کئی سالوں کی محنت کے بعد یہ قرآنی تراجم کے مخطوطات شائع ہو گئے ہیں ۲۰۰۰ء

Marfat.com

میں۔اس کو ڈاکٹر مصطفیٰ نجبت صفری اوغلو صاحب نے مرتب کیا ہے اور ایڈیٹر جناب اکمل الدین احسان اوغلو صاحب نے اس کتاب کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے نام معنون (Dedicate) کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کام میں مدد کی تھی۔

(۱۵۶) آگرہ کے تاج محل کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے معلوم کیا ہے کہ مقبرے کے اندر کے حصے میں بہت سی قرآنی آیات کندہ ہیں (میں نے خود بھی آگرہ میں ان آیات کو پڑھا ہے (۱۹۴۴ء) البتہ ان آیات کے انگریزی، فرانسیسی میں ترجمہ کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں کندہ ہیں۔

(۱۵۷) ڈاکٹر صاحب نے سورۂ فاتحہ کے دو تراجم کا ذکر کیا ہے کہ افریقہ کے کالے صاحب نے فراہم کئے ہیں۔یہ دونوں زبانیں مقامی بولی ہیں۔ایک زبان Mondling ہے دوسری زبان Ouluf ہے۔

(۱۵۸) ڈاکٹر صاحب نے کتاب النبات کے بارے میں لکھا ہے کہ ابھی تک وہ چھپی نہیں ہے۔میں نے مولانا حکیم نعیم الدین زبیری صاحب سے ٹیلی فون کر کے معلوم کیا تو انھوں نے بتلایا کہ کتاب کی چھپائی ہو رہی ہے اگلے سال ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آجائے گی۔

(۱۵۹) میں نے لاہور کے رسالے المعارف کو خط بھجوایا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی مضمون کی غلطیوں پر زیادہ نظر رہتی تھی لکھا ہے کہ معارف میں کم طباعتی غلطیاں ہیں۔(یقیناً ان کو خوشی ہوئی ہوگی)۔

(۱۶۰) ڈاکٹر صاحب نے میرے معلوم کرنے پر لکھا کہ ان کے مضامین کی فوٹو کاپی کروانے کا کام جاری ہے۔حیدر آباد دکن سے ان کے بھتیجے جناب احمد عطاء اللہ صاحب وہاں کے مضامین کی فوٹو کاپیاں کروا کر پیرس بھجوا رہے ہیں اور پیرس سے ڈاکٹر صاحب بھی فوٹو کاپی کروا کر بھجواتے رہے ہیں۔اور اس طرح امریکا میں بھی ڈاکٹر عبدالخالق احمد صاحب کو فلاڈلفیا میں بھجواتے رہے ہیں۔فلاڈلفیا میں ڈاکٹر احمد صاحب نے ایک مسجد بنائی ہے اس کے ساتھ حمید اللہ لائبریری ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کی کتابیں اور مضامین رکھے گئے ہیں۔

(۱۶۱) ڈاکٹر صاحب نے یہ خط ۷/ربیع الاوّل کو لکھا تھا۔اس خط میں عید میلاد النبیؐ کی مبارک باد دی ہے جو اگلے پانچ دن بعد آرہی تھی۔عجب اتفاق ہے کہ یہ خط عید میلاد کے موقع پر ملا۔

(۱۶۲) ڈاکٹر صاحب نے عید میلاد النبیؐ کے دو دن بعد پھر دوبارہ مبارک باد دی ہے اپنے ۱۴ تاریخ کے خط میں۔

(۱۶۳) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ الشریعہ، گوجرانوالہ (اگست، ستمبر) ۱۹۹۲ء کا ذکر کیا ہے کہ ان کا مضمون شائع ہوا ہے اور ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کے مضمون پر تنقید اور تردید بھی چھپی ہے اور یہ اطلاع بھی دی ہے کہ اس کے جواب میں ایک اور خط ایڈیٹر صاحب کو لکھ رہے ہیں (غالباً شکریہ ادا کرنے کے لئے)۔

(۱۶۴) ڈاکٹر صاحب نے جنوبی افریقہ کے سفر سے واپسی پر اطلاع دی کہ وہ گزشتہ ہفتے جنوبی افریقہ گئے ہوئے تھے۔وہاں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا اہتمام کیا گیا تھا اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں۔

Marfat.com

(۱۶۸) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ ختم نبوت کو جو مضمون بھجوایا تھا رسالے والوں نے مجھے بتلایا تھا کہ مضمون ملا نہیں۔ چنانچہ دوسرا مضمون ڈاکٹر صاحب نے لکھ کر بھجوایا اور میں نے ایڈیٹر صاحب کو خود جا کر دیا تھا اور تاکید کی تھی کہ تردیدی مضمون ضرور شائع کریں۔ ایڈیٹر صاحب نے دوسرے شمار میں ڈاکٹر صاحب کا تردیدی مضمون شائع کر دیا تھا۔

(۱۶۹) ڈاکٹر صاحب نے میرے لکھنے کے بعد یہ لکھا کہ ان کے مضامین کی تعداد ہزار ہوگی اور کتابوں کی تعداد ۱۶۴ ہوگی اور ان کی چھپائی پر لاکھوں روپوں کا خرچ آئے گا اور یہ کام ہمدرد والے ہی کر سکتے ہیں۔ اور وہ تیار بھی تھے۔

(۱۷۰) ڈاکٹر صاحب نے جنوبی افریقہ کا ذکر پہلے بھی کیا تھا اور آج کے خط میں اس مقام کا ذکر کیا ہے۔ مقام کا نام ہے Reveneuon (ریونیوں) غالباً وہاں فرانسیسی زبان بولی جاتی ہے۔

(۱۷۱) ڈاکٹر صاحب کا تردیدی خط رسالہ ختم نبوت میں نہ چھپنے پر لکھا ہے کہ اللہ ان کو نیک ہدایت دے۔ دراصل وہ تردیدی خط چھاپنا نہ چاہتے تھے۔ پہلے تو کہہ دیا کہ خط ملا ہی نہیں جب میں نے دوبارہ خط خود دفتر جا کر دیا تو چھاپنا ضروری ہو گیا اب وہ اس میں دیر لگا رہے تھے۔

(۱۷۲) ڈاکٹر صاحب کا خط رسالہ ختم نبوت میں شائع ہو گیا اور میں نے وہ رسالہ پیرس بھی بھجوا دیا تھا کیونکہ وہ خط کو ضرور پڑھنا چاہتے ہوں گے کہ کوئی تبدیلی کے بغیر چھپا ہے یا پھر ایڈیٹر صاحب نے ترمیم واضافہ کر دیا ہے۔

(۱۷۳) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ایک پاکستانی ادیب نے ارتقاء Evolution کے موضوع پر کتاب لکھی ہے اور انھوں نے لندن میں رہنے والے دوست سے منگوائی ہے۔ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وہ دوست کتاب ارتقاء بھجوائیں یا خاموش ہو جائیں حالانکہ دوست کو چاہئے کہ فوری کتاب بھجوائے کیونکہ موضوع دلچسپ ہے۔

(۱۷۴) ڈاکٹر صاحب نے آج کے خط میں جنوبی افریقہ کے مقام ریونیوں (Reveneon) جا کر تقریر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے صرف ملک اور مقام کا ذکر کیا تھا۔ تقریر کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ وہاں عیسائی مذہبی رہنماؤں نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں زیادہ تیز کر دی تھیں ان کی مشنری سرگرمی کو کم کرنا تھا اسلامی اقدار کے اصولوں کو نمایاں کر کے۔

(۱۷۵) ڈاکٹر صاحب پیرس کے جس Flat نمبر 4 میں رہتے تھے ایک زمانے کے بعد مالک مکان جو ایک بیوہ عورت تھی، کمرہ خالی کرنے کے لئے کہا تھا کہ رنگ وروغن کرا سکوں۔ اس کے کہنے پر ڈاکٹر صاحب نے کمرہ خالی کر دیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کی شکایت کے طور پر لکھا ہے کہ فلیٹ ڈیڑھ سال بعد دیا حالانکہ وعدہ کیا تھا کہ دو ہفتوں میں دے دوں گی۔ اس کا مطلب ہوا کہ وہاں بھی فرنگی ذہن مشرقی ذہن کی طرح ہے۔ وعدہ کرو تو پورا نہ کرو اور ڈاکٹر صاحب نے اس دیری کو بھی اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اور یہ صحیح بھی ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی نہ ہو بندہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

(۱۷۶) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ رسالہ ختم نبوت جو کہ میں نے علیحدہ بھجوایا تھا ان کو مل گیا لیکن ادارے کی

Marfat.com

طرف سے کوئی رسالہ نہیں بھجوایا گیا۔ حالانکہ ادارہ کو ضرور بھجوانا چاہئے تھا ڈاک خرچ کی پرواہ کئے بغیر کیونکہ ایک عالم دین کی طرف سے تردیدی بیان شائع کیا گیا تھا۔

(۱۷۴) IRCICA یعنی Research Centre for Islamic History, Art and Culture Istanbul کے سابق ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو جو آج کل Organisation of Islamic Conference یا مختصراً O.I.C. کے سیکریٹری جنرل ہیں۔ ڈاکٹر اوغلو بھی ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے ترک شاگردوں میں شامل ہیں (حاشیہ از مرتب)

(۱۷۵) ڈاکٹر صاحب نے IRCICA کے ڈائریکٹر جنرل اور ایڈیٹر جناب اکمل الدین احسان اوغلو صاحب کی کتاب World Bibliography of Translations of the Holy Qur'an کا ذکر پہلے کے خط میں بھی کیا تھا کہ وہ مخطوطات بھی چھاپ رہے ہیں۔ آج کے خط میں ذرا وضاحت کی ہے کہ اس کا وہ نیا ایڈیشن چھاپنا چاہتے ہیں۔ جناب اوغلو صاحب نے مجھے بھی خط لکھا تھا کہ وہ نیا ایڈیشن چھاپنے کی تیاری کر رہے ہیں کچھ نئے تراجم کے ساتھ۔ (بعد میں اوغلو صاحب نے کام کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے نیا ایڈیشن شائع نہیں کیا بلکہ وہ مخطوطات کی طرف توجہ دینے لگے اور قرآنی تراجم کے مخطوطات جہاں جہاں سے مل سکے ان کو جمع کر کے سنہ ۲۰۰۰ء میں شائع کر دی۔ ایک نسخہ مجھے بھی بھجوایا)۔

(۱۷۶) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد نے قرآن مجید کے تراجم بھی رسالے میں شائع کر دیئے ہیں جس کے دو نسخے پریس کو بھی بھجوائے گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ تراجم جناب احمد خان صاحب نے جمع کر کے شائع کروائے جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوئی تھی۔

(۱۷۷) ڈاکٹر صاحب نے اپنے استاد گرامی مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے بارے میں ذکر کیا ہے ان کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ وہ جامعہ عثمانیہ میں فیکلٹی آف حدیث کے صدر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے شعبہ فنون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جامعہ میں شعبہ دینیات قائم کیا گیا تھا جس کے صدر مولانا گیلانی صاحب تھے۔ ان کے ریٹائر ہونے کے بعد مولانا عبدالقدیر صدیقی صاحب اس شعبہ دینیات کے صدر رہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب پہلے اسلامیات کی تعلیم دیتے تھے پھر فقہ اسلامی کی تعلیم دینے لگے۔ اور خاص بات جامعہ عثمانیہ کی یہ تھی کہ دینیات کا مضمون مسلم طالب علموں کے لئے لازمی تھا صرف ہندوؤں کو اخلاقیات پڑھائی جاتی تھی۔

(۱۷۸) میں نے ڈاکٹر صاحب سے معلوم کیا تھا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جو سورہ فاتحہ کا ترجمہ کیا تھا فارسی میں، جس کی اجازت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بھی پڑھنے کی دی تھی جب تک عربی میں مکمل طور پر یاد نہ کر لیا جائے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ انھوں نے سورہ فاتحہ کا ذکر کرتے ہوئے صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ شائع کیا تھا کیونکہ سورہ فاتحہ کا مکمل فارسی ترجمہ ان کو بھی نہ مل سکا تھا جس کی تلاش وہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ کیونکہ کتاب نہایۃ حاشیۃ الہدیۃ (طبع ہند، ۱۹۱۵ء، صفحہ ۸۶ نوٹ نمبر ۱) میں صرف بسم اللہ کا ہی ترجمہ درج تھا مکمل سورہ فاتحہ کا نہیں تھا۔ ترجمہ یہ تھا: بنام یزداں بخشائندہ بخشائشگر۔ معلوم نہیں بعد میں بھی کسی

Marfat.com

نے سورۂ فاتحہ کا مکمل ترجمہ ڈھونڈ نکالا کہ نہیں۔

(۱۷۹) میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس تقریر کو بھجوانے کے لئے لکھا تھا جو کہ انھوں نے ریونیون میں کی تھی۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ تقریر لکھ کر نہیں پڑھتے بلکہ زبانی ہی تقریر کرتے ہیں اور ان کا کوئی تحریری مضمون نہیں ہے۔ بلکہ یہ وضاحت کر دی ہے کہ ''مجھے لکھ کر پڑھنے کی عادت نہیں ہے'' اس کا عملی ثبوت ڈاکٹر صاحب کی وہ ۱۲ تقاریر ہیں جو کہ ڈاکٹر صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی میں خطبات بہاولپور کے عنوان سے دیئے تھے اور اب کتابی شکل میں موجود ہے۔

(۱۸۰) میں نے عید کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو بھی عید کارڈ بھجوایا تھا جس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ محض اسراف ہے اور فرنگیوں کی تقلید ہے اس لئے ان کو آئندہ عید کارڈ نہ بھجواؤں۔ یہ میری عادت ہے کہ دوست اور جاننے والوں کو ہمیشہ عید کارڈ بھجواتا ہوں۔ کوئی پچاس عید کارڈ ہر سال ضرور بھجواتا ہوں۔ یہ یقیناً اسراف ہے مگر میں اس کو دوستی بڑھانے کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

(۱۸۱) ڈاکٹر صاحب نے پاکستان آنے کے پروگرام کے بارے میں لکھا ہے کہ سرکاری طور پر سارا انتظام ہو گا۔

(۱۸۲) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ موجودہ سرکاری انتظام سے پہلے وہ اپنے رشتے دار جناب محی الدین عبدالقادر صاحب کے پاس جب کبھی پیرس سے آتے ان کے گھر میں قیام کرتے جو پی آئی بی کالونی کراچی میں ہے۔ میں بھی وہاں ڈاکٹر صاحب سے مل چکا ہوں۔ جناب محی الدین عبدالقادر صاحب اور ان کے بھائی جناب رکن الدین صاحب اسکول کی تعلیم کے زمانے میں میرے ساتھ پڑھا کرتے تھے جو نام پلّی کے محلے (حیدرآباد دکن) میں واقع تھا۔

(۱۸۳) ڈاکٹر صاحب کا پاکستان آنے کا پروگرام طے ہو گیا۔ وہ ۲۵/اپریل کو اسلام آباد جائیں گے، پھر لاہور اور پھر آخیر میں کراچی۔

(۱۸۴) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ کتاب النبات کے پروف پڑھنے کے لئے آئے ہیں تا کہ چھپائی کا کام جلد سے جلد کیا جائے۔ کیونکہ کتاب ضخیم ہے۔

(۱۸۵) ڈاکٹر صاحب نے تشریح کی کہ ان کی تالیف شدہ کتاب الردوالفرد، ترکی سے شائع ہو رہی ہے۔ یہ عربی میں ہے جس کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

(۱۸۶) ڈاکٹر صاحب نے پاکستان کے پروگرام کے سلسلے میں شبہ ظاہر کیا ہے کہ ان کا پروگرام چونکہ سرکاری سطح پر بنایا جا رہا ہے معلوم نہیں کراچی بھی شیڈول میں ہے کہ نہیں۔ ویسے سرکاری انتظام کے تحت کراچی میں بھی پروگرام رکھے گئے تھے اور ڈاکٹر صاحب سرکاری مہمان خانے وکٹوریہ روڈ پر مقیم رہے۔ میری ان سے وہاں ملاقات بھی ہوئی تھی۔ میں نے اس موقع پر پارکر فونٹین پین کا Set تحفے میں دیا تھا۔ میرے ساتھ میرا انجینئر لڑکا معین قریشی بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحب میرے لڑکے کی داڑھی کو غور سے دیکھتے رہے۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے مگر ان کو خوشی ہوئی کہ نوجوان لڑکا ابھی سے داڑھی رکھا ہوا ہے۔

Marfat.com

(۱۸۷) ڈاکٹر صاحب نے اپنی ذاتی مصروفیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ آج کل وہ اپنے کمرے کو بدلوانے میں مصروف ہیں کیونکہ مالک مکان جو ایک فرنچ لیڈی ہے ان سے کمرہ بدلوانے کے لئے کہا ہے اور ڈاکٹر صاحب پریشان ہیں کہ کس طرح ان کا بکھرا ہوا سامان جو کتابوں سے بھرا ہوا ہے کسی اور نئے کمرے میں رکھوایا جائے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے شاگردوں نے یہ کام انجام دیا ورنہ خود ڈاکٹر صاحب اکیلے نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اپنے دوسرے ضروری کاموں کو بھی مکمل کرنا چاہتے تھے۔

(۱۸۸) ڈاکٹر صاحب نے اطلاع دی ہے کہ انھوں نے جو مجھ سے Evolution کتاب بھجوانے کے لئے لکھا تھا اب منع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے دوسرے دوست نے یہ کتاب بھجوادی ہے۔ یہ کتاب ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی تردید میں لکھی گئی ہے۔ غالباً آدمی کی پیدائش کی تردید کی گئی ہوگی جو اسلامی نظریے کے خلاف ہے۔

(۱۸۹) ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کی وضاحت کی ہے کہ ریونیوں میں وہاں کی جامع مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات پر تقریر کی تھی۔ تقریر لکھ کر وہ نہیں کرتے، فی البدیہہ تقریر کرتے ہیں۔ اس کی مثال خطبات بہاولپور کی ۱۲ تقاریر ہیں۔

(۱۹۰) ڈاکٹر صاحب نے رسالہ ختم نبوت ملنے کے بعد اطمینان کا اظہار کیا۔

(۱۹۱) میں نے اپنے لڑکے کی منگنی کی اطلاع دی تھی جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے دعا کی ہے کہ اللہ نوازے اور میاں بیوی کو تاحیات رضائے الٰہی مرحمت فرمائے۔

(۱۹۲) ڈاکٹر صاحب نے پیرس کی قدیم مسجد (ستر سال پرانی) کا ذکر کیا ہے مسجد سلطان مراکش۔ یہ مسجد مراکش کے سلطان نے بنوائی تھی جبکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی اور اب چونکہ مسلمانوں کی تعداد پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے، پچاس ہزار مسلمان آباد ہیں اور غیر مسلم نوجوان، بوڑھے اسلام کو قبول کرتے جارہے ہیں، ان حالات کی وجہ سے موجودہ پیرس کی انتظامیہ نے قدیم مسجد کی تعمیر کے لئے ۱۱ لاکھ روپے کا عطیہ دیا ہے اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع بھی ہوگیا ہے۔ فرانس کی حکومت کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ اچھا ہے۔

(۱۹۳) ڈاکٹر صاحب ہر خط میں لکھ رہے تھے کہ رسالہ ختم نبوت کی طرف سے کوئی رسالہ ان کے نام نہیں بھیجا جارہا ہے لیکن اب لکھا ہے کہ پرانے دو رسالے ملے ہیں لیکن جس شمارے میں ڈاکٹر صاحب کا تردیدی مضمون شائع ہوا تھا وہ شمارہ اب بھی نہیں بھجوایا گیا۔ یہ دفتر والوں کی نااہلی کا ثبوت ہے کہ جس رسالے کی ضرورت تھی وہ نہیں بھجوایا۔

(۱۹۴) ڈاکٹر صاحب نے اپنی سوانح عمری نہ لکھوانے کے بارے میں کچھ تشریح یوں کی ہے کہ ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ سوانح عمری کے خلاف ہیں اور دوستوں کو بھی منع کرتے ہیں کہ وہ سوانح لکھیں۔

(۱۹۵) ڈاکٹر صاحب نے پھر دوبارہ لکھا ہے کہ انھوں نے رسالہ ترجمان القرآن کے ایڈیٹر صاحب کو رجسٹری کے ذریعہ خط بھجوایا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون تھا۔ مجھ سے پوچھا ہے کہ ان سے معلوم کریں کہ ان کو خط ملا کہ نہیں۔ ان کو خط کے شائع یا نہ شائع ہونے سے دلچسپی نہیں ہے صرف خط کے مل جانے سے دلچسپی ہے۔

Marfat.com

کیونکہ ان کے خطوط اکثر ڈاک میں گم ہو جاتے ہیں۔

(۱۹۶) ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ایک خط ڈان اخبار میں شائع ہوا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ اس کے خلاف تردیدی خط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے دعا کی ہے کہ اللہ آپ کو ہزاروں ہزار جزائے خیر دے۔

(۱۹۷) ڈاکٹر صاحب پاریس (ڈاکٹر صاحب ہمیشہ پیرس کو پاریس لکھتے)، شہر میں مسجدوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ان کی انجمن کی طرف سے بھی ایک مسجد محلّہ شوازی لروا میں بنائی گئی ہے۔

(۱۹۸) میں نے اپنے لڑکے معین قریشی جو انجینئر ہے، جناب ڈاکٹر امیر احمد صاحب کی لڑکی عائشہ تسنیم سے شادی ہونے والی ہے جو خود بھی ڈاکٹر ہے۔ یہ شادی ۴ر فروری ۱۹۹۳ء کو ہوگی۔ میرے بھیجے ہوئے شادی کے رقعہ کو پڑھ کر ڈاکٹر صاحب نے دلہا دلہن کو مبارک باد دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں زندگی بھر خوش رہیں اور اللہ انھیں حسنات دارین عطا فرمائے۔ اولاد ہو تو وہ بھی خوش اخلاق رہے۔ دلہا دلہن کے والدین بھی حسنات سے بہ افضال الٰہی سرفراز رہیں۔

(۱۹۹) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ آئندہ خط کے جواب میں تاخیر ہو جائے گی کیونکہ وہ ایک آپریشن کے سلسلے میں ہاسپٹل میں داخل ہوں گے اور وہ ۲۸ فروری ۱۹۹۲ء کو ہاسپٹل میں داخل ہوں گے اور نہ جانے کتنے دن وہاں رہنا پڑے۔ دعا کے لئے لکھا ہے کہ آپریشن کی کامیابی کے لئے دعا کروں۔

(۲۰۰) میں نے روزانہ کے لئے ڈاکٹر صاحب سے تسبیح پڑھنے کے لئے معلوم کیا تھا کہ وہ کیا پڑھتے ہیں۔ ان کا جواب آیا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَصَلَّ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ چنانچہ اور تسبیحوں کے ساتھ روزانہ یہ تسبیح بھی خاص طور پر پڑھتا ہوں اور قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ بھی تسبیح کا ورد کرتے رہیں۔

(۲۰۱) ڈاکٹر صاحب کو میں نے میرے لڑکے معین قریشی کی شادی کے ساتھ ساتھ ولیمے کا کارڈ بھی بھیج دیا تھا جس کے لئے علیحدہ دعا کی ہے کہ خدا آپ سب کو حسنات دارین عطا فرمائے۔

(۲۰۲) ڈاکٹر صاحب پہلے بھی لکھ چکے تھے کہ مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے خلاف جو مضمون شائع ہوا تھا اس کے تردیدی جواب کے لئے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کو لکھوں کہ وہ جواب لکھیں۔

(۲۰۳) ڈاکٹر صاحب نے رمضان المبارک کے شروع ہونے سے پہلے مبارک باد دی ہے۔

(۲۰۴) صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ خط ڈاکٹر صاحب کو نہ مل سکے جو کہ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب نے مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے متعلق لکھے تھے جس کا ڈاکٹر صاحب کو افسوس ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب اس کی روشنی میں جواب لکھنا چاہتے تھے۔

(۲۰۵) ڈاکٹر صاحب نے پہلے آپریشن کا ذکر تو کیا مگر بیماری کی وضاحت نہیں کی تھی۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ مثانے کا آپریشن تھا جس کے لئے وہ ڈھائی مہینے ہاسپٹل میں رہے۔ اب گھر واپس آنے کے بعد بھی علاج جاری ہے۔

(۲۰۶) ڈاکٹر صاحب نے کتاب النبات کا پھر ذکر کیا ہے کہ وہ کتاب ہمدرد والے کب تک شائع کریں گے۔

Marfat.com

دراصل اس کی چھپائی (Printing) میں دیر ہو رہی تھی۔ کتاب ضخیم ہے اور عربی میں ہے اس لئے اس کی چھپائی پر زیادہ توجہ دینی پڑ رہی تھی (بالآخر وہ بعد میں شائع ہوگئی)۔

(۲۰۷) ڈاکٹر صاحب کو میں نے عید کارڈ بھجوایا تھا جس کے لئے مجھے بھی مبارک باد لکھا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے عید کارڈ بھجوانے کو فضول خرچی تصور کرتے تھے۔

(۲۰۸) ڈاکٹر صاحب کو امریکہ سے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب نے جو خط لکھا تھا ان کو مل گیا تھا۔ ڈاکٹر رضی الدین صاحب امریکہ اس لئے گئے تھے کہ ان کی بیوی صاحبہ بیمار تھیں۔

(۲۰۹) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر رضی الدین صاحب نے دوبارہ مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب کے حالات لکھ کر بھجوائے ہیں کیونکہ پہلا خط پیرس نہیں پہنچا تھا۔

(۲۱۰) میں نے جناب قطب الدین عزیز صاحب کی کتاب بھجوائی تھی۔ جناب عزیز صاحب میرے ساتھ عثمانیہ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ چونکہ کتاب زوالِ حیدرآباد سے متعلق تھی اس لئے ضروری سمجھ کر میں نے ڈاکٹر صاحب کو بھجوائی تھی جس کا شکریہ ادا کیا ہے۔

(۲۱۱) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ بہادر یار جنگ اکیڈیمی کی طرف سے بھی جناب قطب الدین عزیز صاحب کی کتاب کے ساتھ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کی سوانح عمری کا ایک نسخہ بھی بھجوایا گیا تھا جس کے لئے ڈاکٹر صاحب نے جملہ اخراجات لکھنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے جواب میں کچھ نہیں لکھا کیونکہ ڈاک کے اخراجات پہلے میں نے بعد میں اکیڈیمی نے خوشی سے ادا کئے تھے۔

(۲۱۲) ڈاکٹر صاحب نے کتاب النبات کے ملنے کے بعد شکریہ ادا کیا ہے۔ لیکن حکیم نعیم الدین صاحب کی غلطی کا بھی اظہار کیا ہے جو کہ انھوں نے نام کے لکھنے میں کی تھی۔ انھوں نے Hameedullah لکھوایا ہے ممکن ہے کہ کمپوزنگ کی غلطی ہو، ویسے ڈاکٹر صاحب اپنے نام کی Spelling کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ انگریزی میں اپنا نام Hamidullah لکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کو کتاب النبات کے شائع کرنے پر شکریہ ادا کر دیں۔ میں نے ٹیلی فون پر حکیم صاحب کا شکریہ ادا کر دیا تھا۔

(۲۱۳) ڈاکٹر صاحب اکثر لکھا کرتے تھے کہ ڈاک کے اخراجات ان سے لے لوں۔ میں ہمیشہ اخراجات لینے سے انکار کرتا۔ آج کے خط میں ڈاک کے اخراجات نہ لینے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا دی ہے کہ اللہ حسنات دارین عطا فرمائے۔

(۲۱۴) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ کتاب النبات کے چھپنے کی اطلاع حکیم زبیری صاحب نے تار کے ذریعہ پیرس دی ہے۔ حالانکہ وہ ایک نسخہ پہلے ہی بھجوا چکے ہیں حالانکہ تار پہلے دینا چاہئے تھا۔

(۲۱۵) ڈاکٹر صاحب نے ایک خط کے واپس آنے کی اطلاع دی ہے کہ انھوں نے جناب محمد حبیب اللہ غیاث صاحب کو جوابی خط لکھا تھا مگر وہ خط ڈاکٹر صاحب کو پیرس واپس چلا گیا۔ غالباً پتے کی تبدیلی ہو سکتی ہے۔

(۲۱۶) ڈاکٹر صاحب جناب قطب الدین عزیز صاحب کو خط لکھنے والے تھے مگر انھوں نے نہیں لکھا۔ مجھ سے

Marfat.com

لندن کا پتہ معلوم کیا ہے۔

(۲۱۷) ڈاکٹر صاحب کتاب النبات کے سلسلے میں لکھ چکے ہیں کہ ایک نسخہ مل گیا اور حکیم صاحب نے تار بھی بھجوا دیا تھا لیکن آج کے خط میں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی ہے کہ کتاب النبات کے مکمل پروف ملے ہیں۔ مطلب یہ کہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے جس کا ڈاکٹر صاحب انتظار کر رہے تھے تاکہ وہ کتاب آنے کے بعد اپنے دوستوں اور کتب خانوں کو دے سکیں۔

(۲۱۸) ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیماری کے سلسلے میں پھر لکھا ہے کہ علاج جاری ہے۔ مطلب یہ کہ آپریشن کے بعد ابھی تک مکمل صحت یابی نہیں ہوئی تھی۔

(۲۱۹) ڈاکٹر صاحب کو تشویش ہے کہ عراق کی جنگ کویت کے خلاف ہو رہی ہے، دنیا میں ہر طرف جنگی جنون کی سی کیفیت ہے۔ مسلمانوں پر رحم کی دعا کر رہے ہیں۔

(۲۲۰) ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ یاد دلایا ہے کہ جناب قطب الدین عزیز صاحب کا لندن کا پتہ میں نے نہیں بھجوایا۔ دراصل خود مجھے معلوم نہیں تھا اور جناب عزیز صاحب نے بھی لندن سے اپنا پتہ نہیں لکھا۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہ خود براہ راست ان کو لکھتے۔

(۲۲۱) کتاب النبات کے پروف میں طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے تصحیح کرنے کے لئے خاص طور پر ناشر کو دو خطوط بھی لکھے مگر ان کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کو کتاب میں غلطیوں کا خاص طور پر خیال رہتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کتاب میں غلطیاں نہ ہوں۔

(۲۲۲) میں نے ڈاکٹر صاحب کو عثمانیہ یونیورسٹی کے صد سالہ جشن کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ کراچی میں ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ ان کی خواہش ہے کہ تین چار دن کے لئے جشن میں شرکت کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ فرانسیسی حکومت نے اپنے سارے ملازمین اور وظیفہ خواروں کی تنخواہوں میں کمی کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں رہیں گے کہ جشن کے موقع پر کوئی تحفہ دے سکیں۔

(۲۲۳) ڈاکٹر صاحب نے پیرس کے اخبارات میں حکیم محمد سعید صاحب کے سندھ کا گورنر بننے کی اطلاع پڑھ کر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ لیکن پھر بھی مبارک باد دی ہے۔ ان کا غالباً یہ خیال ہوگا حکیم سعید صاحب جیسے شخص گورنری قبول نہ کریں گے۔ کیونکہ ہمدرد کے انتظامی امور اتنے زیادہ ہیں کہ انہی کو انجام دینے میں سارا وقت صرف ہو جاتا ہے۔

(۲۲۴) ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ جناب قطب الدین عزیز صاحب نے کراچی سے ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا کہ مجھ سے رابطہ کریں اور شبہ ظاہر کیا کہ جناب عزیز صاحب کو ان کا خط نہیں ملا جس میں تحفے کا ذکر کیا تھا۔ اور تاکید کی ہے کہ ان کو ٹیلی فون کر کے معلوم کروں کہ ڈاکٹر صاحب کا پرانا خط ان کو ملا کہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب خطوط کے ملنے نہ ملنے کی وجہ سے پریشان رہتے تھے۔ ان کو جب اطمینان ہوتا جب ان کا خط مل جائے۔

(۲۲۵) میں نے اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو لکھا تھا کہ میں نے جناب عزیز صاحب کو خط لکھ دیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کو میرا خط ہی نہیں ملا جس کو وہ اپنے کاغذات میں تلاش کرتے رہے پھر بھی نہ ملا۔ البتہ کراچی

Marfat.com

کے جھگڑوں کے بارے میں لکھا ہے جو پیرس کے اخبارات میں شائع ہو رہے تھے اور دعا کی ہے کہ اللہ رحم فرمائے اور مسلمانوں کو عقل دے کہ آپس میں جھگڑے نہ کریں۔

(۲۲۶) کتاب النبات کے نہ ملنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو چھپی ہوئی کتاب اب تک نہیں ملی تا کہ وہ دوستوں میں تقسیم کر سکیں۔

(۲۲۷) ڈاکٹر صاحب نے پوچھا ہے کہ کراچی میں کوئی قرآنی انسائیکلوپیڈیا چھپ رہی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس ادارے کا ذکر کیا تھا۔ ویسے کراچی سے جناب قاسم محمود صاحب حیدرآبادی قرآنی انسائیکلوپیڈیا چھاپ رہے تھے جو اردو میں اپنی نوعیت کی نادر کتاب ہے۔

(۲۲۸) ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ امریکہ سے ان کے بھتیجے کی لڑکی محترمہ سدیدہ شفیق صاحبہ پیرس ان سے ملنے کے لئے آئی تھیں اور ان کا سامان Clear کروانے کے لئے میرے دوست سید باقر رضوی صاحب نے جو ان دنوں P.I.A کی طرف سے ٹریفک منیجر تھے ڈاکٹر صاحب کی ہر طرح سے مدد کی تھی ایک عالم دین کی حیثیت سے دوسری وجہ حیدرآبادی ہونے کی حیثیت سے۔ (اس بات کا ذکر جناب باقر رضوی صاحب نے ٹیلی فون پر بھی مجھ سے کیا تھا)۔

(۲۲۹) ڈاکٹر صاحب نے ایک غلط فہمی کا ذکر کیا ہے جو کہ جناب قطب الدین عزیز صاحب کے خط سے پیدا ہوئی۔ غالباً جناب عزیز صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے خط کو صحیح طور پر سمجھا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ انھوں نے دو کتابوں کے ملنے کی اطلاع خط میں دے دی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ خط لکھ کر اس غلط فہمی کو دور کر دیا تھا۔

(۲۳۰) ڈاکٹر صاحب سے میں نے دوحہ سے چھپی ہوئی کتاب قرآنی تراجم کے لکھنے والے کا نام معلوم کیا تھا تو انھوں نے لکھا ہے کہ ان کا نام المعاریجی ہے۔ میں نے ان کا پتہ معلوم کر کے دوحہ خط لکھا تو انھوں نے مجھے اپنی تالیف شدہ کتابیں عربی اور انگریزی میں بھجوا دی تھیں۔ عربی کی کتاب میں نے علی گڑھ سے آئے جناب ابوسفیان اصلاحی صاحب کو دے دی تھی تا کہ ان کے کام آ سکے۔ جناب المعاریجی کا پورا نام ڈاکٹر حسن المعاریجی ہے۔ ان کی یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں دوحہ (قطر) سے شائع ہوئی تھی۔

(۲۳۱) ڈاکٹر صاحب نے آج کے خط میں ایک نئی بات کہی ہے میرے لئے، لکھا ہے کہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے سلسلے میں میرے ساتھ آپ کی ہمدردی بڑی متاثر کن ہے۔ حالانکہ میں تو ترجمان کے فرائض انجام دے رہا تھا اور وہ بھی استاد محترم کی خدمت کرنا میرا فرض کفایہ ہے اور ڈاکٹر صاحب کو میری یہ خدمات بہت متاثر کر رہی ہیں۔ یہی بڑا صلہ ہے۔

(۲۳۲) ڈاکٹر صاحب نے میری لڑکی افروز الیاس کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے رشتے دار اور شاگرد ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سے میری خط و کتابت ڈاکٹر صاحب کے کام کے سلسلے میں ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی لڑکی سے کہا تھا جو حیدرآباد دکن میں رہتی ہے کہ ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سے مل کر ان کی خیریت معلوم کرو کیونکہ وہ ان دنوں گٹھیا کے مرض میں مبتلا تھے اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے میری لڑکی کا

Marfat.com

ان سے ملنے کا ذکر کیا اور شکریہ بھی ادا کیا کہ اس طرح میری لڑکی بھی ڈاکٹر صاحب کے کام کے سلسلے میں مدد کر رہی ہے۔

(۲۳۳) ڈاکٹر صاحب کو پاکستان سے ملتان کی بہاؤالدین یونیورسٹی سے ایک مقالہ جو Ph.D کے لئے لکھا گیا تھا (موضوع نہیں لکھا) جانچنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب ان دنوں دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ مقالے کو بھی پڑھ رہے تھے تاکہ طالب علم کی تحقیقاتی کوششوں کو پرکھ کر نمبر دے سکیں۔

(۲۳۴) ڈاکٹر صاحب نے ایک فرانسیسی قرآن کے مترجم پروفیسر فرانک رک (Frank Ruk) کا ذکر کیا ہے اور مترجم کی فرانسیسی ترجمے میں ایک غلطی کی نشاندہی کی تھی جس کے لئے پروفیسر نے شکریہ ادا کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے لفظ دینار کی تشریح کی تھی کہ دینار سے مراد سونا نہیں ہے جو عام طور پر لیا جاتا ہے بلکہ وہ Denior ہے جو ہم لوگ (حیدرآبادی) عام طور پر دمڑی کہتے ہیں۔ یعنی بہت ہی کم قیمت کا چھوٹا سکہ جو صرف گنتی میں شمار ہوتا ہے اس کی بذات خود کوئی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ایک پیسے سے بھی کم قیمت بلکہ قیمت ہی نہیں ہوتی۔

(۲۳۵) ڈاکٹر صاحب اپنی تالیف شدہ کتاب النبات کا بار بار ذکر کر رہے ہیں۔ ہمدرد والوں نے چھپی ہوئی کتاب اکتوبر ۱۹۹۳ء تک نہیں بھجوائی تھی۔ وہ اپنی تسلی یوں کر لیتے کہ اللہ مالک ہے۔

(۲۳۶) ڈاکٹر صاحب ایک فرانسیسی کتاب جس کا عنوان ہے اظہار الحق، جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب نے ترتیب دی تھی، اس کتاب کو ڈاکٹر صاحب نے نظر ثانی کر کے واپس مولانا محترم جسٹس تقی عثمانی کو کورنگی کے پتے پر بھجوائی تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ مولانا سے معلوم کرو کہ ان کو وہ کتاب جو ہوائی ڈاک سے بھجوائی گئی تھی ملی کہ نہیں۔ میں نے خط آنے کے بعد مولانا محترم جسٹس تقی عثمانی صاحب کو خط لکھا تھا کہ کتاب کی رسید ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو بھجوا دیں۔ یقیناً محترم عثمانی صاحب نے جواب دے دیا ہوگا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے سلسلے میں دوبارہ یاددہانی نہیں کرائی تھی۔

(۲۳۷) ڈاکٹر صاحب نے اطلاع دی ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی سلور جوبلی کے جشن کے سلسلے میں ان کو دعوت نامہ بھیجا جائے گا حکومت کی اجازت کے بعد، ویسے وہ جوبلی کے جشن میں آنا چاہتے ہیں (مگر وہ شریک نہیں ہو سکے تھے)۔

(۲۳۸) ڈاکٹر صاحب نے پہلی دفعہ لکھا ہے کہ وہ اپنی چھپی ہوئی کتابوں پر معاوضہ رائلٹی نہیں لیتے لیکن بعض مہربان ناشر بھی موجود ہیں جو ڈاکٹر صاحب کو زبردستی معاوضہ شروع میں ہی ادا کر دیتے تھے جس کو ڈاکٹر صاحب غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے بلکہ بعض کو منی آرڈر بھی کرتے تھے۔

(۲۳۹) ڈاکٹر صاحب نے جناب قطب الدین عزیز صاحب کی کتاب ''ریاست کا قتل'' میں اس کمی کو پورا کیا ہے جو کہ کتاب میں نہیں لکھی گئی تھی۔ حیدرآباد کے Case کے سلسلے میں جو وفد بھیجا گیا تھا وہ عراق اور ایران علیحدہ علیحدہ بھیجا گیا تھا جو بعد میں پیرس میں پہنچ گئے تھے اور وفد کے صدر نواب معین نواز جنگ کے ساتھ پیرس میں UNO کے اجلاس میں بھی شریک ہوئے جو ان دنوں نیویارک کے بجائے پیرس میں ہو رہا تھا۔

Marfat.com

(۲۴۰) میں نے اخبار ڈان کے لئے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے ایک خط کا ڈرافٹ نظر ثانی کے لئے بھجوایا تھا تا کہ ڈاکٹر صاحب اس میں ترمیم واضافہ کر سکیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ڈرافٹ میں ایک دو الفاظ کا اضافہ کیا تھا۔

(۲۴۱) ڈاکٹر صاحب نے جامعہ عثمانیہ کی سلور جوبلی کے جشن میں شریک نہ ہونے کی وجہ لکھی ہے کہ ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی تک زیر علاج ہیں اور ۸۷ برس کی عمر بھی ہو چکی ہے۔ عمر کی تصدیق کے لئے تاریخ پیدائش بھی لکھی ہے (محرم ۱۳۲۶ ہجری)۔

(۲۴۲) مجھے ان کا نام یاد نہیں آ رہا جنہوں نے میرے پتے پر ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا تھا۔ میں نے وہ خط ڈاکٹر صاحب کو بھجوا دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ انھوں نے ان صاحب کو جواب دے دیا ہے اور مجھے بھی اطلاعاً لکھ رہے ہیں۔

(۲۴۳) ڈاکٹر صاحب نے سکہ دینار کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ انگریزی میں Denar لکھا جاتا ہے وہ معرّب ہے۔ اس کو اردو میں (خاص کر حیدر آبادی لوگ) دمڑی کہتے ہیں۔ دمڑی سکہ تو ہوتا ہے مگر اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

(۲۴۴) ڈاکٹر صاحب نے ترکی کے ادارے IRCICA کے ڈائریکٹر جنرل جناب اکمل الدین اوغلو صاحب کا ذکر کیا ہے جو World Bibliography of Translations of the Holy Qur'an جیسی ضخیم کتاب شائع کر چکے ہیں ۱۹۸۵ء میں۔ جس میں دنیا کی مختلف زبانوں کے تراجم قرآن کا ذکر ہے۔ تقریباً ۸۵ مکمل تراجم کی مختصر سی تفصیل دی گئی ہے اور جناب اوغلو صاحب غیر مطبوعہ قرآنی تراجم کو بھی جو دنیا کی تمام زبانوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں اس کو بھی شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ کتاب بھی ۲۰۰۰ء میں شائع ہو گئی ہے۔

(۲۴۵) میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا تھا کہ آج کل وہ کونسی کتاب لکھ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ آج کل وہ کوئی مخصوص کتاب نہیں لکھ رہے ہیں صرف اپنے معمول کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں جس طرح سے ان کا ہمیشہ طریقہ رہا ہے۔

(۲۴۶) ڈاکٹر صاحب نے جناب غلام محمد صاحب کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اہل وعیال کو صبر کی توفیق دے۔ جناب غلام محمد صاحب، بہادر یار جنگ اکیڈیمی کے مجلس عاملہ کے اہم رکن تھے۔ ان کا تعلق حیدر آباد سے تھا۔ انھوں نے نماز کے بارے میں ایک جامع کتاب لکھی ہے گلدستۂ نماز جو ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث خاص طور پر لکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (نماز اس طرح پڑھو جیسے تم مجھ کو پڑھتا دیکھتے ہو)

اس کے علاوہ انھوں نے ایک اور کتاب سورہ یوسف کی تشریح میں بھی لکھی ہے۔

(۲۴۷) میں نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا تھا کہ جناب حکیم محمد سعید صاحب Ph.D کے لئے مقالہ لکھوانا چاہتے

Marfat.com

ہیں۔اس کے جواب میں لکھا ہے کہ اس تجویز سے ان کو اتفاق نہیں ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس کی وجہ نہیں لکھی کہ ان کو ان کی زندگی اور فن پر مقالہ لکھوانے سے اعتراض کیوں ہے حالانکہ اس سے ان کے کام کی وضاحت بھی ہو جاتی اور اسلام کے بارے میں دلچسپی بڑھ جاتی۔

(۲۴۸) ڈاکٹر صاحب عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کی سلور جوبلی کے سلسلے میں جو کام کرنا چاہتے تھے وہ نہ کر سکے۔ایک تشریح یہ بھی کی ہے جامعہ عثمانیہ کی واحد خصوصیت اردو کا ذریعہ تعلیم ہونا ہی نہیں ہے بلکہ وہاں دینیات کی تعلیم بھی اور اخلاقیات بھی لازمی مضمون تھا۔

(۲۴۹) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرانسیسی زبان میں کتاب لکھ رہے تھے اب شائع ہو گئی ہے اور ناشر پر اعتراض کیا ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر کتاب میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔اور ڈاکٹر صاحب ناشر سے احتجاج کر رہے تھے اور خطوط بھی لکھ چکے تھے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کو نکال دے۔

(۲۵۰) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، جو مقالہ لکھنا چاہتے تھے ابھی تک اس کو لکھنا شروع نہیں کیا ہے۔نہ لکھنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ وقت نہیں مل رہا ہے کیونکہ دوسرے کام بھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو بھی پورا کرنا پڑتا ہے۔

(۲۵۱) ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کی فہرست کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کچھ اور کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔میرے پاس یہ فہرست ہے جو امریکا سے جناب احمد عبدالخالق صاحب نے بھجوائی تھی۔

(۲۵۲) ڈاکٹر صاحب نے پیرس کے غیر مسلموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عام لوگ مسلمان ہو رہے ہیں اور یہ عمل صرف اللہ کی ہدایت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔والحمدللہ۔

(۲۵۳) میں نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف شدہ کتاب النبات جو ہمدرد نے شائع کی تھی، ڈاکٹر صاحب کو بھجوائی تھی جس کو پڑھ کر لکھا ہے کہ ان کے لکھے ہوئے مقدمے میں طباعتی غلطی موجود ہے۔لکھا ہے کہ النضر کے بجائے النظرین لکھا ہے جس کی تصحیح کروانا ضروری ہے۔

(۲۵۴) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ہمدرد والوں نے ان کی کتاب النبات کے پانچ نسخے بھجوائے ہیں جس کا ان کو انتظار تھا۔حالانکہ کم از کم دس نسخے بھجوانا چاہئیں تھے جیسے ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہ لائبریریوں میں بھی تقسیم کریں گے۔

(۲۵۵) ڈاکٹر صاحب جس Flat میں رہتے تھے مالکن کی وجہ سے کمرہ بدلنا پڑا جس کے نتیجے میں ساری چیزیں ادھر ادھر ہو گئیں۔ان کو ٹھیک کرنے پر وقت لگے گا اور اس کام کے لئے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں۔

(۲۵۶) ڈاکٹر صاحب کی کتاب خطبات بہاولپور پر اخبار جنگ میں کچھ اعتراضات کئے گئے تھے۔چونکہ اعتراضات اتنے اہم اور ضروری نہیں تھے میں نے تراشے دوبارہ نہیں بھجوائے۔

(۲۵۷) ڈاکٹر صاحب نے عید قربان کے موقع پر عید کی مبارک باد دی۔وہ صرف مبارک باد ہی لکھ دیا کرتے تھے عید کارڈ کے بھجوانے سے گریز کرتے تھے اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔یہ فرنگیوں کا طریقہ ہے۔

(۲۵۸) ڈاکٹر صاحب کی مختلف کتابوں پر جناب رفیع اللہ شہاب صاحب نے ایک کتاب میں جو انھوں نے

Marfat.com

تالیف کی تھی چند اعتراضات کئے تھے، میں نے ڈاکٹر صاحب کو اعتراضات کا تراشا بھجوایا تھا۔ جواب میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ خود جواب دینا دوبھر سمجھتے ہیں اس لئے مجھے اجازت دی ہے کہ میں ان اعتراضات کا جواب دوں۔ چونکہ اعتراضات اتنے اہم نہیں تھے اس لئے میں نے ان کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور نہ ہی ڈاکٹر ظفر اسحاق صاحب کو لکھا کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دیں۔

(۲۵۹) ڈاکٹر صاحب نے ڈاک کی خرابیوں کی وجہ سے دو خطوط مجھے بھجوائے کہ ایک خط جناب صلاح الدین صاحب ایڈیٹر تکبیر، دوسرا خط جناب محمود علی انصاری صاحب (صدر انجمن طلبہ قدیم جامعہ عثمانیہ) کو بھجوادوں۔ میں نے تعمیل فوری کردی تا کہ ڈاکٹر صاحب کو گلہ نہ رہے۔

(۲۶۰) مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے پہلے کتاب اظہار الحق کی فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب بھجوائی تھی اب انھوں نے اس کتاب کے اردو ترجمے کے تین نسخے پیرس بھجوائے تھے جس کے ملنے کی اطلاع میں نے مولانا تقی صاحب کو دے دی تھی۔

(۲۶۱) ڈاکٹر صاحب کو افسوس ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب سارے یورپ کے دورے پر جارہے ہیں مگر پیرس نہیں جائیں گئے حالانکہ پیرس راستے میں ہے۔ ان کو ڈاکٹر صاحب سے ملنے ضرور جانا چاہئے تھا۔

(۲۶۲) ڈاکٹر صاحب نے ایک کتاب کے مولف کا پتہ معلوم کرنے کے لئے لکھا کہ مدینہ منورہ میں ایک کتاب جس کا عنوان ہے احفظ اللّٰہ محفظک اور تالیف کیا ہے مولانا شیخ عائض بن عبدالعزیز القرنی نے۔ میں نے مدینہ منورہ میں دوست سے رابطہ کیا لیکن وہ مولف کے پتے سے مطلع نہ کرسکے۔ ڈاکٹر صاحب نے مدینہ کے ایک شیخ کو بھی لکھا مگر اس نے بھی مدد نہیں کی۔

(۲۶۳) میں نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے تمام مضامین اور کتابیں دوبارہ شائع کی جائیں۔ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۸ء کے بعد جب سے وہ پیرس میں مقیم ہیں تمام ذخیرہ تو موجود ہے مگر ان کی چھپائی کے لئے وسائل نہیں ہیں۔

(۲۶۴) میں نے لکھا تھا کہ حکیم محمد سعید صاحب اور اب حکیم نعیم الدین زبیری صاحب بھی ڈاکٹر صاحب کی سوانح عمری چھپوانے کے لئے اصرار کررہے ہیں۔ اس کے جواب میں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو چڑھ ہے (حیدرآبادی یہ لفظ عام طور پر نفرت کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں) بلکہ یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کے مرنے تک انتظار کریں۔ اب جبکہ ڈاکٹر صاحب کا ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء میں امریکا میں انتقال ہو گیا ہے حکیم زبیری صاحب کو چاہئے وہ کسی عالم دین کو اس کام پر مامور کریں اور سوانح حیات لکھوانے کے لئے ایک مختصر شعبہ بھی ہمدرد میں قائم کردیں۔ موصوف سوانح حیات کے لئے دنیا بھر سے مواد جمع کریں۔

(۲۶۵) ڈاکٹر صاحب نے ڈاک میں خطوط کے گم ہو جانے کی وجہ سے رجسٹری کے ذریعے بھجوانا مناسب سمجھا۔ یہ خط انھوں نے رجسٹری سے بھجوایا ہے۔

(۲۶۶) میں نے ڈاکٹر صاحب سے حیدرآباد دکن کی زندگی کے بارے میں پوچھا تھا کہ کچھ باتیں لکھ دیں۔ جواب میں لکھا ہے کہ اگر وہ لکھ سکے تو ضرور لکھ کر بھجوائیں گے۔ خوشی اس بات سے ہوئی کہ سوانح لکھنے پر آمادہ

Marfat.com

ہوئے۔

(۲۶۷) میں نے جناب پروفیسر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب کی بیماری کا ذکر لکھا تھا جس کو پڑھ کر انھوں نے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے اور خاندان نوائط میں سے تھے۔ قریبی رشتے داری تو نہیں تھی مگر ابتدائی تعلیم کے زمانے سے دوستی گہری ہوگئی تھی جو آخری زمانے تک جاری تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کی صحت کے لئے دعا کی ہے کہ اللہ جلد صحت کامل عطا فرمائے۔

(۲۶۸) ڈاکٹر صاحب سے میں نے دوبارہ حکیم محمد نعیم الدین زبیری صاحب کی خواہش کا اظہار کیا تھا جس کے جواب میں وہی اپنا جملہ دہرا رہے ہیں "مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے"۔ اور آپ کے دوست حکیم محمد سعید صاحب کے منظور نظر سے فرمایئے (حکیم زبیری صاحب) کہ حمید اللہ نامی فاضل ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ لیکن جب پیدا نہیں ہوا ہے تو یہ جملہ کیوں لکھا کہ اس کی سوانح عمری کے لئے اس کے مرنے کا انتظار کریں۔ اس طرح اب جواز پیدا ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی مکمل سوانح حیات لکھی جائے اور یہ کام ہمدرد فاؤنڈیشن ہی کرے کیونکہ اس کا فرض بھی ہے حق بھی۔

(۲۶۹) ڈاکٹر صاحب نے ایک دوست جناب محمود عالم صاحب کا پتہ معلوم کرنے کے لئے لکھا ہے۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو تار کیا تھا۔ یہاں حیدرآبادی دوستوں سے معلوم کیا تو کسی نے پتہ نہیں بتلایا اس لئے ان کا خط جناب محمود عالم صاحب تک نہیں پہنچا سکا۔

(۲۷۰) ڈاکٹر صاحب نے اطلاع دی ہے کہ جو کام ہمدرد والوں کی طرف سے شروع کیا گیا وہ کام جاری ہے اور ڈاکٹر صاحب کے مضامین کی فوٹو کاپی نکلوائی جا رہی ہے۔ چونکہ تعداد میں زیادہ ہیں اس لئے اس میں وقت لگے گا کیونکہ یہ کام ڈاکٹر صاحب کے شاگرد کرتے ہیں اپنے فاضل وقت میں۔

(۲۷۱) میں نے حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کے کہنے پر لکھا تھا کہ فوٹو کاپیاں جب مکمل ہو جائیں تو پیرس کے پاکستانی سفارت خانے کے ذریعے بھجوائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے سفارت خانے سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایسی کوئی خواہش ملی ہے تو سفارت خانے والے جواب نہیں دیتے حالانکہ ہاں یا نہیں میں جواب ضرور دینا چاہئے تھا۔

(۲۷۲) ڈاکٹر صاحب ہمدرد کے کہنے پر تمام مضامین کی فوٹو کاپیاں نکلوا رہے تھے لیکن ان کے اخراجات کی ادائیگی کے لئے حکیم زبیری صاحب کا خیال تھا کہ سفارت خانے کے ذریعہ ادا کروایا جائے لیکن ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ابھی تک سفارت خانے سے کوئی جواب نہیں آیا۔ غالباً ہمدرد والوں نے کوئی چیک ہی نہیں بھجوایا ہوگا۔

(۲۷۳) میں نے جناب محمود عالم صاحب کا پتہ بڑی مشکلوں سے حاصل کیا اور ڈاکٹر صاحب کو پتہ لکھنا بھول گیا اور خود محمود عالم صاحب کو تار دینے کے بعد خط بھی لکھنا چاہئے تھا وہ خط نہ لکھ سکے۔

(۲۷۴) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے تمام مضامین و مطبوعات کی فہرست کہیں غائب ہوگئی ہے۔ انھوں نے پوچھا ہے کہ میرے پاس فہرست کی دوسری کاپی ہے کہ نہیں۔ میں نے لکھا تھا کہ میرے پاس کی

Marfat.com

فہرست میں نے ہمدرد کو دے دی ہے۔ ویسے امریکا سے بھی احمد عبدالخالق صاحب سے منگوائی جاسکتی ہے۔

(۲۷۵) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے جب فوٹو کاپیاں نکلوانے کا کام ختم ہو جائے گا تو وہ سفارت خانے کو بنڈل بنا کر دے دیں گے اور وہ مجھے بھجوا دیں گے (حالانکہ ہمدرد کو بھجوانا چاہئے تھا) ڈاکٹر صاحب میرا ذریعہ درمیان میں رکھنا ضروری سمجھتے تھے تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔

(۲۷۶) ڈاکٹر صاحب نے گم شدہ فہرست کے لئے جناب احمد عطاء اللہ صاحب کو حیدر آباد لکھا تھا کہ فہرست کی نقل ان کو بھجوائیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب کو یاد نہیں رہا کہ انھوں نے اپنی فہرست کی کاپی کس کو دی تھی۔ لیکن ان کا خیال ہے کہ انھوں نے کسی کو بھی نہیں دی۔ اس کا مطلب یہ کہ فہرست انہی کے کاغذات میں موجود ہے جو ادھر ادھر ہو گئی ہو گی۔

(۲۷۷) ڈاکٹر صاحب کی موجودہ ذہنی پریشانی ان کی علالت کا سبب بھی ہو سکتی ہے کیونکہ گزشتہ سالوں میں چار مہینے تک ہاسپٹل میں زیر علاج رہے اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا (اس زمانے میں) کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہے تھے حالانکہ وہ ایک طویل عرصے سے پیرس میں اسی Flat میں رہا کرتے تھے مگر اب ان کو تنہائی کا احساس بڑھ گیا لیکن ان کو اطمینان تھا کہ پیرس میں رہ کر انھوں نے اسلام کی خدمت کی ہے کیونکہ پیرس میں کتب خانے اچھے ہیں جہاں ہر موضوع پر کتاب مل جاتی ہے جو تحقیق کے لئے بہت ضروری ہوتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ کتاب کی سہولت جو پیرس میں ہے وہ کسی اسلامی ملک میں نہیں مل سکے گی۔

(۲۷۸) پاکستان کے سربراہوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے کہا جاتا رہا تھا اور اب خاص طور پر صدر مملکت نے پیغام بھی بھجوایا تھا جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ان کے لئے پاکستان آ کر بسنا بے معنی چیز ہے۔ اس کی مزید توضیح یوں کی ہے کہ ان کی تالیفیں سات زبانوں میں ہیں اور وہ کئی زبانیں بھی پڑھ لیتے ہیں۔ پاکستان میں ان زبانوں کی مطلوبہ تالیفیں مل نہیں سکتیں اس لئے وہ مستقل سکونت اختیار نہیں کر سکتے۔

(۲۷۹) ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ وہ کئی سو مقالوں کی فوٹو کاپیاں نکلوا چکے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی فہرست کے مطابق ۹۵۰ مقالے ہیں اور ۱۷۱ کتابیں ہیں۔

(۲۸۰) چونکہ ڈاکٹر صاحب کے اخراجات کا چیک ہمدرد سے نہیں بھیجا گیا تھا اس لئے وقتی طور پر حکیم سعید صاحب نے کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ فی الحال مزید کاپیاں نہ نکلوائیں جب تک چیک ان کو وصول نہ ہو جائے۔

(۲۸۱) ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ اب تک جتنی کاپیاں نکل چکی ہیں ان کے اخراجات ہمدرد والے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گے۔ میں نے حکیم زبیری صاحب کو خط لکھ کر ڈاکٹر صاحب کی مالی حالت کا ذکر کیا تھا اور ان کو لکھا تھا کہ جلد سے جلد پیرس چیک بھجوا دیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ حکیم زبیری صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے نام چیک بھجوا دیا تھا لیکن بنک سے Cash ہونا باقی تھا کہ ڈاکٹر صاحب ۱۹۹۶ء میں بیمار ہو گئے اور محترمہ سدیدہ صاحبہ امریکہ سے پیرس آنے کے بعد چیک دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ ان کی سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ یہ کس

Marfat.com

طرح کا چیک ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی اس کی وجہ نہیں بتا سکے کیونکہ وہ بیمار تھے اور ذہنی کیفیت بھی متاثر ہوئی تھی چنانچہ بالآخر محترمہ سدیدہ صاحبہ نے وہ چیک ہمدرد کو واپس کر دیا۔ اس طرح اخراجات ادا نہ ہو سکے۔ ایک بات اور: ڈاکٹر صاحب نے دوسری دفعہ میرے نام سے مخاطب کیا ہے محترم مظہر ممتاز صاحب، ورنہ ہمیشہ وہ مخدوم و محترم ہی لکھا کرتے تھے۔ پہلی بار ۴ر دسمبر ۹۳ء کے خط میں بھی مخدوم و محترم کے آگے مظہر ممتاز بھی لکھا تھا۔

(۲۸۴) یہ ڈاکٹر صاحب کا آخری خط تھا جو میرے ۲۵ر ستمبر کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد محترمہ سدیدہ صاحبہ نے چار خطوط لکھے پیرس سے، امریکا سے کوئی خط نہیں آیا — البتہ ایک خط احمد عطاء اللہ صاحب نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی صحت اب ٹھیک ہے، لکھنے پڑھنے کا کام بالکل نہیں کر رہے ہیں۔ اس طرح جب تک ڈاکٹر صاحب امریکا میں رہے ان کی خیریت دوستوں سے معلوم ہوتی رہی۔ اور آخری وقت ان کا پریشانیوں میں گزرا کیونکہ وہ پہلے فلوریڈا میں رہتے تھے جہاں جناب سیّد ضمیر جعفری صاحب بھی جا کر ملے تھے اور اردو ڈائجسٹ میں ان کا مضمون شائع بھی ہوا تھا۔ یہ مضمون امریکا کے اردو اخبار میں پہلی بار چھپا تھا۔ اس کی فوٹو کاپی حیدرآباد دکن سے ڈاکٹر افضل الدین اقبال صاحب نے مجھے بھجوائی تھی۔

ایک موقع اس دوران ایسا بھی آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو مکان اور شہر بھی چھوڑنا پڑا۔ آنسہ سدیدہ عطاء اللہ صاحبہ ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے کر فلاڈلفیا میں اپنے بھائی کے Flat میں چلی گئیں فلاڈلفیا میں جہاں ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوا۔ اس کے بارے میں آنسہ سدیدہ نے انٹرنیٹ پر اپنے تاثرات نشر کروائے تھے۔ میں نے اس کا ترجمہ کر کے فکر و نظر کو بھجوایا ہے اشاعت کے لئے۔ اس کا دوسرا ترجمہ محمد راشد شیخ صاحب نے بھی کیا ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔

اب ڈاکٹر صاحب کے فن اور شخصیت پر مکمل کام کی ضرورت ہے جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہو۔ اور یہ کام ہمدرد اور ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے مقتدر حضرات اپنی ذاتی دلچسپی، لگن اور خلوص سے کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

مزید چار خطوط کی تشریح (حواشی)

۱۔ پہلا خط: ۱۹/ جمادی الآخرا ۱۴۰ھ

۱۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے سالے صاحب جناب راضی اشرف کو کسی تعلیمی ادارے میں داخلہ/ ملازمت دلوانے کے لئے لکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ''وہ کسی قاعدے سے واقف نہیں ہیں کہ طالب علموں کو محدود مدت کی ملازمتیں دی جاسکتی ہیں''۔

۲۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو لکھا تھا کہ میری سالی صاحبہ محترمہ پروفیسر ممتاز معین الحق صاحبہ کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کردیں تاکہ ہم اس کو شائع کرسکیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کرنے کا ذکر نہیں کیا صرف یہ لکھا نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ڈاکٹر صاحب ترجمہ کر دیتے تو ہم پیرس سے ہی اس کو شائع کرواتے۔ میرے دوست جو پیرس میں مستقل طور پر رہتے ہیں ان کی مدد سے یہ چھپ سکتی تھی۔ میرے دوستوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور اس کتاب کو شائع کروائیں گے۔ میرے جو دوست اس کام میں شریک ہونا چاہتے تھے ان کے نام ہیں مسرور خورشید (محی الدین احمد)، جناب ڈاکٹر مظہر الحق، جناب سید باقر رضوی۔ اور ڈاکٹر صاحب ان تینوں سے اچھی طرح واقف تھے کیونکہ ان کا تعلق حیدرآباد دکن سے ہے۔

۲۔ دوسرا خط: ۲۶/ رجب ۱۴۰۷ھ

۱۔ میرے دوست خورشید (محی الدین احمد خاں) جو میرے ساتھ پاکستان آنے کے لئے ۱۵/ دسمبر ۴۸ء کو حیدآباد سے نکلے تھے وہ لندن، امریکا میں ملازمتیں کرنے کے بعد مستقل طور پر پیرس میں مقیم ہوگئے تھے۔ میں نے خورشید صاحب کو لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ترجمہ نہ کرسکیں تو ان کی کوئی تازہ تصنیف/ تالیف حاصل کرلو تاکہ ہم شائع کرسکیں۔ خورشید صاحب خود جا کر نہ مل سکے اور اپنے دوست کو بھجوادیا اور ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ پیام رساں اصل بات کو سمجھا نہ سکے۔ جب میں نے خط لکھ کر اصل بات لکھی تو ڈاکٹر صاحب نے معذرت کرتے ہوئے لکھا کہ فی الوقت کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اشاعت کے لئے دی جائے اور ان کی دونوں فرانسیسی زبان میں ترجمہ کی ہوئی کتابیں، قرآن کا ترجمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ امریکا میں چھپ رہی ہیں۔ اور سیرت کا ترجمہ اسلام آباد کا ادارۂ تحقیقات اسلامی شائع کرنے والا ہے البتہ از راہ کرم ڈاکٹر صاحب نے اس کی اجازت دی کہ ان کے مضامین کو ترتیب دے کر کوئی کتاب ہم لوگ شائع کرسکتے ہیں۔ مضامین کا انتخاب، کمپوزنگ کی تصحیح ہم کو خود کرنا ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب نے آخر میں لکھا تھا کہ ''آپ نے میری ہمت افزائی کی'' حالانکہ ان کی کتاب کو شائع کرنے سے ہماری عزت افزائی ہوتی۔

۳۔ تیسرا خط: ۷/ جمادی الآخر ۱۴۰۸ھ

میں نے ہمارے حیدرآبادی دوست جناب ڈاکٹر عبدالرشید صاحب (عربی کے استاد، اسلامیہ کالج

Marfat.com

کراچی) کے مقالے کا ذکر کیا تھا جو کہ انھوں نے سندھ یونیورسٹی میں Ph.D کے لئے لکھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ڈاکٹر صاحب اس مقالے پر پیش لفظ لکھتے تا کہ ہم سندھ یونیورسٹی کی اجازت سے اس کو شائع کرتے۔ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کے مقالے کا عنوان تھا قرآنی امثال۔ یہ مقالہ اپنی نوعیت کا پہلا مقالہ تھا جو ہندوستان پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں Ph.D کے لئے لکھا گیا تھا۔ ہمارے اردو کے شاعر جناب ثناء اللہ میرا جی نے بھی قرآن کے امثال پر تحقیق کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنے مضمون میرا جی کے مشن کے تحت رسالہ ہم قلم کراچی (جنوری ۱۹۶۱ء) میں کیا تھا لیکن میرا جی جرمنی نہ جا سکے اور نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جناب ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کا یہ مقالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ سندھ یونیورسٹی کو چاہئے کہ اس کی اشاعت کا بندوبست کرے یا پھر کسی ناشر کو چھاپنے کی اجازت دے۔

۴۔ خط نمبر ۴: ۱۱ ربیع الانور ۱۴۱۰ھ

۱۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے ان کی تاریخ پیدائش کو Confirm کرنے کے لئے لکھا تھا کہ خطبات بہاولپور میں تاریخ پیدائش جو چھپی ہے وہ غلط ہے یا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تصدیق کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی تاریخ پیدائش: چہار شنبہ (صبح) ۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ ۱۹ جنوری ۱۹۰۸ء ہے۔ اس طرح یہی تاریخ مستند اور صحیح سمجھی جائے گی۔

۲۔ کراچی کے رسالے کہانی ڈائجسٹ میں ڈاکٹر صاحب پر ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ میں نے وہ رسالہ ڈاکٹر صاحب کو پیرس بھجوا دیا تھا۔ پڑھ کر ڈاکٹر صاحب نے غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے خط لکھ کر مجھے ہدایت کی کہ ایڈیٹر صاحب کو بھجوا دوں۔ میں نے خط ایڈیٹر صاحب کو بھجوا دیا لیکن وہ خط ایڈیٹر صاحب نے شائع نہیں کیا کہیں ان کی غیر ذمہ داری کا راز نہ کھل جائے۔

۳۔ اسی ادارے نے ڈاکٹر صاحب کی تصویر بھی شائع کی تھی جس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اڈیٹر کو اللہ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی تلقین کی اور آئندہ رسالے میں کسی کی بھی تصویر شائع کرنے سے منع کیا۔

۴۔ کہانی ڈائجسٹ نے نواب بہادر یار جنگ پر ایک مضمون جناب شہاب الدین یداللہی صاحب کا بھی شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ جاگیر اور اعزازات واپس لے لئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تصحیح کرتے ہوئے لکھا کہ بہادر یار جنگ نے خود ہی حضور نظام کو واپس کئے تھے۔

Marfat.com

بنام مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ

(۱)

مخدوم ومحترم

سلام مسنونِ نیاز مندانہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ایک اور مضمون ملفوف ہے، مناسب ہوتو شائع فرمادیا جائے، گزشتہ مضمون سنا کہ شائع ہوا اگرچہ تاحال پڑھنے یا دیکھنے میں نہیں آیا، خیر اسے کوئی اہمیت نہیں غرض تو اشاعت واطلاع تھی۔

گزشتہ دوسال سے معارف دیکھنے کو ترستا تھا ابھی حال میں ایک دوست کے یہاں ان شماروں کا بڑا حصہ دیکھنے میں آیا، اور دل بھر آیا، مسرت نہ صرف اس عزیز دور افتادہ دوست سے مکرر ملنے پر ہوئی بلکہ اس پر بھی کہ معیار اگر بلند نہیں ہوا تو ماشاء اللہ پرانا معیار برقرار ضرور ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب کا دلچسپ مضمون طب پر دیکھ کر مستفید ہوا۔ انھوں نے ابن سمجون کا خاصا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی کتاب بہ ظاہر اُن کی دانست میں مفقود ہے۔ الحمدللہ اب اس کے بڑے حصے کا بھی پتہ چل گیا ہے اس کی تالیف الجامع لاقوال الحکماء .....فی الادویۃ المفردۃ کی دوجلدیں میں نے آکسفورڈ کے کتب خانہ باڈلیان میں دیکھیں اور معلوم ہوا تھا کہ کچھ اور جلدیں بھی حال میں برٹش میوزیم میں آئی ہیں۔ تادمِ تحریر آخر الذکر کے مطالعہ کا موقع نہ ملا۔ آکسفورڈ کا مخطوط نہایت قدیم، نہایت خوشخط اور خط کوفی (مراکشی، مغربی) میں ہے۔ اس کا نہج وہی ہے جو بعد میں ابن البیطار کے ہاں ملتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ مختلف بوٹیوں کو حروف تہجی پر مرتب کر کے ان کے متعلق مختلف قدیم وہمعصر مؤلفوں کے بیانات یکجا جمع کر دیئے ہیں۔ اس میں بھی دینوری پر سب سے زیادہ اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی اس قابل ہے کہ اسے شائع کیا جائے۔ ہماری علمی میراث میں اسے اہم درجہ حاصل ہے۔

ایک اور بھی وجہ مسرت ہے:

مجھے یاد نہیں کبھی اس سے پہلے مولانا ابوالجلال ندوی کی میں نے کوئی چیز پڑھی ہو۔

Marfat.com

گزشتہ دو سال میں اُن کے جو مضمون چھپے ہیں ان سے ایسا معلوم ہوا کہ آسمانِ علم پر ایک نیا کوکب دُرِّی ایک درخشاں تارہ نمودار ہو گیا ہے، خدا اسے بہت دن تاباں رکھے، اُن کی تحقیقات قابل رشک ہے، اگر وہ کبھی کبھی فرانسیسی جرمن میں نہ سہی انگریزی ہی میں ان کے ترجمے یا خلاصے شائع کرائیں تو انھیں ہم فن زیادہ تعداد میں مل جائیں، انھوں نے ایک جرمن کتاب مولفہ دوزی (Die Israeliten zu mekka) کا ذکر کیا ہے، اس کا صحیح تلفظ ''دِی اسرائے لیتن تسومکہ'' ہے مولانا کی اعلام القرآن کا انتظار رہے گا، خدا کرے جلد تکمیل کو پہنچے اور یہ خدمت قرآن صاحبِ قرآن جل شانہٗ کے ہاں مقبول ہو۔

ابو محفوظ الکریم صاحب تفسیر طبری کے سلسلے میں مفید کام کر رہے ہیں، ایک چیز ذہن میں آتی ہے ان کے غور کے لئے عرض ہے، تفسیر طبری اپنے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، اس سے سات تو کیا ستر مستقل کتابیں اخذ اور الگ کی جا سکتی ہیں لیکن وہ اس طرح نئی کتابیں شائع کرنے کی کوشش کرنے کی جگہ محض اشاریے یا انڈکس شائع کر دیں تو کم خرچ اور زیادہ مفید ہو۔ تفسیر طبری اس وقت جن لوگوں کے پاس ہے ان کے لئے سات اور کتابیں خریدنا ایک طرح سے تحصیل حاصل ہو گا۔ مولوی ابو محفوظ الکریم صاحب نے جو سات عنوان تجویز کئے ہیں انھیں یہ مجوزہ انڈکس مرتب کریں اور مثلاً معانی القرآن کے سلسلہ میں الفاظ کو حروف تہجی پر مرتب کر کے یہ بھی بتاتے جائیں کہ وہ لفظ کس کس سورت اور کس آیت میں ہے، نیز طبری کی کس کس جلد اور کس صفحے میں کن سطروں میں ہے۔ یہی حال اعراب القرآن، بلاغات القرآن وغیرہ کا ہے، جو انڈکس میں الگ الگ ابواب میں آسکتے ہیں۔ طبری کی عبارتوں کو دہرانے کی ضرورت نہ ہو گی یوں بھی طبری کا ایک ہی فقرہ ممکن ہے متعدد ابواب سے متعلق رہے اور اس طرح بار بار نقل دہرانے سے تیس جلد کی تفسیر طبری کا ''اقتباس'' شاید ساٹھ جلدوں میں ہو جائے، موصوف کی فہرست میں کم از کم چار عنوانوں کا اضافہ مناسب ہو گا۔

(۱) آدمیوں کے نام (۲) مقاموں کے نام (۳) کتابوں کے نام (۴) اشعارِ شواہد کی یکجائی یا کم از کم صدر بیت مع قافیہ بتا کر تفصیل۔ اس طرح کے جامع اشاریے سے اہل علم کو بڑی سہولت ہو گی اور وہ اس خدمت کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ چند سال قبل سنا تھا کہ

Marfat.com

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی اسی طرح کا کام کر رہے یا کرنے والے تھے، انھوں نے غالباً اس پر کوئی مضمون بھی لکھا کہ اہل علم کی رائے طلب کی تھی، اگر یہ کام ایک اکیلے آدمی کے لئے بہت وقت لینے والا ہو تو کام کا خاکہ طے کر کے پانچ دس موزوں و مستعد افراد میں بانٹ دیا جا سکتا ہے اور نتیجہ ہند ہی نہیں عربی فارسی ممالک میں بھی خوش آمدید ہوگا، طبری کے دل سے بھی دعا نکلے گی۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۵۰ء)

(۲)

اتوار ۱۲ ربیع الانور ۸۰ھ باریس

مخدوم و محترم۔ سلام مسنون

رسالہ معارف کی جلد (۸۵) میں فاضل محترم اطہر مبارکپوری نے مسلسل دو قسطوں میں ''عرب و ہند کے قدیم علمی و ثقافتی تعلقات'' کے عنوان سے جدید دریافت و شائع شدہ نادر کتاب الذخائر و التحف للقاضی الرشید بن الزبیر پر تبصرہ فرمایا اور اقتباسات کا ترجمہ کیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار کی دو چیزوں پر کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

وہ لکھتے ہیں کہ القاضی الرشید نامعروف نہیں ہے بلکہ محترم پروفیسر عبدالعزیز میمنی صاحب نے اس کا حال کئی کتابوں میں پایا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابن خلکان اور یاقوت نے جس القاضی الرشید کا ذکر کیا ہے اس کی وفات ۵۶۱ھ یا ۵۶۲ھ میں ہوئی ہے اور ہماری کتاب کی اندرونی شہادت یہ ہے کہ اس کا مولف اس سے تقریباً ایک صدی قبل فوت ہو چکا ہے، ابن خلکان میں القاضی الرشید بن القاضی الرشید بن القاضی الرشید کا ذکر ہے۔ میرا گمان ہے کہ ہماری کتاب پوتے کی نہیں بلکہ دادا کی ہے (لیکن دادا کے حالات نہیں ملتے) کتاب میں میرے دیباچے کے الفاظ کا یہی منشا ہے۔

اسی طرح وہ راجہ دھمی یارہمی پر قطعی فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ اسے کیا پڑھنا چاہئے اور وہ کون ہے، میں نے بہ کثرت تحقیقی مقالوں کے حوالے دیے ہیں کہ وہ فضلا بھی کسی نتیجے پر

Marfat.com

نہیں پہنچ سکے اور نہیں بتا سکے کہ اس معرب لفظ کی اصل کیا ہے اور اس کا کس تاریخی شخص پر اطلاق ہونا چاہئے؟ اگر محترم مبارکپوری صاحب ان سارے مقالوں کو پڑھ اور ان کے دلائل کی تنقید کر کے کوئی فیصلہ صادر فرمائیں تو علم کی بڑی خدمت ہوگی اور ایک دیرینہ بحث ختم ہو سکے گی۔ ظاہر ہے کہ محض دعویٰ کافی نہیں، دلائل کی ضرورت ہے۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے ایک پارۂ تحریر کی مجھے حال میں کترن ملی ہے۔ مخدوم محترم فرماتے ہیں کہ مجھ ناچیز کی فرانسیسی سیرت نبویہ کا اردو ترجمہ ہونا چاہئے، یہ میری عزت افزائی ہے، لیکن ناظرین معارف سے عرض ہے کہ (۱) اگر مولف اپنی تحریروں کا ترجمہ بھی خود کرنے لگے تو اسی کے تکمیل طلب اور تدوین شدنی کاموں کو کون کرے گا؟ یوں بھی (۲) اس کتاب کا بڑا حصہ میرے ان مضامین کی نظر ثانی پر مشتمل ہے جو معارف وغیرہ میں چھپے ہیں اور پھر ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' اور ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' نامی کتابوں میں داخل ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں نظر ثانی و ترمیم بھی ہوئی ہے اور بعض نئے ابواب کا بھی اضافہ ہوا ہے مثلاً فینانس، نظام فوج، ارتقاء سرحدات، مملکت و تقسیم صوبہ جات و اضلاع وغیرہ۔ کتاب بڑی تقطیع کے کوئی آٹھ سو صفحوں میں چھپی ہے۔ اس ضخیم ترجمے کے کام کو بہر حال کوئی انجام دینا چاہے تو میں یہ مدد ضرور دے سکتا ہوں کہ (بشرط حیات و صحت) ترجمے کی نظر ثانی کر کے یہ بتا سکوں کہ آیا کہیں مضمون سمجھنے میں کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ ویسے متعدد تالیفوں کا کام فی الوقت جاری ہے اور ان کو چھوڑ کر ترجمے میں لگنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ چند سال قبل رسالۂ معارف نے مجھ سے پوچھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کے نسخۂ قرآن کی موجودگی کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر میرا جواب بھی چھپا تھا کہ اس کا عکس لے کر زار روس نے چھاپا تھا، اب اس کی کچھ مزید تفصیلیں بھی ملی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کا نسخہ برٹش میوزم میں نہیں (جیسا کہ میں نے لکھا تھا) بلکہ ڈرہام یونیورسٹی میں ہے، میں نے اس کا میکرو فلم منگایا ہے، اگر آئے تو ان شاء اللہ کچھ تفصیل آئندہ عرض کر سکوں گا۔

موتمر مستشرقین ماسکو پر ایک تبصرہ ارسال خدمت ہے۔ فقط

Marfat.com

نیازمند

محمد حمید اللہ

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت دسمبر ۱۹۶۰ء)

(۳)

۵/جنوری ۱۹۸۶ء

مخدوم و محترم مدفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام ستمبر ۱۹۸۵ء کا معارف ملا۔ رات کو ورق گردانی کی، سب ہی مضامین دلچسپ ہیں۔ بارک اللہ۔

(۱) وراقت کا مضمون ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، احتیاطاً ایک چیز کا ذکر کرتا ہوں۔ گوٹن برگ (فوت ۱۴۶۸ء) فن طباعت کا موجد مانا جاتا ہے۔ حال میں مجھے پتہ چلا کہ ویانا (آسٹریا) کے کتب خانۂ عام میں ایک ٹکڑا قرآن مجید کا موجود ہے جو گوٹن برگ سے پانچ سو سال قبل سلجوقی دور میں (غالباً مصر میں) چھپا ہے۔ اور یہ تاریخ فرنگی محققوں نے بیان کی ہے۔ آسٹریا کو فوراً خط لکھ کر اس کا فوٹو منگایا، واقعی قابل دید اور قابل ذکر چیز ہے۔ میں اسے اپنے فرانسیسی مقالے ''تاریخ خط عربی'' میں چھاپ بھی رہا ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے۔

(۲) یہ سب جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ سلاطین کو تبلیغی خط لکھے، یہ ۶ھ کے اواخر کا واقعہ ہے اس میں دو نکتوں پر توجہ دلانے کی اجازت چاہتا ہوں:

(الف) اس پر سالِ رواں میں ۱۴۰۰ سال گزر رہے ہیں۔

(ب) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک وقت تین براعظموں پر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو وسعت دی، یورپی حکمران ہرقل، ایشیائی حکمران کسریٰ پرویز اور افریقی حکمران اصحمہ نجاشی کو خط لکھے۔

(۳) شاید یہ بھی کہ صلح حدیبیہ کو قرآن مجید نے فتح مبین اور نصر عزیز کا نام دیا ہے، حضرت عمرؓ جیسا فرد بھی اس وقت اس کو سمجھ نہ سکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر

Marfat.com

تشویش سے پوچھا تھا۔ یہ اہانت آمیز صلح کیوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کو فاش کرنا نہ چاہا امام شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط اور شرح السیر الکبیر میں اس کا راز بتایا ہے کہ یہ خیبر کی مجوزہ مہم کے وقت قریش کی غیر جانبداری و ناطرفداری کے حصول کے لئے تھا۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(معارف۔فروری ۱۹۸۶ء)

(۴)

اسلامک سینٹرل کلچر، پیرس

یکم مارچ ۱۹۸۸ء

مخدوم و محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۴ر فروری کا نوازش نامہ آج ملا، سرفراز بھی ہوا شرمندہ بھی، مجھے صباح الدین صاحب کی شہادت کی جیسے ہی اطلاع ملی تھی میں نے ڈاکٹر سیّد سلمان ندوی صاحب کو ڈربن تعزیتی خط لکھا تھا کہ کسی اور قریبی رشتہ دار سے واقف نہ تھا۔

میں نے معارف کو یا دارالمصنّفین کو اس لئے نہیں لکھا کہ اس کی طباعت و اشاعت کا ڈر تھا، مجھے یہ چیز پسند نہیں۔ میری خیال آرائی کو اہمیت بھی کیا ہے؟ اگر مرحوم کی سوانح عمری لکھوں تو الگ بات ہے، اور یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کا کوئی مواد میرے پاس نہیں۔ خیال فرمائیے کہ مرحوم سے ساری عمر میں صرف دو بار ملاقات ہوئی ہے ایک اعظم گڑھ میں جنگ کے دوران میں اور دوسری حال میں کوئی چالیس سال کے وقفے سے، کبھی نجی خط و کتابت بھی نہیں رہی بجز معارف کے۔

میں معارف کو دنیا کا سب سے بلند پایہ علمی رسالہ سمجھتا ہوں، اس میں کچھ چھپنا میرے مضمون کی عزت افزائی ہے۔ زندگی ہے تو سابق کی طرح آئندہ بھی ضرور لکھوں گا (ان شاء اللہ) مگر قریبی فرصت میں نہیں کہ آج کل دیگر کاموں میں غرق ہوں (واقعی غرق ہوں) کبھی کبھی ڈاک پر ڈاکہ پڑتا ہے ورنہ معارف برابر آتا ہے اور اس سے استفادہ کرتا

Marfat.com

رہتا ہوں۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔

محمد حمید اللہ

(معارف، اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۸۸ء)

(۵)

پاریس۔ یکم رمضان ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موقر رسالہ معارف کا شمارہ جنوری ۱۹۸۷ء ابھی ابھی آیا تو ورق گردانی سے استفادہ کیا۔ خاص کر پروفیسر عبدالرحمٰن مومن صاحب کا مضمون بہت ٹھوس ہے۔

اسی شمارے میں صفحہ ۴۸ پر درج ہوا ہے کہ ''حمید اللہ صاحب نے مجموعة الوثائق السياسية میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمروؓ بن حزم کے صاحبزادے کی ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو برس قبل ہوئی تھی۔ یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ مورخین بالاتفاق یہ تحریر کرتے ہیں کہ آپ کو ۱۰ھ میں نجران کا عامل بنا کر بھیجا گیا تھا اور بچے کی ولادت نجران میں ہی ہوئی تھی۔

ہوگا، لیکن مورخین کا ''بالاتفاق'' تحریر کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ میں نے ابن عبدالبر کی الاستیعاب کی ایک روایت یہاں نقل کی، اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔

صاحب مقالہ اگر الوثائق السياسية کا پانچواں ایڈیشن سامنے رکھتے تو ان کے مضمون کے لئے مزید معلومات بھی ملتیں۔ وہ کراچی کے رسالہ ہمدرد اسلامیکس جلد ۵ شمارہ ۱۹۸۲ ص ۳ تا ۲۰ اور وہاں باتصویر مضمون سے بھی ناواقف نظر آتے ہیں۔ اسی طرح الاکوع الحوالی کی تالیف الوثائق السياسية اليمنية، طبع بغداد ۱۹۷۶ء ان کے لئے مفید ہو۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(معارف۔ مئی ۱۹۸۷ء)

Marfat.com

(۶)

۱۴ر صفر ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامے نے سرفراز کیا۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔

معارف کی میرے دل میں بہت عزت ہے، وہ ہمارے تاریخ حال کا مستقبل میں ایک وثیقہ، ایک ماخذ ہوگا اسی لئے اس کے مندرجات کے متعلق آپ کو اکثر تکلیف دیتا بلکہ دل دکھاتا رہتا ہوں، التجا ہے کہ یہ قصور معاف کردیں کہ مقصد رنجیدہ کرنا بالکل نہیں۔

اس وقت اگست ۱۹۸۷ء کا معارف مکرر دیکھ رہا ہوں، معلوم نہیں عماد الدین خلیل صاحب کا قصور ہے یا فاضل مترجم کا کہ صفحہ ۹۳ پر بواتیہ لکھا ہے۔ کیا ہم یہ نام بھی بھول گئے ہیں؟ Poitiers جس کا اردو تو تلفظ تو ہوگا پواتیے ۔اسی طرح صفحات ۹۳، ۹۴، ۹۵ کے حواشی میں محمد اسد لیوپولڈ ویلس چھپا ہے یہ Weiss والیس ہونا چاہئے۔ (آسٹریا کی یعنی جرمن زبان کا نام ہے) وہی لفظ جو انگریزی میں White سفید ہوگیا ہے)۔ صفحہ ۱۰۲ پر فرانسیسی نو مسلم Etionne Dinet کا نام ایتین ڈینیڈ کو میں ''اے تین دینے'' لکھوں گا۔ صفحہ ۱۰۴ پر اطالوی کیتانی Caetani کا تلفظ کائے تانی ہے۔ اسی صفحے پر ہالینڈی ہیر گرنجہ Hurgranje کا تلفظ میں نے خود ان کی زبان سے، ان کے گھر میں، ان کی بیوی اور بیٹی کی موجودگی میں ہورخرینے سنا ہے۔ ہالینڈی میں (G) کا تلفظ (خ) اور (J) کا (ی) ہوتا ہے۔ آخر میں صفحہ ۱۰۶ پر فلہاوزن جو جرمن ہے (Wellhausen) اردو میں ویلہاوزن ہونا چاہئے، اس میں (W) انگریزی کے (V) کی طرح ہے، لیکن جو اردو میں نہیں پایا جاتا ہے، قریب تر آواز اردو میں (واؤ) کی سی ہے۔

آپ دلّی تشریف لے گئے تھے، محترم کرم فرما مالک رام صاحب ایک نیا ارمغان نکالنے والے تھے، معلوم نہیں آپ کو خبر ہے یا نہیں اور یہ کہ وہ کس مرحلے میں؟ (لکھ دیا جواب کا انتظار نہیں اس کی زحمت نہ فرمائیں)۔ ڈاکٹر زور مرحوم کے متعلق عرض کروں گا کہ انھیں اللہ جنت نصیب کرے، رفیق تو تھے لیکن ان کے اختصاص یعنی اردو ادب سے مجھے لگاؤ نہ رہا اس لئے واقفیت بھی کم ہے، آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر۔ ایک محدث ابو محمد عبداللہ بن زیاد

Marfat.com

السندی کے حالات کی سخت تلاش ہے، بہ ظاہر چوتھی صدی ہجری کے ہیں، ابن حجر کے یہاں بھی ذکر نہیں ملا۔ اسلام آباد سے بھی نفی میں جواب آیا ہے۔ واللہ المستعان۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔

محمد حمید اللہ

(معارف۔ دسمبر ۱۹۸۷ء)

(۷)

پیرس۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون۔ عید مبارک

ابھی ابھی جولائی کا معارف پہنچا، ممنون ہوا۔

اس کے صفحہ ۱۷، ۱۸ میں ''عبداللہ بن عمرؓ'' غلط ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔ مرحوم شاہ معین الدین احمد صاحب نے یہ غلطی نہیں کی ہوگی۔

مرحوم کے بیان پر کہ ''بے شک ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث کی ممانعت کی تھی'' فاضل معاصر محمد مصطفےٰ الاعظمی کی یہ تحقیق ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جانے کے قابل ہے کہ ممانعت کا حکم رسول اکرمؐ سے ''صحیح حدیثوں'' میں کہیں ثابت نہیں۔ صرف ایک حدیث حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ہے جو صحیح مسلم میں داخل ہوگئی ہے لیکن ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے بھی رد کر دیا اور خیال ظاہر کیا کہ یہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ذاتی رائے ہے جو کسی غلطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔

اس خبر سے بھی مسرت ہوئی کہ سیرت شامی چھپ رہی ہے۔ خدا جلد مکمل کرائے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

بنام مدیر ماہنامہ فاران کراچی

(۱)

c/o Schmoelz

8959-WEISSESE

WEST GERMANY

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ۔ دوشنبہ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون۔ خدا کرے آپ خیر و عارف سے ہوں۔ ایک زحمت دہی کی جرأت کرتا ہوں، بشرطیکہ فرصت ہو۔ یہ سن کر آپ کو مسرت ہوگی بال جبریل کا فرانسیسی میں (اور پہلی بار ایک فرنگی زبان میں) ترجمہ ہوا ہے اور معلوم ہوا کہ یونیسکو نے اسے چھاپنا منظور کر لیا ہے۔

فرانسیسی مترجمہ نے بعض مشکلات میں مجھ سے رجوع کیا ہے۔ اگر آپ میری دستگیری فرمائیں تو میں بھی ممنون ہوں گا کہ یہ میرا موضوع نہیں ہے اور وہ بھی ممنون ہوگی۔

ص ۲۱۰: میری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی — کئی لوگوں نے دِیر پیوندی پڑھ کر دیر یا مشکل سے مانوس ہونا بیان کیا ہے۔ میں دَیر یعنی خانقاہ پڑھتا ہوں کہ خدا صوفیوں کی خلوتوں میں ملتا ہے، سرِ راہ نہیں۔

ص ۷۹: تو آپ ہی اپنی روشنائی — میں اس سے روشنی نہیں، بلکہ سیاہی، یعنی لکھنا، یعنی تقدیر مراد لیتا ہوں۔

ص ۱۷۱: اتر کر جہانِ مکافات میں — مکافات تو آخرت میں ملے گی۔ کیا مراد یہ ہے کہ وہ جہاں جس کے اعمال کی ایک دن مکافات ہوگی؟

ص ۱۴: جہانِ مرغ و ماہی — اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ ہوا کے پرند، سمندر کی مچھلیاں یعنی وہ دنیا جو تحت الثریٰ سے (آکاش سے پاتال) تک ہے؟ پھر محاورہ ''ماہی مراتب'' کی کیا توجیہہ ہوگی؟

Marfat.com

ص ۶۴: عیارِ گرمئ صحبت ہے حرفِ معذوری ـــ معذرت کس کی طرف ہے؟ ساقی یارند۔

ص ۱۵۰: حق را بسجود ے، صنماں را بطوافے ـــ کیا ریا کارانہ عبادت مراد ہے؟

ص ۱۵۳: آئینہ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو ـــ کون خدا، یا عشق؟

اقبال کی عربی سے ناواقفیت دیکھ کر حیرت بھی ہے افسوس بھی، باللسان (ص ۵۴)، اَرَنی (ص ۹۱) للّٰلّٰہ (ص ۱۶۱) اور سب سے بڑھ کر لزومات (ص ۲۰۹) جو نہ صرف متن میں ہے کہ وزنِ شعر کا بہانہ کریں بلکہ حاشیے میں بھی۔ کتاب کا صحیح نام لزومیات ہے۔

یہی حال جرمن دانی کا ہے: نیٹشا (ص ۸۲)

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔ اوپر دیئے ہوئے پتے پر (جو ماہ اگست ۱۹۷۰ء کے لئے ہے) جواب مرحمت ہو تو مجھے جلد مل جائے گا۔ دلی شکریہ

نیازمند

محمد حمید اللہ

(فاران۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء)

(۲)

والیسنز ے

۲۴ جمادی الآخرہ ۱۳۹۰ھ

مکرمی دام لطفکم!

سلام مسنون و رحمت اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ ملا مسرور کیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ شرمندہ ہوں کہ زحمت کا باعث بنا۔

(۱) دیر پیوندی کے معنی آپ نے رضائے الٰہی کا دیر سے حاصل ہونا لئے ہیں اس حسن ادب کی بے ساختہ داد تو دیتا ہوں لیکن اس مفہوم کے قبول کرنے میں ایک حدیث قدسی

Marfat.com

کے باعث اب بھی تامل ہے یعنی ''اگر بندہ میری طرف ایک قدم آتا ہے تو میں اس کی طرف دو قدم جاتا ہوں، وہ میری طرف چلتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوں'' رضائے الٰہی کا حصول آسان ہے ہمارے نفس امارہ کی رضا ہی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

(۵) ''رندوں کی معذرت، فریاد جام طلب'': معذرت کو فریاد سے کیا ربط ہے؟ رند کی فریاد پر ساقی کی معذرت تو البتہ سمجھ میں آتی ہے — معاف فرمایئے میں ادب کا ذوق نہیں رکھتا، روکھا پھیکا قانونی اسلوبِ بیان جانتا ہوں۔ اسی طرح ساقی مہوش کی نظارہ بازی کا جسے شوق ہو تو وہ ''پی پلا کر چلے جانے'' پر عمل نہ کرے بلکہ پیالے کو لبریز ہی رہنے دے یا پیالہ پی کر ''ھل من مزید'' کی فریاد کرے۔

(۷) کیا ''نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو'' کا سرورِ کائناتؐ پر اطلاق درست ہو سکتا ہے؟ میرے ناقص علم میں تو رسولؐ ایک رہنما ہے، مطلوب صرف ذات الٰہی ہو سکتی ہے۔

— میں نے للہ نہیں لکھا ہے بلکہ لـلّٰـہ، خالص عربی خط میں گول ھ سے۔ املا کی غلطیاں کاتب سے منسوب کرنا آسان ہے لیکن اقبال مرحوم کا طنطنہ اتنا رہا ہے کہ بے چارہ کاتب کسی تبدیلی کی جرأت کم ہی کر سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اقبال مرحوم کے متعلق ''پیراں نمی پرند مریداں می پرانند'' کیا جائے۔ غالباً ان کے اصل مسودے محفوظ ہوں گے۔ کاش کوئی اللہ کا بندہ لاہور میں جاوید اقبال صاحب سے ملے، احقاق حق میں ان کو تامل نہ ہونا چاہئے۔ غلطی میری نکلے تو ازیں چہ بہتر۔

عربی پڑھ کر مطلب سمجھ لینا بہت سے لوگ کر لیتے ہیں، عربی میں لکھنا زیادہ عبور چاہتا ہے۔

فرنگیوں کو اقبال سے اگر دلچسپی ہے تو وہ میری دانست (بدگمانی) میں اس بناء پر ہے کہ ملّا اور زاہد ریاکار کے پردے میں ان کو مسلمانوں کے فقہاء اور صوفیہ کا مضحکہ کرنے کا ایسا موقع ملتا ہے کہ کسی مسلمان کو گرفت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیا اقبال مرحوم نماز، روزے کی پابندی اور منہیات سے اجتناب میں ملاؤں اور زاہدوں کے مقابل بہتر نمونہ پیش کرتے رہے ہیں؟ اچھا ہوتا اگر وہ صرف مادیت اور ''مغربیت'' پر طنز پر اکتفا کرتے۔ میرے

Marfat.com

مشاہدے میں تو سارے اقبال پرست، عام طور پر دیندار لوگوں کا مضحکہ کرتے رہتے ہیں۔
خیر، اپنی اپنی رائے ہے، مجھ سیاہ دل کو کیا حق ہے کہ دوسروں کو سبق دوں۔
خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔
میں انشاءاللہ دو تین دن میں ''وطن مالوف'' کو واپس ہو جاؤں گا۔ اطلاعاً عرض ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

(فاران۔ اکتوبر ۱۹۷۰ء)

(۳)

محترمی

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ماہ مئی کا فاران ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔
''ڈوب مرے فرعون کا نام'' کا تتمہ و تصحیح فرما دیں تو نوازش ہوگی:

(۱) حُبَّک الشیٔ یُعمی و یُصِمّ کے تحت آپ نے شائع شدہ خط کی تمہید کے آغاز میں بعض باتیں لکھ دی ہیں خدارا اس پر بھی غور فرمائیں کہ کیا اس طرح آپ غیر معصوم اور ناچیز مولفوں کو رفتہ رفتہ مغرور نہ بنا دیں گے؟

(۲) صفحہ (۲۳) سطر (۱۵ تا ۱۶) میں کسی فاضل مصحح یا پروف خوان نے تحریف کر دی ہے اس دوسری آیت نشوز میں ''جس عورت کا اپنے شوہر کے نشوز یعنی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو تو'' صحیح نہیں۔ اسے جس عورت کو اپنے شوہر کے نشوز یعنی سختی کا خوف ہو ——— پڑھیں، تاکہ بعد کا جملہ بامعنی بن سکے یعنی ''ایک ہی سورت میں ایک ہی لفظ ''نشوز'' کے کہیں کچھ اور کہیں ——— معنی لینے کے لئے کوئی مجبور کن وجہ ہونی چاہئے''۔

(۳) صفحہ (۲۴) سطر (۳) ''قرآن کے مطالب'' کی جگہ ''قرآن کے مطابق'' پڑھنا چاہئے۔

(۴) صفحہ (۲۶) سطر (۱۱) کے بعد یہ جدید اضافہ مفید ہوگا:-
مصر کے محکمہ آثار قدیمہ کے ایک فاضل کا یہ خیال و قیاس بھی معقول معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

''منفتاح کا یہ کتبہ منفتاح کی زندگی میں نہیں بلکہ اس کے (کچھ/بہت؟) بعد لکھا گیا اور اسے ایک پرانے کتبے کی پشت پر کندہ کرا دیا گیا۔ کندہ کرانے والے بادشاہ یا پجاریوں کو قومی خودداری کی لاج رکھنے کے لئے یہ جھوٹ بولنا مناسب معلوم ہوا'' پرانے کتبے کی پشت پر لکھنا۔۔۔۔۔ سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ایک فرانسیسی ماہر مصریات نے حال میں لکھا ہے اور اس طفلانہ منطق کی بناء پر بھی کہ لوگ اسے پرانا سمجھیں (جو قبل از وقت ہو جائے گا) یا پرانے کتبے کا وقار اس جھوٹ کے جھوٹے پن پر پردہ ڈال دے۔

کاش آپ کے اسلامی پرچے پر اسلامی مہینے کا بھی نام ہوا کرے۔ مسلمان بھی اسے استعمال نہ کریں تو کون استعمال کرے گا۔

زحمت دہی پر معذرت خواہ۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(فاران۔ ستمبر ۱۹۷۷ء)

بنام مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

(۱)

مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ اپنے موقر رسالہ الحق کے ارسال سے اس ناچیز کو سرفراز فرماتے رہتے ہیں۔ آج رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ کا شمارہ پہنچا۔ استفادہ کیا۔ چند باتوں پر مودبانہ توجہ منعطف کراؤں گا۔

ص ۷ پر امام بخاری اور صحیح بخاری کے فاضلانہ مضمون میں مدوّنِ مقالہ نے ''حضرت ابو طالب'' کا محاورہ استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت ہے کہ ابو طالب کا مقام جہنم ہے اگرچہ خفیف ترین عذاب ہوگا۔ یعنی قدموں تلے آگ ہوگی لیکن یہ اس بات کے لئے کافی ہوگی کہ سر کا بھیجا پگھل کر کھولتا رہے۔ ان حالات میں ''حضرت'' کا لفظ نا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

رجم پر جو فاضلانہ مقالہ ہے اس میں ص ۲۶ تا ۲۷ پر اس سے بحث ہے کہ رجم کا ذکر کیوں قرآن مجید میں نہیں ہے۔ ایک پہلو یہ میرے ناچیز ذہن میں آتا ہے کہ ''.....اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ ''(سورہ انعام ۶:۸۳-۹۰) ختم المرسلین کو حکم دیا گیا ہے انبیاء سلف کی سنت پر بدستور عمل پیرا رہیں (بجز ان احکام کے جو قرآن نے منسوخ کئے ہوں) صحیح بخاری میں صراحت ہے کہ تورات میں زنا محصنہ کی سزا رجم ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس پر عمل کرایا۔ تورات میں زنا غیر محصنہ کی سزا رقمی جرمانہ ہے اس کو سورۂ نور میں منسوخ کر کے سو کوڑوں کی جسمانی سزا مقرر کی گئی۔ لہٰذا زنا محصنہ کا موسویؑ و عیسویؑ قانون منسوخ نہ ہوا اور سورۂ انعام میں صراحت ہوئی کہ اس پر بدستور عمل کیا جائے۔

اسی مضمون میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ''آیت رجم'' کے متعلق بیان بھی زیر بحث رہا ہے۔ جہاں تک میں نے تحقیق کی کسی روایت میں حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''الرجم فی القرآن'' بلکہ ''فی کتاب اللہ'' جس کا اطلاق تورات اور انجیل پر بھی اسی طرح ہو سکے گا جس طرح قرآن مجید پر۔ اور واقعۃً رجم کا حکم موجود و متداول تورات اور انجیل دونوں میں موجود ہے (اور عہد نبوی کی تورات میں بھی ہونا صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ثابت ہے)۔

اگر علماء کرام ان حقیر سوالات پر روشنی ڈالیں تو طلبۂ علم فائدہ اٹھائیں۔ الحق کے اسی شمارے میں ص ۵۴ پر فرعون کی لاش پر صدق جدید لکھنو کا ایک نقل نقل ہوا ہے (صدق جدید کی تاریخ درج نہیں) اس سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں:

۱۔ رسالہ فاران کراچی بابت مئی ۱۹۷۷ء میں اس موضوع پر ''ڈوب مرے فرعون کا نام'' کے عنوان سے بحث ہوئی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر موریس بوکائی (آپ کے ہاں ہیوکیلی چھپا ہے) کی کتاب میں فرعون کی لاش کا تو ذکر ہے لیکن ان کو اصرار ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین میں طویل عرصہ (تقریباً پچاس) سال مقیم رہے (قرآن میں آٹھ، زیادہ سے زیادہ دس سال کا ذکر ہے) یہ کہ اس اثناء میں یہودی نوزائیدہ بچوں کو قتل کرنے والا فرعون مر گیا اور اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ اسی پر اسّی سال کی عمر میں حضرت موسیٰؑ مصر واپس آئے اور نیا حکمران ڈوب مرا۔ لیکن اس میں

Marfat.com

دشواری یہ ہے کہ اسی جدید حکمران منفتاح کا ایک کتبہ ملا ہے کہ ''میں نے بنی اسرائیل کو اس طرح نابود کیا ہے کہ اس نسل کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا ہے''۔ یہ واقعہ اگر خروج مصر سے قبل پیش آیا تو حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ جو چھ لاکھ سے زائد یہودی نکلے وہ کہاں سے آئے؟ اگر خروج کے بعد حملہ ہوا سزا دہی کے لئے تو تورات اس سے کیوں ساکت ہے اور اپنی ان گنت بپتاؤں میں اس کا اضافہ کیوں نہیں کرتی، یوں بھی موریس بوکائی حجیت حدیث سے انکار کرتے ہیں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(الحق۔ ستمبر ۱۹۸۱ء)

(۲)

آپ فاضل ہیں، آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر لیکن ابھی تشفی نہ ہوئی۔ ''حضرت'' کا لفظ ہماری زبان میں پیغمبروں، صحابہ، اولیاء اور ائمہ کبار ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کا جہنم میں ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہو تو اس کے لئے بھی یہ لفظ..... واللہ اعلم۔

امام محمد کی ولادت ۱۳۴ اور امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ میں ہوئی۔ امام محمد نے آٹھ سال امام ابوحنیفہؒ سے تلمذ کیا۔ پھر امام ابو یوسف سے تکمیل کی۔ میں امام ابوحنیفہؒ کے ۱۴۱ میں وفات پانے یا امام محمد کے ۱۳۵ میں پیدا ہونے کے ماخذوں سے بھی ناواقف ہوں اور تلمیذ نہ ہونے کی دلیلوں سے بھی۔ کیا آپ کے دروس میں کوئی دس بارہ سالہ بچہ آ کر بیٹھا کرے تو آپ اسے ڈانٹ کر باہر کر دیں گے؟ یا اس کے سوالات کا جواب دینے سے انکار کریں گے؟

امام محمد کی المبسوط (یا کتاب الاصل) اور چیز ہے اور سرخسی کی المبسوط اور، آخر الذکر چھپ گئی ہے۔ اول الذکر دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں چھپ رہی ہے۔ دونوں میں کوئی یکسانی نہیں۔ سرخسی کا مبسوط کو حافظے سے لکھنا بے معنی بات ہے۔ وہ قید تھے، ان کے شاگرد المختصر الکافی لا کر پڑھتے اور سرخسی سن کر اس کی شرح لکھاتے۔ ان میں کیا اشکال ہے؟ میں رفیع اللہ شہاب صاحب کے مضمون سے ناواقف ہوں دیکھے بغیر جواب مناسب نہیں۔

Marfat.com

نیازمند

محمد حمید اللہ، پیرس

(الحق۔نومبر دسمبر ۱۹۸۱ء)

(۳)

پاریس۔۷/ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

استاذ محترم زادفیضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک سفر سے چند دن ہوئے واپس آیا۔ایک اور قریب میں پیش نظر ہے۔واللہ علی ما یشاء قدیر۔

آپ کی دونوازشوں کا جواب ذمے ہے۔تعویق پر معذرت خواہ ہوں۔الاوّل فالاوّل۔

۱۔آپ نے امام محمدؒ کے متعلق وہاں کے ناقد کے بیانات کی جواب دہی چاہی تھی۔ کاش آپ تحریر فرماتے کہ ناقد موصوف کا مضمون کہاں چھپا ہے تا کہ کسی اور دوست کو لکھ کر اس کا نقل یا فوٹو کاپی ہوسکتا۔ایک بات صحیح ہے اور مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ کی جو انجمن سی بنائی تھی اس میں امام محمدؒ کا زیادہ حصہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے سیکرٹری امام ابو یوسفؒ تھے۔ممکن ہے امام محمدؒ نے معمولی کاتب یا نقل نویس کا یا کوئی اور اسی طرح کا علمی کام اس میں انجام دیا ہو کیونکہ ابھی وہ کم عمر تھے لیکن دیگر بیانات کی دلیلیں پڑھے بغیر کچھ رائے زنی نہیں ہوگی۔

۲۔الحق (رمضان شوال ۱۴۰۲ھ) ابھی ابھی آیا ہے۔اس کے صفحہ ۱۷/۵۷۵ پر اس ناچیز کا بھی ذکر معلوم ہوتا ہے ''ڈاکٹر عبدالرؤف'' معلوم نہیں زیڈ صاحب کے قلم سے نکلا ہے یا آپ کے کاتب کی غلطی ہے۔بہرحال عرض ہے قرآن مجید کا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا انکار بالکل نہیں۔سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ زیڈ صاحب کا ''دریا'' آیا دریائے نیل ہے یا بحر قلزم (بحر احمر)؟ دریائے نیل بھی اپنے دہانے کے پاس بہت چوڑا اور گہرا ہے۔براہ کرم زیڈ صاحب بھی قرآن، حدیث یا کسی اور مستند چیز کا حوالہ دیں کہ ''لاش دریا نے خود اس کے بعد کہیں ساحل پر پھینک دی''۔یہ بیان کہ ''مسلمہ امریہ ہے'' دعویٰ ہے اور یہ ثبوت چاہتا ہے۔میں نے جو گمان ظاہر کیا ہے وہ انسانی فطرت کے

Marfat.com

تقاضے پر مبنی ہے۔ میرا آپ کا بچہ ڈوب جائے تو ہم کیا کریں گے؟ ہمراہ غوطہ خور موجود ہو یا تیرنا جاننے والے ساتھ ہوں تو کیا وہ غوطہ لگا کر ڈوبے ہوئے شخص کو نہیں نکالیں گے؟ دنیا عالم اسباب ہے۔ خدا اسباب پیدا کرتا ہے۔ ماخذ معلومات میں ہو تو تصور یہ ہوگا کہ عالم فطرت کے مطابق بات ہوئی ہوگی۔

مزید برآں یہ نہ بھولئے کہ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰؑ کو ان کی ماں ''یم'' میں ڈالتی ہے تو فرعون بھی یم ہی میں غرق کیا جاتا ہے۔ اس سے میرے گمان کو تقویت ہوتی ہے کہ دونوں جگہ دریائے نیل مراد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ناچیز
محمد حمید اللہ، پاریس فرانس
(الحق۔ اگست ۱۹۸۲ء)

(۴)

پیرس
۵ ربیع الانور ۱۴۰۳ھ

مخدوم و محترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ دیکھ کر حقیقی مسرت ہوتی ہے کہ الحمد للہ ''الحق'' کا علمی معیار روز بروز بلند سے بلند تر ہوتا جا رہا ہے اور اس میں ناظرین کے ہر طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی کی چیزیں مل جاتی ہیں۔

فرعون کے مقام غرقابی کے متعلق جواب ہی نہیں جواب الجواب بھی ہو چکا ہے۔ اگر آپ کے اصول اجازت دیتے ہوں تو دو ایک لفظ مزید عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

محترم ایڈووکیٹ صاحب نے قرآن مجید کی وہ ساری آیتیں نقل فرمائیں جن میں فرعون کے ڈوب مرنے کا ذکر ہے لیکن کیا انھوں نے غور فرمایا کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں کہ سمندر نے فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینکا۔ یہ دعویٰ ہے جس کا ثبوت چاہئے۔

ممدوح نے آیات کے نقل کرنے میں سورہ طٰہٰ سے سکوت برتا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا کہ:

Marfat.com

۱۔ فاقذفیہ فی الیمّ (اے موسیٰ کی ماں اس بچے کو ''یم'' میں پھینک دے) سورہ ۲۰ آیت ۳۹۔ (۲) اور فغشیھم من الیمّ ما غشیھم (فرعون اور اس کی فوجوں کو ''یم'' نے جیسا ڈھانکنا تھا ڈھانک لیا) سورہ ۲۰، آیت ۷۸)

ایک ہی لفظ ''یم'' دونوں جگہ ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ کو ان کی ماں نے بحر احمر میں پھینکا تھا؟

شاید ''الحق'' کے ناظرین کو یہ معلوم کر کے دلچسپی ہوگی۔ عبرانی تورات میں بھی دونوں جگہ ''سوپ یام'' کا لفظ ہے۔ ''یام'' وہی لفظ ہے جو عربی میں ''یم'' بن گیا ہے۔ جب تورات کا عبرانی سے ''روح القدس کی نگرانی میں اولیاء اللہ نے لاطینی میں ترجمہ کیا'' جیسا کہ کیتھولک عیسائی عقیدہ ہے تو انھوں نے فرعون کے سلسلے میں سوپ یام یعنی بحر القصب (گنے کے جیسی بڑی گھاس) کے پانی کی جگہ ''بحر احمر'' استعمال کیا۔ اب جدید ترجموں میں نیز قدیم پراٹسٹنٹ تراجم میں بحر القصب ہی ترجمہ ہوا ہے۔

حقیر و جاہل

محمد حمید اللہ

(الحق۔ جنوری ۱۹۸۳ء)

(۵)

محترم و مکرم زاد فیضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موقر مجلّہ الحق کا شمارہ جمادی الآخر ۱۴۰۳ھ پہنچا، سراپا ممنون ہوں۔

فاضل محفوظ خان صاحب کو بھی ص ۹ پر اعتراف ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ سمندر نے فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینکا ہو۔ اس مفہوم کی کوئی حدیث نبوی ﷺ بھی نہیں ملتی۔ لاش کا بچ رہنا بھی معجزہ ہے چاہے سمندر واپس پھینکے یا آدمی ہی اسے نکالیں۔ نتیجہ واحد ہے۔ جب قرآن و حدیث سے انکار نہیں اور بعض ہمارے آپ کے جیسے غیر معصوم آدمیوں کی رائے سے اختلاف کیا جائے (کہ اختلاف امتی رحمۃ) تو یہ کفر نہیں سمجھنا چاہئے۔

جو اقتباسات انھوں نے اپنے ہم رائے لوگوں سے نقل کئے ہیں وہ سب کے سب

Marfat.com

اسرائیلات سے ماخوذ ہیں۔ کوئی بھی خدا یا رسولؐ کے استناد سے نہیں۔ مولانا مودودی مرحوم زندہ ہوتے تو میں ان سے ان کا ماخذ پوچھتا۔ وہ حق پسند تھے اور اپنی غلطیوں کو مان لیتے تھے۔ متعدد تجربوں میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ تفہیم القرآن ج ۴ ص ۱۱۶ میں ام المومنین حضرت جویریہؓ کو یہودی خاندان سے بتایا ہے وہ بنی المصطلق یعنی خزاعہ کی ٹھیٹ عرب تھیں۔ میرے استفسار پر مرحوم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دیں گے۔

قرآن میں تفصیل نہ ہو تو خلا کو پُر کرنے کے لئے ہمارے مفسرا کثر نومسلم یہودیوں سے مدد لیتے رہے ہیں ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام بالسنۃ، باب ۲۵ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''کعب الاحبار نومسلم یہودیوں میں سب سے سچے ہیں (من اصدق هؤلاء) اس کے باوجود (وان كنّا لنبلو عليه الكذب)'' تا بدیگراں چہ رسد؟ اسرائیلیات سے حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابی بھی استفادہ کریں تو اس کی حیثیت اسرائیلیات سے بڑھ نہیں جاتی۔ اسی جنوری نمبر میں جس سے محترم محفوظ خان صاحب نے استدراک فرمایا ہے، میرے اپنے عریضے کے عین مقابل کے صفحے پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ایک پیاری مشورت و نصیحت چھپی ہے۔ کاش وہ بھی اس سے استفادہ فرمائیں جس طرح میں کر رہا ہوں۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ توریت کے عبرانی نسخے میں غرق فرعون کے مقام کو بحر القصب کا نام دیا گیا ہے (سمندر کے کھارے پانی میں قصب گھاس کہاں اُگ سکتا ہے؟) اور لاطینی ترجمے کے وقت کیتھولک پادریوں نے تحریف کر کے بحر احمر لکھ دیا کہ یہ زیادہ دلکش معلوم ہوا۔ معجزہ دریائے نیل میں بھی ہو سکتا ہے، سمندر میں بھی، دریائے نیل کے ایک مشہور واقعے سے جو ابن کثیر، ابن عبدالحکم، ابن تغری بردی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ آپ کے ناظرین کو دلچسپی ہوگی۔

مصر کی فتح پر مقامی کسان حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر کے پاس آئے اور کہا کہ مصر کی زندگی دریائے نیل کی سالانہ طغیانی پر ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سالانہ ایک دوشیزہ کو بھینٹ چڑھایا جائے۔ حضرت ابن العاصؓ نے روک دیا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ اس سال حبشہ میں بارش میں تعویق ہوئی اور مصری کسان ترک وطن

Marfat.com

کی تیاری کر کے اتمام حجت کے لئے مکرر حضرت ابن العاصؓ کے پاس آئے۔ انھوں نے خلیفہ حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے فوراً جواب آیا کہ ممانعت بالکل ٹھیک ہے۔ ایک خط ملفوف ہے وہ مرسل الیہ یعنی دریائے نیل کو بھیج دو۔ اس خط میں لکھا تھا''، اے نیل اگر تو اپنی مرضی سے سیلاب لاتا ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں، مت لا۔ لیکن اگر یہ تجھ میں اللہ لاتا ہے تو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھ میں سیلاب لائے''۔ یہ خط گورنر نے دریا میں ڈال دیا۔ صبح ہونے تک دریائے نیل اپنی سطح سے سولہ ہاتھ بلند ہو گیا۔

اگر یہی بات فرعون کے زمانے میں بھی خدا نے کسی اور غرض کے لئے کی ہو اور دریائے نیل کی موجیں کالطّود العظیم ہو گئی ہوں (یا ایک اور آیت میں فی موج کالجبال ہوں جو سمندر نہیں تنور سے نکلے ہوئے پانی کے متعلق ہے) تو حیرت کی کیا بات ہے؟ معجزے کے لئے سمندر کا لزوم نہیں۔

فرعون کی لاش پر نمک کا پایا جانا ایک داستان پارینہ ہے۔ اس بارے میں نو مسلم ڈاکٹر موریس بوکائی نے جسے رئیس مصر سادات نے فرعون کی لاش کی علمی تدقیق پر مامور کیا تھا لکھا ہے کہ ''پرانے فرنگی نبّاش جنھوں نے فرعون کی لاش ڈھونڈ نکالی تھی طبیب نہ تھے اور جانتے تھے کہ مصر میں لاشوں کو کس طرح مومیائی کی جاتی تھی۔ ہم اب یہ جانتے ہیں کہ لاش پر کا نمک سمندری پانی سے نہیں مومیائی کی عملیات میں مستعملہ دواؤں کے باعث ہے''۔

حمام فرعون یا جبل فرعون مقامی افسانوں سے تعلق رکھتا ہے جس کی کوئی علمی اساس نہیں۔ اسی مصر میں اب تک ایک باغ بتایا جاتا ہے کہ حضرت مریمؑ پر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے وقت جس درخت سے کھجوریں گری تھیں وہ اسی باغ کا درخت تھا۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ معجزہ فلسطین میں پیش آیا تھا مصر میں نہیں۔

لاش کو دریا میں سے باہر نکالے بلکہ ہر چیز کے لئے اسباب پیدا کرتا ہے کبھی فرشتوں سے تو کبھی انسانوں سے، مگر کام کراتی ہے خدا ہی کی مشیت۔

میں نے کبھی کہیں نہیں لکھا کہ فرعون کے ساتھ ''ایک لاکھ سے زائد فوج'' غرق ہوئی کہ لاش کو پہچاننے میں غوطہ خوروں کو دشواری ہو۔ فرعون کے شاید فوجی رتھ سے پانی میں گرتے ہی ہمراہی پانی میں کود پڑتے ہیں۔ مقام اور شاہی لباس سے نشاندہی میں کیا

Marfat.com

دشواری ہو؟

علمی معاملات میں لکیر کی فقیری کام نہیں دیتی۔ اللہ کا فرمان ہے کہ قل ربّ زدنی علمًا۔ موجودہ بحث میں مثلاً مصر کا اٹلاس دیکھیں بنی اسرائیل کا مسکن جو بوقت خروج تھا اور دہانۂ نیل (ڈلٹا) میں تھا، وہ کہاں تھا۔ دہانۂ نیل میں دریا کی جو پندرہ بیس شاخیں ہیں ان کو عبور کرنا اور فرعونستان سے نجات پانے کے لئے جانا ہے تو صحرائے تیہ میں کس طرح جانا ممکن ہے؟ دہانۂ نیل سے بحر احمر کتنی مسافت پر ہے؟ فرعون یقیناً خروج کے وقت ڈلٹا میں نہ تھا بلکہ ممفیس کے جنوبی پایۂ تخت میں تھا ورنہ خروج کی جرأت نہ کی جاتی۔ فرعون اور اس کی فوج کے تعاقب سے بچنے کے لئے دہانے سے راست سینا کو جلد سے جلد جانا چاہئے تھا یا کھلے میدان میں آکر فرعونی فوج کا آسان شکار بننا قرین مصلحت تھا؟ وغیرہ وغیرہ

خدا سے دعا ہے کہ ہم سب کو وفّقنا لما تحب و ترضاہ. الحق یعلُوا ولا یُعلٰی علیہ۔

فقیر حقیر محمد حمید اللہ

فرانس، ۲۱ رجب ۱۴۰۳ھ

(الحق۔ مئی ۱۹۸۳ء)

(۶)

ماہ رجب کا شمارہ الحق آج پہنچ گیا، باعثِ ممونیت و مسرت ہوا۔ اس دفعہ ''سرجری'' کے عنوان سے جو عالمانہ مضمون مولانا محمد عبداللہ طارق دہلوی صاحب نے شائع فرمایا ہے، اسے خود طبیب نہ ہونے کے باوجود شوق سے پڑھا اور مستفید ہوا۔ عنوان اگر جراحی ہوتا تو بہتر ہوتا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں موجود ہے۔ ص ۲۰ سطر ۴ تا ۵ میں لکھا ہے کہ ''مسلم سرجن جو تجربات کرتے تھے وہ پرندوں، بندروں اور انسانی لاشوں پر کرتے تھے''۔ کیا وہ اس کا حوالہ دے سکیں گے؟ چند سال قبل میں اٹلی گیا تھا تو وہاں ایک یونیورسٹی (جامعہ) میں ہمیں بتایا گیا کہ ''دنیا میں پہلی دفعہ کسی لاش کی چیر پھاڑ یہاں کی گئی اور یہ لاش کی میز ہے اور یہاں اوپر طلبہ کھڑے رہ کر استاد کے عمل کا مشاہدہ کرتے تھے''۔

Marfat.com

اس لئے مطلوبہ حوالہ کی اہمیت ہے۔ میں نے مرحوم مولانا ابوالوفاء افغانی سے بھی ایک بار دریافت کیا تھا کہ آیا ان کے علم میں کتب فقہ و تاریخ وغیرہ میں ایسا کوئی واقعہ ہے کہ کوئی کفن چور (نبّاش) لاش کو چرا کر جراحوں کو فروخت کرتا پایا گیا ہو؟ انھوں نے لاعلمی ظاہر فرمائی تھی۔ میری اس زحمت دہی کو معاف فرمائیں۔ نیازمند

محمد حمید اللہ

پیرس۔ ۲۱ر شعبان

(الحق۔ جون ۱۹۸۳ء)

بنام ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ☆

(۱)

استنبول۔ ۱۸ر ربیع الانور ۱۳۹۱ھ

مخدوم و محترم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب

سلام مسنون نیازمندانہ۔ خدا کرے آں محترم خیر و عافیت سے ہوں۔ خدا کا احسان ہے کہ میں ابھی کام کئے جا رہا ہوں جامعہ استنبول میں یہ انیسواں سال ہے۔

یہاں نثار احمد انسرار صاحب سے ملاقات رہی اور مسلسل کئی سال تک ان کے قابو سے باہر کئی مشکلوں کے باوجود الحمد للہ اب ڈاکٹریٹ سے باعزاز فراغ ہو گئے ہیں۔ تُرک طلبہ میں وہ ملنسار سمجھے جاتے رہے تو تُرک اساتذہ بھی ان کو ذہین اور باادب پاتے رہے۔ مرحوم ڈاکٹر ذکی ولیدی طوغان ان کو ہمارے ادارۂ اسلامیان میں لینا چاہتے تھے، مگر آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

اگر ان کے لئے وطن کی خدمت کا آں محترم کی توجہ اور عنایت سے کوئی موقع مل سکتا ہے تو مجھے شخصی مسرت بھی ہوگی کیونکہ وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

بنام ڈاکٹر نثار احمد اسرار ☆

(۱)

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً

4, Rue de Tournon

Paris-6 / France

۲/مارچ ۱۹۹۲ء

عزیز مکرم دام

السلام (نہ کہ اسلام) علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کرم نامہ ملا، ممنون ہوا۔ میں انجمن کے دفتر میں ہر روز نہیں جاتا اس لئے خط تاخیر سے ملا۔

آپ نے بہت علمی کام کیا ہے۔ خدا اجر عظیم عطا فرمائے۔ اگر میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں تو تکلف نہ فرمائیے اگر چہ اب ۸۶ سال کا ہو چلا ہوں۔

اخبار تکبیر میں بعض غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں۔ اللہ کی مرضی۔ ممکن ہے شوال کے اواخر میں اسلام آباد جانے کی ضرورت پیش آئے۔

رمضان مبارک۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۲)

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً

4, Rue de Tournon

Paris-6 / France

۱۹۹۲/۵/۳۰ء

محترم ومکرم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ کرم نامہ مورخہ ۲۶/مئی ملا، ممنون ہوا۔ پاکستانی اخباروں اور رسالوں میں میرے سفر پر جو خبریں چھپیں ان میں غلط سلط بھی ہیں۔ تردید وتصحیح بھیجی لیکن تا حال چھپی

Marfat.com

نہیں۔

مجھے انجمنوں اور اداروں کے لئے ایک پائی کا بھی عطیہ نہیں ملا۔ میری کتاب کا نام An Introduction to Islam نہیں ہے صرف Introduction to Islam اور یہ Islam a Giris کے نام سے ترکی میں منتقل ہو چکی ہے۔ خدا آپ کے کاموں میں برکت دے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

(۳)

4, Rue D. Tournon

75-Paris VI

۲۰ رشوال ۱۳۸۹ھ

مکرمی دام لطفکم۔ سلام مسنون

(۱) مفتی علی جمالی کے فتوے کا مجھے علم نہیں۔ مسئلے کا عام پس منظر یہ ہے کہ کسی شخص کے مسلمان یا کافر ہونے کا مسئلہ فتوے کے ذریعے سے طے ہوتا ہے۔ ہزاروں نہیں تو سینکڑوں عقائد ایسے ہیں جن پر مسلمان کو مرتد قرار دیا جاتا رہا ہے۔ کبھی بجا، کبھی بیجا (بیجا کے لئے یہ کہنا کافی ہوگا کہ حضرت ابوبکرؓ سے لے کر ابوحنیفہؒ اور دیگر بڑی شخصیتوں میں سے شاید ہی کوئی شخص بچا ہے جسے کسی نہ کسی نے کافر نہ قرار دیا ہو)۔ کسی غیر مسلم کو کافر قرار دینا اور کسی مسلمان کو کافر یعنی مرتد قرار دینا یکساں نہیں۔ غیر مسلم اپنے کفر پر برقرار رہتا ہے، مسلمان ارتداد پر اپنے سیاسی Allegiance سے اپنے کو منقطع کر لیتا ہے یعنی وہ ایک طرح Treason & rebellion کا ارتکاب کرتا ہے جس کی سزا موت ہے (یاد رہے کہ اسلامی حکومت کی اساس نہ زبان پر ہے نہ نسل پر، نہ رنگ پر بلکہ دین پر۔ اس لئے اس اساس سے وابستہ شخص کا اپنے آپ کو اس سے منقطع کر لینا سیاسی غداری اور بغاوت سمجھا جاتا ہے)۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی یہ حکم ہے کہ صحابہ کو گالی دینا ارتداد سمجھا جائے گا۔ ان حالات میں اگر کسی زمانے میں شیعوں کو اُن کے جوشِ جنون کے باعث کافر یعنی مرتد قرار دیا

Marfat.com

گیا ہو اور جب کوئی پورا ملک مع اس کی حکومت کے اس فتوے کی زد میں آئے تو خالص قانونی نقطہ نظر سے اس مطعون ملک سے جنگ اتنی ہی درست ہوگی جتنا کسی ایک مرتد فرد کو سزائے موت دینا — یہ علمی پہلو ہے لیکن اچھا ہوا گر آپ اس پرانے قصے کو تازہ نہ کریں۔ مذکورہ فتوے کو آپ درست قرار دیں تو شیعہ ناراض ہوں گے اور نادرست قرار دیں تو سنی بگڑیں گے۔ دو چار سطروں میں اس سے گزر جانا ہی بہتر ہے مثلاً فلاں فتویٰ دیا گیا جس کا ایک تاریخی منظر تھا۔ اس بدقسمت واقعے پر اب بحث بے فائدہ ہے۔

(۲) غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حیثیت اسلامی علاقے میں الگ ہے، زیر جنگ ملک میں الگ ہے۔ کسی ملک سے جنگ ہو رہی ہو تو مفتوحہ علاقے کی مال غنیمت میں جائیداد منقولہ بھی آتی ہے اور غیر منقولہ (زمین مکان وغیرہ) بھی اور یہ فاتح کی مرضی پر منحصر ہے کہ کیا کرے۔ اس لئے ہر وقت الگ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ عہد نبویؐ میں مشرکین مکہ کی عبادت گاہ (کعبہ) کو فتح مکہ پر ضبط اور اسلامی عبادت گاہ میں مبدل کر دیا گیا۔ طائف وغیرہ کے بت خانوں کو فتح یا الحاق کے بعد عہد نبویؐ میں توڑ کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف نجران کی فتح و الحاق پر وہاں کے عیسائیوں کو کامل امان اور کامل آزادی دی گئی اور آنحضرتؐ نے ان کے گرجاؤں اور پادریوں وغیرہ کی حفاظت کا جو چارٹ عطا فرمایا اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ خلافت راشدہ میں بھی یہی صورت حال رہی۔ فاتح نے کبھی کچھ فیصلہ کیا اور کبھی کچھ اور۔ مثلاً دمشق میں فتح پر آدھے گرجے ضبط کر لئے گئے اور آدھے مفتوح لوگوں کے ہاتھ میں باقی رہنے دیئے گئے تھے۔ ایران میں پارسی آتش کدوں کے متعلق بھی ایسا ہی طرز عمل ملتا ہے۔ اس زمانے کا انٹرنیشنل لا یہی تھا اور ساری دنیا میں ایسا ہی عمل تھا کہ مفتوح ملک کے متعلق فاتح کا فیصلہ قطعی ہو۔ لیکن ایک مرتبہ امان دینے کے بعد مکرر اس کو چھیننا، توڑنا وغیرہ اسلام میں حرام ہیں۔ اس کی بھی بہ کثرت نظیریں ہیں۔

(۳) محمد فاتح کے زمانے کے Devsirme سے مجھے واقفیت نہیں۔ عام قانون حسب ذیل ہے: جنگی قیدیوں کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ فاتح چاہے تو ان کو غلام بنا سکتا ہے، لیکن انھیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس میں ایک استثنا یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ بچہ جنگ میں گرفتار ہو اور تنہا ہو یعنی اس کے والدین اور سرپرستوں میں سے کوئی اس کے ساتھ

Marfat.com

نہ ہو اور اسے غلام بنانے کا فیصلہ کیا جائے تو اس بچے کو مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ ''گرفتاری، غلام بنائے جانے اور مسلمان قرار دیئے جانے کے بعد اگر اس بچے کا سرپرست اسلامی سرزمین پر آئے تو سابقہ فیصلہ نہیں بدلتا۔ غالباً یکتی چری اسی طریقے سے بنی تھی۔ یہ قانون امام محمد شیبانی (شاگرد ابوحنیفہؒ) نے لکھا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شرح السیر الکبیر، ترکی ترجمہ منیب عیثابی (مطبوعہ) ''باب من اسلام الصبی و الصبیة الماسورین'' ترکی ترجمہ سید کبیر جلد دوم صفحہ ۳۶۲ و مابعد۔ یہ اہم چیز ہے اسے آپ وہاں پڑھ سکتے ہیں۔ عربی خط والی ترکی ہے۔

(۴) اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی ہے، اسے واجب نہیں قرار دیا ہے۔ جب غلام بنانا جائز ہے تو اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہوگی۔ آپ کو وہاں میری کتاب Muslim Conduct of State یا اس کا ترکی ترجمہ مل جائیں گے ان میں انڈکس کی مدد سے آپ اس کے قانون کی تفصیل معلوم کر سکتے ہیں۔ حصہ قانونِ جنگ، اشخاص سے برتاؤ، قیدیوں سے برتاؤ۔ مختصر یہ کہ غلام صرف جنگی قیدی کو بنایا جا سکتا ہے اور لونڈی کی شادی غلام سے کرائیں تو اس کی اولاد بھی غلام رہتی ہے۔ اس کے سوا دوسری صورتیں جائز نہیں۔ اس بارے میں آپ Hobhouse کی کتاب Morals in Evolution وہاں ملتی ہو تو اس میں Slavery کا باب پڑھیں۔ وہ کہتا ہے کہ عیسائیت نے غلام کی حالت بدتر کر دی۔ تاریخی نقطہ نظر سے امریکا میں غلامی کو برخاست کرنے کی تحریک اس وقت شروع ہوئی جب مشین بن گئے اور غلاموں کے مقابلے میں سستے پڑنے لگے۔ اس میں عیسائیت کو کوئی دخل نہیں ہے، محض معاشی منفعت اندوزی کے خیال سے غلام بنانا بند کیا گیا۔

اگر اور کوئی تفصیل مطلوب ہو تو لکھیں۔ مجھے تا حال وہاں آنے کی اس سال دعوت نہیں آئی ہے اس لئے کہہ نہیں سکتا کہ مارچ میں آپ سے ملاقات ہو سکے گی یا نہیں۔ خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴)

استنبول

۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ چہار شنبہ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون، براہ کرم پروفیسر عبدالقادر قرہ خان صاحب سے کسی قریبی فرصت میں مل لیجئے۔ وہ تورک اسکی ادبیاتی کے پروفیسر ہیں، ان کا مکان قاضی کوئی میں ہے ٹیلی فون نمبر ۳۶۹۱۳۳ ہے۔ یونیورسٹی میں بہ ظاہر منگل اور چہار شنبہ دو دن آتے ہیں، کل ملے تھے ۔معلوم ہوا کہ فوٹو گرافر نے ابھی کام شروع نہیں کیا۔

میں نے کل شام مسجد پر کوئی تحقیق کی۔ بلاذری کی فتوح البلدان میں کچھ مواد ملا۔ یہ عربی میں ہے۔ ترجمہ درج ذیل ہے:

(۱) ''شُرَحبیل بن حسنہ نے بجز طبریہ کے سارا اُردن بزور فتح کیا۔ طبریہ والوں نے ان سے صلح کی۔ اپنے آدھے سکونتی مکانوں اور آدھے گرجاؤں پر (علی انصاف منازلھم ومساکنھم)''۔ (فتوح البلدان، ص ۱۱۵ تا ۱۱۶)

(۲) ''ہیثم بن عدی نے بیان کیا ہے کہ دمشق والوں نے اپنے مکانوں اور گرجاؤں کے آدھی تعداد پر صلح کی، لیکن واقدی نے بیان کیا ہے کہ میں نے خالد بن ولید کے معاہدۂ دمشق کو پڑھا ہے اس میں آدھے مکانوں اور گرجاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے لیکن معلوم نہیں راویوں نے یہ کس ماخذ پر بیان کیا ہے''۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۳)

(۳) ''جب حضرت معاویہ خلیفہ بنے تو انھوں نے چاہا کہ حضرت یحییٰ کے گرجے کو دمشق کی مسجد میں بڑھالیں۔ عیسائیوں نے انکار کیا اس پر وہ رُک گئے۔ عبدالملک نے اپنی خلافت کے زمانے میں بھی یہی چاہا اور معاوضے میں رقم پیش کی مگر عیسائیوں نے دستبرداری سے انکار کیا۔ پھر ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو ان کو بلایا اور بہت بڑی رقم پیش کی مگر انھوں نے دستبرداری سے انکار کیا۔ اس پر ولید نے کہا کہ اگر تم یوں نہ دو گے تو میں گرجا ڈھادوں گا۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ جو کوئی گرجا کو ڈھاتا ہے تو اسے جنون یا کوئی اور بیماری ہو

Marfat.com

جاتی ہے۔ ولید کو اس پر غصہ آیا اس وقت وہ زرد خز کی عبا پہنے ہوا تھا، فوراً کدال منگا کر اپنے ہاتھوں سے گرجا کی ایک دیوار توڑی پھر مزدوروں کو حکم دیا کہ اس کو ڈھا کر مسجد میں شامل کر دیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو عیسائیوں نے ولید کے فعل کی شکایت کی۔ انھوں نے حکم دیا کہ مسجد میں بڑھایا ہوا حصہ عیسائیوں کو واپس کر دیا جائے۔ دمشق والے (مسلمانوں) کو تکلیف ہوئی کہ جہاں اذان دے چکے اور نماز پڑھ چکے ہیں اس مسجد کو ڈھا کر گرجا کیسے بنائیں (لیکن خلیفہ کا حکم واضح تھا)..... اس پر وہ عیسائیوں کے پاس گئے اور کہا کہ غوطۂ دمشق کے جتنے گرجاؤں کو فتح کے وقت مسلمانوں نے لے لیا تھا وہ سب واپس کر دیئے جائیں گے بشرطیکہ وہ حضرت یحییٰ کے گرجا سے دستبرداری دے دیں اور اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جب یہ اطلاع حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دی گئی تو وہ بھی خوش ہوئے اور شرائط کے نفاذ کا حکم دیا''۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۵ تا ۱۲۶)

(۴) شُرَحبیل بن حسنہ نے طبریہ کو صلحاً فتح کیا کئی دن کے محاصرے کے بعد، یہ اس شرط پر وہاں کے باشندوں کی جان، مال، اولاد، گرجاؤں اور مکانوں کو امن رہے گا بجز ان (مکانوں اور گرجاؤں) کے جن کے لوگ جلاوطن ہو جائیں اور ان کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ ان کے علاوہ ایک قطعہ زمین کو بھی مستثنیٰ کیا جہاں مسلمان مسجد بنائیں گے''۔ (فتوح البلدان ص ۱۱۶)

غرض قاعدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلح سے ملک فتح ہو تو صلح کی شرطوں پر عمل کیا جائے گا۔ تلوار کے زور سے فتح ہو تو فاتح کو جان و مال ہر چیز پر قبضے کا حق ہوتا ہے اور وہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔

اگر کوئی مزید مواد مطلوب ہو تو تحریر فرمائیں۔ میرا پتہ آپ کے پاس ہوگا:

4, Rue de Tournon, Paris VI۔

مخلص

محمد حمید اللہ

☆ خطوط بنام ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی و ڈاکٹر نثار احمد اسرار، مرتب کو ڈاکٹر نثار احمد اسرار مرحوم کی جانب سے موصول ہوئے تھے۔

Marfat.com

بنام شاہ بلیغ الدین

(۱)

۲۰ر صفر ۱۳۹۷ھ

ڈاک مہر۔ پیرس ۹/۲/۱۹۷۷ء
کراچی ۱۴ر فروری ۱۹۷۷ء

مکرمی ومحترمی دام لطفہ

سلام مسنون۔ عنایت نامہ ملا۔ آپ کا گلہ درست ہے لیکن گزشتہ جون سے بیماریوں میں وقت گزرا۔ محی الدین صاحب کے خط سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ آپ کی کتاب انبار میں غائب ہے اور پڑھنے کا فی الوقت امکان نہیں۔ میں وہ نہیں ہوں جو چالیس سال پہلے تھا۔ بوڑھا اور تھکا ہوا انسان ہوں۔ آپ کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اچھی ہونی چاہئے۔ خدا برکت دے۔

جی ہاں، ترجمہ قرآن اور سیرت نبویہ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئے تھے۔ اب بازار میں فی الحال بالکل نہیں ہے۔ کب مکرر طباعت ہوگی خدا ہی جانے۔

کتاب النبات کی نظر ثانی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ سویڈن میں شائع شدہ کتاب کی، میں نے نظر ثانی کویت کے لئے کی، پھر کویت ہی نے اس کی مکرر اشاعت منسوخ کر دی۔ انساب الاشرف کی بھی نظر ثانی کا سوال نہیں۔ میں نے اس کو ایڈٹ کیا تھا، وہ بھی بازار میں ناپید ہے۔

آپ کے باقی سوالات سمجھ میں نہ آئے۔ زبیرؓ کے سرپرست ہونے کا کس نے ذکر کیا ہے؟ زبیرؓ نے حلف الفضول کا آغاز کیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے، اور بس۔ اس کا ذکر ابن سعد میں ہے۔ سرپرستی سے میں واقف نہیں۔ نماز کا آغاز غار حرا میں جبرائیل کی تعلیم پر شروع ہوا۔ بخاری کے مطابق رکوع میں ابتداً ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کی جگہ ٹکائے، چھوڑے جاتے تھے۔ باقی کوئی چیز مجھے معلوم نہیں سوائے اس کے کہ شروع میں دو نمازیں تھیں، معراج کے بعد پانچ ہو گئیں۔ یہ حدیث ہی میں ہے لا صلاۃ الا الفاتحۃ الکتاب۔ ابن تیمیہ کی کتاب کے مخطوطوں کی میں نے کبھی تحقیق نہ کی۔ میری

Marfat.com

کتابوں کی فہرست مرتب کرنے کے لئے ایک مددگار کی ضرورت ہے۔ فی الحال یہ ممکن نہیں۔ حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے حالات ابن ہشام میں پڑھیں تو خطبہ وغیرہ کی تفصیل ملے گی۔ عہد اسلام کے متعلق میں نے کبھی نہ تحقیق کی اور نہ یاد ہے کہ کہیں کچھ پڑھا ہو۔

علالت کے باعث معذرت چاہتا ہوں کہ تشفی بخش جواب دے نہیں سکتا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

۲۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ پیرس سے روانگی کی تاریخ
ڈاک کے مہر کے مطابق ۱۹/ ۷/ ۱۹۸۹ء

محترمی

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا لندن سے بھیجا ہوا خط مہینہ بھر ہوتا ہے، ملا تھا۔ اس کا جواب حسب عادت فوراً لکھا پھر جب پتہ لکھنا چاہا تو نظر آیا کہ لندن کی گلی کا نام تو ہے مگر مکان کا نمبر نہیں ہے۔ اب مکرر لکھ رہا ہوں۔ خدا کرے کہ حفاظت سے پہنچ جائے۔

اپنے حقیر حافظے کی بناء پر لکھتا ہوں کہ کتاب ''رزمِ حق و باطل'' نہیں ملی۔ اب تو اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں کہ شاید کامل پڑھ بھی نہ سکوں۔

پاکستانی اخبار و رسائل میرے پاس کم ہی آتے ہیں اس لئے آپ کی مطبوعات نظر سے نہیں گزرتیں۔ افسوس ہے کہ میں اپنی سوانح عمری آپ کو نہیں لکھ سکوں گا۔ یہاں پناہ گزین ہوں اس لئے جان و مال کو خطرہ ہی رہتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ ہائے مبارک کی اب تک چھ اصلیں ملی ہیں۔ ان پر الگ الگ بھی مضمون اردو، فرانسیسی میں چھپے ہیں۔ مجموعہ بھی فرانسیسی کتاب ذیل میں ہے:

Six origi man & lamress

Diploma Diqrs duprophis to do islam

Marfat.com

الوثائق السیاسیہ کا اب چھٹا بیرونی ایڈیشن ہے جو اسرائیل کے باعث نہیں ملتا۔ اردو ترجمہ کسی نے بلا اجازت طباعت اوّل کی اساس پر کیا تھا۔ مصر اور یمن میں بھی اس نہج پر کچھ کام ہوا ہے۔ ان سب کے حوالے الوثائق کے تازہ ایڈیشنوں میں ملتے ہیں۔ آپ کی معلومات غلط نہیں ہیں کہ تاریخ طبری کا جامعہ عثمانیہ میں فارسی سے نہیں عربی ہی سے ترجمہ ہوا تھا۔ یہ بات غلط ہے کہ ابن سعد کا نسخہ جرمن زبان میں ہے۔ طبقات ابن سعد عربی ہیں۔ جرمن میں اس کے چند مختصر صفحوں کا ترجمہ ہے۔

یہاں گیبوم کی سیرت ابن اسحاق تو آئی۔ اس میں ابن ہشام کے علاوہ ابن اسحاق کے حوالے جو جمع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر مصادر میں حوالے بھی ملتے ہیں۔ ابن سعد کا گیبوم نے ترجمہ میرے علم میں نہیں کیا۔

میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رقیہؓ کے بچے کی وفات کے قصے کو کبھی تحقیق نہیں کیا کہ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہوئی۔ البتہ آپ کا یہ بیان کہ زہری ساقط الاعتبار ہیں، قبول کرلیں تو بخاری، مسلم، صحاح ستہ کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا۔

میں بوڑھا ہو چکا ہوں آپ کے لئے مطلوبہ مواد نکال کر بھیجنا آسان نہیں معافی کا ادب سے خواستگار ہوں۔ اب میرا دور ختم ہو گیا، آپ نوجوانوں کا دور شروع ہو گیا ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

بنام اسرائیل احمد مینائی☆

(۱)

۲۰ رشعبان ۷۱۔ پاریس

مکرمی

سلام مسنون۔ کل آپ کا عنایت نامہ ملا۔ تعمیلاً آج میں نے فارم امریکا بھیج دیا ہے البتہ اس کی مصلحت سمجھ میں نہ آئی کہ جب مصارف کی زیادتی سفر علم میں بدقسمتی سے مانع ہے تو پھر شرکت کی درخواست کیوں کی جائے۔ خیر، اسے کوئی اہمیت نہیں۔

پاریس میں تعلیم بداہۃً فرنچ میں ہوتی ہے۔ یہاں سفارت کے دو مدرسے ہیں: ایک انتظامی، دوسرا علمی۔ تین سالہ نصاب ہے اس کے ختم پر ایک ڈپلوما ملتا ہے جو ہمارے بی اے کے مماثل سمجھنا چاہئے۔ اگر آپ کراچی میں دریافت کریں تو معلوم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے حال میں محکمہ خارجہ کے بہت سے امیدواروں کو یہاں چند ماہ کی تربیت کے لئے بھیجا تھا۔ ایک اور ذریعہ عاجلانہ معلومات کا فرانسیسی سفارتخانہ ہے۔

انتظامی زندگی ہو کہ تدریسی، عربی، فرنچ اور جرمن آپ لوگوں کے لئے ناگزیر ہیں ورنہ اپنے کم ہمت ہمعصروں میں کوئی وجہ امتیاز حاصل نہ ہوگا۔ مصروفیتیں ہر کسی کو ہوتی ہیں تاہم نوجوانی میں ذرا زیادہ بار اٹھا کر کچھ سیکھ لیا جائے تو پھر عمر بھر اس سے کام لے سکتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ سب بخیر و عافیت ہوں۔ مخلص

محمد حمید اللہ

☆ یہ خط مرتب کو جناب اسرائیل احمد مینائی کی جانب سے موصول ہوا

Marfat.com

بنام پروفیسر سیّد محمد سلیم

4, R. Tournon,

75 - Paris VI

۸ر شعبان ۱۳۹۱ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں سفر پر تھا۔ واپسی پر عنایت نامہ ملا۔ دانی صاحب کا مضمون نقل کرنے کی آپ نے زحمت فرمائی۔ جزاکم اللہ خیرا۔

اس مضمون میں کوئی نئی چیز نہ ملی۔

راجہ کا نام رھمی / دھمی ـــ اور اس کا تلفظ نیز اس کی ہندی اصل ـــ کے متعلق علاوہ اور امور کے ان عربی کتابوں کے مخطوطوں کا مقابلہ ضروری ہے جن میں یہ نام آیا ہے۔ اولاً وہ حوالے جمع کئے جائیں جن میں یہ نام ہے، پھر ان کتابوں کے مخطوطوں کو دیکھا جائے۔ یہ کام مشکل بھی ہے اور کسی نے اب تک کیا بھی نہیں۔

بہر حال نوازش پر دل سے ممنون ہوں۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

بنام خلیل الرحمٰن داؤدی

باسمہ تعالیٰ

4, Rue de Tournon,

Paris-6 / France

لیلۃ القدر ۱۴۱۲ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ رمضان مبارک، عید مبارک، میں انجمن کے دفتر کو

Marfat.com

ہفتے میں صرف ایک بار جا سکتا ہوں اس لئے ڈاک کے پہنچنے میں دیری ہو جاتی ہے۔ تصویر معاف۔

مکمل عربی تفسیر کے اوراق پڑھے۔ خط مشرقی ہے۔ یعنی کسی اسپین اور افریقہ والے کی تالیف یا نقل کردہ کتاب نہیں ہونی چاہئے۔ میرے پاس گھر میں صرف تفسیر ابن کثیر ہے۔ عربی تفسیروں کا جو سینکڑوں ہیں، ذخیرہ کہاں ملے؟

آپ کے ذاتی مبارک ذخیرۂ مخطوطات سے ممکن ہے کبھی آپ کی زحمت فرمائی سے کم از کم نوادر کی حد تک واقفیت ہو سکے اور باعث استفادہ۔

خادم

محمد حمید اللہ

بنام معتمد مجلس تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ☆

(۱)

قاہرہ ۲۲، جولائی ۱۹۳۲ء

عالی جناب معتمد صاحب مجلس تحقیقات علمیہ

بتوسط مجلس نگرانی تحقیقات علمیہ شعبہ دینیات

کلیہ جامعہ عثمانیہ

جناب والا! تحریر ذیل میں میں اپنے گزشتہ چند ماہ کی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔ وسط فروری ۱۳۴۱ فصلی (فروری ۱۹۳۲ء) میں جب میں حیدرآباد سے چلا ہوں تو اس وقت تک میں نے اپنے مقالے کے تین حصے جو تین چوتھائی کے مترادف ہیں مجلس نگرانی کے ملاحظے میں پیش کر دیئے تھے اور بعض علمی ہدایات کے ماسواء محترم اساتذہ (مجلس نگرانی) نے ان کو پسند فرما لیا تھا اس کے بعد مجھے بیرون حیدرآباد کے کتب خانوں سے استفادے کی اجازت دی گئی۔ اس وقت سے اب تک میں

☆ ماخوذ از کتاب "چچا ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب" از کریمہ صبغت اللہ

Marfat.com

نے جو کام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

سب سے پہلے میں مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں کتب خانہ عارف حکمت بے اور کتب خانہ سلطان محمود میں تقریباً ایک ماہ کام کرتا رہا۔ بہت سی غیر مطبوعہ کتابیں اپنے فن سے متعلق نظر سے گزریں۔ ان سے ضروری مواد نوٹ کرتا گیا یہاں کے بعض علماء سے بھی ملاقات اور استفادے کا موقع ملا۔ اس کے بعد کوئی بیس دن جدہ میں گزرے۔ یہاں شیخ محمد حسین نصیف کا ایک مشہور جنگی کتب خانہ ہے جس کی تعریف رسالہ معارف اعظم گڑھ میں بھی چھپی تھی۔ شیخ محمد حسین کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے کتب خانہ سے استفادے کی آزادانہ اجازت دے دی۔ یہاں تونس وغیرہ کی بعض مطبوعہ کتابیں جو حیدرآباد میں نظر سے نہ گزری تھیں مطالعے میں آئیں۔ بعد ازاں میں بیروت پہنچا۔ یہاں امریکن یونیورسٹی لائبریری اور مکتبہ شرقیہ للاباالیوعسین دو بڑے کتب خانے ہیں۔ ان سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اکثر کتابیں وہی تھیں جو حیدرآباد وغیرہ میں مجھے دستیاب ہو چکی تھیں۔ امریکن یونیورسٹی کے پروفیسر عربی نے ہماری کالج کی لائبریری کو اپنی ایک ضخیم تالیف تحفہ دی ہے جو میرے ساتھ ہے۔ بیروت کے علماء اور پروفیسر میری کتاب سے بہت دلچسپی لیتے رہے۔ بعد ازاں میں دمشق آیا جہاں کتب خانہ مجمع علمی اور مکتبہ ظاہریہ دو مشہور کتب خانے ہیں، ان میں مجھے بعض نایاب کتابیں ملیں۔ خاص کر اسلامی تعلقات خارجہ کے متعلق ایک کتاب میں اچھا مواد ملا۔ مجمع علمی (اکاڈیمی) کے فاضل اراکین کا ممنون ہوں جنھوں نے اکاڈیمی کے خاص کتب خانے سے استفادے کی مجھے اجازت دلائی۔ دمشق سے بیت المقدس جانا ہوا جہاں کتب خانہ خالدیہ اور کتب خانہ حرم شریف دو عام کتب خانے ہیں۔ بعض خانگی کتب خانے بھی دیکھنے میں آئے۔ یہاں کچھ زیادہ مواد نہ مل سکا۔ اس کے بعد مصر روانہ ہوا جہاں سے یہ تحریر سپرد قلم کی جا رہی ہے۔ یہاں کے بہت سے علماء سے ملاقات رہی۔ کتب خانہ ملکیہ، کتب خانہ زکیہ، کتب خانہ ازہر، کتب خانہ جامعہ مصریہ وغیرہ میں میرا وقت صرف ہو رہا ہے۔

بیروت و دمشق میں پندرہ پندرہ دن، بیت المقدس میں ایک ہفتہ رہا۔ مصر میں آئے ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا۔ ہر جگہ میرے مقالے کو عربی میں شائع کرنے پر زور دیا گیا۔

Marfat.com

اب تک مجھے جو مواد ملا ہے وہ صرف یادداشتوں کی صورت میں ہے، اسے مرتب کرنے کا موقع سفر میں نہیں مل سکتا تھا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب وغیرہ کا ممنون ہوں جن کے تعارفی خطوط سے علمی طبقے میں میرا جانا سہل ہو گیا۔ فقط

خادم

محمد حمید اللہ

(ریسرچ اسکالر عثمانیہ کالج شعبہ دینیات)

(۲)

جناب معتمد صاحب مجلس تحقیقات علمیہ

کلیہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

جناب والا!

میں اب تین سال کے بعد اپنے تعلیمی سفر سے واپس ہوا ہوں۔ اس کے دوران میں وقتاً فوقتاً رپورٹ بھیجتا رہا ہوں۔ اب ایک مجمل رپورٹ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں۔

امتحان ایم اے (فقہ۔ شعبہ دینیات) جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۰۳ء میں درجہ اول میں کامیاب ہونے کے باعث مجھے مددگار پروفیسر حدیث کی رخصت کے زمانے میں ان کی جگہ پر منصرمانہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر کلیہ جامعہ عثمانیہ میں 'اسلامی و یوروپی قانون بین الممالک' پر تحقیقات کرنے کے لیے مجھے پچھتر (۷۵) روپے ماہانہ کا ایک وظیفہ تعلیمی دو سال کے لیے عطا ہوا۔ ایک سال بعد میری درخواست پر مجھے اجازت دی گئی کہ مشرق قریبہ کے ممالک کی سیاحت کروں اور وہاں کے کتب خانوں میں اپنے مقالے کے لیے قلمی کتابوں سے مواد فراہم کروں۔

جب میں مدینہ منورہ، بیروت، دمشق، بیت المقدس اور قاہرہ کے کتب خانوں میں نہایت مفید کام کرنے کے بعد اکٹوبر ۱۹۳۲ء میں استنبول میں تھا تو جامعہ بون (جرمنی) کے پروفیسر عربی ڈاکٹر کرینکو نے مجھے وہاں آنے کی ترغیب دلائی اور کلیہ جامعہ عثمانیہ نے

Marfat.com

نہایت مہربانی سے مجھے اجازت دی کہ اس کے لیے زیر تیاری مقالہ میں جامعہ بون میں پیش کروں۔ اس نے مزید براں میرے وظیفہ تعلیمی میں مزید ایک سال کی توسیع دی اور اسے جرمنی مجھے بھیجتی رہی۔ جامعہ عثمانیہ کے لیے میرا مقالہ ''اسلامی اور یوروپی قانون بین الممالک کا تقابلی مطالعہ'' تھا لیکن جامعہ بون میں، میں نے کسی قدر محدود تر عنوان یعنی ''اسلامی قانون بین الممالک'' پر مقالہ پیش کرنے کی اجازت حاصل کی۔ میرے سابقہ دو سالہ تحقیقاتی کام، مقالے کی تیاری اور میری عام قابلیت کے باعث جامعہ بون نے وقت کی کثیر رعایت دے کر مقالہ پیش کرنے کی اجازت دے دی اور صرف نو ماہ کے قیام کے بعد جولائی ۱۹۳۳ء میں، میں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ۔ ڈاکٹری کے امتحان میں میری کامیابی ''نہایت عمدہ'' (Sehr gut) رہی اور میرا مقالہ ''عمدہ'' سمجھا گیا۔

علاوہ مقالے کے میرا امتحان حسب ذیل مضامین میں لیا گیا:

۱۔ علوم اسلامیہ یعنی مسلمانوں کی دینیات، تاریخ، ادارت وغیرہ

۲۔ سامی لسانیات (عبرانی، سریانی، عربی)

۳۔ یوروپی قانون بین الممالک

میری اس کامیابی کا ذکر رپورٹ سالانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ میں ہے اور مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ نے اس پر اپنے اجلاس ۱۴۹ منعقدہ ۲۷، اگست ۱۹۳۳ء میں اظہار مسرت کیا ہے

میرے اس جرمن مقالے کا ایک تہائی حصہ جرمنی کے مشہور رسالے ZDMG کے آئندہ نمبر میں شائع ہونے والا ہے۔

جرمنی کے اثنائے قیام میں، میں نے کلیہ جامعہ عثمانیہ کی اجازت سے جامعہ بون میں اعزازی طور سے اردو زبان کے لکچرار کے فرائض انجام دیئے۔ میقاتی تعطیلات میں، میں نے کولون، دیو سیلدورف، ہامبورگ، برلین، ہالے، لائیپ تسش Leipzig، میونک، اشقف، گارٹ، کارلس روہے، ہائی دل برگ وغیرہ مقامات کی جامعات یا کتب خانے دیکھے۔ مستشرقین سے تعارف حاصل کیا اور قلمی کتابوں سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ برلین میں میں نے بعض نایاب ونادر قلمی کتابیں دریافت کیں جن کا وہاں

Marfat.com

کی فہرست میں غلط تبصرہ چھپا ہے۔ میں ان پر کسی قریبی موقع پر کسی علمی رسالے میں روشنی ڈالوں گا اور ان مخطوطات کو شائع کروں گا۔

بون سے میری روانگی کے بعد وہاں کلیہ مشرقیات کے صدر نے مجھے جو خط لکھا تھا اس سے واضح ہوگا کہ اگر میں نے اپنے وطن اور جامعہ عثمانیہ کی خدمت کو ترجیح نہ دے کر وہیں مقیم رہنا منظور کرتا تو مجھے وہاں اسلامی السنہ اور فقہ کا لکچرار مقرر کیا جانا زیر تجویز تھا اور کارروائی جاری تھی۔ جناب کو معلوم ہوگا کہ جرمنی کا سابق شہنشاہی خاندان جامعہ بون ہی میں تعلیم کی غرض سے بھیجا جاتا رہا ہے جو اس جامعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے

۔

امتحان میں کامیابی کے بعد میں نے لائدن (ہالینڈ) اور لندن، آکسفورڈ و کیمبرج کا سفر کیا اور وہاں کے کتب خانوں میں چار ماہ تک قلمی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا۔ ہر جگہ مستشرقین اور دیگر اساتذہ سے ملاقاتیں رہیں۔ جامعہ لندن کے پروفیسر گب نے جرمنی میں پیش کردہ میرے مقالے کو دیکھنے کے بعد جو رائے ظاہر کی اور انھوں نے جن پُر زور الفاظ میں میرے مقالے کی تعریف کی ہے وہ ان کی علم دوستی پر دال ہے۔ آکسفورڈ میں پروفیسر مارگولیوث سے، کیمبرج میں پروفیسر نکلسن سے اور لائڈن میں پروفیسر اسنوک ہورخرونیے Snouck Hurgronje اور پروفیسر وینزینک سے خاص ملاقاتیں رہیں۔ انھوں نے مجھ سے میرے مقالے کی جو زبانی تعریف وستائش کی اس کے اعادے سے بخوف خودستائی باز رہتا ہوں۔

اثنائے سفر میں، میں نے جو مواد جمع کیا تھا اس کے باعث میں اس قابل تھا کہ بہت آسانی سے ایک اور مقالہ مرتب کرسکوں۔ یورپی السنہ میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور اطالوی سے اور مشرقی السنہ میں عربی، فارسی، ترکی اور اردو سے میری واقفیت میرے لیے سہولت اور افادیت کا باعث تھی اور جب جامعہ پاریس کے پروفیسر ماسینوں کو میرے مواد کا علم ہوا تو انھوں نے مجھے لکھا کہ بے توقف پاریس چلا آؤں۔

میں نے وہاں جامعہ میں شریک ہوکر جنوری ۱۹۳۴ء سے اسلامی سیاسیات پر تحقیقات شروع کیں۔ کلیہ جامعہ عثمانیہ نے اس سے واقف ہوکر میرے وظیفہ تعلیمی میں مزید

Marfat.com

ایک سال کی توسیع منظور کی اور رقم بھی بجائے ماہانہ پچھتر روپے سکہ عثمانیہ کے سکہ کلدار میں بھیجی جانے لگی۔ یہ رقم اخراجات کے لیے ناکافی تو تھی ہی اب مجھے حسب قواعد جامعہ پاریس میں اپنا مقالہ چھاپ کر پیش کرنا تھا۔ ایک سال کی قلیل مدت میں، میں نے ڈھائی سو مطبوعہ صفحوں کا مقالہ مرتب کرنے میں کامیابی حاصل کی اس کا ایک نسخہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کو روانہ کیا گیا ہے۔

میرا امتحان ۳۱، جنوری ۱۹۳۵ء کو مقرر ہوا۔ علاوہ (۱) مقالے کی توضیح و مدافعت کے مجھے حسب ذیل دو عنوانوں پر تقریر کرنے کو کہا گیا:

(۲) قدیم عربی میلے (۳) نظریہ غیر جانبداری اسلامی قانون بین الممالک میں۔

میری تینوں تقریریں حسب قاعدہ جلسہ عام میں ہوئیں اور مجلس امتحان کے تینوں ارکان نے اس پر جرح و تنقید کی اور میں نے ان کے اعتراضات و سوالات کا جواب دیا۔ اس کے بعد مجلس امتحان نے نتیجہ سنایا۔ صداقت نامہ سے واضح ہوگا کہ ڈی لٹ کی ڈگری میں نے نہایت اعزاز سے حاصل کی ہے۔ میں نے عثمانیہ کالج کو اسی دن تار پر اس کی اطلاع بھی دی تھی۔ جامعہ پاریس نے مجھے اجازت دی کہ میں اپنے مقالے کا حصہ دوم جو عربی متنوں پر مشتمل ہے حیدرآباد جا کر شائع کروں یہ سو صفحوں پر مشتمل ہوگا۔

مجھے یہاں جناب کی توسط سے جامعہ عثمانیہ کو یہ اطلاع دینی ہے کہ جامعہ یا اس کے ادارہ اسلامیات کے نائب صدر گودفرا بے دماں بین نے جو میرے ممتحنوں میں سے ایک تھے، ایک نیم سرکاری ملاقات میں مجھ سے بیان کیا کہ وہ ممالک غیر سے ''تبادلہ اساتذہ'' کا انتظام کر رہے ہیں جس کی تکمیل پر وہ مجھے اطلاع دیں گے اور یہ بھی انھیں بڑی خوشی ہوگی اگر میں وہاں کچھ عرصہ بعد پھر آسکوں اور کسی تعلیمی منیقات میں کچھ عرصہ تک کسی موضوع پر طلباء کے سامنے لیکچر دوں۔ میں نے اس عزت افزائی پر شکریہ ادا کیا اور اس کی جامعہ عثمانیہ کو اطلاع دینے کا وعدہ کیا۔ جامعہ پاریس اس بات پر بھی آمادہ ہے کہ اپنے کسی استاد کو چند ماہ کے لیے جامعہ عثمانیہ بھیجے۔

امتحان سے چند دن قبل میری درخواست پر جامعہ پاریس کے میرے اساتذہ نے نائب معین الامیر جامعہ عثمانیہ کے نام جو خطوط تحریر کیے ہیں وہ مع ترجمہ منسلک ہیں مجھے

Marfat.com

خوشی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے مجھ حقیر طالب علم کے متعلق ان اساتذہ نے اتنی اچھی رائے ظاہر کی ہے۔

امتحان کے بعد میں فوراً پاریس سے روانہ ہوگیا اور 'پی اینڈ او' کمپنی کے جہاز اسٹراٹ ہیرد سے ۱۴، فروری ۱۹۳۵ء کو بمبئی اور ۱۵، کو بلدہ پہنچا اور اب اپنی بساط بھر اپنے ملک کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

جناب والا، اب جبکہ میرا تعلیمی سفر ختم ہو چکا ہے میں اپنی مادر علمی جامعہ عثمانیہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس کی مالی و اخلاقی تائید سے میں نے اس قلیل مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کیں اور دو سال سے بھی کم مدت میں بون اور پاریس کی جامعات سے ڈاکٹری کی دو ڈگریاں اعزاز کے ساتھ حاصل کیں۔ جبکہ عام طور پر اس کے لیے چار سے پانچ سال لگ جاتے ہیں۔ میرے تین سال تعلیمی سفر کے دوران جامعہ عثمانیہ نے مجھے ''ڈھائی ہزار روپے کلدار'' عطا فرمائے جبکہ اسی مدت میں وہ یوروپ میں تعلیم پانے والوں کو علاوہ سفر خرچ کے کوئی بارہ ہزار روپے کلدار وظیفہ عطا فرماتی ہے۔ پونڈ کی قیمت کے گر جانے سے مجھے جرمنی اور فرانس میں سخت مالی مشکلات پیش آتی رہیں۔ فرانسیسی مقالے کی طباعت میں مجھے ایک ہزار روپے سے زائد مصارف ہوئے۔ فیس داخلہ و امتحانات کی بابت جامعہ بون و پاریس کو تقریباً ایک ہزار روپے دینے پڑے۔ فرانس کے مقالے کا حصہ دوم (عربی متن) ابھی اشاعت طلب ہے جو ایک اہم اور مفید علمی کارنامہ ہوگا۔ اس پر کم از کم پانچ سو روپے کے مصارف لاحق ہوں گے۔

جامعہ عثمانیہ کی علم پروری سے کیا بعید ہے کہ اس کے ایک تعلیم یافتہ کی ان بڑی کامیابیوں کے مدنظر اس بارے میں اس کا بوجھ ہلکا کرے جس نے یورپ میں جامعہ عثمانیہ کا نام کرنے میں اتنا بڑا حصہ لیا ہے۔

حمید اللہ

Marfat.com

بنام مولانا محمد بن موسیٰ میاں (بانی مجلسِ علمی کراچی) ☆

MahmmdiyaWteli, Cenbertitas,
Istanbul, ۲۴، شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

مخدوم، محترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عرصہ دراز کے بعد یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں۔ امید کہ جناب اور اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہوں گے۔ اس عرصہ میں بیکار نہ رہا۔ الحمدللہ فرانسیسی میں سیرت نبوی ہزار صفحوں میں مکمل کر چکا ہوں۔ پانچ سو صفحوں میں، سیرت النبی للبلاذری کو ایڈٹ کر کے مطبع روانہ کیا، بعض دیگر کام بھی ہوئے۔ میں اب چار پانچ دن سے ترکی آیا ہوا ہوں۔ استانبول یونیورسٹی نے تین ماہ درس دینے کی دعوت دی ہے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ ماہ جون میں مکرر فرانس واپس چلا جاؤں گا۔

آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ اسلام کے متعلق ''ڈاک پر درس'' کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ پانچ سات کرم فرماؤں کی وعدہ خلافی سے کام میں دیری تو ہوئی لیکن کل امر مرھون باوقاتھا، پندرہ باب میں یہ تالیف مکمل ہوئی ہے۔ انگریزی اڈیشن تو چھپنے کے لیے مطبع کو بھیج بھی چکا ہوں۔ فرانسیسی متن میرے پاس پاریس میں چلنے کے وقت ٹائپسٹ کے پاس تھا ان شاءاللہ وہ بھی جلد تیار ہو جائے گا۔ حسب ذیل باب ہیں:۔

عقائد، عبادات، تصور حیات، سیرت نبویہ، تعلیمات اسلامی (قرآن وحدیث) کا قابل اعتماد طور سے ہم تک پہنچنا، اخلاق، تصوف، نظام حکومت، نظام قانون، نظام اقتصاد، عورت، ذمی، مسلمانوں کی خدمت علوم وفنون، تاریخ اسلام، مسلمانوں کی حیات روزمرہ۔ اس کے علاوہ ضمیمہ میں نماز کی دعائیں (عربی وانگریزی ہر دو خط میں نیز ترجمہ) ۲۰۰۰ء تک عیدین وغیرہ کی انگریزی سنہ میں تاریخیں وغیرہ۔ غرض ایک نقش اول ہے خدا قبول فرمائے اور برکت دے۔ آئندہ اڈیشن میں مزید اصلاحیں اہل علم کی تنقید کی روشنی میں کی جاسکتی ہیں۔ ٹائپ کے (۲۰۸) صفحے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

انگریزی اڈیشن کو چھاپنے کے لیے یوسف الدین صاحب کے پاس حیدرآباد بھیجا ہے، جیسے ہی طباعت مکمل ہوگی، جناب کے ملاحظے کے لیے چند نسخے بھیجے جائیں گے ۔جناب کی طبیعت سے ڈر لگتا ہے اس لیے احتیاطاً ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ براہ کرم کوئی رقم ترکی نہ بھیجی جائے۔ یہاں سے باہر پہنچانا ناممکن ہے۔

ابھی ابھی کراچی سے مجلسِ علمی نے اپنا تازہ کارنامہ ''تدوینِ حدیث'' مولفہ مولانا مناظر احسنؒ روانہ فرمایا ہے۔ اس کے صفحات ۷۴ تا ۷۷ میں ایک فاحش غلطی ہوگئی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ۱۱۰ھ میں ابو لطفیلؓ کا انتقال ہوا۔ جس کا مطلب یہی ہوا کہ آنحضرتؐ کے بعد ایک سو بیس سال تک حضرت ابوالطفیل زندہ رہے۔ سرور کائناتﷺ کی وفات سنہ ۱۱ھ میں ہوئی تو حضرت ابوالطفیل سن ۱۱۰ھ میں یعنی سرور کائناتﷺ کے ۹۹ سال بعد فوت ہوئے نہ کہ ۱۲۰ سال بعد۔ اس کے بعد تیس صحابہ کی فہرست میں سن ہجری میں سے دس یا گیارہ سال حذف کر کے آنحضرت کے بعد زندہ رہنے کی مدت بتانے کی جگہ سنہ ہجری میں دس سال بڑھا کر بتایا گیا ہے۔ اس سہو کی موجودہ نسخوں میں صحت نامہ لگا کر تلافی کی جاسکتی ہے۔ یاد رہے کہ خود ایک حدیث شریف میں صراحت ہے کہ آنحضرتﷺ کے سو برس بعد روئے زمین پر اس وقت کا زندہ شخص باقی نہ رہے گا۔ سب سے طویل العمر صحابی ابو لطفیل ۹۹ برس رہ سکتے ہیں ۱۲۰ سال نہیں۔

کاش مجلس علمی کی ختم شدہ کتابیں مکرر چھاپی جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء کا مکرر اڈیشن بھی اچھی چیز ہو۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد

Marfat.com

بنام ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری ☆

(۱)

4,Rue de Tournon

Paris-6/France

۱۲، ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ/ ۲۶ جولائی ۱۹۸۸ء

محترم ومکرم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، کرم نامہ Dg, IRI-18 مورخہ ۱۴ جولائی کل شام ملا۔ سرفراز ہوا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اب اسلام آباد میں ہیں۔ توفیقات الٰہیہ روز افزوں آپ کی شاملِ حال ہوں۔ امید کہ اہل وعیال، والد صاحب وغیرہ سب خیر وعافیت سے ہوں گے۔

میں یہاں اپنے حقیر علمی کام میں غرق ہوں اور آئندہ ماہ محرم کو اگر زندہ رہا تو چوراسی سال ختم کر چکوں گا۔

خدا پاکستان کو سلامت رکھے اور اس کو اندرونی و بیرونی فتنوں، بلاؤں اور ابتلاؤں سے بچائے۔

خدمت لائقہ کی یاد سے شاد فرمائیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔ فکر ونظر کا اندلس نمبر [1] ملا، ممنون ہوا۔ متاسف بھی کہ اندلس سے مسلمان کے روابط کے آغاز پر کوئی خصوصی مقالہ نہیں ہے۔ یہ طارق سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد سے شروع ہوئے۔ میری ناچیز کتاب الوثائق السیاسیۃ میں فتح الاندلس کے حوالے یاد

Marfat.com

دلانے کی گستاخی کرتا ہوں:

تاریخ طبری صفحہ ۲۸۱۷

تاریخ الکامل لابن الاثیر ج ۳، ص ۷۲

تاریخ ابوالفداء ج ۱، ص ۲۶۲

الفتوحات الاسلامیۃ لزینی دحلان ج ۱ ص ۱۰۰۰

التاریخ الکبیر للذھبی ج ۴، ص ۸۰

ابن کثیر ج ۷، ص ۱۷۰

مقالہ محمد حمید اللہ: فتح الاندلس (اسبانیا) فی خلافة سیّدنا عثمان سنة ۲۷ للهجرة فی مجلة معهد البحوث الاسلامیة من جامعة استانبول ج ۷، عدد ۱۰۲، ص ۲۲۱-۲۲۶ مع رس Dechmi & Fall جلد ۵، ص ۵۵۵

خدا کرے آپ اور اہل خاندان سب خیر و عافیت سے ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد

(۱) سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد کا اندلس نمبر اشاعت: اپریل تا دسمبر ۱۹۹۱ء

Marfat.com

بنام ڈاکٹر خورشید رضوی ☆

(۱)

بسم اللہ

۸، محرم ۱۴۰۸ھ

مخدوم و محترم

سلام مسنون و رحمتہ اللہ و برکاتہ

کل یکم ستمبر کو کتب خانہ السنہ شرقیہ گیا۔ وہ کھل تو گیا ہے لیکن ادھورا۔ ایک ماہ اور صرف بعد ظہر کھلے گا۔ صبح میں بند رہے گا۔

بہر حال کل وہاں اسپینی رسالہ تلاش کیا۔ افسوس ہے کہ وہ ان کے ہاں نہیں آتا ہے۔ آج کتب خانہ عام گیا، وہاں بھی یہ رسالہ نہیں آتا ہے۔ مولف مضمون پورا رسالہ، پورا مضمون نہیں، صرف آپ کے سوال کے جواب تو دے سکتے ہیں کہ مطلوبہ مخطوطہ ایسکوریال میں ہے یا نہیں۔ بہر حال بے بس ہوں۔

صفدی کی وافی بالوفیات تیس چالیس جلدوں میں بیان کی جاتی ہے۔ بروکلمان نے اور تفصیلوں کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی جس جلد میں حرف عین کے نام ہیں وہ برٹش میوزیم میں ہے (کوئی لندن کے دوست شاید آپ کو مدد دے سکیں) اور یہ کہ ''عین غین فاء'' کی جلد یا جلدوں کا Gayangos (اسپینی) نے ذکر کیا ہے لیکن یہ صراحت نہ ملی کہ کہاں، تا کہ تلاش کر سکتا۔ اور یہ کہ صفدی کا نسخہ بخط مولف Gotha (مشرقی جرمنی) میں ہے۔ ایک ٹکڑا آیا صوفیا (استانبول) میں ہے۔

بہر حال بہ حالت موجودہ سوائے معذرت کے کوئی حل نظر نہیں آتا ہے۔

ہاں بروکلمان نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ گابریلی نامی اطالوی پروفیسر نے ایک مضمون لکھا تھا کہ صفدی کی جلدیں دنیا میں کہاں کہاں ہیں اور یہ کہ یہ مضمون روم کے

☆ بشکریہ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد

رسالے Accademi. de lincei میں چھپا ہے۔ یہ رسالہ یہاں مل جائے گا اور

Marfat.com

ضرورت ہو تو آپ کے لیے تلاش کروں گا۔ آج کچھ مصروفیت ہونے سے زیادہ وقت کتب خانے میں گزار نہیں سکتا، لیکن ایک مصیبت ہے: کل آپ کا خط جس میں تفصیلیں تھیں کتب خانے میں نہ معلوم کیسے غائب ہو گیا۔ آئندہ ضرورت پر تفصیل مکمل مکرر دینے کا التجا ہے ۔کوئی اور خدمت ہو تو یاد سے سرفراز فرمائیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

بسم اللہ

۲۸ محرم ۱۴۰۸ھ

مخدوم و مکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ ساری باتوں کا تو آج جواب نہیں دے سکوں گا۔ قسط اول ہے:

۱۔ الوافی بالوفیات کی یہاں پاریس میں پانچ جلدیں ہیں، آج ان کو دیکھنے کتب خانہ عام گیا۔ ان میں دیباچہ، خاتون تا سنقر، سعید بن علی تا صاعد، عبادۃ بن الصامت تا عبید اللہ بن الفضل کے حالات ہیں۔ گابریلی کے مضامین تلاش کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

۲ ابن البیشی اور ابن النجار کی کتابوں سے کیا ذیل تاریخ بغداد مراد ہے یا کوئی اور چیزیں؟ ندامت سے یاد دلاؤں گا کہ آپ کا پرانا خط کھو گیا ہے۔

۳ اگر مجریط (میڈرڈ) کے سفارت پاکستان میں کوئی آپ کے تعارفی ہوں تو انھیں ،ورنہ کلچرل اتاچی کو لکھ کر دیکھئے کہ اسپینی رسالے کے اوراق کی وہ آپ کو فوٹو کاپی روانہ فرمائیں۔ فی الحال تو کوئی اور حل نظر نہیں آتا۔

۴۔ فواد سزگین صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ وہ بروکلمان کی تتبع کر رہے ہیں ۔واللہ اعلم

۵۔ تاریخ اربیل کے متعلق بروکلمان کو کسی نسخے کا پتہ نہیں چلا ہے۔ مجھے بھی نہیں۔

Marfat.com

کیا یہ خاکسار بھی آپ کو کوئی زحمت دے سکتا ہے؟ یہاں کے کتب خانہ مدرسہ السنہ شرقیہ کی تہذیب التہذیب لابن حجر غائب ہوگئی ہے۔ اگر وہاں ہو تو کیا آپ اس میں دو نام تلاش فرما سکیں گے؟ یعنی

(الف) جعفر بن نسطور الرومی

(۲) ابو محمد عبداللہ بن محمد بن زیاد السندی

ناصر کو نمبر ا پر بڑی تشویش ہے کہ کون ہیں؟

حفظکم اللہ وعافاکم

نیازمند

محمد حمید اللہ

بنام ڈاکٹر احمد خان ☆

(۱)

۲۸، ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ

مکرمی دام لطفکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایک سفر سے واپس آیا تو آپ کا عنایت نامہ منتظر ملا، شکریہ۔

وراقت ایک وسیع مضمون ہے [1]۔ میں نے کبھی اس کا خصوصی مطالعہ نہیں کیا، اس لیے معلومات کم ہیں۔ کاغذ پر مجلّہ تحقیقات علمیہ عثمانیہ کے ایک پرانے نمبر میں پروفیسر جمیل الرحمٰن مرحوم کا ایک اچھا مضمون تھا۔ مختلف عصور اور مختلف ممالک کے عربی خطوں کے

☆ بشکریہ و بہ اجازت خاص ڈاکٹر احمد خان صاحب۔ قبل ازیں یہ خطوط مع حواشی رسالہ فکر و نظر میں بھی شایع ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

نمونے مخطوطات کی اساس پر انگلستان اور فرانس میں کئی لوگوں نے چھاپے ہیں (جو بہت گراں ہیں) سنا ہے کہ ایک البم صلاح الدین المنجد نے بھی چھاپا ہے۔ ہامبورگ کے ششماہی عربی رسالہ ''فکر وفن'' نے (جو آپ کو کراچی کی جرمن سفارت سے مل سکے گا) اپنے شمارہ سوم کو عربی خط سے مخصوص رکھا تھا۔ اس میں میرا مقالہ ''صناعة الخط فی عصر الرّسول والصحابة'' بھی ہے۔ Metz کی جرمن کتاب Renaissance des Islam کا عربی ترجمہ محمد ابوریدہ نے مصر میں چھاپا ہے۔ اس میں کافی معلومات ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ''عرب'' کے تحت عربی خط پر بھی بحث ہے۔

''معارف'' میں قاضی الرشید کے مضمون میں ان مضامین کا ذکر ہے جو اس موضوع پر چھپے ہیں۔ کراچی کے ہسٹاریکل سوسائٹی اکتوبر ۱۹۶۳ء کو بھی دیکھئے۔

میں پاریس یونیورسٹی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ صرف پاریس میں سکونت پذیری پر مجبور ہوں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

---

(۱) وراقیت مخطوطات سے متعلق علم ہے جس میں کاغذ کی بناوٹ، خطی نسخے کی نقل و مقابلہ، اس کی جلد بندی تک کے مراحل سے متعلق معلومات جمع کی جاتی ہیں۔

(۲)

۱۵، جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ ملا، شکریہ عرض ہے۔ میرے علم میں چمڑے پر کوئی کتاب یا مضمون نہیں لکھا گیا۔ محولہ جرمن مضمون (۱) میں نے کبھی نہیں پڑھا۔ اطلاع کا شکریہ۔ میرے ذہن میں چند پڑھے ہوئے حوالے تھے۔ ان کا اقتباس منسلک ہے (۲) ممکن ہے آپ کو پہلے سے معلوم ہوں۔ قصی بن کلاب یعنی پانچویں صدی عیسوی

Marfat.com

سے اس کا ذکر ملتا ہے اور عہد نبوی تک سلسلہ جاری رہتا ہے (۳)۔

ایک جرمن کتاب ہے Handels Geschicht یعنی مشرق کی تجارت کی تاریخ، ممکن ہے اس میں بھی کچھ حوالے ہوں۔ نہ یہ نہ اس کا فرانسیسی ترجمہ میرے پاس گھر میں ہے۔ مولف کا نام غالباً Heyd ہے۔

خواہش ضرور تھی مگر توقع نہ تھی کہ میرے مقالہ سیر کی مطبوعہ یا سائیکلو سٹائل نقل مجھے بھیج جائے گی۔ حسب توقع ہی صورت حال ہے۔ الحمد للہ علی کل حال۔ کاش چھاپنے سے پہلے ترجمہ مجھے بتا دیا جاتا، خیر (۴)۔

مسالک الأبصار لابن فضل العمری کی کوئی ۲۴ جلدیں ہیں۔ ان میں سے ایک ہندوستان کی تاریخ پر بھی ہے (کافی طویل، ممکن ہے سو صفحوں پر) میرے علم میں تو یہ حصہ ابھی چھپا نہیں ہے۔ استانبول میں دو مخطوطے ہیں۔ اسے آپ ایڈٹ کر سکتے ہیں۔ العباب للصغانی غالباً ایڈٹ کرنے کے لیے بہت بڑا کام ہوگا (۵)۔ میں عام طور پر مارچ سے مئی تک تین مہینے ترکی میں رہتا ہوں۔

عبدالقدوس صاحب کو بھی میرا اسلام فرمائیں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) مکتوب الیہ نے ایک جرمن مضمون Fell undhederkleidung Arabien کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

(۲) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے احادیث کی مختلف کتب سے خاصے طویل اقتباسات روانہ کیے تھے جنھیں احمد خان صاحب نے اپنے مضمون ''عرب جاہلیہ میں صنعت دباغت'' (مطبوعہ فکر و نظر جلد ۷) میں استعمال کیا۔

(۳) قصی بن کلاب نے مکہ میں سب سے پہلے چمڑے کی تجارت کا آغاز کیا تھا۔

(۴) اشارہ ہے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے اردو مضمون سیر کی جانب جس کا عربی ترجمہ عاصم الحداد سے کرا کے الدراسات الاسلامیہ بابت ستمبر ۱۹۶۸ء میں مکتوب الیہ نے شائع کیا تھا۔

(۵) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے مسالک الابصار تالیف ابن فضل العمری کی جغرافیہ عالم پر مشہور کتاب کے کچھ

Marfat.com

حصے یا العباب الذاخر تالیف الصغانی کے کسی ٹکڑے کو ایڈٹ کرنے کا مکتوب الیہ کو مشورہ دیا تھا۔

(۳)

۹، صفر ۱۳۸۹ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون۔ مجھے آپ کا عنایت نامہ مارچ کے شروع میں ترکی میں ملا۔ ممنون ہوا۔ آپ کے ہاں کی ہڑتالوں، ہنگاموں وغیرہ کے باعث جواب ملتوی رکھا۔ معذرت چاہتا ہوں۔ میں یہاں ان شاءاللہ ایک ماہ اور رہوں گا۔

بلخی کی کتاب سے آپ کو ہچکچاہٹ ہے تو پھر میری رائے میں الروض المعطار لمحمد بن محمد بن عبداللہ بن عبدالمنعم الحمیری اچھی چیز ہوگی (۱)۔ اس کا ایک مخطوطہ نمبر ۴۴ بیرام پاشا، شاخ نور عثمانیہ، استانبول میں ہے اور دوسرا شیخ الاسلام عارف حکمت بے مدینہ منورہ میں۔ اس میں بہ کثرت یوروپی ممالک کے حالات بھی ہیں، غور فرمایئے۔

خدا کرے وہاں امن وامان ہو اور اہل ملک کو خدا صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کتاب کو ایڈٹ کرنے کا مکتوب الیہ کہ مشورہ دیا تھا۔ بعدازاں یہ کتاب احسان عباس کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شایع ہوگئی۔

(۴)

۲۵، رجب ۱۳۸۹ھ

مکرمی دام لطفکم

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے زحمت فرمائی۔ دلی شکریہ! میں خط یا کارڈ مندرجات کی مقدار کے مطابق اختیار کرتا ہوں۔ یہاں ایروگرام کا رواج نہیں ہے۔

مجھے مترجم کے نام کی ضرورت نہ تھی۔ میں صرف یہ چاہتا تھا، اور اب بھی چاہتا

Marfat.com

ہوں کہ حق بہ حقدار ہو۔ مضمون کا عربی ترجمہ میں نے نہیں کیا، اسی لیے وہ میری طرف منسوب نہ ہو۔ یہ غلط نامہ نہیں ہے بلکہ تکملہ ہے۔ اگر مترجم اپنا نام اس رسالے میں دینا نہیں چاہتے ہیں تو یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ''حمید اللہ کے اردو مضمون کا عربی ترجمہ دفتر نے کرایا۔''

مسند البزاز میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ رباط (مراکش) سے ایک دوست نے لکھا ہے کہ وہ باب وار نہیں، راوی وار (مسند ابن حنبل کی نہج کی) ہے۔ مکمل نسخہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ مصر کو بھی خط لکھا ہے اور استانبول کو بھی کہ اس ماخذ کی اطلاع مجھے تازہ ملی ہے۔ توقع کم ہے کہ مصر اور مراکش والے احباب پورے نسخے کو کھنگالنے کی زحمت گوارا کریں۔ استانبول مجھے آئندہ مارچ میں جانا ہے۔ زندگی ہے تو وہاں کا کام خود ہی کر لوں گا، ان شاء اللہ۔ میرا فرانسیسی مضمون اس دستاویز پر اب چھپ رہا ہے۔ ابتدائی صفحوں کے پروف تو دیکھ بھی چکا ہوں۔ اس میں صرف ابن حزم اور فرنگی معترضین کی جرح و قدح کا میں نے جائزہ لیا ہے۔ چھپ جائے تو ان شاء اللہ ایک نسخہ خدمت میں گزرانوں گا۔ زمانہ جاہلیت اور ابتدائے اسلام کی عدل گستری کا ذکر میری کتاب ''عہد نبوی کا نظام حکمرانی'' کے ایک باب میں میں نے بھی کیا ہے۔ ایمیل تیان کی فرانسیسی کتاب دو جلدوں میں اسی موضوع پر ہے [1]۔ کچھ اور بھی مضمون چھپے ہیں، آپ واقف ہوں گے۔

مسند البزاز کا مطبوعہ نسخہ یا ندوۃ العلما کا نسخہ، دونوں میرے لیے نئی چیز ہیں [2]۔ مطبوعہ نسخہ ممکن ہے حیدر آباد دکن میں ہو وہاں بھائی صاحب کو لکھوں گا۔ وہ ضعیف اور نابینا سے ہو چکے ہیں مگر کہوں گا کہ کسی دوست سے کام کرا دیں۔ ندوۃ العلما سے مایوسی اور قطعی ناامیدی ہے۔ وہاں لکھنا بیکار ہی سمجھتا ہوں۔

کتاب المصاحف کے متعلق آپ کا گمان میرے علم سے مختلف ہے [3]۔ جامعہ میونک ((جرمنی) میں تین پشت سے ادارہ قرآن قائم تھا۔ ساری دنیا سے قرآنی مخطوطے فوٹو لے کر جمع کیے گئے تھے (کوئی بیالیس ہزار)۔ ان کا ایک ایک حرف پڑھ کر کاتبوں کی غلطیاں جمع کی گئی تھیں۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکن بمباری میں ادارہ مع مدیر آنجہانی ہو گئے۔ مگر جیفری نے بھی اور آخری مدیر پرتسل Pretzl نے بھی یہ یقین دلایا کہ قرآن میں اختلاف روایت نہیں ملا۔ کاتب کی غلطیاں ہر جگہ ملتی ہیں لیکن کوئی ''غلطی'' ایسی نہیں جو

Marfat.com

متعدد مخطوطوں میں ملے لہٰذا سے اختلاف روایت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جیفری نے ابن ابی داؤد کے دیباچے ہی میں یہاں تک لکھا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے اتنے اختلاف کا مواد باقی ہی رہنے کیسے دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایسا مواد تلف کر دیتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی مواد تلف نہیں کیا۔

باقی کتاب المصاحف کے اندر کا مواد، کبھی تو وہ تفسیر پر مبنی ہے اور کبھی کسی قدر تباین پر۔ یہ آخر الذکر زیادہ تر مجھے حضرت علی کی طرف منسوب ملا۔ اس کی مزید تحقیق پر پتہ چلا کہ بعض برادران شیعہ کے مکان میں یہ نسخہ ملا جسے عباسی حکومت نے تلف بھی کرایا۔ آپ کو معلوم ہوگا قرآن کے پارہ ہائے ۳۱ تا ۴۰ بھی رام پور میں ملے تھے۔ ایک اور موقعے سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ گارسیں دتاسی نے سورۃ النورین کو شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اسے یہ روسی نصرانی شدہ شیعی الولادت مرزا کاظم بیگ سے ملا تھا اور خود کاظم بیگ نے بھی اسے شائع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے یہ سورہ گارسیں دتاسی سے ملا ہے [۴] (کسے سچ سمجھیں؟)۔

آپ خود ان اشارات کی روشنی میں کتاب المصاحف کو مکرر غور سے دیکھیں تو ان شاء اللہ مسئلہ زیادہ سلجھ جائے گا۔ صحابہ کرام میں سے متعدد نے حضور اکرمؐ سے آیات کے معنی پوچھ کر اپنے نسخوں میں بین السطور اضافے کیے تھے۔ بعد کے دور میں ان کی نقل میں وہ بین السطور کی جگہ متن میں شامل ہو گئے۔ اختلافات کا وجود عملاً ہے ہی نہیں۔ قراء اور حفاظ آج تک جو سند دیتے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے حضرت ابیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کی قراءتوں میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ میری اپنی سند میں مدینہ منورہ کے شیخ القراء شیخ حسن الشاعر نے لکھا ہے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) ایمیل ثیان کی کتاب کا نام Institution du Droit Public Musulman ہے جو لبنان سے ۱۹۶۵ء میں شایع ہوئی۔

Marfat.com

(۲) مکتوب الیہ نے یہ معلومات ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو اپنے خط میں روانہ کی تھیں۔
(۳) کتاب المصاحف از ابن ابی داؤد، آرتھر جیفری نے ۱۳۵۵ھ میں شایع کی تھی۔
(۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''گارساں دتاسی، اردو خدمات، علمی کارنامے'' از ثریا حسین مطبوعہ دہلی ۱۹۸۴ء

(۵)

۳، شعبان ۱۳۸۹ھ

مکرمی زادمجدکم

سلام مسنون۔ عنایت نامہ ملا۔ جہاں تک مجھے علم ہے، کسی جامعہ کی طرف سے اجنبیوں کو راست وظیفہ تعلیمی نہیں دیا جاتا۔ یوروپ ہو یا امیر کا، حکومتیں دوست حکومتوں کو معین تعداد میں وظائف کا پیش کش کرتی ہیں اور طلبہ کا انتخاب خود ان کی اپنی حکومت کرتی ہے تا کہ نامناسب اور شورش پسند طلبہ کی سرپرستی کا الزام مول نہ لیا جائے۔ اسی لیے اس سلسلے میں پاکستان ہی میں ہونے والے اعلانوں پر نظر رکھنی ہوگی (۱)۔

یہ حقیقت نگاری تو زبان و قلم کا جواب ہے۔ دل کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کوئی موقع ملے بھی تو آپ اسے قبول نہ کریں۔ ایک تو یہ بھیک ہے جو شریف آدمی کے لیے باعثِ ننگ ہے۔ دوسرے اس میں وظیفہ دینے والوں کے لیے سیاسی اغراض ہوتے ہیں، ان میں ہاتھ بٹانا بھی کوئی وطن دوست آدمی قبول نہیں کرسکتا۔ تعلیم کے لیے ضرور سفر کیجئے لیکن اپنے ہی وسائل پر۔

مجھے ام۔ اے میں اتفاقاً اچھے نمبر ملنے پر ۷۵ روپے ماہوار کا جامعہ عثمانیہ سے ریسرچ اسکالرشپ دو سال کے لیے ملا تھا۔ میں نے پہلے سال کی پوری رقم محفوظ کی، پھر درخواست دی کہ بیرونی علمی سفر کی اجازت دی جائے اور یہی اسکالرشپ باہر بھی ملے۔ یہ منظور ہوا تو اسی پونجی سے حجاز، شام، مصر اور ترکی کے کتب خانوں میں کام کرتا رہا۔ پھر یاد نہیں ایک یا دو سال کی اسکالرشپ میں توسیع ہوئی اور اسی رقم پر گزارا کر کے ایک سال جرمنی میں اور ایک سال فرانس میں گزارا۔ پھر جب وظیفے کی مدت ختم ہوگئی تو روس جانے کا ارادہ

Marfat.com

ترک کر کے گھر واپس ہو گیا۔ والد صاحب مرحوم سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ بڑے بھائی مرحوم ایک یا دو سال تک ماہانہ ۷۵ مزید روپے بطور قرض بھیجتے رہے کیونکہ اسی زمانے میں ان کو ایک عارضی ترقی ملی تھی اور جیسے ہی میں گھر واپس ہوا وہ پرانی خدمت پر واپسی ہو گئے۔ ملازمت ملتے ہی سب سے پہلے یہ قرض کی رقم ادا کی اور خوش ہوں کہ غیر ہی نہیں اپنی حکومت سے بھی مجھے یوروپی اسکالرشپ نہ ملا۔ مجبور تھا کہ محنت بھی زیادہ کر کے امتحان جلد سے جلد دوں، اور زیادہ سے زیادہ کفایت سے زندگی گزاروں۔ دو سالہ یوروپ کے قیام میں کبھی سینما، ناٹک یا کسی اور تفریح کا ایک بار بھی موقع نہ ملا۔

میں نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ایسی خوددار زندگی میں جو اندورنی مسرت ہوتی ہے اور آدمی سر بلند ہو کر چلتا ہے وہ دوسری صورت میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میں دنیا داروں کو ایسا خط نہ لکھتا، طالبان علم سے کہنا ضروری ہے (۲)۔ خدا کرے آپ اسے بُرا نہ مانیں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) مکتوب الیہ نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے کسی یورپی ملک میں تعلیمی اسکالرشپ سے متعلق دریافت کیا تھا۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کے اس جملے میں ہر صاحبِ ضمیر کے لیے ایک سبق ہے۔

(۶)

۱۷ نومبر ۱۹۸۰ء

مکرم و محترم دام الطفکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ۔ اگر میں نے آپ کے خط کا جواب نہیں دیا ہے تو از راہِ نوازش معاف فرمائیں۔ کاموں کی کثرت تھی کہ کئی ہفتے جنوبی افریقا میں رہ کر آیا تھا۔ آدھی آدھی رات تک روزانہ کام کرنے کے باوجود مجتمع کام سے فارغ نہ ہو سکا۔ اور بھول بھی روز افزوں ہے۔

میں نے پروفیسر وایدا کو دس ایک دن ہوئے خط لکھا تھا، تا حال جواب نہ آیا

Marfat.com

۔شاید اس کے انتظار میں آپ کو جواب نہ دے سکا (یہ ہنگری کے یہودی ہیں)

معاف فرمایئے، پہلے تو پوچھنا یہ ہے کہ اب بچے کا کیا حال ہے، جسے میرے وہاں قیام کے زمانے میں حادثہ پیش آیا تھا؟[1]۔

آپ کے فرانسیسی جملے کا ترجمہ میں یوں کروں گا: ''یہ معلوم ہے کہ وہ ۱۸۳۸ء میں ایک علمی سفر کے دوران میں ویانا میں بیرل ہار پور گستال سے ملا تھا۔ اس بڑے آسٹریلوی مستشرق کی ملاقات، معلوم ہوتا ہے کہ اس دلچسپی پر محسوس تاثیر کا باعث ہوئی جو چیپاریو مشرقی زبانوں کے مطالعے میں لینے والا تھا۔ (یعنی اس ملاقات کے باعث اس نے دلچسپی ایسی شروع کی)''۔

وایدا صاحب کو اب مکرر خط لکھتا ہوں کہ وہ پنشن پا چکے ہیں اور ان سے ان کے دفتر میں ملاقات نہیں ہو سکتی۔ بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔

میرا قصور تعویق و تاخیر پر معاف فرمائیں۔

کیا آپ کے کتب خانے میں صحیح بخاری کا فرانسیسی ترجمہ از Houdes and Mercies ہے؟ میں نے اس کی غلطیاں جمع کیں جو ایک ضخیم جلد ہو گئی ہے (۶۰۰ ٹائپ کے صفحے) اب الحمد للہ وہ ایک مستقل کتاب کے طور پر چھپ رہی ہے۔ ناشر

Assocciation Culutrelle Islamique, 39, Rue de Tanger,
75019, Paris

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔ احباب کو سلام۔ افسوس رہا کہ وہاں آپ اور آپ کے کتب خانے سے حسب دلخواہ استفادے کا وقت نہ پا سکا۔ اس کی تلافی یہاں ممکن نہیں۔

نیاز مند
محمد حمید اللہ

(۱) ڈاکٹر حمید اللہ ان دنوں اسلام آباد میں تھے اور مکتوب الیہ کے گھر بھی تشریف لے گئے تھے۔ انھیں دنوں مکتوب الیہ کے بڑے صاحب زادے نور الصباح ساطح کا کھیلتے ہوئے بازو ٹوٹ گیا تھا، ڈاکٹر حمید اللہ روزانہ اس بارے

Marfat.com

میں پوچھتے تھے۔

(۷)

۱۸، شعبان ۱۴۰۱ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا کرم نامہ ملا۔ جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء۔ مجھے اس سے بڑی مدد ملی گئی (۱)۔

ابھی ابھی یوگوسلاویا سے واپس آیا ہوں۔ وہاں جامعہ کے ساتھ ایک کلیہ علومِ اسلامیہ بھی قائم ہو گیا ہے اور پہلے گریجوایٹ اسی سال نکلے ہیں۔ حکومت مذہب کے بارے میں کافی فراخ دل نظر آتی ہے۔ معتد بہ نومسلم بھی نظر آنے لگے ہیں۔ بہت سی نئی مسجدیں بھی بن رہی ہیں۔ والحمد للہ علی احسانہ۔ مکرر دلی شکریہ۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱) اشارہ ہے کتاب الخراج سے متعلق معلومات کی جانب جو مکتوب الیہ نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو بالتفصیل مہیا کی تھیں۔

(۸)

۱۹م، ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، جرمنی گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ "هی فی اللغة .....والخسارة علی صاحب المال"

اولاً یہ لغوی معنی ہیں۔ شرعی اور اصطلاحی معنے بھی مولف نے دیئے ہیں یا نہیں؟ دوسرے صاحب المال کون ہیں؟ جس نے قرض دیا ہے یا جس نے قرض لیا ہے؟ میری

Marfat.com

رائے میں وہ جس نے قرض دیا ہے یعنی سرمایہ مہیا کیا ہے اور یہ درست ہے۔ گویا وہ کسی کو ملازم رکھتا ہے کہ تجارت کرے اور کہتا ہے کہ نقصان میرا، نفع ہم دونوں کا؟۔

یوگوسلاویہ کی زبان کا پہلے نام تھا: بوشناق یعنی بوسنیہ Bosnia کی زبان۔ اب ہر صوبے کی زبان کا نام الگ کر دیا گیا ہے۔ سربیا، کرواتیا بوسنیا، مونٹی نیگرو وغیرہ۔ یہ زبان لاطینی اور روسی دونوں خطوں میں لکھی جاتی ہے صوبوں کے فرق سے اور دونوں خطوں میں کئی تراجم قرآن ہیں۔ ایک تازہ چھپا ہے لاطینی خط میں (۱)۔

میں سابق ''جنت نشان'' کو جا نہیں سکتا کہ پناہ گزین ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ خط آپ کے دارالمصنفین سے واپسی پر ہی ملے۔ وہاں کے تاثرات پر چند سطریں لکھ سکیں تو نوازش ہوگی۔

آپ کے عربی [رسالہ] ''الدراسات الاسلامیہ'' کے تازہ نمبر میں میرا ایک مضمون چھپا ہے۔ معلوم نہیں اس کے آف پرنٹ نکالے گئے ہیں یا نہیں۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) اشارہ ہے بوسنیا کی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے کی جانب جو جنرل ضیاء الحق کو پیش کیا گیا تھا۔

(۹)

۱۲، جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ

محترمی زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آپ بہت پیارے دوست ہیں۔ آپ سے جب نصف ملاقات بھی میسر ہو جاتی ہے تو باغ باغ ہو جاتا ہوں۔ طول اللہ عمرکم۔

اعظم گڑھ کے اجتماع کے حالات معارف اعظم گڑھ میں بھی آ رہے ہیں۔ آپ کی کرم فرمائی کا بھی شکریہ۔

Marfat.com

میں بے وطن اور بے پاسپورٹ ہوں۔ یہاں مجھے جو Titre de voyaga ملتا ہے اس پر صراحت ہوتی ہے کہ ہر جگہ جا سکتا ہوں بجز بھارت کے۔ یوں بھی میرے پاس امکان نہیں کہ ذاتی مصارف پر ایسے لمبے سفر کر سکوں۔

میرے مقالہ ڈارون کے لیے اطلاع کا شکریہ۔ اس کے لیے زحمت نہ فرمائیں۔ البتہ ہو سکتا ہے تو میری کتاب Muslim Conduct of State کا اردو ترجمہ جو آپ کے ہاں طباعت کے لیے آیا ہوا ہے، اس کو کچھ چلتا کریں ممنون ہوں گا۔ مترجمہ غازی صاحب کی بہن ہیں (۱)۔

جزئی احیاء کتب میں اس ناچیز نے بھی حصہ لیا ہے اور میری کتاب النبات للد ینوری ایک جلد فرانسیسی حکومت نے چھپوائی۔ ایک اور جلد حکیم محمد سعید ہمدرد فاؤنڈیشن کے ہاں عرصے سے موجود ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

مغازی عروہ الزبیر اگر بازار میں ہو تو فوراً خرید لوں۔ دیکھی تو نہیں لیکن طبری وغیرہ کے ہاں اس کے جو اقتباسات ہیں، ان سے کچھ نہ کچھ واقفیت رہی ہے۔

خدا کرے آپ کی ڈاکٹریٹ کی کارروائی جلد حسن انتظام کو پہنچے۔ پیشگی مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۱) Muslim Conduct of State کا یہ اردو ترجمہ ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی ہمشیرہ محترمہ عذرا نسیم فاروقی نے کیا تھا اور اس کی نظر ثانی، تصحیح و اضافات بقلم ڈاکٹر محمد حمید اللہ تھے۔ پہلے یہ ترجمہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شایع کرانے کا پروگرام تھا۔ جب اشاعت میں تاخیر ہوئی تو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی ہدایت پر اسے اردو اکیڈمی سندھ کراچی برائے اشاعت بھیجا گیا۔ یہ ادارہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی دو اردو کتب شایع کر چکا تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے ایک خط میں راقم کو اس کی تفصیلات روانہ کی تھیں اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ اس اردو ترجمے کی وہ نقل نہ رکھ سکے۔ اس سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ترجمہ شایع نہیں کیا گیا بلکہ ڈاکٹر غازی صاحب کے بقول کارپردازان اردو اکیڈمی کی غفلت کے نتیجے میں کہیں کھو گیا۔ ڈاکٹر غازی

Marfat.com

صاحب کی خواہش پر مرتب نے اس کے حصول کے لیے بڑی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی (حاشیہ از مرتب)

(۱۰)

۲۹، جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ

محترمی زادمجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی ابھی آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

خطبات بہاولپوری کا غلط نامہ ان شاالله چند دن میں فوٹو کاپی لے کر آپ کو ارسال کرتا ہوں۔ اگر آپ کتاب کے پڑھنے میں دیگر غلطیوں سے دوچار ہوں تو از راہ کرم مجھے ان کی اطلاع سے محروم نہ رکھئے۔

آدمی خط یا جواب قلم برداشتہ لکھتا ہے۔ اس پر اتنی احتیاط نہیں برتتا جتنی مثلاً کسی مقالے یا کتاب میں۔ اس لیے میرے خطوط کی اشاعت مجھے پسند نہیں، بجز اس کے کہ خط کسی رسالے یا اخبار کو اشاعت ہی کے لیے لکھوں۔ بہر حال انتظار کیجئے تا کہ میری زندگی کا آخری خط لکھ کر چلا جائے [1]۔ ایک بات البتہ ذہن میں آ رہی ہے، ایک پُر لطف خط۔ لیوی دیلا ویدا اٹلی کے سربرآوردہ مستشرق تھے، مجھ سے خاص مہربانی سے پیش آتے تھے۔ ایک بار روم گیا تو اپنے گھر میں ٹھہرایا، خود ساتھ لے کر واتیکان گئے اور وہاں کے بعض مخطوطات کے میکرو فلم دلائے، خیر۔ ایک مرتبہ انھوں نے لکھا کہ ان کے پاس ایک گمنام عربی کتاب ہے عبرانی رسم الخط میں، ناقص الاول، شروع ہوتی ہے فلاں جملے سے۔ گمان ہے کہ یہ فلاں مولف کی کتاب ہوگی۔ میں نے استانبول میں ان کی بیان کردہ عربی کتاب کا مخطوطہ پایا۔ ابتدائی حصہ جو عبرانی خط کے مخطوطے میں مفقود تھا وہ بھی لکھ بھیجا اور آخر میں لکھا: ''مجھے یقین ہے کہ آپ ایک جادوگر ہیں (کہ کتاب کو صحیح طور سے معلوم کر لیا کہ وہ کس کی ہے) اور یہ یقین اس لیے بھی مستحکم ہو جاتا ہے کہ استانبول کے مخطوطے کے آخر میں جو فوائد ہیں ان میں ایک دعا یا طریقہ 'فی ابطال السحر' بھی ہے!''۔ وہ بوڑھے تھے۔ عادتی طور پر ذرا دیر ہی سے جواب دیتے تھے۔ مگر اس پر پھڑک اٹھے فوراً جواب دیا کہ ہاں ایسا جادوگر ہوں جسے سڑک پر زندہ جلایا جاتا ہے، تمہاری تلاش کا شکریہ وغیرہ۔

Marfat.com

کیا ایک نئی زحمت بھی دے سکتا ہوں۔ کئی اور لوگوں کو بھی لکھ چکا ہوں۔ موفق الدین ابن قدامہ کی اصول فقہ میں ایک کتاب ہے ''الروض''۔ معلوم ہوا کہ اس میں ایک باب، یا ایک فصل ''سنن/شرائع من کان قبلکم'' پر ہے۔ وہ یہاں کہیں نہ ملی۔ اگر یہ کتاب اتفاقاً آپ کے ہاں ہو تو کسی فرصت میں متعلقہ جو دو چار صفحے ہوں ان کی نقل سے نوازیں (۲)۔ والا جر عنداللہ۔

نیازمند
محمد حمید اللہ

(۱) مکتوب الیہ نے بارہا ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے گزارش کی کہ وہ ان کے خطوط جمع کرنا چاہتے ہیں اس لیے ڈاکٹر صاحب انھیں اپنے مکتوب الیہان کے پتے فراہم کریں لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس کی اجازت نہ دی۔
(۲) مکتوب الیہ نے کتاب ''روضۃ المناظر وجنۃ المناظر'' کے درکار صفحات کی فوٹو کاپی ڈاکٹر صاحب کو فراہم کردی تھی۔

(۱۱)

۱۳ رجب ۱۴۰۲ھ

محترم ومکرم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عنایت نامہ ملا۔ کہہ نہیں سکتا کتنا ممنون ہوا۔ کئی اور ''علماء'' کو بھی لکھا تھا کسی نے جواب نہ دیا، خیر۔ بارک اللہ فیہم (۱)۔

مولف کی ہوں یا کاتب (کمپوزیٹر) کی، غلطیاں برآمد ہوں تو کارآمد چیز ہیں۔ کاتب کی غلطی ناظرین کے لیے، اور اس دفعہ یہ غیر معمولی طور پر کثیر ہوئی ہیں: مولف کی غلطی پر تنبہ سے یا مولف کے خیال کی اصلاح ہوتی ہے یا اس کے جواب پر ہماری ممکنہ غلط فہمی کی۔

ایک مرتبہ مرحوم ابوالاعلی مودودی صاحب کو میں نے لکھا کہ ان کی تفسیر میں ایک جگہ حضرت جویریہؓ کو یہودی الاصل چھپ گیا ہے۔ وہ خزاعیہ، یمینہ تھیں۔ یہودی الاصل تو میرے علم میں صرف حضرت صفیہؓ تھیں، ان کا حوالہ پوچھا، فوراً قبول کیا کہ سہو قلم ہوا ہے

Marfat.com

، آئندہ اصلاح کردوں گا۔ معلوم نہیں جدید طباعت میں تصحیح ہوئی یا نہیں (۲)۔ اس کا علم پھیلنا چاہیے کہ مولف مرحوم کی کتابیں بہت پڑھی جاتی ہیں۔

میں الاسنوی کی اصول فقہ سے تو واقف ہوں لیکن سنن من قبلکم پر بھی انھوں نے کچھ لکھا ہو، اس پر نظر نہ پڑی تھی۔ کتاب بڑی ہے، اگر بغیر عجلت کے، کسی آئندہ خط میں صفحے اور جلد کی نشاندہی ہو سکے تو عنایت ہوگی۔ امام غزالی ہی نہیں آٹھ دس دیگر قدماء (بشمول جصاص) کے اقتباسات میرے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ مصطفیٰ زید سے البتہ واقف نہیں ہوں (۳)۔

آپ نے محمود دائی زاہد لکھا ہے۔ میرے پڑھنے میں تو وہ Zayid تھا۔ مگر آپ بہتر واقف ہیں (۴)۔ مجھے تو اب یاد نہیں کہ کہاں پڑھا تھا۔ بارک اللہ فیکم و جزاکم خیر الجزا۔ مکرر شکریہ۔ خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔ کار لائقہ سے ضرور یاد فرمائیں۔

نیازمند
محمد حمید اللہ

(۱) کتاب ''روضۃ المناظر وجنۃ المناظر'' سے درکار معلومات بھیجنے پر
(۲) اب تک علم نہ ہو سکا کہ یہ تصحیح کر دی گئی یا نہیں۔
(۳) مصری عالم جنھوں نے قرآن کریم کے بارے میں کوئی تحریر شایع کی تھی
(۴) زاید درست املا ہے۔ مکتوب الیہ کا خط ٹائپ کرتے ہوئے یہ سہو ہوا تھا۔

(۱۲)

۲۲ رمضان ۱۴۰۲ھ

محترمی دام لطفکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آج آپ کے ہاں سے دراسات اسلامیہ (عربی) ج ۱۷ ام ع ۲ پہنچا، دلی شکریہ۔ اس میں خطبات بہاول پور پر ایک طویل تقریظ

Marfat.com

چھپی ہے۔

آج کی تحریر کا باعث کچھ اور ہے۔

بہت دن غفلت کرتا رہا۔ اب کل ہی اپنا وصیت نامہ نوٹری کے ہاں رجسٹر کرا دیا ہے کہ یہاں میرے کوئی رشتہ دار نہیں، بالکل تنہا ہوں۔ میرے ہاں بہت سے مائکرو فلم ہیں مثلاً فقہ حنفی کے نوادر (استانبول سے)، قرآن مجید کے الخمیا دوتراجم (اسپینی زبان عربی خط میں) وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اپنے وصی سے خواہش کی ہے کہ یہ ذخیرہ آپ کو بھجوا دیں، اگر آپ کو پسند ہو۔ یہ کب ہوگا، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیا آپ کے ادارے کے لیے ممکن ہے کہ وزارت خارجہ کو خط لکھیں کہ اگر حمید اللہ کی وفات پر اس کے وصی پاریس کے سفارت خانے کو مائکرو فلموں کا ایک بستہ پہنچائیں تو لے کر ڈپلومیٹک بیگ سے وہ آپ کو بھجوا دیں؟ ایسا مراسلہ اگر وہ پاریس کی سفارت گاہ کو بھیجیں تو براہ کرم اس کی ایک نقل آپ کو، اور ایک نقل مجھ کو بھی دیں۔ یہ میں فلموں کے بستے میں اپنے وصی کی ہدایت کے لیے رکھ دوں گا۔ یہ آپ کی مرضی پر ہے، آپ پر جبر کرنا نہیں ہے (۱)۔

ان شاءاللہ آئندہ ہفتے الجزائر جا رہا ہوں۔ دو ہفتوں میں واپسی کی توقع ہے۔ وہاں ایک کانفرنس میں بلایا گیا ہوں۔

دیگر حالات گزر رہے ہیں۔ خدا آپ کو خیر و عافیت سے رکھے۔ عید مبارک۔

مخلص

محمد حمید اللہ

(۱) ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی مائکرو فلمیں ادارہ تحقیقات اسلامی کے کتب خانے کو دینے کی وصیت کی تھی۔ اس بارے میں مکتوب الیہ نے خاصی کوششیں کی تھیں۔

Marfat.com

(۱۳)

۲۴ محرم ۱۴۰۳ھ

محترم ومکرم دام لطفکم

سلام نیاز (سلام روستائی بیغرض نیست)

خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں، عجلت میں ہوں اور ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں۔

آپ لاروس سے واقف ہوں گے جو فرانس کی ایک مشہور الفاظ و اعلام کی قاموس ہے۔ اس کے پبلشر نے مجھے خط لکھا ہے کہ ''ہم اس میں ابوالاعلی مودودی کا نام شامل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں مطلوب ہیں۔''

کیا آپ اس بارے میں کچھ مدد فرما سکتے ہیں [1]۔ پیشگی شکریہ۔

کراچی کے ''پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل'' کے اکتوبر نمبر میں میرا ایک مضمون شائع کرنے کا وعدہ ہوا تھا۔ کیا وہ شائع ہوا ہے یا ابھی مطبع ہی میں ہے؟ زحمت معاف فرمائیں۔

مخلص

محمد حمید اللہ

---

(۱) مکتوب الیہ نے درکار معلومات ڈاکٹر صاحب کو فراہم کر دی تھیں۔

(۱۴)

۵ صفر ۱۴۰۴ھ

محترم ومکرم زاد فضلکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ الدراسات الاسلامیہ کا تازہ شمارہ ابھی ابھی آیا ہے۔ اس میں آپ کا مقالہ جالب نظر تھا۔ آپ نے بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق جو مخطوطہ شائع کیا ہے اس پر مبارکباد پیش کرتا ہوں [1]۔ ابن فارس کے خیالات سے اختلاف

Marfat.com

کیا جا سکتا ہے، لیکن ہماری سلف کی قیمتی تحقیقات کو تاتاریوں اور فرنگیوں نے جس بے دردی سے ضائع کیا، ان کے جلتے گھر میں سے آپ نے ایک اور بمبو نکال لیا۔ جزاکم اللہ خیرا ۔ترجمہ قرآن کے سلسلے میں مجھے خود اس مسئلے سے نبٹھنا (نبٹنا) رہا اور رہے گا۔

۱۔ کیا آپ کو ایک نئے زحمت دے سکتا ہوں؟ ایک مشہور کتاب ہے Eclipse of Christianity in Asia عرصہ دراز ہوا دیکھی ہے۔ آج کل اس کی ضرورت پیش آئی ہے لیکن مولف کا نام یاد نہیں آ رہا ہے کہ کتب خانہ جا کر دیکھ سکوں۔ کیا آپ اس میں کچھ مدد دے سکتے ہیں؟ (یعنی مولف کا نام)۔

۲۔ اسی طرح کیا آپ کے ذہن میں تبلیغ اسلام کی قدیم کوششوں پر کوئی کتاب یا مقالہ ہے؟ آرنلڈ کی پریچنگ سے میں واقف ہوں۔

۳۔ میری حقیر کتاب ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی'' کا نیا ایڈیشن عرصے سے کراچی میں مطبع میں ہے۔ کیا وہ کتاب چھپ گئی ہے؟ ہمارے ناشر اب اتنے مشغول ہیں کہ جواب کی بھی فرصت نہیں پاتے۔

۴۔ آخری چیز: اکتوبر ۱۹۸۴ء کے جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی میں آپ نے میرا مضمون جنگ جمل و صفین پر دیکھا ہوگا۔ اس میں طباعتی غلطیاں تھیں۔ کیا ان کو اس کے بعد کے کسی شمارے میں چھاپا ہے؟ اگر غلط نامہ چھپا ہو تو اس صفحے کی فوٹو کاپی کیا بھیجی جا سکتی ہے؟ دلی ممنونیت کا باعث ہوگا۔ اسی رسالے کے شاید آئندہ نمبر میں ''تحریری وصیت نامہ نبوی'' پر بھی کچھ خیال آرائی کی ہے (۲)۔

نیازمند
محمد حمید اللہ

---

(۱) مکتوب الیہ نے ابن فارس لغوی کا رسالہ ''افراد کلمات القرآن'' ایڈٹ کر کے الدراسات الاسلامیہ (مئی۔جون ۱۹۸۳ء) میں شایع کیا تھا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے مبارک باد پیش کی ہے۔

(۲) مکتوب الیہ نے درکار معلومات ڈاکٹر صاحب کو فراہم کر دی تھیں

Marfat.com

(۱۵)

۲۱ جمادی الآخر ۱۴۰۴ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ، عنایت نامہ مل گیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ان شاء اللہ زاید صاحب کا ترجمہ قرآن مجید کچھ عرصے میں مل جائے گا۔ پیشگی پیش ہے ۔لیکن بہ منت التجا ہے کہ اس کے ہدیے اور مصارف ڈاک سے مطلع فرمائیں۔ اس کے بغیر تا زیست خلش وخلجان بھی رہے گا اور آئندہ پھر کسی ضرورت کی آپ کے ذریعے سے تکمیل کرانے کی جسارت بھی نہ کرسکوں گا۔ باقی یہ آپ کا اختیار ہے کہ اسے وہاں وصول فرمائیں یا کہیں اور کسی کو دلوائیں ۔ براہ کرم اس کو اہمال میں نہ ڈالیے ۔ بہ منت التجا ہے اور جلد سے جلد تا کہ زندگی ہی میں اس فرض کی ادائی سے فارغ ہو جاؤں۔

کیا وہاں عبداللہ یوسف علی مرحوم مترجم قرآن کی تاریخ وفات کا پتہ چل سکتا ہے؟

کل ایک عجیب چیز معلوم ہوئی۔ آپ کو بھی حصہ دار بناتا ہوں۔ ڈچ زبان میں مذہب (Religion) کے لیے لفظ ہے: (Gods خدا، dienst خدمت) جو نماز کے لیے زیادہ موزوں ہے لیکن وہ دین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حیرت اس پر ہوئی کہ عربی میں، قرآن مجید میں بھی ایسا ہی ہے: سورہ ہود نمبر ۱۱ آیت نمبر ۸۷ میں اصلوتک تامرک ان نترک ما یعبد آبائونا یہاں صلاۃ کا ترجمہ نماز کچھ بنتا نہیں۔ میں نے اپنے فرانسیسی ترجمے میں جھجکتے ہوئے Cult ترجمہ کیا تھا۔ اب تو جی چاہ رہا ہے کہ Religion ہی دے دوں۔ ربّنا اھدنا الصراط المستقیم گویا جزء کو کل کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً وارکعوا مع الرّاکعین میں بھی صرف رکوع مراد نہیں پوری نماز مراد ہوتی ہے۔

کوئی کار لائقہ؟ ان شاء اللہ بچہ اب چنگا ہو چکا ہوگا۔

حفظکم اللہ وعافاکم

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱۶)

۱۹ رجب ۱۴۰۴ھ

محترم ومکرم کثر اللہ فینا امثالکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، عنایت ملا اور کہہ نہیں سکتا کتنا ممنون ومسرور ہوا۔ فورٹ ولیم (فرنگیوں) کے ترجمہ قرآن کی کوشش سے بڑی عبرت ہوئی۔ ہم تو آج بھی اس معیار سیاست پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔

آپ سے نرم بھی، گرم بھی لڑ کر دیکھا۔ ہار مانتا ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ خدا کرے مرسلہ نسخہ قرآن دیر سویر حفاظت سے مل جائے۔ ڈاک پر ڈاکہ اب یہاں بھی شاذ نہیں معتاد ہو چلا ہے۔ خدا ہدایت دے۔

عبداللہ یوسف علی صاحب مرحوم کی تاریخ وفات کی اطلاع پر دلی شکریہ۔ میں نے اپنے ترجمہ قرآن مجید کے مقدمے میں فرنگی تراجم کی جو فہرست دی ہے، اس میں اب مترجم کی ولادت ووفات بھی حتی الامکان دے رہا ہوں۔ ۱۳واں اڈیشن فرانسیسی میں آج کل واشنگٹن میں بعض نامعلوم کرم فرما چھاپ رہے ہیں۔ اس میں اضافے کا اب وقت نہیں رہا، بہر حال آپ کا دلی شکریہ۔

یاد نہیں آپ سے پوچھا تھا یا کسی اور سے، فرنگی ملکوں میں، اور اب خود ہندوستان میں مطبوعات ملک کی سالانہ فہرست چھپتی ہے۔ معلوم نہیں پاکستان میں اس کا آغاز ہوا یا نہیں۔ جدید تراجم قرآن کی تلاش میں اس سے مدد مل جاتی ہے۔ اگر وہاں تا حال نہیں ہے تو آپ سفارش کر سکتے ہیں [1] (ترکی میں بھی ہے)۔

اطمینان ہوا کہ صلاۃ کا ترجمہ دین وآئین (سورہ ہود میں) آپ کی رائے نامناسب نہیں ہے۔ والحمد للہ۔ خدا آپ اور اہل وعیال کو خیر وعافیت سے رکھے۔ بچے کو مبارکباد۔

طالب دعا

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۱) ڈاکٹر صاحب مقصود National Bibliography ہے جو پاکستان میں ۱۹۶۳ء سے چھپ رہی ہے۔

۸ شعبان ۱۴۰۴ء

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ، کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو زحمت نہ دوں لیکن مشیتہ اللہ غالبتہ! معاف فرمائیں۔ آج سہ پہر ایک الجزائری بھائی مجھ سے ملنے آئے۔ انھوں نے جرمنی میں ایک دارالاشاعت قائم کر رکھا ہے۔ بظاہر نیک نیت معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہودی النسل کمیونسٹ روژر گارودی نے حال میں پاریس میں اسلام قبول کیا ہے اور یہودیوں کے عزائم کے خلاف ایک کتاب شائع کی ہے (تقریباً ڈیڑھ سو صفحوں میں) جو یہاں بازار سے تقریباً غائب ہوگئی ہے۔ مذکورہ ناشر ڈاکٹر عبدالقادر صحراوی اس کا اردو ترجمہ کرانا اور چھپوانا چاہتے ہیں:

۱۔ کیا یہ کتاب اردو میں آ چکی ہے؟

۲۔ کیا اس کو کوئی موزوں صاحب، معاوضہ لے کر، اردو ترجمہ جلد کرنے (کے لیے) ملیں گے؟ چاہے انگریزی سے یا عربی سے یا فرانسیسی سے [1]۔ امید کہ مکان میں سب خیر وعافیت ہوگی، بہ افضال الٰہی۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

---

(۱) اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا تھا لیکن عنوان کا پتہ نہ چل سکا۔

Marfat.com

(۱۸)

یکم صفر ۱۴۰۹ھ

محترم ومکرم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ کل شام کی ڈاک میں ''قرآن کریم کے اردو تراجم'' نام کی کتاب ملی۔ ممنون بھی ہوا اور متاسف بھی کہ آپ کو دو دو مرتبہ کتاب بھیجنی پڑی۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔

اس پر کچھ لکھنے کو تو وقت لگے گا۔ سرسری ورق گردانی پر دیکھا کہ صفحہ ۱۶ پر آپ نے ۱۴۰۷ھ میں پندرھویں صدی کو (۹۳ سال قبل از وقت) ختم فرما دیا ہے۔ پندرھویں صدی ۱۴۰۱ھ میں شروع ہوئی ہے (۱)۔

آپ نے ایک ہی کتاب کی مختلف جلدوں پر نمبر کو بدل دیا ہے۔ مجھے اس طرح ''تعداد بڑھانے'' سے بہ ادب عدم اتفاق ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ میری ''القرآن فی کل لسان'' کے صرف نام سے واقف ہیں۔ اسے کبھی دیکھا نہیں ماخذ ومراجع میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اپنے ذاتی نسخے کی دو چار دن میں فوٹو کاپیاں نکلوا کر ان شاءاللہ خدمت میں گزرانتا ہوں (۲)۔

نذیر صدیقی صاحب کی کتاب کے اوراق بھی ملے، ممنون ہوا۔ مجھے ۹۹ء۹ فیصد یقین ہے کہ یہ فرضی چیز ہے۔ کیا آپ ان سے واقف ہیں۔ ان کا پتہ کیا ہوگا؟ اس کو بے نقاب کرنے سے قبل اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔ عمر رسیدگی کے باعث بھلکڑ ضروری ہو گیا ہوں لیکن نہ اتنا کہ اپنے آپ کو بھی نہ پہچان سکوں۔ واللہ اعلم وھوالھادی الی الرشاد۔

آپ کی قدردانی کی خبر سے حقیقی دلی مسرت ہوئی، خاص کر اس لیے کہ وہ مصر سے ہوئی ہے (۳)۔

افسوس کہ قاضی خان کی ادب المفتی سے میں بالکل واقف نہیں۔ آپ کی اشاعت پر ان شاءاللہ مستفید ہوں گا۔ موضوع سے مجھے بڑی دلچسپی ہے (۴)۔

قصور معاف: واقعہ (ھ سے) اور موقع (بغیر ھ کے) ہونا چاہیے نہ کہ موقعہ۔

عجلت میں ہوں۔ کسی سوال کا جواب چھوٹ گیا ہو تو قصور معاف کرتے ہوئے

Marfat.com

مکرر تحریر فرمادیں۔
حفظکم اللہ وعافاکم

نیازمند
محمد حمید اللہ

---

(۱) مکتوب الیہ کی کتاب ''قرآن کریم کے اردو تراجم'' مطبوعہ ۱۹۸۷ء میں غلطی سے چودھویں صدی ہجری کے بجائے پندرہویں صدی ہجری چھپ گیا تھا۔
(۲) ڈاکٹر صاحب نے مکتوب الیہ کو ''القرآن فی کل لسان'' کی فوٹو کاپی ارسال کی تھی۔
(۳) مکتوب الیہ کی تحقیق کردہ کتاب ''خلق الانسان فی اللغۃ'' مطبوعہ ۱۹۸۶ء کو مجمع اللغۃ العربیۃ القاہرۃ کی جانب سے سال کی بہترین تحقیق کا انعام دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس اطلاع پر دلی مسرت کا اظہار کیا ہے۔
(۴) ڈاکٹر صاحب کا اشارہ ہے مکتوب الیہ کی تحقیق کردہ کتاب ''الفقہ النافع'' تالیف ابی القاسم محمد بن یوسف السمرقندی مطبوعہ ۱۹۹۶ء از اسلام آباد کی جانب۔

بنام اہلیہ ڈاکٹر سیّد معین الحق ☆

۱۹۸۹/۱۱/۳۰

عزیز و محترم آپا جان اللہ آپ کو بہ عافیت رکھے
سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب
کچھ عرصہ قبل مولوی مظہر ممتاز قریشی صاحب نے یہ اندوہناک خبر لکھی تھی کہ آپ کے عزیز و فاضل شوہر معین الحق صاحب اللہ میاں کو پیارے ہو گئے۔ میں نے فوراً ایک تعزیتی خط لکھا۔ یقین نہ تھا کہ آپ پرانے مکان میں ہی ہیں اس لیے عزیزی محی الدین عبدالقادر صاحب (پیر الٰہی بخش کالونی) کے توسط سے لکھا تھا۔ آج کل ڈاک ناقابل اطمینان ہو گئی ہے۔ مولوی مظہر ممتاز صاحب سے آج معلوم ہوا کہ تا حال وہ خط آپ کو نہ ملا، افسوس بالائے افسوس۔ میرا قصور معاف فرمادیں۔ مکرر کچھ عرض کرتا ہوں:

Marfat.com

اولاً انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ آج وہ توکل ہماری باری ہے لیکن جتنا صدمہ بیوی کہ ہوتا ہے، کسی اور کو ہو نہیں سکتا۔ خدا آپ کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

اس اثناء میں اس ناچیز گناہگار نے قرآن مجید کا ایک ختم مکمل کیا اور ثواب مرحوم کے لیے گزرانا۔ اللہ ان کو جنت میں اعلاے علیین نصیب فرمائے۔ مرحوم نے علم کی بہت خدمت کی، وہ اب ختم ہوگئی لیکن جو مطبوعہ اور قلمی تالیفیں ہیں، ان سے تو ان شاء اللہ سدا لوگ مستفید ہوتے رہینگے۔

وہ ایک اچھے دوست بھی تھے۔ سوائے اس کے کہ مرحوم کے لیے دعا کرتے رہیں، کوئی چارہ، کوئی بدل نہیں۔

خدا کرے کہ خود آپ اور رشتہ دار خیر و عافیت سے ہوں اور تادیر بخیر و عافیت رہیں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

—

☆ ماخوذ از کتاب ''معین بیتی'' از ڈاکٹر سیّد معین الحق

بنام مولانا محمد طاسین ☆

پیرس۔ فرانس

۲۔ رجب ۱۳۷۹ھ

مخدومی سلام مسنون

عنایت نامہ ملا۔ ابھی یقین تو نہیں لیکن رباط و روس میں جانا ہوا تو ضرور مناسب تحقیق کر کے عرض کروں گا۔ بہترین صورت تو یہ ہے کہ کوئی نوجوان دین دار عربی دان، دو چار ہفتوں کے لیے صنعا بھیج دیا جائے، اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو وہاں کی جامع مسجد میں بھی یک کامل نسخہ ہے۔ بروکلمان GAL یعنی فہرست الفہارس الکتب العربیہ پچاس سال کی محنت کے بعد جرمنی میں سات جلدوں میں چھپی ہے، اگر جرمنی اور روس میں کوئی نسخہ ہوتا تو

Marfat.com

پروفیسر بروکلمان سے مخفی نہ رہ سکتا، وہ صرف استنبول کے نسخوں کا ذکر کرتا ہے اور بس ۔تراتیب اداریہ عرصے سے بازار میں ناپید ہے، مولف فرانس میں پناہ گزین ہیں (کہ سلطان مراکش کے خلاف حصہ لے کر انہیں معزول کرایا تھا) مگر پتا نہیں کہاں ہیں۔یوں بھی ان کی جائیداد ضبط ہوگئی ہے۔ممکن ہے سفر رباط کے وقت بازار میں کسی جگہ کوئی نسخہ مل جائے۔دو جلدیں ہیں جلد اول کا نام تراتیب اور دوم کا نام نظام الحکومتہ النبویہ ہے۔

حجتہ اللہ البالغہ کا فرانسیسی ترجمہ کر رہا ہوں، بفضل خدا قریب الختم ہے۔جلد دوم ص ۶۲ پر ایک حدیث لکھی ہے کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعاو تسعین الفاً ،الحدیث فی صحیحین عن ابی سعید الخدری کیا جناب کے ذہن میں ہے کہ یہ بخاری یا مسلم کے کس باب میں ہے؟ اس طرح الجنتہ تحت اقدام الامہات کے متعلق تلاش ہے کہ وہ صحیح مسلم کے کس باب میں ہے؟

اگر کسی فرصت میں دو لفظ تحریر فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔

مقالات احسانی کا احسان مند ہوں اور پیشگی شکریہ عرض کرتا ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد

بنام محمد سیف اللہ ☆

بسم اللہ

یکم محرم ۱۴۰۷ھ

عزیزی سلمک اللہ

4-Rue de tournon

paris6\france

سلام خیریت حاصل و مطلوب۔آپ کا خط اور مرسلہ کتاب دونوں پہنچے خیرو

Marfat.com

عافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔ اللہ جو آب و دانہ رکھتا ہے وہ مل کر رہتا ہے جو نہیں رکھتا لاکھ کوشش کے باوجود نہیں ملتا اللہ سے معین چیز کی دعا نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ کہے کہ اے اللہ مجھے وہ چیز دے جس میں میری بھلائی اور تیری رضا مندی ہو۔ حدود حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آتے ہیں رسول اللہ نے ان کی تجدید فرمائی۔ یہ نہیں کہ ان کو خود مقرر فرمایا ہے حد حرم میں وچونٹی کا مارنا حرام ہے اس لیے جنگ بدرجہ اولی ممنوع ہے لیکن جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ ہی نے رسول اللہ کو جنگ کرنے کا حکم دیا تا کہ اللہ کے گھر کو کافروں کے ہاتھ سے نکالیں اس صورت حال کا عام حالات پر اطلاق کرنا بے عقلی کی بات ہے خاص کر جب صراحت ہے کہ اللہ کے حکم سے وہ خصوصی کام کیا گیا ہے ۔حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عالم لوگ قرآن وحدیث میں صراحت نہ ہو تو اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں اور کبھی خطا کرتے ہیں۔ اس لیے ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ علماء میں اختلاف رائے ہو تو وہ اللہ کی رحمت ہے۔ بن باز صاحب۔ عالم آدمی ہیں میں ان سے بارہا مل بھی چکا ہوں لیکن پیغمبر نہیں کہ ان کی ہر بات مانی جائے بلکہ دوسرے علماء کی رائے بھی دیکھنی چاہیے۔ وہ اس فرقے کے ہیں جس کو وہابی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ فضول بات ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کے لیے جانا ہو تو اچھی چیز ہے اور اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے روکیں وہ رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہونے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔

جس حدیث میں یہ حکم ہے کہ مکے سے باہر کے لیے مکہ جائیں چاہے حج کے لیے ہو یا عمرے کے لیے تو فلاں مقام سے احرام باندھیں۔ اس کا مطلب یہ لینا احمقانہ بات ہے کہ حج اور عمرے کے سوا کسی تیسری چیز کے لیے مکہ جائیں تو احرام کی ضرورت نہیں۔ احرام بیت اللہ کے احترام کے لیے ہے۔ جو لوگ بغیر احرام کے جائیں تو بیت اللہ کی توہین کرتے ہیں ۔جو لوگ حدود حرم کے اندر رہتے ہیں ان کو ہر روز کئی کئی بار عمرہ کرنے کا حکم دینا زحمت کا باعث ہوتا، اس لیے ان کے لیے بعض سہولتیں دی گئی ہیں لیکن جو شخص حدود حرم کے باہر سے مکہ جائے تو اس کو طواف اور سعی کر کے عمرہ کرنے میں مشکل سے آدھ گھنٹہ لگتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص روزانہ جدے سے مکے کو کئی کئی بار جاتا ہو۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (قبر کی) زیارت بت پرستی کے لیے نہیں، بلکہ شکر گزاری کے اظہار کے لیے ہے۔ قرآن میں ہے: واما بنعمته ربک فحدث : اس سے بڑھ کر اللہ کی کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ ہمیں ایک نبی بھیج کر ہدایت کا ساماں کرے۔ کیا اس نبی کا شکریہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔ کیا اس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے کی دعا نہیں کرنی چاہیے؟ اس لیے خود نماز میں اللھم صل علی محمد وغیرہ کہنا واجب ہے۔ جب نماز تک میں واجب ہے تو نماز کے باہر کیوں زیارت سے روکا جائے۔ یعنی قبر کے سامنے درود پڑھنے سے کیوں روکا جائے؟ قرآن میں یہ بھی ہے کہ ان اللہ وملئکته یصلو ن علی النبی یآ یھاالذین ا منو ا صلوا علیه وسلمو ا تسلیما :اس کی تعمیل میں ہم حضوری کی قبر پر حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی متواضع نبی یہ نہیں کہے گا کہ میری سالگرہ مناؤ میری قبر پر حاضری دو لیکن عقل سلیم کہتی ہے کہ ہر مسلمان کو ایسا کرنا چاہیے۔ اس کام میں خلاف اسلام کام، قبر پرستی وغیرہ کا سوال نہیں، بلکہ مسلمان صرف اپنی شکر گزاری کے اظہار کے لیے جاتے ہیں انما الاعمال بالنیا اللہ نیت کو دیکھتا ہے۔ آپ پتہ بدلتے رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ خط ملتا بھی ہے یا نہیں۔ ہر خط میں صحیح اور مکمل پتا ضرور لکھیے اور اس خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجیے کیونکہ اس پر الگ پتا ہے اور پرانے خط پر الگ پتا۔ اللہ حافظ

☆ بشکریہ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ جلد سوم مرتبہ محمد عالم مختار حق

بنام ڈاکٹر انعام الحق کوثر ☆

بسم اللہ

4-Rue de Tournon

75006-Paris\France

اسلام آباد (۱۸۔ ربیع الانور ۱۴۰۰ھ)

مخدوم و محترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

Marfat.com

آپ کے اخلاق عالمانہ کے باعث بلا تعارف زحمت نہ دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ ایک سرکاری کام پر میں چار دن سے اسلام آباد میں ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ جمعہ کو پاریس واپس ہو جاؤں گا۔ یہاں کے اثناء قیام میں فکر و نظر کے تازہ نمبر کو دیکھنے کا موقع پایا اور ادارہ تحقیقات علمیہ سے آپ کا پتہ بھی مل گیا۔ وجہ تحریر ایک تو بلوچستان کی پرانی علمی تاریخ پر آپ کے عالمانہ مقالے پر مودبانہ مبارکباد عرض کرنا ہے اور دوسرے بعض استفسار ہیں۔ مجھے عہدے نبوی اور خلافت راشدہ کے حالات کے ہر پہلو سے دلچسپی ہے آپ کے مقالے نے بعض نئے گوشے کھولے اور نئی راہوں کی نشاندہی کی ہے۔ بارک اللہ فی مساعیکم۔ مجھے قرآن مجید کے تراجم سے بھی دلچسپی ہے۔ مکمل اور نامکمل تراجم و کلام پاک مجھے تا حال ایک سو تئیس سے زائد ہی زبانوں میں مل چکے ہیں۔ آپ نے مرحوم مولانا محمد عمر دین پوری کے جس ترجمے کا ذکر فرمایا ہے کیا وہ کوئٹہ میں چھپا ہے؟ یا کسی اور جگہ؟ کیا یہ بازار میں دستیاب ہو سکے گا یا اب ناپید ہے؟ آخر الذکر صورت میں کیا زحمت دے سکتا ہوں کہ اس سے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کسی فرصت میں نقل فرما کر اس خادم کو رہین منت فرمائیں۔

مجھے ۱۹۳۶ء میں کوئٹہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ اب تو بہت بدل گیا ہوگا۔ میں آئندہ جمعہ کو انشاء اللہ ''وطن نامالوف'' پاریس کو واپس ہو رہا ہوں۔ لیکن ۸ تا ۲۱ مارچ بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی میں گزارنے کے لیے مکرر حاضر ہونا ہے لیکن چونکہ اس کے فوراً بعد vulanciannne یونیورسٹی (شمالی فرانس) کو جانا ہے اس لیے اس کا شاید امکان نہ ہوگا کہ کوئٹہ حاضر ہونے کی مسرت حاصل کر سکوں۔ بہر حال آپ سے غائبانہ تعارف اور عقیدت ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

بشکریہ سہ ماہی ''قافلہ ادب اسلامی'' لاہور شمارہ نمبر ۱۵ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء

Marfat.com

بنام مولانا مجیب اللہ ندوی (مدیر الرشاد اعظم گڑھ) ☆

۷ جنوری ۱۹۸۶ء

مخدوم ومحترم زادفیضکم ۔السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

ستمبر ۱۹۸۵ء کا الرشاد آج پہنچا۔ممنون ہوا۔بارک اللہ فی مساعیکم ۔دو ایک چھوٹی چیزوں کے لیے زحمت دیتا ہوں مناسب ہوتو جواب سے سرفراز فرمائیں۔

(ا) قرآن مجید اور غیر عربی رسم الخط کے مضمون کو بہت دلچسپ پایا، اصل میں اسی کے سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔

(الف) قرآن مجید کا عربی املاء رسم عثمانی میں رکھنے کا ایک نیا فائدہ حال میں دیکھا گیا ،اصل مکتوب نبوی بنام المنذر بن ساوی میں لا الہ عسرہ لکھا ہوا ملتا ہے۔غیرہ نہیں جرمن مستشرق فلایشر کے لیے یہ کافی تھا کہ اصل کو جعلی قرار دے کہ کاتب نبوی اتنا جاہل نہیں ہو سکتا مگر قرآن مجید (سورہ ۵۱، آیت ۴۷) میں آج بھی تائید لکھا جاتا ہے۔باید نہیں تاشقند میں محفوظ قرآن عثمانیؓ میں ایسی بہت سی دیگر مثالیں بھی ملتی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرانے خط میں حرف یا کو دو شوشوں سے لکھتے تھے، آہستہ آہستہ ایک شوشے سے لکھنے کا رواج بھی ہو رہا تھا۔(بسلسلہ الرشاد ص ۳۵)

(ب) قرآن مجید کے قدیم ترین لاطینی ترجموں میں سے ایک مراچی (Maracci) کا ہے اس میں عربی متن بھی عربی خط میں ہے صرف ترجمہ نہیں ہے۔(ایضاً ۳۹)

(ج) محمد پکھتال مرحوم کا اولین ایڈیشن صرف انگریزی ترجمے پر مشتمل ہے، اس میں عربی متن نہیں ہے۔یہ بعد کے ایڈیشنوں میں ہوا ہے (ایضاً ص ۳۹) غالباً میرا اپنا فرانسیسی ترجمہ پہلا ہے جس میں عربی متن کے ساتھ چھپنے والے ایڈیشن میں صفحے دائیں طرف سے (عربی کتاب کی طرح) شروع ہوتے ہیں دیگر مسلمان مترجموں کی طرح نہیں (ایضاً ص ۳۹)

(د) کاش اس بیان کی ذرا زیادہ وضاحت ہوتی (جس کی مجھے سخت ضرورت ہے) کہ ''حال میں اسلامی ساہتیہ پرکاش کے زیر اہتمام مختلف ہندوستانی زبانوں میں قرآن

Marfat.com

کریم کے ترجمے شائع ہوئے ہیں، جن ..... میں متن کی بھی عربی میں کتابت شامل ہے"
(ص ۴۰) کیا یہ عربی متن تال، تیلگو، کنڑی، گجراتی، مراٹھی اور ہندی رسم الخطوں میں ہے یا
عربی رسم الخط میں؟ کاش ان کی تاریخ طباعت بھی معلوم ہو سکے، اور مترجموں کے نام بھی۔

(ھ) نند کمار اور ستھی کے ایڈیشن میں صرف عربی متن بخط ہندی ہے یا اس میں ترجمہ بھی ہے؟ (ص ۴۱)

(۲) محض اطلاعاً عرض ہے کہ تقریباً پچاس سال پہلے ایک بنگالی ترجمہ قرآن میں عربی متن بنگالی رسم الخط میں بھی تھا، کم و بیش اسی زمانے میں ترکی میں سارا قرآن (بغیر ترجمے کے) صرف لاطینی خط میں چھپا اور تا حال رائج ہے۔

(۳) یہ بھی اطلاعاً عرض ہے کہ میرے علم میں سرسید وہ قدیم ترین شخص ہیں جو انگریزی زبان کو عربی خط میں لکھنے لگے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وائسرائے کی کونسل کے رکن تھے جو بیان دینا ہوتا تھا وہ لکھ کر انگریزی میں ترجمہ کرا کر اور اسے عربی خط میں لکھ کر ساتھ لے جاتے تھے، انہیں انگریزی زبان تو آتی تھی لیکن انگریزی خط پر عبور نہ تھا۔

میں نے ۱۹۳۳ء میں لندن میں ایک انگریز نو مسلم مسٹر فویلنگ کو سورۂ فاتحہ کا انگریزی ترجمہ عربی خط لکھتے پایا، اب حال میں وہاں نو مسلم انگریزوں نے ایک رسالہ نکالنا شروع کیا ہے جس میں پورے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ (انگریزی زبان بخط عربی) بہ احتیاط شایع کرنا مقصود ہے، کئی نمبر نکل چکے ہیں، خدا پروان چڑھائے ایک زمانہ میں اسپینی، پرتگالی اور پولینڈی زبانیں عربی خط میں لکھی جاتی تھیں۔

(۴) آخر میں یہ کہ فرانس میں ہماری ایک نو مسلم بہن نے ایک کتاب شایع کی ہے (کارنت حدیث اوسوژے ولا فام) یعنی چالیس حدیثیں عورت کے متعلق عربی ہی نہیں اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی عربی خط میں دیا ہے جیسا کہ نام سے واضح ہوگا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

بشکریہ ماہنامہ "الرشاد" اعظم گڑھ۔ جنوری، فروری، مارچ ۱۹۸۶ء

Marfat.com

بنام ڈاکٹر لئیق بابری ☆

بسم اللہ

۲۸ محرم ۱۴۱۳ھ

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً

4- Rue de Tournon

Paris -6 \France

☆ محترم ومکرم دام لطفکم!

سلام مسنون۔ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ آج شام آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون بھی ہوں معذرت خواہ بھی۔ پاکستان میں آپ لوگوں کا اظہار محبت کے لیے جو والہانہ جوش وخروش تھا اس سے میرے ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔ غالباً آپ کا مکمل نام لئیق احمد بابری ہے۔ اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید کے سیٹ میں نے خود تو نہیں بنائے لیکن جن لوگوں نے چوری کے ایڈیشن طبع کیے ہیں انہوں نے سیٹ بھی رجسٹر کیے ہوں تو یہ ناممکن نہیں۔ ترجمے کے اب تک جائز وناجائز اٹھارہ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ انیسویں کے پروف آرہے ہیں۔ اور ہر ایڈیشن میں ترمیمیں ہوتی رہی ہیں اس دفعہ بھی کافی الفاظ بدلے ہیں۔ مگر قصہ یہی نہیں ہے۔ میں اس کا ناشر نہیں ہوں۔ ناشر ایک فرنگی Club Francais de Livre ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر آپ مطلوبہ کام نہیں کر سکتے اور وہ اجازت مفت نہ دے گا۔ پہلا ایڈیشن 1959ء کا ہے۔ آیا قانوناً ابھی ناشر کا حق باقی ہے یا نہیں یہ دریافت کرنا ہوگا۔ مجھے علم نہیں لیکن اخلاقاً اس کا حق باقی ہے۔ اسی لیے ترجمے کی فرمائش کی اور اس نے ایک ادیب فرانسیسی مددگار مجھے دیا تاکہ میری فرانسیسی کو درست کرے۔ یوں بھی یہ ترجمہ بعض اہل خیر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرتے رہے ہیں۔ آئندہ ایڈیشن سنا ہے کہ ایک ملین کی تعداد میں ہوگا۔

یہ ہے صورتحال۔ خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں۔

Marfat.com

ناچیز

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ اہل خانہ ڈاکٹر لئیق بابری صاحب جن سے مرتب کو اصل خطوط کے عکس موصول ہوئے۔ 'نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ جلد سوم' مرتبہ محمد عالم مختار حق میں شایع شدہ خطوط بنام ڈاکٹر لئیق بابری، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اور ڈاکٹر احمد خان مرتب ہی کے فراہم کردہ ہیں۔

بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ☆

(۱)

بسم اللہ

۲۸۔ رجب ۱۴۰۸ھ

4-Rue de Tournon

Paris-6 \France

محترم و مکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ گزشتہ ہفتے کرم نامہ ملا تھا اور میں ممنون و مشرف بھی ہوا تھا۔ فوراً کتاب آپ کو ہوائی ڈاک سے دوبارہ بھیج دی۔ امید ہے کہ مل گئی ہوگی اور آپ کی عزیز بچی خوش ہوئی ہوگی۔ میں نے ایک سوال کی جسارت اور گستاخی کی تھی۔ جواب دیتے وقت غالباً یاد نہ آیا۔ وہ یہ کہ آپ نے مولانا مقبول سبحانی کے کشمیری ترجمہ قرآن مجید کے متعلق ایک زمانے میں دلچسپی لی تھی۔ محترم صدر پاکستان نے اس کے چھاپنے کا حکم دیا تھا۔ اب وہ کس مرحلے میں ہے؟ میں نے شاید آپ کو لکھا تھا کہ فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید اب پندرھویں مرتبہ چھپ رہا ہے۔ الحمد اللہ اس دفعہ ناشر ایک لاکھ نسخے چھاپنا چاہتا ہے۔ خدا اسے اجر عظیم عطا فرمائے۔ پروف درست کر کے واپس کر چکا ہوں۔ کچھ ترمیمیں بھی ہیں۔ خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو اور ہم لوگوں کو خدا نیک توفیق دے۔

Marfat.com

نیازمند

محمد حمید اللہ

(۲)

بسم اللہ

۲۔اکتوبر ۱۹۸۷ء

4-Rue de Tournon

Paris-6\ France

محترمی متعنا اللہ بطول حیاتکم! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

اخبار Impact (لندن) سے معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا کہ بروہی صاحب کا لندن میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ نصیب کرے۔ ان کی جگہ پر ہونی مشکل ہے۔ اللہ کی مشیت۔ میں ان کے خاندان سے واقف نہیں ہوں۔ اس لیے حقیر تعزیت نامہ آپ ہی کو لکھتا ہوں۔

ہجرہ کاونسل کا کام جاری ہے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

☆ خطوط بنام ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے عکس ڈاکٹر بلوچ مرحوم کی عنایت سے مرتب کو موصول ہوئے

بنام پروفیسر عبدالرحمٰن مومن ☆

(۱)

بسم اللہ

۱۰۔رجب ۱۴۰۱ھ

حامداً ومصلیاً

محترم ومکرم زادمجدکم!

Marfat.com

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ جمادی الآخر کل شام پہنچا۔ دلی مسرت کا باعث ہوا۔ چند چیزیں علیحدہ رجسٹر ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ رسالہ البلاغ (تاریخ رویت وعید کے متعلق کھو گیا ہے۔ باوجود تین چار گھنٹے تلاش کے دستیاب نہ ہوسکا۔ وہ کچھ اہم بھی نہیں۔ میں نے اس میں بیان کیا تھا کہ سنن ابی داؤد کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنی مقامی رویت پر عمل کرے کسی دور کے ملک کی رویت پر نہیں۔ حتی کہ اسلامی مملکت ہی کے دوسرے حصے کی رویت پر۔ چنانچہ دمشق میں حضرت معاویہؓ کی خلافت میں چاند ہو گیا تھا اور مدینہ میں نہیں۔ دمشق کے مسافر مدینہ آئے تو ان کے تیس روزے ہو گئے تھے اور مدینہ میں 29۔ اس پر حضرت ابن عباس نے وہ حدیث بیان فرمائی جو اوپر درج ہوئی۔۔ ایک جگہ چاند کا ہونا دوسری جگہ نہ ہونا یہ قانون فطرت کے مطابق ہے اور جدید ترین علم ہیئت بھی وہی کہتا ہے۔ مصحف عثمانی کے متعلق میں نے فلاڈلفیا کا پتا دیا تھا ،شگاگو کا نہیں۔

Hyderabad House 145,S 13th St ,Room 507

Philadelphia.PA.19107 USA

ڈوب مرے فرعون کا مضمون پڑھنے کے بعد تشنگی باقی رہے تو دریافت فرمائیں، حاضر ہوں۔ موریس بوکای سرجن ہے، مصر اور تاریخ سے اسے تعلق نہیں ہٹ دھری کا کیا علاج؟ خود فرانسیسی ماہرین مصریات نے بوکای کی تردید کی ہے۔

سیرت ابن ہشام ہی کے چند اجزا کو (جو ابن اسحاق کے نہیں بلکہ ابن ہشام کے تھے) حذف کر کے گیوم نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ میں اسی کو ترجمہ ابن ہشام کہتا ہوں کہ اصل ابن اسحاق نہیں ہے۔ غالباً گیوم نے سیرت ابن اسحاق کے اس ٹکڑے کا بھی ترجمہ کیا ہے جواب مراکش میں ملا ہے۔

گیوم کی عربی بہت کمزور ہے۔

نیازمند

م ح ا

Marfat.com

(۲)

بسم اللہ

پاریس ۸ فروری۔ ذی الحجہ 1402ھ

شنبہ

محترمی زاد فیضکم!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! عید مبارک

آپ کا 26 ذی قعدہ کا عنایت نامہ کافی دیر سے پرسوں پہنچا۔ دلی شکریہ۔ آپ کو بھی میرا نا کافی جواب (عراق میں صحابہ کرامؓ کی لاشوں وغیرہ کے متعلق) اس اثناء میں مل چکا ہوگا۔ اس لیے مکرر نہ لکھوں گا۔

انڈیا آفس کے نسخہ قرآن مجید کے فوٹو کا دلی شکریہ۔ فلاڈلفیا والے احمد اور عائشہ نے اس کا مائکرو فلم حاصل کیا ہے (غالباً انڈیا آفس لائبریری نے اس کی نقل اپنے پاس رکھی ہے اور تجارت کرنا چاہتے ہیں) کتاب کے آخر میں بعض مغلیہ افسروں کے مہر ہیں۔ مشورہ تو تھا کہ وہ جلال الدین یعنی اکبر بادشاہ کی مہر ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ لکھا ہے ''بوساطت جلال الدین عرض دیدہ شد'' موجودہ ورق 181 پر سورہ الناس کے بعد کتبہ عثمان بن عفان لکھا ہے۔ میکرو فلم بہت خراب ہے۔ شاید اصل مخطوطہ بھی خراب حالت میں ہے۔ بہت سے اوراق گم بھی ہو گئے ہیں۔ محض خط کا مختلف ہونا (روسی نسخے سے) اہمیت نہیں رکھتا کہ کاتب مختلف ہونے کے باوجود معاصر ہو سکتے ہیں۔ میں خطاطی کا ماہر نہیں اور یقیناً بنفشی شعاعوں کے امتحان کی بھی ضرورت ہے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب اور موجودہ تین نسخوں میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید میں صراحت ہے کہ ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے اور ثمود عذاب الٰہی سے ناپید ہوئے۔ اسی طرح عاد اولیٰ کی قرآنی اصطلاح سے عاد اول اور عاد ثانی دو عاد قوموں کا وجود ماننا پڑتا ہے۔ ایک عاد میں حضرت ہود علیہ السلام نبی تھے جن کا مزار یمن میں ہے۔ باوجود خواہش کے مجھے تا حال موقع نہ ملا کہ مدائن صالح کو جاؤں حتی کہ اس تاریخ کا مطالعہ کروں۔ مجھے خود مدینہ منورہ میں 1939ء میں ایک یمنی خط

Marfat.com

کا کتبہ ملا تھا (جواب نجدی قاضی صاحب کا مکان بنانے میں ڈائنا مائٹ سے تباہ کر دیا گیا) میں نہیں جانتا کہ یہ حمیری خط تھا یا ثمودی۔ بہر حال مسند کہا جا سکتا ہے۔ میں نے مصر کے ناظم آثار قدیمہ ڈاکٹر فخری صاحب کو اس کتبہ کی نقل دکھائی تو انہوں نے فوراً پڑھ کر کہا کہ یہ دو تین آدمیوں کے نام ہیں اور کوئی اور عبارت نہیں ہے۔ یہ کتبہ حیدر آباد میں رہ گیا ہے اب میرے پاس نہیں ہے۔ مگر آپ کا قیاس معقول و مقبول ہے۔ تاریخ کے مطالعے کی ضرورت ہے جو شاید آپ کی مدد کرے۔ میں سفر جنوبی افریقا وغیرہ کے لیے پا بر کاب ہوں اس لیے فی الحال شاید کتب خانہ نہ جا سکوں۔

مکرر۔ استانبول توپ قاپی سرائے میوزیم میں قرآن مجید کے جو نادر مخطوطے ہیں۔ ان کی فہرست ترکی میں چھپی ہے۔ کئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قرآن بھی ہیں۔ سفر سے واپسی پر خیال ہے کہ اس فہرست کے ابتدائی اوراق کا ترجمہ کر کے کہیں چھپوا دوں۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ یعنی کسی اخبار یا رسالے کو پیش کروں؟

نیازمند

م ح ا

(۳)

بسم اللہ

3 ذی قعدہ 1408ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم!

سلام مسنون و رحمتہ اللہ و برکاتہ

کرم نامے کی آپ نے زحمت اٹھائی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

الحمد اللہ خیریت سے ہوں اور آپ کی خیر و عافیت کا خدا سے طالب۔ میں سیرت شامی سے کچھ نہیں تو پچاس سال سے واقف ہوں اور اس کے مخطوطوں سے مکہ معظّمہ و استنبول کے قیام کے زمانے میں استفادہ کرتا اور کراتا رہا ہوں۔ میرے ہاں اس کی چھے مطبوعہ جلدیں آئی ہیں۔ ابھی شاید تین چوتھائی باقی ہے۔ بڑی اچھ والی نفیس کتاب ہے۔ اللہ مولف کو جنت الفردوس اور اعلائے علیین نصیب کرے۔

Marfat.com

دیدات صاحب سے شخصی واقفیت تو نہیں ہے لیکن معلوم ہوا کہ انہیں بہائی فرقے کے عدد 19 سے بڑی رغبت ہے۔

عیسائیت کا جو مبتدی بھی مطالعہ کرتا ہے وہ مسکت اعتراضات کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان کی ''آمنت'' Creed ہی کو لیجئے۔ صلیب پر مرنے اور..... کے بعد آسمان پر گئے تو خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے کوئی شخص اپنے داہنے ہاتھ پر تو بیٹھ نہیں سکتا یعنی خدا الگ اور خدا کے ہاں مدعو الگ۔ جب حضرت عیسی علیہ السلام زمین پر بھی انسان تھے اور عرش پر بھی غیر اللہ تھے تو وہ پھر کب خدا بنیں گے؟ ایک دن میں نے یہ بیان کیا تو یہاں فیکلٹی آف پراٹسمنٹ تھیالوجی کے ریکٹر نے لیکچر کے بعد مجھے شخصاً یہ کہا: ''واقعی ہمارے آمنت کے الفاظ کی اصلاح کی ضرورت ہے''۔

خدا آپ کو تادیر صحیح سلامت رکھے۔

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد پہلا ''اسلامی'' حج ہوا تھا۔ اب 1408ھ میں اس پر چودہ صدیاں گزر گئی ہیں۔ 1410ھ میں ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کے نزول کی چودہ سوویں سالگرہ ہوگی۔ والحمد اللہ

سنا ہے کہ بمبئی میں کوئی ادارہ تحقیقات قرآنیہ قائم ہوا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟

الفقیر الی اللہ

ح

☆ ماخوذ از کتاب ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ سیرت، کمالات، افادات'' از پروفیسر عبدالرحمٰن مومن

بنام خواجہ عبدالوحید ☆

بسم اللہ

کٹل منڈی حیدرآباد دکن

۱۹ رمضان ۵۸ھ پنجشنبہ

مکرمی زادمجدکم

Marfat.com

سلام مسنون: آپ کا تازہ عنایت نامہ، آپ کے پچھلے خط کی عدم جوابدہی پر ایک خاموش تنبیہ تھی۔ شبلی کے ترجمے پر سچ تو یہ ہے کہ میں برابر غور کرتا رہا ہوں۔ میں انگریزی زبان کے ماہر کی حیثیت سے رائے دہی کا خود کو مجاز نہیں پاتا۔ لیکن سیرت نبوی کے طالب علم کی حیثیت سے یہ سوچتا رہا ہوں کہ کیا شبلی مرحوم اور ان کے نعم البدل سلیمان ندوی کو تالیف کے نئے ایڈیشن کی ضرورت نہیں؟ اس کے استنباطات سے اختلاف ایک طرف، اس کے بہت سے واقعات بھی اصلاح طلب ہیں۔ اس میں شک نہیں اردو میں وہ سب سے اچھی تالیف ہے لیکن اس سے بہتر کی طلب جب تک نہ رہے ہم بڑے پست ہمت ثابت ہوں گے۔ اس کے بہت سے اہم ابواب بڑے تشنہ ہیں۔

آپ کے حالیہ سوال کا جواب یہ ہے کہ ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'' کا عربی ترجمہ ہوا ہے۔ آپ شوق سے انگریزی کریں البتہ چھپنے سے پہلے ایک نظر مسودہ دکھا دیا جائے تو اصل کی بعض فروگزاشتیں دور ہو جائیں۔ آپ کو تو یوں بھی مختصر مضامین چاہئیں۔ ان شاء اللہ آئندہ کچھ بھیجنے کی کوشش کرونگا۔ سیرت النبی پر میرے چند مضمون عام دلچسپی کے اسلامک کلچر میں چھپے ہیں۔ معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرے یا نہیں۔

1- ADMINISTRATION OF JUSTICE IN EARLY ISLAM[APRIL1934]

2- CITY STATE OF MECCA [JULY 1938]

3- EDUCATIONAL SYSTEM IN THE TIME OF THE PROPHET

[JANUARY 39]

''اسلام اور حضری (شہری) زندگی'' پاریس کی فرنچ اکاڈیمی کے رسالے سے ایک مضمون میں نے ترجمہ کر کے ایک مقامی اخبار میں چھاپا تھا۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو کترن CUTTING تلاش کر کے روانہ کروں۔

ڈاکٹر صاحب وغیرہ کو سلام۔ ناچیز کی جانب سے سلام مسنون

خادم

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ خواجہ عبدالرحمٰن طارق صاحب فرزند مکتوب الیہ

Marfat.com

بنام پروفیسر سعید الظفر چغتائی ☆

(۱)

Edibiyat Fakultesi
Istanbul

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ

مکرمی۔ دام لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہاں یکم مئی کو عید بہار کی، ۴ مئی کو کوئی مقامی سرکاری عید کی اور اتوار کو فرنگیانہ ہفتہ وار عید کی تعطیل تھی۔ اس لیے آج آپ کے عنایت نامے کو پانے اور جواب دینے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں۔

بعض وقت آپ کے خط کی عبارتیں طبیعیات کے فارمولوں کی طرح ہوتی ہیں۔ سمجھنے کے لیے ذرا محنت کرنی پڑتی ہے اور پھر بھی یہ یقینی نہیں کہ جو سمجھا وہ صحیح بھی ہو۔ میرا اشارہ آپ کے یوسف صالح صاحب کے متعلق اشارے سے ہے۔ کیا آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میری دانست میں ان کو کوئی فرنگستانی اسکالرشپ دلانے کا امکان ہے؟

اگر ایسا ہے تو آپ مجھ سے بہتر اس سے واقف ہیں کہ فرنگی اسکالرشپ کہاں اور کس طرح ملتے ہیں۔ غالباً مقامی سفارت ملکِ متعلقہ کو درخواست دینی پڑتی ہے اور وہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ درخواست کے وقت ایک تصدیق یا سفارش کا خط دے دوں۔ اگر کوئی اور مراد ہے تو معاف فرمایئے میں سمجھ نہ سکا۔ کیا اچھا ہو اگر آپ اپنی طبیعت کی سادگی کی طرح اپنا اسلوب بھی سادہ بنائیں جس میں تکلفات کی جگہ راست مقصدی ہو[1]۔

والسلام۔ نیاز مند
محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت مئی و جون ۲۰۱۳ء۔ حواشی بقلم مکتوب الیہ ہیں۔

Marfat.com

(۱) یہ مشورہ سونے کے جلی حروف میں لکھ کر مشتہر کرنے کے قابل ہے۔

(۲)

Edibiyat Fakultesi
Istanbul

۸/ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

مکرمی۔ دام لطفکم۔ سلام مسنون

عنایت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں۔

کئی سال قبل جب یہ عنوان ذہن میں آیا کہ ''اسلام کیوں'' کوئی دوسرا دین کیوں نہیں؟ تو حسب عادت بساط بھر تیاری خود ہی شروع کر دی لیکن مجبوراً اس سے دستبردار ہونا پڑا۔ یہ ایک آدمی کے بس کی چیز نہیں معلوم ہوتی، سارے کم از کم اہم ادیان پر ضروری ہے کہ کام بانٹا جائے اور ہر مخلص دردمند ایک ایک مذہب میں تخصص پیدا کرے۔ سطحی چیزیں لکھنے سے دیکھا گیا کہ الٹا اثر پڑتا ہے کہ جس طرح بیہودہ اعتراضات اسلام اور جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے سے مسلمان پڑھنے سننے والے پر ردعمل ہوتا ہے۔ اسلامیات کے اتنے ماہر یہودی و نصرانی ہیں۔ آنسو بھر آتے ہیں کہ بدھ مت تک کا کوئی اچھا عالم ہم میں پیدا نہ ہو سکا[1]۔

میری عادت نہیں کہ دوسروں کو احکام دوں اس لیے بساط بھر اپنی ہی معلومات بڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس سال ترکی میں ہفتے میں ایک لیکچر ''تقابلی مذاہب'' پر دے رہا ہوں اور اس کی خاطر مجبور ہوا ہوں کہ موضوع پر کچھ پڑھوں۔ یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ معلومات کب اتنے ہو سکیں گے کہ ان کو شایع کرنے کی ہمت کر سکوں السّعی منّا ولاتمام من اللّٰہ۔

دنیائے اسلام کی حالت سے ہر روز ایسی کوفت ہوتی ہے کہ کام کا شوق بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ مدینہء منورہ جانے کے لیے ویزا مانگا تو انقرہ میں عربی فضل نے جواب دیا کہ حج کے لیے یا صرف ماہ رجب میں ویزا ملتا ہے، باقی کسی زمانے میں کسی کو ویزا نہیں دیا جاتا

Marfat.com

،''ہمارا ملک کوئی ٹورسٹ ملک نہیں ہے''۔یصدّون عن المسجد الحرام کی آیت تو ابوجہل کے متعلق وارد ہوئی تھی۔انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

مخلص

محمد حمید اللہ

ایک عرض ہے کہ خط میں اپنا پتہ لکھنے سے اجتناب نہ فرمائیں۔یہ ضروری نہیں کہ مرسل الیہ کو وہ ہمیشہ ازبر رہے۔خفیف سی غلطی سے بھی خط ضایع ہو جاتا ہے۔اس وقت آپ کا صحیح پتہ یاد نہیں، اٹکل پر لکھ رہا ہوں، خدا کرے مل جائے۔

(۱) اردو میں تو علمی رسالے بھی اسلام کے علاوہ کسی مذہب پر کوئی سنجیدہ تحریر شاید ہی قبول کریں۔

(۳)

پاریس

۶ رجب ۱۳۸۴ھ

مکرمی دام لطفکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال تدبر اور ایمان بالغیب کے متعلق بے شک قابل غور ہے۔میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ محسوسات کو انسان اپنے کسی نہ کسی حس سے معلوم کر لیتا ہے۔خدا، قیامت وغیرہ پر ایمان بالغیب لانے ہی کے لیے حواس کی جگہ تفکر، تدبر، تعقل وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔شاید اسی وجہ سے ابن سینا نے خدا کو Necessary Being کا نام دیا ہے کہ وہ محسوس تو نہیں ہوتا لیکن اس کا وجود ضروری ہے۔

گزشتہ اتوار کو میں نے ''اسلام ہند میں'' پر تقریر کی۔مجمع ذرا زیادہ ہی تھا۔آئندہ اتوار کو آپ کا انتظار رہے گا۔حفظکم اللّٰہ و عافاکم

نیازمند

محمد حمید اللہ

Marfat.com

(۴)

Madame Sfier

4, Rue de Tournon

Paris VI 75

۲/رجب ۱۳۹۰ھ

عزیز محترم۔ سلام مسنون

تین ہفتے کے سفر کے بعد آیا تو عنایت نامہ ملا۔ جواب فوراً دے رہا ہوں۔

مس سوزان بوساک ابھی فرانس ہی میں ہیں۔ اگست کے شروع میں ایک ہفتہ بھر اقبال کے لیے مکرر وقف کیا ہے۔ اصل میں بال جبریل کی دو اردو شرحیں چھپی تھیں پاکستان میں۔ انھیں منگایا اور ہر ہر بیت کے ترجمے کا ان دونوں سے مقابلہ کیا، خاص کر جہاں مطلب ہمیں سمجھ میں نہ آیا تھا۔ بعض نجی خط بھی لکھے ماہر القادری وغیرہ کو کہ فلاں بیت کا مطلب وہ کیا سمجھتے ہیں۔

یونیسکو والے محمد طفیل صاحب سے معلوم ہوا کہ ترجمے کی طباعت اصولاً منظور ہو چکی ہے۔ آج کل وہ ایک فرانسیسی (۱) کو دے دیا گیا ہے کہ فرانسیسی زبان کے نقطہ نظر سے جانچے۔ یہ صاحب عجلت پسند ہیں۔ بہر حال ۱۹۷۱ء کے موازنے (بجٹ) میں اس کے لیے رقم مل سکتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔

فلاں صاحب (۲) سے میری ناچیز رائے ادب کے ساتھ فرمایئے کہ آدمی اپنی ذاتی رقم سے علمی سفر کرے تو وقت کی قدر بھی ہوتی ہے اور عزت نفس بھی ملحوظ رہتی ہے۔ جو لوگ بھیک پر پڑھتے ہیں (اسکالرشپ کو میں بھیک ہی سمجھتا ہوں) وہ اس بھیک دینے والے کے اخلاقاً تابع ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز حریتِ نفس کا خون کرتی ہے۔ ویسے اسکالرشپ دلانا میرے بس کی چیز نہیں۔ یہ کام دہلی میں مقیم سفیر انجام دیتے ہیں، ترک ہوں یا فرانسیسی۔

احسان الحق صاحب (۳) کا خط نہیں آیا۔ ان سے بھی اور آپ سے بھی مکرر عرض ہے کہ میرے نام کے خط مذکورہ بالا نام پر بھیجے جائیں۔ میری لینڈ لیڈی وہ اپنے نام پر

Marfat.com

ہونے کے باوجود مجھے دے دے گی۔ میرا نام لفافے پر نہ لکھیں۔

سرسیّد کی طرف ایک تفسیر بائبل (۴) منسوب ہے۔ کیا اس کا کوئی نسخہ مل سکتا ہے؟ فوٹو لیں تو کتنے مصارف ہوں گے؟ کبھی فرصت میں عجلت کے بغیر اس کا پتہ چلائیں تو ممنون ہوں گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

نیازمند

م ح ا

(۱) یہ مشہور عالم سماجیات پروفیسر میکسم ردیں سون نکلے۔

(۲) فلاں ان دنوں علی گڑھ کی کلیات دینیات میں محقق تھے۔ ان کے بارے میں میں نے ہی لکھا تھا، ان غریب کا کوئی قصور نہ تھا۔

(۳) حاجی احسان الحق ہمارے شعبہ طبیعیات (مسلم یونیورسٹی) کے برسوں پہلے رٹائرڈ ہونے والے لکچرر تھے۔

(۴) تبیین الکلام علی تفسیر التوراۃ والانجیل علی اھل الاسلام، اس وقت سرسید کی محفوظ الماری میں بند تھی۔ اب سرسیّد اکادمی نے دو جلدوں میں چھاپ دی ہے۔

Marfat.com

بنام محمد عالم مختار حق ☆

4, Rue de Tournon

Paris VI 75

یکم ستمبر 1994

مخدوم و محترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔دوچار دن ہوئے کرم نامہ ملا۔شکر گزار ہوں۔ڈاک کی خراب حالت کے باعث رجسٹری سے لکھنا پڑتا ہے۔

آپ کے سوال کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ ''بنیاد پرست'' کی جگہ ''بنیاد پسند'' لکھ لیجیے۔پرستش صرف خدا کو سزاوار ہے۔یہ نیا لفظ ہے۔معلوم نہیں انگلستان سے نکلا یا فرانس وغیرہ سے ترجمہ کر کے انگلستان وامریکا پہنچا۔

لفظ نیا ہے اس لیے لغت کی کتابوں میں تو نہیں آیا نہ وہاں، نہ یہاں۔مطلب نرم الفاظ میں مسلمانوں پر چوٹ کرنا، ان کو گالی دینا ہے۔ان لوگوں کے لیے سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جو محض بے دین، گناہ گار ہو اور سب سے برا وہ ہے جو اسلام کے احکام کے احکام کی پوری تعمیل کرتا ہو۔یہ ایک لفظ نہیں اور بھی کئی لفظ یہاں مستعمل ہیں اور غالباً روز مزید نت نئے لفظ بنیں گے اور پھیلیں گے۔خدا ہمیں ہدایت دے کہ ہم اس کے احکام کی اچھی تعمیل کریں اور اس کی پسند کی راہ پر چلیں۔

احباب کو سلام

نیازمند

محمد حمید اللہ

☆ بشکریہ روزنامہ جسارت کراچی مورخہ ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۳ء

Marfat.com

ماخذ و مصادر

کتب

۱۔ پوشیدہ ترکی خاک میں از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور، ۲۰۰۲ء

۲۔ تحقیقات و تاثرات از ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی، کراچی، ۲۰۰۰ء

۳۔ چچا ڈاکٹر محمد حمید اللہ از کریمہ صبغت اللہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۲۰۰۹ء

۴۔ خطبات بہاولپور از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ سیرت، کمالات، افادات از عبدالرحمٰن مومن، مطبوعہ دہلی، ۲۰۰۶ء

۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط کا ادبی، تہذیبی اور تمدنی مطالعہ از ڈاکٹر احتشام الدین خرم، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۲۰۰۹ء

۷۔ سرگزشت ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ان ہی کی تحریروں سے از سعیدہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۲۰۰۹ء

۸۔ معین بیتی از ڈاکٹر سیّد معین الحق، کراچی، ۱۹۹۳ء

۹۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مرتبہ مولانا عبدالقیوم حقانی، اکوڑہ خٹک، ۱۹۹۱ء

۱۰۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ جلد اوّل مرتبہ محمد عالم مختار حق، لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۱۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ جلد دوم مرتبہ محمد عالم مختار حق، لاہور، ۲۰۰۶ء

۱۲۔ نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ جلد سوم مرتبہ محمد عالم مختار حق، لاہور، ۲۰۱۲ء

رسائل/اخبارات

۱۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک بابت ستمبر ۱۹۸۱، نومبر، دسمبر ۱۹۸۱ء، اگست ۱۹۸۲ء، جنوری ۱۹۸۳ء، مئی ۱۹۸۳ء، جون ۱۹۸۳ء

۲۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور بابت نومبر ۱۹۹۷ء، جنوری ۲۰۰۳ء

Marfat.com

۳۔ ششماہی ارمغان کراچی، بابت جولائی ۱۹۹۶ء تا دسمبر ۱۹۹۶ء
۴۔ روزنامہ اسلام کراچی مورخہ ۶، ۷ر فروری ۲۰۰۳ء
۵۔ ماہنامہ افکارِ معلم لاہور بابت جنوری ۲۰۰۳ء
۶۔ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ۔ جنوری، فروری، مارچ ۱۹۸۶ء
۷۔ ماہنامہ انوار نظامیہ حیدرآباد دکن ،
۸۔ اورینٹل کالج میگزین جلد ۷۸ عدد ۳۔۴، بابت ۲۰۰۳ء
۹۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی ۱۹۹۱ء
۱۰۔ روزنامہ جسارت کراچی مورخہ ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۳ء
۱۱۔ ماہنامہ روحِ ترقی حیدرآباد دکن بابت رمضان۔شوال ۱۳۶۸ھ
۱۲۔ ماہنامہ فاران کراچی بابت اکتوبر ۱۹۷۰، دسمبر ۱۹۷۷ء،
۱۳۔ رسالہ فکر و نظر اسلام آباد، جلد ۴۰۔۴۱، شمارہ ۱۔۴، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۳ء
۱۴۔ سہ ماہی قافلہ ء ادب اسلامی لاہور، شمارہ نمبر ۱۵، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء
۱۵۔ ششماہی معارف اسلامی اسلام آباد بابت جولائی ۲۰۰۳ء تا جون ۲۰۰۴ء
۱۶۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ: مئی ۱۹۵۰ء، دسمبر ۱۹۶۰ء، جولائی ۱۹۶۱ء، دسمبر ۱۹۸۷ء، مئی ۱۹۸۸ء، مارچ ۲۰۰۳ء، مئی ۲۰۱۳ء، جون ۲۰۱۳ء
۱۷۔ مجلّہ عثمانیہ کراچی بابت اپریل تا جون ۱۹۹۷ء
۱۸۔ روزنامہ منصف حیدرآباد دکن، مورخہ ۶ر جنوری ۲۰۰۵ء
۱۹۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور، مورخہ ۳۰ر اپریل ۱۹۹۲ء
20-Monthly **Impact International** London, Vol. 33, No.1,2,3, January-March 2003

Marfat.com